مسنون امامت وخطابت

اصول وآداب

مرتب

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

خادم دار العلوم رشیدیہ حیدرآباد

ناشر

دار العلوم رشیدیہ

مسنون امامت وخطابت

اصول وآداب

ترتیب

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

ناظم دارالعلوم رشیدیہ وصدر دارالافتاء والارشاد حیدرآباد

دارالعلوم رشیدیہ

زیر انتظام: رشیدیہ ایجوکیشنل چیریٹیبل ایڈ ویلفیر ٹرسٹ

فہرس

امامت کی اہمیت وفضیلت اور ائمہ کا مقام

مسنون امامت کے شرعی اصول

درس قرآن

درس حدیث

پیشِ لفظ

مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب دامت برکاتہم
ناظم کہف الایمان صفدر نگر حیدرآباد

دو رکعت کی امامت بڑی ذمہ داری نہیں ہے، اس کا شعور واحساس بڑی ذمہ داری ہے، اس کے ساتھ لگی ہوئی قوم کی امامت بڑی ذمہ داری ہے، رسمی امامت خانہ پُری والی امامت بانجھ رہتی ہے، تنخواہ تو ایک کفاف اور گذارہ بھی نہیں ہے، اخوت ہی ہمارا انعام ہے، اَجر کے لیے کام کرنے والے زیادہ کام کر پاتے ہیں اُجرت کو منزل بنانے والے کوئی بھی اب تک کسی لائن میں مؤثر یا نمایاں کام نہیں کر سکے، ہمارے أئمہ اور مؤذنین کا طبقہ جس قدر کم تنخواہ پر کام کر رہا ہے جس پابندی کے ساتھ کر رہا ہے قوم کے نظر انداز کرنے کے باوجود ایسا طبقہ کسی دنیوی شعبہ میں نہیں ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسجد سے مدرسہ تک کی محنت پوری دنیا کے تمام طبقات پر اثر انداز ہو سکتی ہے، جتنے مجددین سے کام ہوا انہوں نے مسجد کے پلیٹ فارم ہی سے کام شروع کیا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ امامت کورس، مسجد کورس، میانجی کورس، تدریب الائمہ کورس کے نام سے تربیتی اجتماع کیا جائے، بلکہ اذان کے لیے مختصر آن لائن مدتی عالم کورس بھی شروع کیا جا سکتا ہے، صبح وشام تک کا وقت قیمتی بنانے کی مختلف کوششیں ہونی چاہیے، کم از کم ماہانہ تربیتی کیمپ کے ذریعہ انہیں سراہا جائے، اور عقائد، مسائل نیز حالات کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے تاکہ ان کی قربانی وصول ہو جائے اور ان کے مقام پر نوجوان اور عورتوں میں ان سے مختلف سرگرمیاں شروع کروائی جائے، میرے دوست کی یہ کتاب انشاء اللہ معاون بن جائے، امید ہے کہ ذمہ داران مکاتب ومساجد اس کتاب سے فائدہ اٹھائیں گے۔

فجزاک اللہ الخیرا — مفتی ابوبکر جابر قاسمی

تقریظ

حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم

ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وبہ نستعین و صلی اللہ وسلم علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ

أجمعین۔ أما بعد!

اسلام لانے کے بعد مؤمن پر جو سب سے بڑا اور سب سے اہم فریضہ لاحق ولازم ہوتا ہے وہ ''نماز'' کا فریضہ ہے، نماز دین اسلام کا ستون؛ ایمان کی مضبوط کڑی؛ بندگی کی جان اور فرماں برداریِ رب کی پہچان ہے، بعض علماء کے نزدیک تو نماز ایمان کا ایسا جز ہے جس کا ترک ایمان سے محرومی کا سبب اور کفر وشرک کے مماثل ہے، خود قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے: ''اَقِیۡمُوۡا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ''۔

یہی وجہ ہے کہ اس مبارک اور اہم ترین عمل کو انفرادی کے بہ جائے اجتماعی طور پر ادا کرنے کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے، پانچوں نمازیں مردوں کو مسجد میں جا کر ادا کرنا چاہیے یا کم از کم جماعت کے ساتھ پڑھنا تو ضروری ہی ہے، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض نماز کے لیے جماعت فرض ہے، تنہا پڑھنا درست نہیں ہے۔

جب نماز جماعت سے پڑھی جائے گی تو اس کے دو کردار ہوں گے، امامت اور اقتداء! نماز پڑھانے والے کو امام اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کو ماموم ومقتدی کہتے ہیں۔ اسی طرح ہفتے میں ایک دن جمعہ کا ہوتا ہے جو سیدالایام کہلاتا ہے، اس دن اسلام نے نماز ظہر میں دو رکعتیں کم کر کے دو خطبے شامل کر دیے ہیں، خطبہ دینے کو خطابت اور دینے والے کو خطیب کہا جاتا ہے۔ ان سب امور کے ساتھ بہت سے شرعی احکام ومسائل اور آداب واحتیاط وابستہ ہیں، ائمہ اور خطباء کو ان باتوں سے واقف ہونا اور ان کے مطابق عمل کرنا

ضروری ہے، بعض دفعہ معمولی سی بے احتیاطی بڑے بڑے مفاسد کا سبب بن جاتی ہے۔

یوں تو اکثر ائمہ وخطباء علماء ہوتے ہیں اور بنیادی باتوں سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں لیکن تجربے کی کمی یا ذمہ داری کے عدم احساس کی وجہ سے بہت سے متعلقہ امور کی طرف دھیان نہیں جاتا اور بہت سے آداب سے ذہول ہوتا رہتا ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ امامت وخطابت سے متعلق امور تفصیل کے ساتھ یکجا کر دیے جائیں۔

یوں تو امامت کے احکام مسائل پر کتابیں پہلے بھی چھپ چکی ہیں لیکن زیرِ نظر کتاب میں احکام ومسائل سے ہٹ کر آداب وتجربات اور ہدایات کا خاص خیال رکھا گیا ہے جو کسی بھی کام کے لئے زیادہ نافع ہونے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب زیدت حسناتہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حسب معمول تمام پہلوؤں کے احاطے کی کوشش کی، ۴۵۰ سے زائد ذیلی عنوانات پر مشتمل اس کتاب کو میں تفصیل سے تو نہیں دیکھ سکا سرسری طور پر مطالعہ کیا تو بہ حیثیت مجموعی نافع پایا، ویسے اس میں زیادہ تر امور اکابر کی کتب سے ماخوذ ومنقول ہیں، جن کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور اسے ائمہ وخطباءِ امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین

والسلام علی النبی الکریم

محمد عبد القوی غفرلہٗ

الرابع من شہر ربیع الاول المنور ۱۴۴۶ھ

سوزِ خاطر

امامت ایک منصب بھی ہے، اور ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے، امام الانبیاء کی نسبت سے عظمتِ امامت پیدا ہونی چاہئے، نبی اکرم ﷺ پوری زندگی مسجد نبوی کے امام وخطیب رہے۔

☆نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "امام اس لیے بنائے گئے ہیں کہ ان کی اقتداء کی جائے"۔"إنما جُعِلَ الإمامُ لِيؤتَمَّ به" (۱) اس کا ایک ظاہری مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران اماموں کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کے عمل کے مطابق عمل کیا جائے؛ تاکہ ہماری نماز درست اور مکمل ہوسکے؛ لیکن ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ خارجِ صلوۃ معاشرے میں امام کے منصب کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اچھے اور اعلیٰ اخلاق و کردار کو اپنایا جائے اور اس سلسلے میں بھی انھیں اپنا رہنما بنایا جائے، امام صرف نمازوں کے امام نہیں؛ بلکہ عوام کے اعمال، اخلاق اور کردار کے بھی امام بننا ہوگا، عارف باللہ حضرت مولانا محمد شاہ جمال الرحمن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: قوم نے ہمیں دو رکعت، تین رکعت، چار رکعت نماز پڑھانے اپنے سے آگے کیا ہے، ہمیں چاہئے کہ تقوی میں بھی قوم سے آگے رہیں"

☆امامت کے منصب اور اسکی عظمت کو کما حقہ جاننا چاہئے، علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی آج کیا ہے، فقط اک مسئلہء علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ! تیری سپہ دیکھی ہے قل ھو اللہ، کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ ملا، نہ فقیہ وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے، قوموں کی امامت کیا ہے اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام!

(۱) صحیح بخاری: حدیث: ۷۳۴

☆مفکرِ اسلام مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والی آنکھیں دیکھیں کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کی نظر میں مال و دولت کا معیار نہیں، ہمارے کام تو حسبۃً للہ ہوتے ہیں، جب تک یہ اخلاقی امتیاز پیدا نہ ہوگا کہ جس دنیا کی خاطر ہم ایک دوسرے کی جان لے لیتے ہیں، ان کے نزدیک اس مال کی کوئی وقعت نہیں ہے، اس وقت تک ہماری شخصیت مؤثر وقابل احترام نہ ہوگی، عوام کے دل و دماغ میں وقار پیدا نہیں ہوگا“۔

☆خدمتِ دین کے پورے عرصہ میں بلکہ پوری زندگی استغنائیت سے جینے کا عزم وحوصلہ ہو، شیخ سعید حلبیؒ دمشق کی جامع مسجد میں درس دے رہے تھے اور تکلیف کی وجہ سے پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، شام کے گورنر ابراہیم پاشاہ (جس کی سفاکیت اور خونریزی مشہور تھی) کو خیال ہوا کہ میں بھی جا کر شیخ کا درس سنوں؛ چنانچہ وہ مسجد میں سامنے ہی سے داخل ہوا، شیخ نے اپنا پاؤں نہیں سمیٹا، یہ بات آدابِ شاہی کے خلاف تھی، شیخ کے شاگرد دم بخود تھے کہ شاید اب شیخ کی شہادت ہوگی یا انھیں ذلیل ورسوا کیا جائے گا؛ لیکن گورنر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ کچھ کہے بغیر واپس ہوگیا، پھر اس نے اشرفیوں (سونے کے سکہ) کی ایک بڑی مقدار اپنے غلام کے ذریعہ شیخ کی خدمت میں بھیجی اور درخواست کی کہ اس کا یہ نذرانہ قبول کر لیا جائے، شیخ نے واپس کر دیا اور ایک ایسا تاریخی جملہ کہا، جو آبِ زر سے لکھے جانے کے لائق ہے، اور جو ہر عالم دین کے لئے نقشِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ پاؤں وہی پھیلاتا ہے جو ہاتھ پھیلانا نہ جانتا ہو:

”وکان الشیخ سعید الحلبي -عالم الشام في عصره- في درسه مادًّا رجلیه فدخل علیه إبراهیم باشا، ابن محمد علي حاکم مصر، فلم یتحرك له، ولم یقبض رجلیه، فتألم الباشا، ولکنه کتم ألمه، ولما خرج بعث إلیه بصرة فیها ألف لیرة ذهبیة، فردها الشیخ وقال للرسول الذي جاءه بها: قل للباشا: إن

الذي يمد رجليه لا يمد يده"(۱)

اعتدال رہے، کسی کی تعریف کے پل باندھنا اورکسی کے سلام کا جواب بھی نہ دینا یہ ہماری شان نہیں ہے، ہم کمیٹی (Committee) کے امام نہیں بلکہ پوری کمیونٹی (community) کے امام ہیں، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اس صفت کی مدح سرائی فر ماتے ہوئے کہا تھا؎

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا

☆ جو درخت ایک جگہ چند سال گڑا رہے تو اتنا تن آور بن جاتا ہے کہ لوگ اس سے سایہ، پھل، پھول سب حاصل کرتے ہیں، بافیض امام بننے کے لئے استقامت ضروری ہے، ہر ماہ درخت اُکھاڑ کر گاڑا جائے گا تو چند ماہ بعد وہ درخت اپنی موت خود مر جاتا ہے، نہ پھل دے گا نہ سایہ بلکہ سماج پر بوجھ بن جائے گا۔

☆ اپنی امامت کی استقامت میں بہت بارآور ثابت ہوگی، شروع میں امام مسجد کے نام سے جانا جاتا ہے مثلاً قطب شاہی مسجد کے امام، اگر انقلابی محنت ہو تو مسجد امام کے نام سے جانی جاتی ہے کہ مولانا عبداللہ صاحب کی مسجد، شہر حیدرآباد میں حضرت مولانا احمد عبید الرحمن صاحب دامت کی مسجد ''مسجد ٹین پوش''، حضرت مولانا عبدالقوی صاحب کی مسجد ''مسجد اکبری''، مفتی تجمّل حسین صاحب کی مسجد ''مسجد حسینی''، مولانا احمد ومیض صاحب دامت برکاتہم کی مسجد ''مسجد سلطان نواز جنگ'' وغیرہ یہ حضرات عظام ہمارے لئے مثال ہیں۔

سفر بدلتا رہا ہم سفر بدلتے رہے ضرورتوں کے مطابق بشر بدلتے رہے
جہاں سکون ملا بیٹھ جاتے تھے ہم لوگ پرند کی طرح ہم بھی شجر بدلتے رہے

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

ضعیف باپ کی خدمت کی بات جب آئی — تو موسموں کی طرح سے پسر بدلتے رہے
وہ منزلوں پہ کبھی بھی پہنچ نہیں پائے — ذرا سی دیر میں جو راہ بر بدلتے رہے
ضرورتوں کے مطابق دعا بدلتے رہے — جو خود نہیں بدلے وہ خدا بدلتے رہے

☆ مفسر قرآن حضرت مولا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے تھے کہ: اہل علم کو بہت سے امور مباح کو ترک کر دینا چاہئے جس سے عوام کے غلط راستہ پر چلنے کا اندیشہ ہو' چنانچہ امام ابوشامہؒ نے اپنی کتاب ''الباعث'' میں لکھا ہے کہ ''اہل علم کو کوئی ایسا کام نہیں کرنا چاہئے جس سے عوام کو شریعت کی مخالفت کی غلط فہمی نہ ہو، حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو حالت احرام میں رنگین کپڑا پہنے دیکھا تو تنبیہ فرمائی، کہ تم لوگوں کے امام بنتے ہو، لوگ تمہاری اقتداء کرتے ہیں، اگر چہ کہ رنگین احرام جائز ہے مگر جاہل اسے سنت سمجھ لیں گے۔(۱)

آپ ﷺ نے تعمیر کعبہ میں حطیم داخل نہیں کیا اس لئے کہ قوم میں فتنہ نہ پیدا ہو جائے ،حالانکہ یہ امر مباح نہیں بلکہ مستحب تھا۔

''يا عائِشَةُ، لَوْلا أنَّ قَوْمَكِ حَديثو عَهْدٍ بشِرْكٍ، لهَدَمْتُ الكَعْبَةَ، فألْزَقْتُها بالأرْض''۔(۲)

☆ حضرت جی الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ: کسی بھی کام کی کامیابی کے لئے تین باتیں شرط ہیں: (۱) وحدت قلوب (۲) وحدت عمل (۳) نہج صحیح، اپنی خدمات کو ان اصولوں کے پابند کیا جائے تو اکابرین کی ہدایات کا اثر دیکھا جا سکتا ہے۔

☆ بچے کے کان میں اذان، پنج وقتہ نماز، نماز جمعہ وعیدین پھر نکاح اور نماز جنازہ بھی ائمہ کے سپرد ہے، جس قدر ائمہ کرام کی ضرورت زیادہ ہے، اسی قدر ائمہ اور ان کے نمازیوں میں فاصلے بھی زیادہ نظر آتے ہیں، دونوں ہی ایک دوسرے سے شکایت کناں رہتے ہیں، اور بعض اوقات یہ بہت طول پکڑ لیتی ہیں، اخلاص، للہیت اور بےلوث خدمت کے ساتھ ایک

(۱) موطا مالک، کتاب الحج، حدیث: ۳۳۲

(۲) سنن دارمی، حدیث: ۱۹۰۷

دوسرے کے مقام ومرتبہ سے شناسائی بھی ضروری ہے،نصبِ امامت کا تعلق چونکہ مقتدی حضرات سے ہے،یعنی مقتدی ہوں گے تو امام ہوں گے،بغیر مقتدی کے کوئی امام نہیں بن سکتا۔

☆رفیق اور فریق میں بظاہر الفاظ کی تقدیم وتاخیر ہے،مگر معنیً بہت فرق ہے،جس طرح ''آہ'' اور ''واہ'' میں ایک حرف کا ہی فرق ہے،مگر ''واہ'' سے محفل گونجتی ہے جبکہ ''آہ'' سے آسمان لرز جاتا ہے۔اس لئے ہمیشہ رفیق بننے کی کوشش ہو،فریق بننے سے احتراز ہو،کسی کی ''واہ'' ملے مگر ''آہ'' نہ لگے۔

☆فرقہ بندی اور اختلافِ باہمی اتفاق پر بھاری نہ رہے،ممبر ومحراب غضب وترش ابرو سے نہ کانپے،مسجدوں کے حدود ملکوں کی سرحدیں نہ بن جائیں اور ہم اس سرحد کے محافظ کہ ایک دوسرے سے کوئی تعلق قائم کرنے کے لیے تیار نہ ہوں،مسلک کی تبلیغ اور اس کی حفاظت کے لیے باطل کا ساتھ دینے کی نوبت نہ آئے۔

☆دنیا کا شیوہ رہا ہے کہ بالعموم قدردانوں کو ناقدروں سے واسطہ پڑتا ہے،بے بلد عوام کی بے احترامی کی وجہ سے منصبِ امامت سے یکسو ہو جانا،یا اس کی تحقیر خود اپنے اندر پیدا ہو جانا قابل اصلاحِ عمل ہے،تکالیف تو ہر شعبہ میں ہیں،اگرچہ ایک طرح کی نہیں ہیں، مگر کوئی شعبہ صدفیصد راحت رساں نہیں ہے،امام ابوحنیفہؒ عباسیوں کی طرف سے کوڑے کھائے اور آخر جامِ شہادت نوش کیا،امام احمد بن حنبلؒ ایسی آزمائش سے گذرے،جس کی مثال کم ملے گی کہ ان کی پیٹھ کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا،جو زخم سے محفوظ ہو اور جس پر کوڑے نہ برسائے گئے ہوں،امام بخاریؒ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہے اور آخر اس حال میں ان کی وفات ہوئی کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ کر دی گئی تھی،بقول غلام صوفی صاحبؒ ''ناگوار احوال ہماری طبیعت کے خلاف ہو سکتے ہیں؛مگر تربیت کے خلاف نہیں ہو سکتے''،ہمیں امامت کے شعبہ کو بافیض بنانے کی کوشش کرنی ہے،عوامی خدمت کے میدان ہاتھ سے نکل جانے سے عوام ہاتھ سے نکل جاتی ہے،رہبروں سے نکل کر

رہزنوں کی گود میں بیٹھ جاتی ہے، اسکے بعد آنے والی دشواریاں مزید ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہیں، زندگی بھر لوگ ہمارے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، موت پر ہم جنازہ پڑھاتے ہیں، بافیض امام کا جنازہ اس کی کامیاب امامت کی دلیل ہوتا ہے، جس کے چلے جانے سے ہر گھر ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

☆ مفتی احمد خان پوری صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: ہر دین کے خادم کو اپنی خدمت سے متعلق یہ سوچنا چاہئے کہ اللہ مجھ سے جو خدمت لے رہے ہیں میں اسکا بھی اہل نہیں ہوں، اور نہ استحقاق رکھتا ہوں، اللہ اپنے فضل سے مجھ سے یہ خدمت لے رہے ہیں، ہر شخص امیر المومنین، شیخ الحدیث، مفتی اعظم نہیں بن سکتا، اسلام کا ڈھانچہ تمام خدمت گاروں سے بنتا ہے۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ ’’منصبِ امامت ایک عظیم اور ذمہ دارانہ منصب ہے، اگر اس منصب پر فائز حضرات اپنے فرائضِ منصبی کو اخلاص واحتساب کے ساتھ انجام دیں تو مسلمانوں کے معاشرہ میں انقلابی تبدیلیاں آسکتی ہیں‘‘(۱)

☆ مقامی زبانوں میں کام اس وقت کی ترجیحات میں سے ہے، اپنے علاقے کے غیر مسلم سے ربط ہونا چاہیے امامت کے ذریعہ ایک اسلامی فوج تیار کرلیں جو دین واسلام کی خاطر جینے اور مرنے تیار ہوجائے، اگر دسیوں سال کی امامت میں چند بندے بھی دیندار نہیں بنے تو نہایت افسوس کی بات ہوگی، مولانا محمود آفندی ؒ ترکی کی معمولی مسجد سے پابندی کے زمانے میں حیرت انگیز کام کیا، نقشبندی اکابر کی محنت نے ترکی کا سیاسی رخ بدل دیا، کام کرنے کا مزاج ہو، کام کرنے والے شادی چھوڑ کر کام کرتے ہیں، کام نہ کرنے والے شادی کی ایک رسم چھوڑنا نہیں چاہتے، باطل پرست فجر سے پہلے یوگا کرتے ہے، یہاں فجر کی فرض بھی نصیب نہ ہو تو انقلاب کے خواب کیسے دیکھے جائیں گے، آج کے اغیار کے تہوار کا غیر مسلم خواتین جس قدر اہتمام کرتی ہیں، ہمارے مسلم مرد شاید شب قدر کی بھی اتنی قدر نہیں کرتے۔

☆ حضرت مولانا عبدالغنی الیاس فیصل صاحب مدنی، آدھا جسم ناکارہ ہے، کافی محقق

---

(۱) تحفۃ الائمہ ۳:

عالم دین مفتی محمود صاحب ،صاحب فتاوی محمودیہ کے حوالے سے نقل فرمایا کہ ”مفتی صاحب کے پاس ایک امام صاحب آئے جنہیں ۲۶/ چھبّیس سال بعد مسجد سے نکال دیا گیا،اوران کی طرف سے بات کرنے والے صرف دوآدمی تھے،حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پرچی پر لکھا ”یہ شخص واقعی اخراج کے قابل ہے“ جس نے چھبّیس سال میں دوآدمی تیار کئے وہ اگر مزید چھبّیس سال مسجد کی خدمت کرے تو کوئی انقلاب نہیں لاسکتا“۔ہماری زندگی میں کمی مالداری کی نہیں بلکہ دینداری کی کمی ہے،افرادسازی کی کمی ہے،چندوں کی نہیں بندوں کی ،فنڈنگ کی نہیں فیلنگ کی کمی ہے،بیس سال کی امامت میں بیس افرادبھی حافظ وامام بننے کے قابل نہیں بنتے۔

☆ مدرسہ،مسجدوعلاقے کا ضرورت مند بننے سے زیادہ علاقے کواپنا ضرورت مند بنانا چاہئے،علاقے کواپناایسا گرویدہ بنالیاجائے جیسے حضرت زید بن حارثہؓ کو نبی ﷺ سے محبت تھی،کہ والدین سے زیادہ نبی ﷺ کی صحبت میں رہنا پسند ہے،سال دوسال میں مقتدی وطالب علم ہماری صحبت سے ہمارا گرویدہ ہوجائے،رسمی تعلق بھی نہ ہوتوانتہائی افسوس کی بات ہے۔

☆ حضرت جی مولانایوسف صاحبؒ کے پاس تبلیغ میں جانے والے شرابی آتے تو انہیں سبھی گلے سے لگاتے،مخصوص قسم کی اپنائیت دکھاتے،ساتھیوں کی خشکی پر فرمایا تے :
”اگران کادل جیتنے کے لئے میں اپنے اخلاق نہیں دوں گا تو سڑکوں اورچوراہوں پران کا ایمان لوٹنے کے لئے بہت سےلوگ انتظار میں ہیں،امام اگرمسجد آنے والے کی قدر نہ کرے توشراب خانے اورزناخانے والے قدر کرلیں گے“۔

☆ حضرت مولانا قاری صدیق صاحب باندویؒ اپنے احباب کےساتھ ایک دیہاتی جوان کےگھر پر مدعو تھے،گھر پرلگی تصویرکونکالنے کی ترغیب دی،جوان نےفوراً نکالدیا،آپؒ نے فرمایا:تم سمجھتے ہیں ہوکہ ایک بول پر اس نے بات مان لی؟بارہ سال کی صحبت ،دعااوراخلاق کے بعد یہ اطاعت آئی ہے،ہم فراغت کے بارہ دن میں تمام منکرات کیسے ختم

کر دیں گے، تدریجی بگاڑ کی تدریجی اصلاح فطری ترتیب ہے۔

☆ بیان میں بے ضرورت سختی نہ کی جائے اور ضرورت کے وقت نرمی نہ کی جائے، مولائے روم نے فرمایا: شریعت کی مرضی کے بغیر پانی پینا بھی غلطی ہے، مگر جب شریعت اجازت دے تو خون بہانا بھی درست ہے :

کہ بے حکمِ شرع آب خوردن خطاست دگر خون بفتوی بریزی رواست

مگر گالی گلوچ اور تحقیری جملوں کا ہر گز بیان میں استعمال نہ کیا جائے چونکہ سخت کلامی اور گالیوں سے کوئی قلعہ فتح نہیں ہوتا، دل کیا فتح ہوگا، شریعت میں قتال (سخت عمل) اس لئے ہیکہ اس کے ذریعہ کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جاسکتا ہے، اگر چہ دعوت اسلام کی خاطر کبھی جہاد نہیں ہوا، جارحانہ ومناظرانہ طرز بہت کم نافع ثابت ہوا ہے۔

☆ اللہ تعالی کے اس احسان کا جتنا شکر بجالائیں کم ہے کہ اُس نے جمعہ اور جماعت جیسی نعمت دے کرامت کو مجتمع رہنے کا انمول موقع فراہم کیا، دنیا کی کسی قوم کو یہ نعمت میسر نہیں، لاکھوں کروڑوں روپے خرچ کر کے بھی یہ منافع کسی دوسرے طریقے سے حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

☆ مسجد میں آنے والے ہر مصلی کو اپنا مہمان سمجھ کر میزبانی کا حق ادا کریں، اور مسجد کی میزبانی کچھ مفید اور کوئی نصیحت کی بات سنادینا ہے، عربی مثل ہے، جو شخص کسی سے ملاقات کے لئے گیا اور اس کے پاس کچھ کھایا پیا نہیں تو گویا ایسا ہے کہ کسی میت کی زیارت کے لئے گیا۔

"من زار أحدا ولم يذق عنده شيئاء فكأنما زار ميّتا" (۱)

☆ مستقل نکاح کے لئے اصلاح معاشرہ کمیٹی بنانے کی ضرورت ہے۔ گواہ، وکیل مہر کے مسائل زوجین کی تعلیم وتربیت، پردے کا لحاظ اور خلاف شرع پر گرفت؛ یہ کمیٹی ان سب کاموں کو انجام دے۔

موقع کی مناسبت کے مسائل پر نظر رہے تو آدمی آدھا مفتی بن جائے گا، جمعہ کے علاوہ

(۱) عربی مثل ہے، حدیثِ رسول نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت کر کے بیان نہ کیا جائے۔

کبھی ضرورت محسوس ہونے پر منٹ دو منٹ میں مسئلہ بتادیں اور ہدایت کردیں،اس لیے کہ اسلامی ذہن ورخ امام ومسجد طے کرتی ہے۔

☆امامت کے ساتھ تعلق مع اللہ اور ذکرِ دوام کو ہرگز ترک نہ کرے، یہی خدمت میں جان پیدا کرنے والی چیز ہے،ایک شیخ صاحب نے مرید کو آری دیکر جنگل کی لکڑی کاٹنے بھیجا،پہلے دن دس دوسرے دن سات، تیسرے دن پانچ،چھٹویں دن ایک درخت بھی نہیں کٹا،چونکہ پہلے دن دھار تیز تھی،چھٹویں دن دھار ہی نہیں تھی،جنگل کی صفائی کرنے والے کی دھار تیز ہونا ضروری ہے،تو اخلاق کی صفائی والے کے دل کی دھار تیز ہونا بھی لازم ہے،رات کی تہجد،ذکرِالٰہی وصحبت اہل اللہ سے دل کی دھار تیز ہوتی ہے،اور بات میں تاثیر پیدا ہوجاتی ہے،دسیوں کام آسان ہوجاتے ہیں،ورنہ دین کی ایک محفل بلکہ فرض نماز بھی بوجھل بن جاتی ہے۔

☆تلاوت کا اہتمام جاری رہے،حافظ حماد بن ذکی صاحبؒ حیدرآبادی کو ایک بار تراویح کے دوران قیام میں نیند لگ گئی،قرأت جاری ہے،بیدار ہوکر نماز سے فارغ ہوکر سلام کے بعد پوچھا کتنا ہوا؟ تو پتہ چلا ڈیڑھ پارہ پڑھ لئے۔

☆خواجہ نذیرالدین سبیلی دامت برکاتہم (ناظم عائشہ نسوان حیدرآباد) کی ''کوما'' کی حالت میں ہونے والی مسلسل تلاوت سے حاضرین حیران رہ گئے،فیض العلوم کے حافظ اسحاق صاحب دامت برکاتہم نے ایک تاجر کو تین پارے پڑھنے کی تاکید کی دسیوں سال سے تجارت کے ساتھ تلاوت جاری ہے،دل کی دھار تیز ہوتو ہر کام آسان ہوجاتا ہے۔

☆بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دس سالہ مستقل حاضر مقتدی سے جب اس کا کلمہ سنا جاتا ہے تو وہ بھی درست نہیں ہوتا، جب کہ اسے واقعات ومسائل کی بڑی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوتی، امت کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق کمزور ہونے کا سب سے بڑا فائدہ ان مختلف گمراہ متجد دین کو ہوا ہے جو امت کو اسی قرآن کے نام پر جمہور امت سے کاٹنے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں،ایک عام شخص کو اپنے مخصوص فریبی انداز میں اسلامی تہذیب وتمدن

سے متنفّر اور غیروں کے طرزِ فکر سے قریب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

☆ جب تک امامت کی نعمت نصیب ہے، علاقے کی عوام، ذمہ دارانِ مسجد، بچوں اور بچیوں کو شہر کے مدارس وعلماء اور صلحاء سے جوڑنے کی کوشش کی جائے، ان کی دعائیں وتوجہات ہماری استقامت کا ذریعہ بن سکتی ہیں، جب تک موجودہ خدمت کے مواقع نصیب ہیں ان کی قدر ہو، ان پر بھی پابندی لگ جانے یا ان سے بھی محروم کردئے جانے سے پہلے۔

☆ انقلابی امامت کے لئے بلند حوصلے و پختہ عزائم کے ساتھ خدائی نصرت، مقبولیت، صدق نیت درکار ہوتی ہے، نہ کہ فرصت، دولت، شہر وشہرت، وسائل، یہ سب بنیاد نہیں ہیں، مفوضہ کام کے عملی اقدام پر دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں اور مرجعیت بھی نصیب ہوتی ہے۔

"فاجعل افئدة من الناس تهوی الیهم"(۱)

☆ مسجد کی امامت وخطابت جیسی دینی خدمات کی کوشش اہلِ علم سے ہوتی ہے، کاش اسی طرح مسجد کی صدارت اور کمیٹی کا ممبر بننے کی بھی کوشش ہوتی،۔بہت افسوس ہوتا ہے کہ مدارس، مساجد اور اوقاف میں اہل علم ہی کی سرپرستی ہونی چاہئے تھی، مدارس میں تو علما ہی کی سرپرستی رہتی ہے، مگر مساجد اور اوقاف کے انتظام میں اہل علم نہ ہونے کی وجہ سے اہلِ علم اپنی خدمات بہتر طریقہ پر انجام دینے میں رُکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے، مگر جب ہم کسی کی ماتحتی میں ہوں تو اصول کی پابندی تو ضروری ہے۔

☆ کمیٹی اپنے ذمہ کا بوجھ اٹھائے گی، ناظم ومنتظم اپنے ذمہ کا بوجھ اٹھائے گا، خدمت گذار امام ومدرّس کو اپنے ذمہ کا بوجھ اٹھانا چاہئے، آپ ﷺ مدینہ سے باہر جاتے تو اپنا نائب مقرر فرما کر جاتے، امام یا مکتب کے مدرس کی ذمہ داری ہے کہ جب رخصت پر ہو تو اپنا بدل تیار کر لینا چاہیئے،، کامیابی کا سفر تب شروع ہوگا جب اپنے حصہ کی ذمہ داری پوری کی جائے، سوال کا جواب تلاش کرلیا جائے، اعتراض کر دینا مسئلہ کا حل نہیں ہے۔

☆ اصلاح کا وہی طریقہ اپنائیں جو قابل قبول ہو، تحقیر وتوہین نہ ہو، معیارِ زندگی سے

(۱) سورہ ابراہیم :۳۷

زیادہ معیارِ بندگی پر نظر ہو، کامیابی معیارِ بندگی بلند کرنے میں ہے، تنخواہ نہ بڑھنے سے زیادہ تقوی نہ بڑھنے کی فکر ہو، آمدنی اختیار میں نہیں ہے، خرچ اختیار میں ہے، آمدنی بڑھنے سے پہلے خرچ بڑھا لینا اپنے ذمہ قرض کا بوجھ اوڑھ لینا ہے، لون اور قرض میں پھنسنے کے بعد خودکشی کی اجازت مانگنا پڑے گا، ضرورتیں غریبوں کی پوری ہوجاتی ہیں، خواہشات بادشاہوں کی پوری نہیں ہوتیں، مال کمانے سے زیادہ افراد کمائیں، حق تعاون سے پھیلتا ہے، تعصب سے نہیں پھیلتا۔

☆ سرکاری تنخواہ لینا خطرے سے خالی نہیں ہے، اہل علم نے سرکاری معاونت کے ۲۸/ نقصانات لکھے ہیں، انہیں بغور پڑھنا چاہئے، عوام ان نقصانات کو سمجھ نہیں سکتی، مگر اہل علم کو اس کی حساسیت کا اندازہ ہونا چاہئے۔

☆ منہیات سے بچانے میں حکمت سے کام لینا، جیسے مریض کو انتہائی کڑوی دوا کیپسول میں دی جاتی ہے، اور حرام کا متبادل حلال شکل پیش کرنا ائمہ کا فریضہ ہے جیسے عام سڑک بند کردینے پر ''ڈایورزن، Diversion'' بھی دیا جاتا ہے، مریض کا منہ سے کھانا بند ہونے پر ناک میں نلکی سے پہنچایا جاتا ہے۔

☆ حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحبؒ فرمایا کرتے تھے: بعض ائمہ گھر سے لڑ کر آتے ہیں، گھر کے غصہ کا اثر نماز میں دکھاتے ہیں، جس طرح استاذ طلبہ پر اور کمیٹی ائمہ کرام پر دکھاتی ہے۔ نرم رہیں مگر مضبوط رہیں، جس طرح ریشم ہوتا ہے۔

☆ آپ ﷺ کے معمولات میں دیکھا جائے تو آپ صرف پنج وقتہ امامت کے لیے مسجد نبوی نہیں جاتے تھے، بلکہ قضاء کی مجالس، تعلیمی سرگرمیاں، سوال و جواب کی نشستیں، تزکیہ کی مجالس وغیرہ سب کچھ مسجد نبوی میں ہوتا تھا، یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس تفصیلی تعلیم و تربیت کے مرحلے سے گزرے ہیں، اس کا بیشتر حصہ مسجدِ نبوی ہی میں انجام دیا گیا ہے مگر افسوس آج ہر تنظیم و تحریک و جماعت نے اپنے مخصوص اعمال کے لئے ہی مساجد کو خاص کر رکھا ہے، دوسرے کی دینی خدمات کو نہ برداشت کیا جاتا ہے اگر برداشت کیا جائے

قبضہ کرلیا جاتا ہے۔

☆ اس تحریر کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ کرام اپنی ذمہ داریوں سے واقف ہوں، معلومات کا معمولات میں آنا تدریجاً آسان ہے، معلومات ہی نہ ہوں تو معمولات کا بھی اہتمام نہیں ہو پاتا، مگر محض معلومات مقصود نہیں ہیں کیونکہ چھت پر چڑھنے کی سیڑھیاں گن لینے سے کوئی آدمی چھت پر نہیں پہنچتا، منزل کی مسافت، اور کلومیٹر جان لینے سے منزل تک نہیں پہنچتا، ایک، دو، تین گنتی آنے کے بعد ہزار دو ہزار اور دس ہزار تک جان لینے سے کروڑ پتی نہیں بنتا، سیڑھیاں چڑھے بغیر چھت پر رسائی دشوار ہے، دودھ یا گھی بیچنے یا سونگنے سے طاقت نہیں آتی بلکہ کھانے سے طاقت آتی ہے، دوائی کا علم یا دوائی بیچنے سے صحت نہیں ملتی؛ بلکہ دوائی کھانے سے صحت ملتی ہے، محنت کے بغیر منزل ومالداری مشکل ہے، آگے ذکر کئے جانے والے اصول پر عمل کامیاب امامت کے ضامن ہیں، چونکہ فراغت کے بعد سے اسلاف و اکابر کی نگرانی سے محروم رہنا بھی افسوس ناک پہلو ہے، امامت بھی سیکھ کرنے کا عمل ہے ہم نے امامت کرنا کہیں سے سیکھا نہیں ہے، تربیتی نظام کا فقدان کئی منفی امور کو جنم دیتا ہے۔

☆ کسی فن کی تدوین یا کسی فن کی تحقیق بالذات مقصود نہیں ہے، تحقیقات کی تکمیل کے لئے احکام کی حکمتیں تلاش کرتے ہوئے ساری عمر تحقیقات میں ہی گذار کر عمل کی توفیق سے محروم رہنا بہت بڑی جہالت اور محرومی ہے، سالوں امامت وتدریسی خدمات کے بعد جنازے گواہی دیتے ہیں کہ امت کو عمل پر کھڑا کر دیا ہے، بافیض بن کر مرا ہے، یا بانج بن کر مرا ہے۔

☆ اس احساس کے ساتھ ہی لکھا جا رہا ہے کہ ہمارے مخاطبین ہم سے ہر لحاظ سے بہتر ہیں، علم وعمل، تقوی وتعلق مع اللہ، خدمت دین واشاعتِ دین کی خدمات ہم سے کئی گنا زیادہ آگے ہیں، شہزادہ کی خدمت میں خادم کی طرح یہ تحریر ہے، اپنی ہی برادری سے اپنا درد بانٹنا اور سبق سنانا ہے، امید ہے کہ یہ باتیں کارآمد ثابت ہوں، عین ممکن ہے عمل میں آئیں گی تو نتیجہ خیز امامت انجام دینا آسان ہوگا۔

☆ ہر مسجد کے امام صاحب عالم و مفتی صاحب نہیں ہوتے ہیں، بہت سے امور قابل اصلاح وموجبِ فساد ہوتے ہیں، اہلِ علم کے قابل اصلاح امور پر عوام گرفت کرے تو تحقیر کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں، اوراپنی برادری میں افہام وتفہیم معیوب امر نہیں ہے، بلکہ اپنائیت کا تقاضہ و دینی فریضہ ہے، امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں : ''اگر کوئی شخص نماز کو اس کے تمام ارکان وواجبات اور سنن ومستحبات کے ساتھ ادا کرتا ہو لیکن وہ کسی غلط اور خلافِ سنت نماز پڑھنے والے کو اس کی غلطی پر متنبہ نہ کرے تو دونوں ہی شخص گنہگار ہوں گے''۔(۱)

☆ بندہ حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم کا ممنون ہے کہ اسفار کی کثرت ، درس وتدریس، انتظامی، تنظیمی وتحریکی امور کے حسن نظم کی مصروفیات کے باوجود توجہ فرمائی ، بقول حضرت ہی کہ ''ایک رات نیند نہیں آرہی تھی، خیال آیا کہ آپ کا کام کردیتا ہوں، رات کا وقت لکھ لیا'' آپ مفید مشوروں سے نوازتے رہتے ہیں، بہت زیادہ خوردنوازی فرماتے ہیں، آپ کی حق گوئی، دینی شعبوں کی جامعیت اور فتنوں کا بروقت تعاقب پوری امت کے لئے نہ صرف قابل رشک وافتخار ہے بلکہ قابل اقتدا وتباع بھی ہے، اسی طرح بندہ مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب (ناظم کہف الایمان) کا شکرگذار ہے کہ ہر موقع پر رہبری کے علاوہ ہمّت افزا معاملہ بھی مستقل رہتا ہے، دورانِ ترتیب جن احباب کی مساعدت شامل رہی ان میں عزیزم مفتی سید سلمان قاسمی اور مولانا عبدالہادی قاسمی سلّمہما ہیں، حسبِ تقاضا بروقت کام انجام دیتے رہے جس سے مقررّہ وقت میں کتاب کو پائے تکمیل کو پہنچانے میں سہولت رہی، اللہ رب العزت ان کی مساعدت کو باعثِ سعادت بنائے۔

☆ اس کتاب کو مستقل ترتیب دینے کا ارادہ نہیں تھا مختلف موقعوں سے ائمہ کرام کے سامنے کچھ گفتگو کا موقع ملا تو اسے نوٹ کرتے ہوئے بعض احباب کے حکم پر ترتیب دینے کی سعادت نصیب ہوئی، قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ اوصاف جمع کئے گئے ہیں، جن کا مطالعہ ائمہ کرام کے لئے مفید رہے گا، اوراپنی امامت کو بافیض بنانے میں ممدّ ومعاون رہے گا۔

(۱) القول المبین فی اخطا المصلین ۱۴ :

اللہ سے دعاہے کہ رسالہ کو بافیض بنائے اور مرتب وقاری کے لئے ذریعۂ نجات بنائے۔آمین۔

بہ خیال حسن جاناں شب غم دراز کردم   از حور و قصر جنت دل بے نیاز کردم
چہ ناز مے فروشی بہ نیاز درد منداں   ہمہ جان و دل بہ وقفِ کوئے نیاز کردم

احمد اللہ نثار قاسمی

خادم دارالعلوم رشیدیہ حیدرآباد

10/12/2022ء

۱۵/جمادی الاولی/۱۴۴۴ھ

ایک ضروری گذارش

اسلاف کا زمانہ تھا جہاں مدارس سے فارغ ہونے والے نسبت الٰہی کا نور لئے فارغ ہوتے تھے، اب دور یہ ہے کہ اساتذہ بھی صاحبِ نسبت ملنا دشوار ہے، نیز طلبہ پختہ استعداد کے مالک ہوتے تھے، تو تدریب المعلمین، تدریب الائمہ والمؤذنین والخطباء کے لئے مستقل شعبہ کی بھی ضرورت نہیں رہتی تھی، فراغت کے بعد بے تکلف دینی فرائض بخوبی انجام دیتے تھے، مگر اب صورتِ حال دیگرگوں ہے، تدریس و امامت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے کسی بھی نو فارغ کا انتخاب کرتے ہوئے کسی ناگہانی حادثہ کا اندیشہ لاحق رہتا ہے، کئی اکابرین کو ایسے تلخ تجربات ہو چکے ہیں۔

☆حفّاظِ عِظام اور شعبۂ عالمیت کے درجۂ علیاء کے طلبہ کو ہفتہ واری محاضرات کی شکل میں کوئی نہ کوئی ایسی کتاب داخل نصاب کی جائے جو انہیں مستقبل کی رہبری کرتی ہو، ظاہر ہے پورے درسِ نظامی میں کوئی ایسی کتاب نہیں جو طلبۂ کرام کو کامیاب امام بنا سکے، ہر شخص تجربات کے مراحل سے گذرنے مجبور نہ رہے۔

☆سال میں دو روزہ یا کم از کم ایک روزہ تربیت الأئمہ والمؤذنین کا کیمپ منعقد کیا جائے، جس میں ائمہ کرام بذاتِ خود اپنی ترقی کی راہ پر گامزن ہونے کی نیت سے شرکت فرمالیں اور اس کتاب سے ہو یا کسی بھی موزوں کتاب سے مذاکرہ کرلیا جائے تو شاید عوام کا اعتماد بحال ہونے کے راہیں فراہم ہوسکتی ہیں۔

حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصلاحی نگہداشت کے بغیر اور اسلامی فکر و دعوت کے بغیر قومیں اور جماعتیں بغیر چرواہے کے جانوروں کا ریوڑ بن کر رہ جائیں گی یا سواروں سے بھرا جہاز جسکا ملّاح غائب ہو۔

☆اسی طرح ائمہ کرام اپنی اپنی مساجد میں ایک ماہ تک فجر کے بعد پانچ منٹ کی مجلس لگائیں جس میں نماز کی عملی مشق ہو، جس سے مقتدیوں کی نماز سنت کے موافق بن

جائے گی۔

☆کسی بھی مسجد میں تقرّری سے قبل امامت کے اصول وآداب کا مطالعہ ضرور کرلیں، تاکہ تقرّری کے بعد ناتجربہ کاری سے دوچار نہ ہو جائیں۔

☆فراغت سے قبل موقوف علیہ کے سال عزیز طلبہ اصولِ امامت پر مشتمل کتب کا مطالعہ کرلینا چاہئے، امت کو جہاں ماہر مدرسین کی ضرورت ہے وہیں بہترین ائمہ کی بھی ضرورت ہے۔

زیرِنظر کتاب ائمہ کرام کی شرعی واخلاقی ذمہ داریوں پر مرتب کی گئی ہے، ممکن ہو بعض باتیں تلخ لگے مگر ہم سب ایک ہی خاندان وقبیلہ کے ہیں، ٹھوکر کھا کر چلنا سیکھنے کے بجائے اکابرین کی انگلی پکڑ کے چلنا سیکھ لیں، یہ زیادہ بہتر ہے۔

عاجزِ مرتب

احمداللہ نثار قاسمی

مسجد کی اہمیت وعظمت

ماضی میں نظامِ مساجد کی وسعت اور موجودہ جمود

☆مسجد دیگر عبادت خانوں کی طرح صرف مذہبی رسوم وعبادت ادا کرنے کی جگہ نہیں ہے؛ بلکہ مسجد کا اسلامی معاشرے میں بہت وسیع کردار ہے جو زندگی کے بہت سے مسائل سے تعلق رکھتا ہے،عہدِ نبوی ﷺ میں ہر دینی شعبہ مسجد سے جڑا ہوا تھا،جبکہ موجودہ زمانے میں صرف نماز واعتکاف اور مخصوص امور مسجد کے ساتھ ہو کر رہ گئے،اور تاریخ میں کبھی ایسی امامت جو صرف نماز تک محدود ہو بقیہ امورِ اصلاح میں امام کا تعلق نہ ہو ثابت ہی نہیں ہے۔

☆مسجدیں دراصل جامعات ہوا کرتی تھیں،جہاں سے علماء،مفتیان،محدثین مفسرین، ماہرین تربیت پیدا ہوتے تھے،مسجد عبادت گاہ ہی نہیں تھی،بلکہ وہ تعلیم گاہ،تبلیغ کا مرکز،اہلِ اسلام کا دارالقضاء،ودارالندوہ،اہل دل کے لیے خانقاہ،مجاہدین کے لیے تربیت گاہ،ہوا کرتی تھیں۔

☆فتنۂ دین الٰہی کی سرکوبی کی محنت دہلی کی جامع مسجد سے ہوئی،انگریز کے خلاف جہاد کا فتوی شاہ عبدالعزیز نے اسی مسجد سے دیا،دارالعلوم دیوبند کی بنیاد مسجد چھتہ سے ہوئی تبلیغی جماعت کی محنت بنگلہ والی مسجد سے ہوئی،مساجد دینی پاور ہاوس تھے،جہاں سے ہر شعبہ کو دینی سیرابی حاصل ہوتی،اسی لئے ہر محلہ وگلی میں مسجد بنانے کا اہتمام کیا گیا کہ ہر گھر مسجد کے نور سے منور رہے،یہاں سے”کونوا مثلنا “ کی بھی صدا گونجتی تھی تو ”یاأیھاالذین آمنوا آمنوا “ کا آوازہ بھی بلند ہوتا تھا،لیکن آج مساجد ان دونوں امور سے بانجھ ہو چکی ہیں،رسمی امور کا گہوارہ بن چکی ہیں۔

☆امام غزالیؒ لکھتے ہیں:مساجد پہلے دور میں ایک جامعہ کی شکل میں ہوتے تھے، جہاں سے اسلامی حکومت قائم کرنے والے افراد پیدا ہوتے تھے،دنیوی زندگی کے ہر میدان میں وہ اپنا لوہا منوا سکتے تھے،عالم اسلامی میں مساجد خلفاء وامراء،قائدین قاضی ومفتی،

محدث اور مفسّر وغیرہ کو پیدا کرتی تھیں ،مگر افسوس آج کی مساجد اس عظیم کام کے انجام دہی سے خالی ہو چکی ہیں، الاماشاء اللہ۔مساجد کو اپنی پہلی حالت پر لانا مساجد کا اوّلین حق ہے، جہاں یہ مساجد تعلیم وتربیت کا مصدر تھیں۔

"فالمسجدكان جامعة كبرى للتعليم وتخريج الاكفاء لاقامة الدولة الاسلامية وامدادهابالعاملين فى كل مجال من مجالات الحيات، وقدكانت المساجدفى العالم الاسلامى تخريج الخلفاء والامرا و، والقواد ، والعلماء ، ورجال القضاء ، والفتياء ، والمحدثين ،والمفسرين واللغويين وغيرهم ، وقدافقرت اكثر مساجدالمسلمين عن اداءهذاالامر العظيم الامانذر،وان اعادة المسجدالى مكانته مرهونة باعطاء المسجدمكانته الاولى كماكان فى صدرهذه الامة حيث كان مصدرأرئسامن مصادر التوجيه والتربية والتعليم"۔(۱)

مسجد کی حیثیت کو جانیں!

۱۔۔۔۔۔مساجد اسلام کے حق میں خدائی قلعہ ہیں۔

۲۔مساجد اسلامی دنیا کے نگہبان، اسلامی حیثیت کی بقا، دلوں کی تسخیر اور صفوں میں اتحاد کی جگہ ہے۔

۳۔۔۔مساجد من وجہ دارالاسلام اور تمام دینی شعبوں کے مراکز ہیں۔

۴۔۔۔زمین کی بہترین جگہوں میں مسجدیں اور بری جگہوں میں بازار ہیں۔

"أنَّ رجلًا سألَ النَّبيَّ ﷺ أيُّ البِقاعِ خيرٌ ؟ وأيُّ البِقاعِ شرٌّ؟

(۱) تحفۃ الائمہ: ۲۹۴

قالَ لا أَدري حتَّى أسألَ جبريلَ عليهِ السَّلامُ فسألَ جبريلُ عليهِ السَّلامُ فقال لا أدري حتَّى أسألَ ميكائيلَ فجاءَ فقالَ خيرُ البقاعِ المساجدُ وشرُّ البقاعِ الأسواقُ''(۱)

۵۔۔۔اگر یہ صرف جائے نماز ہیں، نماز کے علاوہ کوئی دینی قیادت یہاں سے نہیں ہوگی تو پھر ''وجُعلتْ لي الأرضُ مسجدًا وطهورًا'' کا کیا مطلب؟ ہر گھر مسجد ہے تو ان چہار دیواری کی خصوصیات کیا ہیں؟ مسجد کا ناقص تصور مساجد کے ساتھ مذاق اور عظمت شان کی حق تلفی ہے۔

۶۔۔۔چوتھی صدی سے مدارس مساجد سے الگ ہوئے، اہلِ نیشا پور نے ''مدرسہ بیہقیہ'' کی بنیاد ڈالی، اس سے قبل تمام تعلیمی امور مساجد سے مربوط تھے، آج کے مکاتب ماضی کی ادنی سی جھلک ہیں۔(۲)

۷۔۔۔مسجد کی باجماعت نماز میں [۱] اپنے امام کی لازمی اتباع از بلوغ تا موت پنج وقتہ نماز میں [۲] قوم کی شیرازہ بندی اوراتحاد روزانہ، ہفتہ واری، سنوی اورعالمی (زندگی میں ایک بار اصل المساجد کعبۃ اللہ میں جمع ہوں) تاکہ ناقابلِ تسخیر قوتِ اجتماعیت حاصل ہو [۳] بے مثال نظام مساوات وعدل ایک ہی صف میں کھڑا کردیا، دنیا کی کسی طاقت میں ایسا نظام نہیں، پانی کی طرح پیسہ بہا کر بھی وہ اتحادی نظام برپا نہیں کر پائیں گے، جو اسلام نے تسبیح دانوں کی طرح جوڑ دیا، اور سیسہ پلائی دیوار کی طرح ''يشد بعضها بعضا'' کا مضبوط مصداق بنادیا، کیا یہ امور صرف مسجد کی حد تک ہیں، بیرون مسجد قوم کس کو مقتداء مانے گی؟

۸۔۔۔کیا یہ بات قابلِ غور نہیں کہ غیر علماء (تبلیغی احباب) اس منصب کے بغیر اصلاح

---

(۱) الترغيب والترهيب: ۱/۱۷۴، إسناده صحيح أو حسن أو ما قاربهما، أخرجه ابن حبان، حديث: ۱۵۹۹، والطبراني، حديث: ۱۳۷۹۸

(۲) نہج الائمہ فی اصلاح الامہ: ۳۳

،اتباع ،وحدت کا کام بخوبی انجام دیں اور صاحب منصب شکایتوں میں رہے۔
بغیر عمل کے علم محض چند اصطلاحات کا نام ہے،اسی طرح مساجد اپنے مقاصد کے بغیر گارے مٹی کا نام ہیں،قرب قیامت مساجد ہدایت سے خالی اور رنگ وروغن سے مزین ہوجائیں گی ،وجہ علم کی کمی، جاہلوں کا تسلط،اہلِ علم کی غفلت۔

۹۔۔۔سب کو ایک جگہ جمع ہوکر پانچ مرتبہ نماز ادا کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ آنے کے بعد انفرادی کے بجائے اجتماعی نماز کا حکم کیوں؟ جمعہ وعیدین کے اجتماع کا حکم کیوں؟تعمیر مساجد کا بوجھ کیوں؟ کیا صرف نماز ہی مقصود ہے؟اسلام کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا،اور یہ جامع مذہب ہے،تو اس کی حکمت کو کیسے بھلا دیں گے؟ دراصل دین کی اصل نماز کے لئے جڑ کر دین کے تمام اجزاء کو سیکھنا مقصود ہے۔

۱۰۔۔۔مساجد مسلمانوں میں آپسی اتحاد کی وہ درسگاہ ہے کہ اگر کسی محلہ میں کسی مسلمان کو چھینک آجائے تو دوسرے محلے میں ”یرحمک اللہ“ کی صدائیں گونج اٹھیں۔

مسجد کی تعمیری دلچسپی اس کی عظمت کو بتاتی ہے

☆مسجدِ نبویؐ کی زمین دو یتیم بچوں کی تھی جن کا نام سہل اور سہیل تھا، یہ دونوں زرارہ بن ربیع کی پرورش وکفالت میں رہا کرتے تھے، آپ ﷺ نے ان سے دس دینار میں یہ زمین کا ٹکڑا خریدا تھا جس کی رقم حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کی،محسن انسانیت کی زبانِ مبارک سے نکلا” ابوبکرؓ جب تک اس مسجد میں عبادت اور نماز ہوتی رہے گی (یعنی) قیامت تک اس کا ثواب تمھارے حصے میں لکھا جاتا رہے گا،تمھاری قبر پر رحمت برستی رہے گی“۔

☆ مساجد کی عظمت کی وجہ سے خلفاء وشاہان ہند وغیرہ نے تعمیر مساجد کا اہتمام کیا،سیدنا حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ: خلیفۂ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نہ ایوانِ خاص بنوایا، نہ ایوانِ عام، نہ پارلیمنٹ ہاؤس Parliament

House، نہ گیسٹ ہاؤس Guest House، نہ ریسٹ ہاؤس Rest House بلکہ فاروق اعظمؓ نے پانچ ہزار مسجدیں اور نو سو جامع مسجدیں بنوائیں۔(۱)

شاہجہاں کا تعمیر مساجد میں دلچسپی لینا

☆ شاہجہاں نے شاہی قلعہ کے سامنے مسجد بنوائی، اس کے پتھر ایران سے منگوائے، یہ شاہی مسجد چودہ ایکڑ میں ہے، اورنگ زیب عالمگیرؒ نے کہا کہ قلعہ کے دروازے کے سامنے مسجد بنادو تاکہ میں نکلوں تو میرے پہلی نگاہ مسجد پر پڑے، میرا پہلا سفر اللہ کے گھر سے ہو، قلعہ کے اندر موتی مسجد بنوائی، جب سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو اعلان کرادیا، سات ہزار آدمی جمع ہوگئے، بادشاہ نے حکم نامہ جاری کیا کہ اس بادشاہی مسجد کا سنگ بنیاد وہ رکھے گا جس کی بلوغت کے بعد سے کبھی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی ہو، میرے جیسے بڑے بڑے جبوں قبوں والے اور سبز پگڑیوں والوں کے سر جھک گئے بادشاہ نے کہا کہ تم نے میرا راز ظاہر کروادیا، اورنگ زیب پیدا تو تخت پر ہوا ہے لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب سے میں بالغ ہوا ہوں اس دن سے آج تک میری تہجد قضا نہیں ہوئی، یہ تھے مساجد کے سچے عاشق، کتنا اہتمام کیا، کیا شوق وجذبہ تھا، اللہ ہمیں بھی نصیب فرمائے، کہا جاتا ہے کہ ''اکبر بادشاہ فتح پور سیکری جامع مسجد آگرہ کی صفائی خود جھاڑو کے ذریعہ کرتا تھا، اور بعض اوقات خومؤذن کے فرائض انجام دیتے ہوئے اذاں دیا کرتا تھا، یعنی یہ وہ مسجد ہے جسکا مؤذن ہندوستان کا طاقتور ترین بادشاہ اکبر اعظم ہوا کرتا تھا، جس نے اپنے بعد شہزادہ سلیم جہانگیر کے لیے وسیع سلطنت چھوڑی، اس خزانے میں پانچ ارب سونے کے سکے، سات من سونا، ستر من چاندی، بارہ ہزار گھوڑے، چھ ہزار ہاتھی، ایک ہزار ہرن اور ایک ہزار چیتے تھے جو شکار کے لیے استعمال ہوتے تھے۔(۲)

☆ الحمدللہ آج بھی دین سے دوری کے اس دور میں بھی مساجد کے معاملہ میں اہل

---

(۱) مسجد کا مقام و مرتبہ، تحریر: مولانا محمد اسلم۔۔۔ترتیب: عبدالعزیز۔

(۲) مسجد کا مقام و مرتبہ، تحریر: مولانا محمد اسلم۔۔۔ترتیب: عبدالعزیز۔

اسلام کی حساسیت قائم ہے ۔ ملک بھر میں پھیلی لاتعداد مساجد اس بات کی گواہ ہیں ۔ دنیا پرستی کے اس دور میں بھی مسلمان اپنی گاڑھی کمائی سے مساجد کی تعمیر کرتے ہیں اور ان کے رکھ رکھاؤ کا سارا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں، وہ مخلصین یقینا مبارکبادی کے مستحق ہیں جو مساجد کی تعمیر اور اس کے انتظام میں اپنا قیمتی مال اور وقت صرف کرتے ہیں ۔

مسجد سانکی یداً

ترکی کی وہ مسجد جس کا نام ''سانکی یداً'' ہے، ترکی ایک علاقے میں مسجد کی ضرورت تھی، ایک نیک دل کو اللہ نے یہ توفیق بخشی، تعمیر کا طریقہ کچھ یوں رہا کہ اس نیک دل کو جب بھی کچھ کھانے کا من کرتا تو بازار سے اُس چیز کی قیمت معلوم کرلیتا اور نفس کو یو بہلا لیتا کہ ''گویا کہ میں نے کھالیا'' اور وہ قیمت ڈِبّہ میں جمع کردیتا، کپڑوں کی ضرورت ہوتو قیمت معلوم کرلیتا اور خود کو سمجھالیتا کہ ''گویا میں نے پہن لیا'' اس طرح قیمت جمع کرکے اس نے مسجد تعمیر کی ۔

مکہ مسجد حیدرآباد

مکہ مسجد (Makkah Masjid) بھارت کی ریاست تلنگانہ کا دارالحکومت شہر حیدرآباد، دکن کی ایک عظیم مسجد ہے، یہ مسجد پرانے شہر میں واقعہ ہے، اس کے اطراف و اکناف چارمینار چومحلہ پیلس، لاڈ بازار وغیرہ ہیں ۔

اس مسجد کی تعمیر میں استعمال کی گئی اینٹوں کو شہر مکہ مکرمہ سے منگوائی گئی مٹی سے بنایا گیا ہے، اس مسجد کی تعمیر چھٹویں قطب شاہی سلطان سلطان محمد قطب شاہ نے تعمیر کروایا، اس کے تین آرچ ایک ہی پتھر سے تراشے گئے ہیں، اس کی تعمیر میں 8000 / کاریگروں نے کام کیا۔

اُن کو اُن کی محنتوں کا حقیقی صلہ یقینا اللہ دینے والا ہے، اس سے پتہ چلا کہ تعمیر مساجد میں شاہوں کا ذوق کتنا اعلیٰ تھا ۔

مسجد کی اہمیت کا اندازہ کریں!

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”عبدیت اور بندگی کے استحضار کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ کچھ لمحات انسان تمام تعلقات سے پَرے اُٹھ کر خدا کے دربار میں بچھ جائے؛ تاکہ اس میں اپنی بندگی کا شعور تازہ ہوتا رہے؛ اسی لئے اسلام میں مختلف عبادتیں رکھی گئی ہیں، گو ان سب کا مقصد ایک ہے؛ لیکن تربیت اور انسان کی خود سپردگی کی آزمائش کے اعتبار سے ان کے طریقے الگ الگ ہیں، ان میں پہلا درجہ نماز کا ہے، توحید ورسالت کے اقرار کے بعد سب سے افضل اور اہم عمل نماز ہے، قرآن مجید میں ۹۵ مواقع پر نماز کا ذکر آیا ہے، حدیثیں جن عنوانات کے تحت ذکر کی جاتی ہیں، ان میں سب سے وسیع حصہ نماز کا ہے، نماز کی حالت میں انسان کے سر سے پاؤں تک پورا وجود مکمل طور پر عبادت میں مشغول اور احکامِ خداوندی کے سامنے سرِخمیدہ ہوتا ہے، پورے جسم کو ساکن وجامد اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق جمارہنا ہے، آنکھوں کو وہاں دیکھنا ہے، جہاں آپ ﷺ نے دیکھا، زبان کو وہی کچھ کہنا ہے اور وہی بول ادا کرنے ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے ادا کئے ہیں، کبھی ایک اقراری مجرم اور غلام کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے، کبھی اپنے مالک کے سامنے کمر تک جھکتا ہے، کبھی اپنے وقار کی علامت ناک اور پیشانی کو خدا کی چوکھٹ پر بچھا دیتا ہے، نہ حسب خواہش بولنے کی اجازت ہے، نہ چلنے کی، نہ حرکت کی، نہ کھانے پینے کی، گویا پورا وجود غلامی اور بندگی کی تصویر ہے!

ایسی عظیم الشان عبادت کے لئے ایسا ماحول بھی ضروری تھا، جو ذہن کی یکسوئی اور قلب کی فراغت کا باعث ہو، جس میں ہر شخص افکارِ دنیا سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس سے مناجات کے لئے یکسو ہو؛ اسی لئے یوں تو روئے ارض پر کہیں بھی نماز ادا کی جاسکتی ہے، اور یہ اس اُمت کے امتیازات میں سے ہے۔(۱) کہ اس کی عبادتیں در ودیوار کی

(۱) ابوداؤد، حدیث ۴۸۹: ، باب فی المواضع التی لا تجوز فیہا الصلاۃ

محتاج نہیں ہیں ؛ لیکن ماحول کی ہم آہنگی اور موافقت کے لئے کچھ مقامات کو مخصوص کرنے اور انھیں نماز کی ادائیگی کے لئے مختص کرنے کا حکم دیا گیا، یہی عبادت کے لئے مخصوص جگہیں ''مسجد'' کہلائیں، خود قرآن مجید میں ۲۸ مواقع پر مساجد کا ذکر آیا ہے اور متعین طور پر مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد قباء کا ذکر فرمایا گیا ہے۔''(۱)

مساجد شعائر اسلام ہیں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مساجد کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کا شعار بتاتے ہوئے فرمایا کہ: جب تم کسی آبادی میں مسجد دیکھ لو یا اذاں سن لو تو پھر قتال نہ کر، یہ مساجد کعبہ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے بھی شعار اسلام میں ہے، وہ اس طرح کہ مسجد محل نماز اور مرکز عبادت ہے، جہاں رحمت الٰہی کا ہمیشہ ترشح ہوتا رہتا ہے، اور یہ مسجد اسی وجہ سے کعبہ کے مشابہ ہوتی ہے کیوں کہ یہاں بھی ہر وقت رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے، اسی معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص پاک صاف ہو کر گھر سے فرض نماز کے لئے نکلتا ہے، اس کا اجر محرم حاجی کے برابر ہے۔(۲)

مسجد کے مقاصد کو نظر انداز کرنا

مسجد کے جامع تصوّر کو یکسر بھلا دینا بلکہ عمداً مقاصدِ مسجد کو امورِ مسجد کے منافی سمجھنا ، صرف فرض نماز کی حد تک مسجد کو خاص کر لینا وہ بھی اس خاطر کہ آج کل گھر سے زیادہ مساجد میں پانی، قالین، AC کا انتظام رہتا ہے، جن کی گھر میں نہیں چل سکتی مسجد اپنی چلانے کی بہتر جگہ ہے، کیا یہ مسجد پر ظلم نہیں ہے؟ مقاصد کو فراموش کر کے مفت کی برتری حاصل کرنے کی جگہ مسجد کو بنا لینا، حبِّ جاہ و نفس پرستی کے بت کی پیٹ بھر کر پرستش کرنا مقاصدِ مسجد کا خون کرنا

---

(۱) قندیل، ۲؍جون ۲۰۲۲ء اسلامیات، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

(۲) حجۃ اللہ البالغہ: ۱؍ ۱۹۲

نہیں ہے؟ سچی بات یہ ہے کہ مساجد صرف گارے مٹی اور در ودیوار کا نام نہیں ہے، یہ قیام جماعت کے ساتھ قیام اجتماعیت کی جگہ بھی ہے، اللہ کی عبادت کے ساتھ اطاعتِ رسول ﷺ کی بھی جگہ ہے، حفاظت اِسلام کے ساتھ اشاعتِ اسلام کی جگہ بھی ہے، ظاہر صفائی کے ساتھ تزکیۂ باطن کی بھی جگہ ہے۔

مؤذنین کے آداب وہدایات

اس شہرِ خفتگاں میں کوئی تو اذان دے　　　ایسا نہ ہو زمیں کا جواب آسمان دے

اذاں ومؤذن کی تعریف

لفظ ''اذان'' عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ''اعلان'' یا ''پکار'' کے ہیں، یہ لفظ اصل میں ''اَذِنَ'' سے نکلا ہے، جس کا مطلب ''سنانا'' یا ''آگاہ کرنا'' ہے۔

اصطلاح شرع میں ''اذان'' کہتے ہیں اوقات مخصوصہ میں الفاظ مخصوصہ کے ذریعہ نماز کے لیے پکارنا نماز کا وقت آجانے کا اعلان کرنا۔(۱) اور جوشخص نماز کے اوقات پر الفاظِ مخصوصہ کے ذریعہ لوگوں کو بلائے وہ مؤذن کہلاتا ہے۔

اذاں کا حکم

علامہ ابن حجر عسقلانی ؒ نے فرمایا ہے کہ ''اذان شعار اسلام ہے اور اس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، اذاں سنت مؤکدہ قریب بواجب ہے۔

'' وهو (الاذان) سنة للرجال فى مكان عال مؤكدة هى كاالواجب فى لحوق الاثم ''اھ۔(۲)۔

کسی بھی علاقے میں رہنے والے مسلمانوں کے لیے نماز پنجگانہ اور جمعہ کے لیے اذان دینالازم ہے کیونکہ اذان سے مسلم وغیر مسلم آبادی کا فرق معلوم ہوتا ہے، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ جب کسی قوم پر حملہ کرنا چاہتے تو صبح تک انتظار کرتے، اگر اذان سن لیتے تو رک جاتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صبح ہوتے ہی حملہ کر دیتے تھے۔''(۳)

احناف کے یہاں تعدادِ کلمات کے اعتبار سے اذان اور اقامت میں کوئی فرق نہیں

(۱) الدر المختار علی الشامی: ۱/ ۲۸۲

(۲) درمختار علی الفتاویٰ رد المحتار: ۱/ ۲۵۷

(۳) صحیح بخاری، الجہاد، باب دعاء النبی ﷺ الی الاسلام، حدیث: ۲۹۴۳

ہے یعنی اذان میں جتنے کلمات ہیں اقامت میں بھی اتنے ہی ہیں؛ البتہ "اقامت" میں "حی علی الفلاح" کے بعد دومرتبہ "قدقامت الصلاۃ" کا اضافہ کیا جائے گا، یہ اضافہ اذان میں نہیں ہے اور فجر کی اذان میں "الصلاۃ خیر من النوم" دومرتبہ کہا جاتا ہے۔

اذان ایک اسلامی شعار ہے

اذان متفقہ طور پر اسلام کے شعائر میں سے ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی نے لکھا ہے کہ: اذان کی فضیلت اس بات پر مبنی ہے کہ وہ اسلام کے شعائر میں سے ہے۔

"وفضائل الأذان ترجع إلى أنه من شعائر الإسلام"(۱)

الموسوعۃ الفقہیۃ میں اس بات پر فقہاء کا اجماع واتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

تمام فقہاء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اسلام میں اذان کی خاص اہمیت اور اسے شعار کی حیثیت حاصل ہے، یہی وجہ ہے (مسلم ملک میں) کسی علاقہ کے لوگ اگر باتفاق اذان کو ترک کردیں تو ان سے جنگ کی جائے گی۔گویا دارالاسلام میں اسے بغاوت کے درجہ دیا گیا، ہندوستان کے ایک جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے ملک کا دستور ہمیں اپنے مذہبی شعائر کے ساتھ زندگی گزارنے کی اجازت دیتا ہے، اس لیئے اس پر بندش یا قدغن لگانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

"اتفق الفقهاء على أن الأذان من خصائص الإسلام و شعائره الظاهرة، وأنه لو اتفق أهل بلد على تركه قوتلوا"(۲)

کیا آپ ﷺ سے خود اذان دینا ثابت ہے؟

واضح رہے کہ آپ ﷺ سے نفس اذان تو قطعی طور پر ثابت ہے، اس میں کسی کا کوئی

(۱) حجۃ اللہ البالغۃ: ۱/ ۳۲۳، القسم الثانی۔ الأذان

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ: ۲/ ۳۵۷، مادۃ: الأذان

اختلاف نہیں؛ اس لیے کہ ”سنن ابی داود“ اور ”جامع ترمذی“ میں روایت ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے وقت نبی کریم ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی تھی۔ ”سنن ابی داود“ میں ہے۔

”عن عبيد الله بن أبي رافع عن أبيه قال :رأيت رسول الله ﷺ أذّن في أُذن الحسن بن علي حين ولدته فاطمة بالصلاة“(١)

باقی آپ ﷺ سے نماز کے لیے اذان دینا ثابت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں شروع ہی سے ائمۂ محدثین میں اختلاف چلا آرہا ہے، ائمۂ محدثین کی اس بارے میں دو رائے ہیں:

۱۔امام محی الدین النووی اور علامہ جلال الدین السیوطی رحمہما اللہ وغیرہما کا موقف ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اپنی حیات طیبہ میں دورانِ سفر نماز کے لیے ایک مرتبہ اذان دینا ثابت ہے، ان حضرات کا استدلال و ماخذ ”جامع الترمذی“ میں حضرت یعلی بن مرۃ الثقفی کی روایت ہے۔حدیث شریف میں ہے:

”عن عمرو بن عثمان بن يعلى بن مرة عن أبيه عن جدّه أنّهم كانوا مع النبيّ ﷺ في سفر فانتهوا إلى مضيق، فحضرت الصلاة، فمطروا السماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم، فأذن رسول الله ﷺ وهو على راحلته، وأقام، فتقدم على راحلته، فصلى بهم، يؤمى إيماءً، يجعل السجود أخفض من الركوع“(٢)

اس حدیث شریف میں ”فأذّن رسول الله ﷺ“ الخ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے

(١) سنن ابی داود: ٦٩٦/٢

(٢) سنن ترمذی: ٩٤/١

کہ آپ ﷺ نے بنفس نفیس نماز کے لیے اذان دی، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نماز پڑھائی۔

اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو جید الاسناد اور قابل اعتماد قرار دیتے ہوئے اپنی کتب ''شرح المہذب''، ''الخلاصۃ''، ''روضۃ''، اور اسی طرح دیگر تصانیف میں اس بات کو پرزور طریقہ سے ثابت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے نماز کے لیے اذان دینا ثابت ہے۔

ان حضرات کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ اجمعین کو ایک کام کرنے کا حکم دیا ہو اور اس کے بکثرت فضائل بیان فرمائے ہوں اور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس نے اس پر عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔

۲۔علامہ ابن حجر العسقلانی، علامہ زرقانی، امام دارقطنی، اور اسی طرح علامہ سہیل رحمۃ اللہ علیہم یہ حضرات ''ترک مباشرۃ الأذان'' (یعنی نبی کریم ﷺ سے نماز کے لیے اذان کے ثابت نہ ہونے) کے قائل ہیں، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ''ترک مباشرۃ الأذان'' کا مسئلہ نبی کریم ﷺ کے خصائص میں سے ہے، لہٰذا اب یہ اشکال کہ یہ بات ناممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کام کرنے کا حکم فرمایا ہو اور خود ایک مرتبہ بھی اس پر عمل کر کے نہ دکھایا ہو، باقی نہیں رہتا۔

باقی ''جامع الترمذی'' کی مذکورہ روایت کے الفاظ ''فأذّن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم'' الخ کے بارے میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''فتح الباری شرح صحیح البخاری'' میں تحریر فرمایا ہے کہ جس سند سے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے، اسی سند سے یہ حدیث ''مسند احمد'' میں بھی موجود ہے، جس میں فأذّن ......'' الخ کے بجائے ''فأمر المؤذن......'' الخ (نبی کریم ﷺ نے مؤذن کو اذان دینے کا حکم فرمایا) کے الفاظ ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ''جامع الترمذی'' کی روایت میں اختصار اور اجمال ہے، اور ''مسند احمد'' کی روایت میں اس کی تفصیل ہے، اور حدیث کے اصول میں سے ہے کہ مفصل روایت کو مجمل پر ترجیح ہوتی ہے۔''مسند احمد'' میں ہے :

"عن يعلى بن مرة عن أبيه عن جده أنّ رسول اللّٰہ ﷺ انتهى إلى مضيق هو وأصحابه وهو على راحلته، والسماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم، فحضرت الصلاة، فأمر المؤذن، فأذّن وأقام، ثم تقدّم رسول اللّٰہ ﷺ على راحلته، فصلى بهم يؤمي إيماءً يجعل السجود أخفض من الركوع أو يجعل سجوده أخفض من ركوعه" (١)

خلاصہ یہ ہے کہ نومولود بچہ کے کان میں اذان دینا نبی کریم ﷺ سے قطعی طور پر ثابت ہے، باقی نبی کریم ﷺ سے نماز کے لیے اذان دینے کے بارے میں محدثین کے مابین اختلاف ہے۔

نیز الامام المحدث الفقیہ مولانا محمد عبد الحی لکھنوی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک رسالہ بنام "خير الخبر في أذان خير البشر" میں ائمہ محدثین کے درمیان اختلاف ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا کہ ابھی تک اس بارے میں کسی نے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی، لہٰذا ہمیں بھی اس بارے میں توقف ہی اختیار کرنا چاہیے۔

"خیر الخبر فی أذان خیر البشر مشمولۃ مجموعۃ رسائل اللکھنوی" میں ہے:

"إنّما الخلاف في أذان الصلاة هل باشر به رسول اللّٰہ ﷺ أم لا؟ وأمّا مطلق الأذان فلا شک في مباشرته به ... وبالجملة مباشرة الرسول ﷺ بالأذان في أذن المولود ثابت قطعًا، وأمّا مباشرته بأذان الصلاة فنحن نتوقف إلى الآن في ذلک" (٢)

نیز مولانا عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسی رسالہ میں "ترک مباشرة الأذان" (بنفسِ نفیس اذان نہ دینے) کی چند وجوہات ذکر کی ہیں، جن میں زیادہ صحیح اور

(١) مسند احمد: ٤/ ١٧٤، المکتب الاسلامی للطباعۃ والنشر

(٢) خیر الخبر: ٤/ ٣٢٦، صفحۃ الرسالۃ: ٦، ادارۃ القرآن

قوی وجہ یہ لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اذان نہ دینے میں درحقیقت خلفائے راشدین کے مشقت میں پڑنے اور احکامِ شرعیہ میں خلل واقع ہونے کے اندیشہ سے بچنا تھا وہ اس طرح کہ نبی کریم ﷺ جب بھی کوئی کام شروع فرماتے تو پھر اس پر مواظبت اور مداومت اختیار فرماتے، جب کہ منصب رسالت اور احکام شرعیہ (مثلاً کفار سے قتال، لوگوں کے درمیان فیصلے وغیرہ) جیسی بڑی ذمہ داری انجام دینی تھی، جو اذان سے زیادہ اہم اور ضروری تھی، اگر نبی کریم ﷺ اذان دیتے اور اس پر مواظبت فرماتے (تو اس طرح نبی کریم ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کو بھی مواظبت کرنی پڑتی) جس کی بنا پر دوسرے اہم امور میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا؛ اس لیے آپ ﷺ نے اذان نہیں دی۔

''خیر الخبر فی أذان خیر البشر'' میں ہے:

" ومنها :وهو أصحها وهو العذر عن ترک الخلفاء الراشدين هذه العبادة ما ذكره ابن عبد السلام من أنّه كانت عادة النّبيّ ﷺ أنّه إذا كان عمل عملاً واظب عليه، وكان هو قائماً بأعباء الرسالة ومصالح الشريعة، كالقتال والفصل بين النّاس وغير ذلک الّتي هي خير من الأذان، فلو واظب على الأذان لوقع الخلل في هذه الأمور المهمة"(۱)

اذاں کی حکمت

سب سے عظیم الشان حکمت یہ ہے کہ اذاں کے ذریعہ اسلام کے بنیادی اصول کی اشاعت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کا اعلان ہے، چنانچہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں: اذان اطلاع دہی کا وہ سادہ اور آسان طریق ہے کہ عالمگیر مذہب کے لئے ایسا ہی ہونا ضروری تھا، اذان درحقیقت اصول اسلام کی اشاعت اور اعلان ہے مسلمان اسی کے

(۱) خیر الخبر فی أذان خیر البشر: ۳۲۸/۴، صفحۃ الرسالۃ: ۸، ادارۃ القرآن، ماخذ فتاوی جامعہ بنوری ٹاؤن، غیر مطبوع

ذریعے سے ہر آبادی کے قریب جملہ باشندوں کے کانوں تک اپنے اصول پہنچادیتے اور راہ نجات سے آگاہ کردیتے ہیں، چھوٹے چھوٹے رسالوں کی تقسیم اور بڑے بڑے جلسے بھی اس خوبی کو نہیں پاسکتے۔(۱) یہی وجہ ہے کہ اذان کے کلمات کی ترتیب اور ان کا انتخاب انسانی عقل کے بجائے ربانی وحی کے ذریعہ صحابہ کرامؓ کے خوابوں واسطے سے ہوا ہے، اس کے اندر صرف نماز کے وقت کے آغاز کا اعلان ہی نہیں؛ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر دین کی اساسیات اور اس کے عظیم حقائق کا اعلان بھی شامل ہے۔

بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اذان کا مقصد محض نماز کی دعوت دینا ہے، تو اس ترقی یافتہ دور میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ بات اذان کے تصور سے ناآگہی اور ناواقفیت کی دلیل ہے، واقعہ یہ ہے کہ اذان کے اور بھی مقاصد ہیں، معروف محدث وفقیہ علامہ نووی اس بابت رقم طراز ہیں: علماء نے اذان کی حکمت ومصلحت کے حوالے سے چار چیزیں ذکر کی ہیں؛ کہ اس کا مقصد اسلامی شعار کا اظہار، توحید کی آواز کو بلند کرنا، نماز کے وقت اور جگہ (مسجد یا نماز گاہ) سے آگاہ کرنا اور جماعت کی دعوت دینا ہے، اسی وجہ سے بلند آواز سے دینے کا حکم ہے۔

> ”ذکر العلماء في حكمة الأذان أربعة اشياء اظهار شعار الاسلام، وكلمة التوحيد، والاعلام بدخول وقت الصلاة وبمكانها، والدعاء إلى الجماعة والله أعلم“۔(۲)

مؤذن داعی اسلام وداعی صلاۃ ہے

☆امام زہری فرماتے ہیں کی قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ آذان کی اہمیت وفضیلت بیان کرتی ہے: ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَّ قَالَ اِنَّنِیْ

(۱) رحمۃ للعالمین: ۱/ ۱۹۸

(۲) شرح صحیح مسلم: ۴/ ۷۷

مِنَ المسلِمِین"۔اس سے اچھی بات کس کی جو اللہ کی مخلوق کو نیکی کیطرف بلائے اور نیک کام کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمانوں میں ہوں۔(کنزالایمان)

اس آیت کا اول مصداق حضور ﷺ ہیں،سب سے پہلے داعی اسلام و داعی خیر آپ ﷺ ہی ہیں۔

دوسرے درجہ میں جب اذان رب دوعالم کی طرف متوجہ کرنے کاایک اہم پیغام ہےتو ظاہری بات ہے کہ اس پروردگارکو اس کی بولی کتنی پیاری معلوم ہوتی ہی ہوگی جو بھلائی کی دعوت دے،اللہ تعالیٰ کا وہ محبوب بندہ بن جاتا ہے،اسی لیے مؤذن کو اس فہرست میں اول تایا گیاہے۔

"عن عائشة قالت ما أرى هذه الآية نزلت إلا في المؤذنين ومن أحسن قولا ممن دعا إلى الله وعمل صالحا وقال إنني من المسلمين"(۱)

مؤذن افضل ترین عبادت"نماز"باجماعت کے مخلص داعی ہیں،چونکہ دیگر داعی اپنے کو داعی بھی سمجھتے ہیں اورلوگ انکا احترام بھی کرتے ہیں،جیسے دعوت وتبلیغ کے داعی حضرات،مگر یہ شخص خود کو چھوٹا سمجھتا ہے اورلوگ بھی معمولی سمجھتے ہیں،حتی کہ بعض جگہ خود کو دین کا داعی سمجھنے والے بھی اِس داعی کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔

مؤذنین دین کے داعی ہیں موذن کی ندا سے شیطان بھاگتا ہے،مومن مسجد آتا ہے، فرشتوں کی قطار لگ جاتی ہے، کامیابی کی طرف دعوت دیجاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی اذان کے ختم پر "اللهم رب هذه الدعوة التامه"اذان کو دعوتِ تامہ کہا گیا ہے،لہٰذا مؤذن اپنے آپ کو اخلاص کے ساتھ داعی سمجھ کر اذان کی خدمت انجام دیں۔

فائدہ: مسلمانوں پر مؤذن کا سب سے بڑا حق یہ ہے کہ تمام مسلمان مؤذنوں کی عزت و تعظیم صدق دل سے کریں اور ان کا شایان شان احترام و اکرام کریں۔

---

(۱)مصنف ابن ابی شیبہ،حدیث:۲۳۴۷

مؤذن کی فضیلت اور اسکا مقام

☆ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اذان دینے والوں کا حصہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاد کرنے والوں کے حصے کے برابر ہے، اذان واقامت کے درمیان ان کی وہ حالت ہے جیسے کوئی جہاد میں راہِ خدا میں اپنے خون میں لوٹ پوٹ رہا ہو، یعنی مؤذن شہید کی طرح ہے۔"المؤذن المحتسب کالشهيد المتشحط"(۱)

☆ مؤذن کی حیثیت اللہ تعالی کے نزدیک مجاہد کی ہے، حضرت محمد حنیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اجروثواب میں مؤذن اللہ تعالی کے راستے میں مجاہد کی طرح ہے۔(۲)

☆ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں موذن ہوں تو پھر مجھے حج وعمرہ اور جہاد کی اتنی زیادہ پرواہ نہیں رہتی۔

"قال بن مسعود لو كنت مؤذنا ما باليت أن لا أحج و لا أغزو"(۳)

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے تین بار موذن کی بخشش کی دعا مانگی اس پر میں نے کہا حضور ﷺ آپ نے اپنی دعا میں ہمیں یاد نہ فرمایا حالانکہ ہم آذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! لیکن اے عمر ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ موذن غریب مسکین لوگوں تک رہ جائے گا، سنوں عمر! جن لوگوں کا گوشت پوشت جہنم پر حرام ہے ان میں موذن ہیں۔

" سيأتي على الناس زمان يتركون الأذان على ضعفائهم وتلك لحوم حرمها الله على النار لحوم المؤذنين"(۴)

---

(۱) كنز العمال، حديث :۲۰۸۸۹، المتشحط :أي الذي يتخبط فيه ويضطرب ويتمرغ

(۲) مصنف عبد الرزاق

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۲۳۴۴

(۴) کنز العمال، حدیث: ۲۰۹۴۱

حضرت اذاں کی اہمیت کو بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ’’اگر میں اپنی خلافت کی ذمہ داریوں کے ساتھ اذاں دے سکتا تو ضروری اذاں دیتا۔

’’عَنْ قَیْسِ بْنِ أَبِی حَازِمٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ لَوْ : كُنْتُ أُطِيقُ الأَذَانَ مَعَ الخِلِّيفَى لأَذَّنْتُ‘‘(۱)

☆مؤذن عام لوگوں سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے حضرات انبیاء علیہ السلام پھر حضرات شہداء رحمۃ اللہ علیہ، پھر بیت اللہ کے مؤذنین، پھر بیت المقدس کے موذنین، پھر مسجد نبوی کی مؤذنین، پھر تمام مساجد کے مؤذنین ہونگے۔

’’ أول الخلق دخولا الجنة الأنبياء ثم الشهداء ثم مؤذنو الكعبة ثم مؤذنو بيت المقدس ثم مؤذنوا مسجدي هذا على قدر أعمالهم‘‘(۲)

☆حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : حضرات انبیاء کرام علیہ السلام اور شہداء عظام کے بعد جنت کا جوڑا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور صالح مؤذنوں کو پہنایا جائے گا۔

’’عن الحسن قال أهل الصلاح والحسبة من المؤذنين أول من يكسى يوم القيامة‘‘(۳)

☆حدیث میں حضرت انس ؓ بہت ہی مؤثر اسلوب میں ارشاد فرمایا کہ : اگر میں قسم کھالوں تو حانث نہ ہوں گا کہ اللہ تعالی کے محبوب بندے وہ مؤذن ہیں جو سورج اور چاند پر (نماز کے اوقات معلوم کرنے کے لیے) نگاہ رکھتے ہیں۔

’’عن أنس قال :لو أقسمت لبررت أن أحب عباد الله إلى

(۱)سنن کبری بیھقی، حدیث: ۲۱۲۴، باب فضل الماذین

(۲)كنز العمال، حديث ۲۰۹۳۷:، ابن سعدك في تاريخه هب وضعفه عن جابر

(۳)مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/ ۲۵۴

الله لرعاة الشمس والقمر وإنهم ليعرفون يوم القيامة بطول أعناقهم"(۱)

☆ اللہ تعالی ان موذنوں پر خصوصی فضل و احسان اور توجہ فرماتے ہیں، ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالی کا ہاتھ مؤذن کے سر پر رہتا ہے جب تک کہ وہ اذان سے فارغ نہ ہو جائے۔

"إذا أخذ المؤذن في أذانه وضع الرب يده فوق رأسه فلا يزال كذلك حتى يفرغ من أذانه وإنه ليغفر له مد صوته فإذا فرغ قال الرب :صدق عبدي وشهدت بشهادة الحق فأبشر"(۲)

☆ آخرت میں بھی مؤذن کی نرالی شان ہوگی ایک حدیث میں ہے کہ مؤذن اور تلبیہ پڑھنے والے اپنی اپنی قبر سے اذان اور تلبیہ پڑھتے ہوئے اٹھیں گے۔(۳)

☆ جو شخص بارہ سال اخلاص کے ساتھ اذاں دے تو اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے، اور ہر اذاں پر اسے ساٹھ نیکیاں اور ہر اقامت پر اسے تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

"عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ -صلى ﷺ قَالَ: مَنْ أَذَّنَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ سَنَةً وَجَبَتْ لَهُ الجنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِينِهِ فِي كُلِّ مَرَّةٍ سِتُّونَ حَسَنَةً وَبِإِقَامَتِهِ ثَلاثُونَ حَسَنَةً، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ :هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ وَلَهُ شَاهِدٌ مِنْ حَدِيثِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ لهيعَةَ"(۴)

☆ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے بیان فرمایا کہ میں جب جنت میں داخل ہوا تو موتیوں کا قبّہ (محل) دیکھا میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یہ کس کا

---

(۱) کنز العمال، حدیث: ۲۰۹۰۱

(۲) کنز العمال، حدیث: ۲۰۸۹۲

(۳) بیہقی

(۴) سنن کبری بیہقی، حدیث: ۲۱۲۰، باب فضل الماذین

ہے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتایا کہ آپ کی امت کے اماموں اور موذنوں کے لئے ہے۔

"دخلت الجنة فرأيت فيها جنابذ من اللؤلؤ ترابها المسك فقلت :لمن هذا يا جبريل ؟ قال :للمؤذنين والأئمة من أمتك يا محمد"(۱)

☆ لوگوں کو اگر اذاں دینے کی فضیلت وثواب کا علم ہو جائے تو اذاں کی باری پانے کی خاطر تلواروں سے باری حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

"لو يعلم الناس ما لهم في التأذين لتضاربوا عليه بالسيوف"(۲)

☆ اذاں کی برکت سے قوم عذاب سے محفوظ رہتی ہے، صبح اذاں ہو تو شام تک اور شام اذاں ہو تو صبح تک عذاب سے محفوظ رہتی ہے۔

" عن معقل بن يسار أيما قوم نودي فيهم بالأذان صباحا كان لهم أمانا من عذاب الله تعالى حتى يمسوا وأيما قوم نودي فيهم بالأذان مساء كان لهم أمانا من عذاب الله حتى يصبحوا"(۳)

☆ جوشخص اخلاص سے ایک سال اذاں دیتا ہے تو اللہ کل قیامت کے دن اسے شفاعت کا حق دیتے ہیں اور اس کی شفاعت قبول فرما لیتے ہیں۔

" عن أنس رضي الله عنه من أذن سنة لا يطلب عليه أجرا دعي يوم القيامة ووقف على باب الجنة فقيل له :اشفع لمن شئت"(۴)

(۱) کنز العمال، حدیث: ۲۰۹۰۰

(۲) کنز العمال، حدیث: ۲۰۹۰۳

(۳) کنز العمال، حدیث: ۲۰۸۹۹

(۴) کنز العمال، حدیث: ۲۰۹۰۷

☆کل میدان حشر میں مؤذنین کا مقام دیکھ کر ساری دنیا کے لوگ حیرت ورشک کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

"إن الله تعالى يبعث الأيام يوم القيامة على هيأتها ويبعث الجمعة زهراء منيرة أهلها فيحفون بها كالعروس تهدى إلى كريمها تضيء لهم يمشون في ضوئها ألوانهم كالثلج بياضا ريحهم يسطع كالمسك يخوضون في جبال الكافور ينظر إليهم الثقلان لا يطرقون تعجبا حتى يدخلون الجنة لا يخالطهم أحد إلا المؤذنون المحتسبون"(۱)

خدام مساجد کا مرتبہ

مسجد کی خدمت، اس کی صفائی وستھرائی کا خیال اور مسجد سے تکلیف دہ چیزوں کا ازالہ شریعت مطہرہ میں اعلی درجے کی نیکی اور کارثواب ہے۔حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ......نے ارشاد فرمایا: جو آدمی مسجد سے کسی تکلیف دہ چیز (گندگی، کوڑا کرکٹ وغیرہ) کو دور کرے، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں ایک گھر بناتے ہیں ۔(۲)

مسجد کی صفائی کرنے والی حبشن کی نمازِ جنازہ

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک حبشی عورت ام محجن ؓ مسجد کی خدمت کیا کرتی تھی، مسجد کا کوڑا کرکٹ تنکے وغیرہ صاف کیا کرتی تھی، چند دن وہ نظر نہیں آئی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: وہ عورت کہاں ہے؟ حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ!

---

(۱)كنز العمال ،حديث ۲۰۹۱۰:، أخرجه الحاكم في المستدرك۱ :۲۷۷/، كتاب الجمعة وقال الذهبي :خبر شاذ صحيح السند والهيثم وحفص ثقتان

(۲)ابن ماجہ؟؟؟؟

اس عورت کا انتقال ہوگیا اور ہم نے اس عورت کو دفن بھی کر دیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم لوگوں نے مجھے اس کی موت کی خبر کیوں نہیں دی، حضرات صحابہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! رات کا وقت تھا، اس وجہ سے ہم نے آپ کو تکلیف دینا پسند نہیں کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس عورت کی قبر بتاؤ! جب حضرات صحابہؓ نے اس خادمہ مسجد کی قبر بتائی، تو آپ ﷺ نے اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔(۱)

اس حدیث سے ہم انداز لگا سکتے ہیں کہ آپ علیہ السلام خدام مسجد سے کس قدر محبت فرماتے اور ان کی کس درجہ خبرگیری کرتے تھے، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ مسجد کی خدمت ہی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس عورت کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی اور اس کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔(۲)

حضرت عمرؓ کا مسجد کی صفائی میں دلچسپی لینا

اسی طرح حضرات صحابہؓ بھی مسجد کی خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے، امیر المومنین حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد قبا تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اے اوفی! کھجور کی چھڑی لے آؤ! جب اوفی کھجور کی چھڑی لے آئے، تو اس میں اپنے کپڑے کو لپیٹا اور جھاڑو کی طرح بنا کر مسجد کی صفائی فرمائی۔(۳)

مؤذن کو حقیر سمجھنے والے سے بات نہیں کی جائے گی

ہمارے معاشرہ کا یہ بھی بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ مؤذنوں کے ساتھ عزت و اکرام کا معاملہ نہیں کیا جاتا، بدسلوکی اور بداخلاقی کی شکایت عام ہے، یہ بات شریعت کے مزاج اور

---

(۱) صحیح بخاری

(۲) دارالعلوم، شمارہ 4:، جلد 106:، رمضان المبارک 1443ھ مطابق اپریل 2022ء

(۳) فتح الباری لابن رجب، باب کنس المسجد

خود ہماری دینی غیرت کی خلاف ہے، چوں کہ دینی خدمت گزار ہمارے خادم نہیں مخدوم ہیں، وہ مسلم سماج کے محسن ہیں، ان کی تئیں حسن سلوک اور خوش اخلاقی ہمارا دینی وشرعی فریضہ ہے، گویا اس سے ان کے مقام ومرتبہ کی بلندی کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، لہذا مؤذنوں کی بے توقیری کرنا حد درجہ گری ہوئی بات ہے۔

اذان اور مؤذن کی بے توقیری اور ناقدری کو اکابرین امت نے بہت ناپسند فرمایا ہیں چنانچہ حضرت عاصم بن بہدل رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی حضرت زرابن جیش کے پاس اس وقت آیا جب یہ اذان دے رہے تھے، آنے والا شخص ان کے اذان دینے کو ان کے لئے کسرِ شان سمجھا اور بول پڑا کہ ابو مریم! آپ بھی اذان کہتے ہیں؟ میں اذان دینے کو آپ کے شایان شان نہیں سمجھتا، حضرت ابو مریمؓ نے اس کو جواب دیا کہ تم مجھے اذان جیسی فضیلت والے عمل سے افضل سمجھتے ہو؟ اور اس سے محروم کرنا چاہتے ہو! میں تم سے اللہ تعالی کی قسم ہرگز بات نہیں کروں گا۔

"عاصم بن بهدلة :قال :مَر رجلٌ على زر بن حبيش وهو يؤذنُ، فقال :يا أبا مريمَ أتؤذن؟ إني لأرغب بك عن الأذانِ. قال زر:أترغبُ بي عن الفضلِ، والله لا أكلُمكَ. لرزين"(۱)

مؤذن کی کم تنخواہ اس کی توہین ہے

ڈاکٹر مفتی محمد عرفان عالم قاسمی صاحب لکھتے ہیں "مساجد کے ذمہ دار اور کمیٹیاں جہاں مساجد کی تعمیر وتزئین میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور ہر محلے، بستی اور شہر کے مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے بقدر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے علاقوں کی مسجدوں میں نمازیوں کو ہر قسم کی سہولت دستیاب ہو، چنانچہ گرمیوں میں اے سی، پنکھوں اور کولر کا انتظام کیا جاتا ہے، بہت ساری مسجدوں میں مخمل اور گدے والے قالین بھی بچھائے جاتے ہیں، ان

(۱) جمع الفوائد، حدیث: ۱۱۰۷، لم أقف عليه

سب کے ساتھ ساتھ ہمیں اس پر بھی توجہ دینا چاہیے کہ جو شخص ہمیں پانچ وقتوں کی نماز پڑھاتا ہے اور جو ہمیں ان نمازوں کے اوقات کی خبر دیتا ہے، ہر طرح کے موسم اور حالات میں بر وقت اذان دیتا ہے، ان کی تنخواہیں بھی بہتر کی جائیں، آج کا دور اتنا مہنگا ہوگیا ہے کہ لاکھوں کمانے والے لوگ بھی پریشان ہی رہتے ہیں، لیکن کیا مساجد کی تعمیر و تزئین میں لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے والے ہم مسلمان اپنے مؤذنین کو اتنی تنخواہیں نہیں دے سکتے کہ وہ ایک بہتر اور اطمینان بخش زندگی گزار سکیں؟ بڑی رقم مسجد میں جمعہ دیگر چندوں اور متعدد ذرائع آمدنی کے ذریعہ جمع ہونے کے باوجود ائمہ ومؤذنین کو نہایت قلیل تنخواہیں دی جاتی ہیں۔

ذرا اپنا موازنہ تو کریں کہ ایک مزدور بھی کم از کم پندرہ بیس ہزار ماہانہ کمالیتا ہے، جب کہ دین متین کی حفاظت اس کی ترویج و اشاعت اور امت کی آخرت سنور جائے اس کی کوشش میں اپنے بچپن اور جوانی کے ایام جھونک دینے والے ان سعادت مند نفوس کے ساتھ امت کا کیا سلوک ہے؟ مساجد کے ذمہ داران، متولیان، وٹرسٹیان نے آج ائمہ ومؤذنین کو مزدور کے مقام سے بھی نیچے لاکھڑا کر دیا ہے، موجودہ وقت میں اپنے معاشرے کے ائمہ ومؤذنین کی صورتحال اور ان کے ساتھ عوام خواص کا رویہ نہایت افسوسناک اور تکلیف دہ ہے، یہ شکایت جاہل صدور سے نہیں ہے دیندار سمجھے جانے والوں کا بھی یہی حال ہے، یہ طبقہ بھی امام مؤذن کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے"۔(۱)

تنخواہ کم رکھنا انگریز کی مکاری میں سے ہے

مسلمانوں کو چاہیے کی وہ اللہ کے گھر "مسجد" کا احترام کریں اور امام ومؤذن کا خیال کریں وہ بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں اور ہم پر ان کی خبر گیری رکھنا اسلامی واخلاقی فریضہ ہے امام مؤذن کی ذمہ داری سے لیکر بچے کی پیدائش کے بعد اذان اقامت سے لے کر نکاح، گھر میں بیماری سے لے کر جنازہ تک دفن سے لے کر ایصال ثواب تک ہر ہر قدم

(۱) مسجد کا مقام ومرتبہ، تحریر: مولانا محمد اسلم۔۔۔ترتیب: عبد العزیز۔

پرامام ومؤذن اپنی ذمہ داری نبھاتے ہیں، ہمارا دینی واخلاقی فریضہ ہے کہ ہم بھی ان کے سکھ دکھ میں قدم قدم پر ساتھ دیں ذرا نظریں اٹھا کر دیکھیں دنیا کے ہر شعبے میں لوگوں کی کیا تنخواہیں ہیں، یہاں تک مزدوروں کی مزدوری کتنی ہے، ماہانہ کتنی آمدنی ہے؟ لیکن افسوس صد افسوس آج امام وموذن مسجد کے خدمت گزاروں کی تنخواہیں انتہائی کم ہیں، چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے (الا ماشاء اللہ) ہر جگہ برا حال ہے، قوم یہ سمجھتی ہے امام وموذن کو قوم موسیٰ کی طرح من وسلویٰ اترتا ہے، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، انگریزوں نے جان بوجھ کر امام مسجد کی تنخواہ، خاکروب کے برابر مقرر کرکے اسلام سے بیزاری کا ثبوت دیا تھا، انگریز تو چلے گئے لیکن اب ہم مسلمان ہو کر بھی اپنے امام ومؤذن کو ان کا حقیقی مقام دینے کو تیار نہیں۔ مسلمانوں کو اماموں، مؤذنوں کو سرکاری TEACHERS کے برابر تنخواہ دینا چاہیے اور ریٹائر ہونے یا معذور ہونے پر معقول پینشن دینا چاہیے تاکہ امام اور مؤذن جو مسلم معاشرے کا باوقار (عہدہ) حصہ ہے اسے بھی معاشرے میں عزت اور وقار سے زندہ رہنے کا حق ہے اسے حاصل ہونا چاہئے۔

مؤذن کو مشاہرہ دینا اسکا حق ہے

علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرہ آفاق کتاب ''الفاروق'' میں رقمطراز ہیں کہ (حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے) ہر شہر وقصبہ میں امام ومؤذن مقرر کیے اور بیت المال سے ان کی تنخواہ مقرر کیں۔''(۱)

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت العمرین میں تحریر فرمایا ہے کہ ''حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ تعالی عنہ دونوں خلیفہ بیت المال سے ائمہ اور موذنین کو وظیفہ دیا کرتے تھے۔''(۲)

(۱) الفاروق: ۱۴۰

(۲) الفاروق:

مؤذن اجرت سے زیادہ اجر پر نظر رکھے

مؤذن اپنے عمل میں مخلص ہو، اذان کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی و رضامندی حاصل کرنا مقصود ہو۔

مؤذنین حضرات کو چاہئے کہ وہ اللہ کی رضا کو مقصود بنائیں اور اجرت ومعاوضہ کو اپنی ضرورت سمجھیں، ان شاء اللہ، اس طرح کی نیت ہو، تو اجر سے محروم نہ ہوں گے۔(۱)

حضرت ابن عمرؓ سے دوران طواف کعبۃ اللہ کے مؤذن نے ملاقات کر کے کہا کہ ''میں آپ سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں، آپ رضی اللہ نے فرمایا: میں تم سے اللہ ہی کے لئے ناراض ہوں، اس نے وجہ پوچھی تو فرمایا: تم پیسوں کی خاطر اپنی آواز خوبصورت بناتے ہو۔

''عن يحيى البكاء قال كنت آخذا بيد بن عمر وهو يطوف بالكعبة فلقيه رجل من مؤذني الكعبة فقال إني لأحبك في الله فقال بن عمر إني لابغضك في الله إنك تحسن صوتك لأخذ الدراهم''(۲)

مؤذن حضرات مؤذنی کی عظمت کا احساس پیدا کریں

بالعموم ذہن میں رہتا ہے کہ دارالعلوم کے شیخ الحدیث کی خدمت اصل خدمت ہے، مرکز کے ذمہ دار شخصیت کی خدمت اصل حدمت ہے، امیر شریعت، امیر الہند کی خدمت اصل خدمت ہے، اپنی مفوضہ خدمت کی تحقیر پیدا کر لی جاتی ہے، اس متعلق یاد رہے کہ دین اسلام کا کوئی کام غیر اہم نہیں ہوتا ہے، نہ مؤذنی، نہ امامت، نہ ہی مکتب کی خدمت، اللہ رب العزت کے نزدیک کیفیت کا اعتبار کمیت سے زیادہ ہے۔ ''ليبلوكم أيكم أحسن

---

(۱) مسجد کا مقام ومرتبہ، تحریر: مولانا محمد اسلم۔۔۔ترتیب: عبد العزیز۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: ۲۳۷۲

عملا'' فرمایا''أکثر عملا'' نہیں فرمایا،عمل گنے نہیں جاتے بلکہ تولے جاتے ہیں، گننے میں کمیت کا اعتبار ہوتا ہے، تولنے میں کیفیت کا اعتبار ہوتا ہے، ہم جس خدمت میں ہیں اسے عظمت واہمیت سے کرنا چاہئے، ہر شخص اسلامی سرحد کو سنبھالئے ہوئے ہے، بعض مرتبہ چھوٹی خدمت کرنے والا اپنے اخلاص اور انکسارِ نفس کی وجہ سے بڑی خدمت کرنے والے کے تکبر وریاء کی وجہ سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

مؤذنی کی عظمت نہ ہونے کا نقصان

مؤذنین کے بارے میں اتنی فضیلتیں وارد ہیں، جنہیں جان کر ایک انسان کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ مؤذن ہوتا لیکن دوسری جانب اپنے معاشرے کے مؤذنین کی صورتِ حال اور ان کے ساتھ لوگوں کے رویّہ پر نہایت تکلیف ہوتی ہے جس کی وجہ سے عموماً یہ ذہن بنتے جارہا ہے کہ امام یا مؤذن بننے کو ایک حقیر عمل سمجھا جاتا ہے، کہیں دشمنانِ اسلام کی مکاری تو کہیں اپنوں کا بھولا پن خود باشعور مسلمان بھی موذنی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، بلکہ ایسا ماحول بنا دیا گیا کہ مؤذنین معاشرے پر بوجھ ہیں، یہ عمل اللہ کی ناراضگی کا ایسا سبب ہے کہ اس سے دنیا وآخرت میں خسارہ ہوسکتا ہے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ مؤذنی کرنے والا اپنی دنیا کی قربانی دے چکا ہوتا ہے، اپنی یا اپنے اہلِ خانہ کی ہر ضرورت پوری نہیں کرسکتا، جب لوگ کمیٹی میں یا خدمت کے میدان میں آتے ہیں تو اب ان حضرات کا مجاہدہ دکھائی نہیں دیتا تنخواہ کا معیار کبھی معقول نہیں ہوسکتا، معمولی سے معمولی شخص بھی کسی بھی وقت مؤذن پر اپنا غصہ نکال سکتا ہے، ہم تو چاہتے ہیں کہ مؤذن کو انسان نہیں، فرشتہ ہونا چاہیے، مگر خود ہم کسی کے ساتھ انسانی اخلاق کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خود مؤذن بھی اپنی نظر میں اپنی حیثیت کھودیتے ہیں، اور جو خود کی عزت نہیں کرتا دنیا بھی اسکی عزت نہیں کرتی، مؤذن کے جیسے فضائل بیان کئے گئے ویسے افراد مؤذنی پر نظر نہیں آتے ہیں۔

مؤذنین عالم باعمل اور سنت سے واقف ہوں

☆مؤذنی اتنا عظیم عمل ہے کہ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مؤذن عالم باعمل ہو، سنت سے واقفیت رکھتا ہو، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنو خطمہ! اپنی قوم میں سب سے بہترین شخص کو مؤذن بناؤ "اجعلوا مؤذنکم افضل فی انفسکم"۔(۱)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے مؤذن بہتر لوگ ہونا چاہئے "لیؤذن لکم خیارکم"(۲) سب سے بہترین لوگ علماء ہیں، فاسق اور بے عمل عالم خیار الناس میں نہیں ہے، نیز اگر مؤذن غیر عالم ہوگا، تو اذان میں سنتوں کی رعایت نہیں کرے گا۔

"وَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ تَقِيًّا لِقَوْلِ النبي ﷺ الإِمَامُ ضَامِنٌ وَالمؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ وَالْأَمَانَةُ لَا يُؤَدِّيهَا إِلَّا التَّقِيُّ - وَمِنْهَا أَنْ يَكُونَ عَالما بِالسُّنَّةِ لِقَوْلِهِ ﷺ يَؤُمُّكُمْ أَقْرَؤُكُمْ وَيُؤَذِّنُ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَخِيَارُ الناس الْعُلَمَاءُ وَلِأَنَّ مُرَاعَاةَ سُنَنِ الْأَذَانِ لَا يَتَأَتَّى إِلَّا من الْعَالِمِ بها وَلهذَا إِنَّ أَذَانَ الْعَبْدِ وَالْأَعْرَابِي وَوَلَدِ الزِّنَا وَإِنْ كان جَائِزًا لحصُولِ المقْصُودِ وهو الْإِعْلَامُ لَكِنَّ غَيْرَهُمْ أَفْضَلُ لِأَنَّ الْعَبْدَ لَا يَتَفَرَّغُ لمرَاعَاةِ الْأَوْقَاتِ لِاشْتِغَالِهِ بِخِدْمَةِ المؤلَى وَلِأَنَّ الْغَالِبَ عليه الجهْلُ وَكَذَا الْأَعْرَابِيُّ وَوَلَدُ الزِّنَا الْغَالِبُ عَلَيْهِمَا الجهْلُ"(۳)

اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے: مؤذن عاقل، سمجھ دار، نیک متقی اور طریقۂ سنت سے واقف ہونا چاہیے، اگر فضائل اذان سے جانکاری نہ ہو، اوقاتِ صلوۃ سے واقف نہ ہو تو علماء نے

---

(۱) کنز العمال، ۲۸۴/ ۷، عن صفوان بن سلیم

(۲) رواہ ابوداؤد عن ابن عباس باب من احق بالامامہ، ۱/ ۸۷

(۳) بدائع الصنائع، ۱/ ۱۵۰، الناشر دار الکتاب العربی

لکھا ہے کہ ایسا مؤذن مستحق اجر نہ ہوگا

۔ " وفي فتَاوَى قاضيخان المؤَذِّنُ إذَا لم يَكُنْ عَالما بأَوْقَاتِ الصَّلَاةِ لَا يَسْتَحِقُّ ثَوَابَ المؤَذِّنِينَ ، قال في فَتْحِ الْقَدِيرِ فَفِي أَخْذِ الْأَجْرِ أَوْلَى اه"(۱)

اور نور الایضاح میں ہے :اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بہتر ہے کہ اذان دینا علماء کو سپرد کیا جائے اس لیے کہ اذان، جماعت کی طرف بلانے کے باب میں سے ہے؛ لہذا اذان کو دوسروں کے حوالے نہ کیا جائے جیسا کہ گزر گیا۔

" وشرط كماله كون المؤذن صالحا عالما بالوقت طاهرا متفقدا أحوال الناس زاجرا من تخلف عن الجماعة صيتا بمكان مرتفع مستقبلا"(۲)

مؤذن بنیادی علوم سے واقف رہے

مؤذن دین دار اور صالح ہونا چاہیے، جو شخص پابند شرع نہ ہو بل کہ فاسق ہو تو اس کو مؤذن بنانا درست نہیں، اللہ کے گھر کا مؤذن دین دار، تعلیم یافتہ، احکام دینیہ خصوصاً اذان ونماز کے مسائل سے واقف، اوقات نماز، صبح کاذب، صبح صادق، زوال، سایہ اصلی، ایک مثل دو مثل، شفق احمر وابیض وغیرہ کا جاننے والا، بلند آواز، خوش الحان، کلمات اذان صحیح ادا کرنے والا ہونا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے تم میں جو صالح وہ وہ اذان کہے۔(۳)

☆اوقات صلوۃ سے واقف ہو، نماز کے ابتدائی وانتہائی، مستحب، مباح اور مکروہ اوقات کو جانتا ہو۔

---

(۱) البحر الرائق: ۱/ ۲۶۸

(۲) مراقی الفلاح ۱/ ۱۲۳

(۳) ابوداؤد کتاب الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ ۸۷ :۱/

☆مؤذن بینا ہو۔(اگر نابینا مؤذن کی کوئی رہنمائی کرنے والا ہو،تو نابینا کے اذان دینے میں کوئی مضائقہ نہیں،مؤذن رسول اللہ ﷺ حضرت عبداللہ ابن مکتوم کی یہی صورت حال تھی۔علامہ عبدالحی لکھنویؒ تحریرفرماتے ہیں:

"قلنا انما یکون غیرہ اولی لان غیرہ اعلم بمواقیت الصلوۃ ،وکان مع ابن ام مکتوم من یحفظ اوقات الصلوۃ،ومتی کان مع الاعمی من یحفظ علیه یکو ن تاذینه وتاذنین البصیر سواءً،ذکرہ شیخ الاسلام"۔(۱)

ہمارے زمانے میں مؤذنوں میں یہ اوصاف مفقود ہیں،سستا اور کم سے کم تنخواہ والا،غیر عالم وغیر حافظ،اگر حافظ ہو تو جھاڑ و اور صفائی کے ساتھ مؤذن تلاش کیا جاتا ہے،خواہ اذان صحیح نہ دے سکتا ہو،اذان کے کلمات کہیں دراز اور کہیں مختصر کر کے اذان کی روح ہی کو فنا کر دیتا ہے۔

اذاں میں بدیہی غلطی ہو تو اعادہ لازم ہے

اذاں کے الفاظ کا تلفظ غلط ہو جائے تو اعادہ ضروری ہو جاتا ہے ہو،مثلاً "اَشھد" کو "اشّدُ" حیّ علی الصلوۃ" کو "حیَ لَلصَّلاۃ، یا"حَیَاالَلصّلوۃ""حیّ علی الفلاح" کو حیَ لَلفلاح"یا"حَیَاالَلفَلاح، "اللہ" کی جگہ "آللہ" اکبر" کی جگہ "آکبر" اور"اکبار" اور اسی طرح "حَیّ" میں "ح" کی جگہ چھوٹی "ہ" پڑھا جاتا ہے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے غلطیاں کی جاتی ہیں،ائمہ کرام وغیرہ جاننے والے حضرات بھی اصلاح نہیں کرتے،ائمہ کرام پر اس کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنے مؤذن کی اذاں درست کروائیں،اور اگر ائمہ اکرام اصلاح کرتے بھی ہیں تو مؤذنین قبول کرنے تیار نہیں ہوتے۔

---

(۱)السعایة،۳۸/۲

اذان صرف اعلان ہی کا نام نہیں ہے، بل کہ اذان عبادت بھی ہے اور مہتم بالشان اسلامی شعار بھی ہے، اس کو اسی کے شایان شان طریقہ سے ادا کیا جائے کہ اسلامی شان معلوم ہو ،اور سامعین کے قلوب متاثر ومتوجہ ہوں اور اس کی برکتیں ظاہر ہوں۔

"ان الاذان اظهار شعائر الاسلام" اذان اسلام کی علامت ہے۔

فتح القدیر میں ہے: "لان الاذان من اعلام الدین" اذان دین کی علامتوں میں سے ہے۔" حق تعالی متولیوں کو توفیق دے کہ اس کی اہمیت کو سمجھیں، اور باشرع مؤذن کا تقرر کریں، اور انہیں جھاڑو وصفائی کا کام نہ لیں۔

نظامِ مساجد کی درستگی کے لئے علما کرام کو انتظام سنبھالنا چاہئے

مساجد کا نظام صحیح اور بہتر سے بہتر ہونے کا زیادہ تر دارومدار عام طور پر متولیوں، صدور اور کمیٹیوں پر ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ بھی دیندار ہونے چاہیے اور اس منصب کے لیے سب سے بہتر عالم باعمل شخص ہوتا ہے کہ وہ صدر اور متولی بنے، اور اگر ایسا متولی میسر نہ ہو سکے تو کم از کم دین، صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وفقہ کا جاننے والا خوش اخلاق منصب مزاج، علم، دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم اور ان سے مشورہ کرکے کام کرنے والا، دین اور اہل دین سے محبت اور دین کی فکر رکھنے والا ہونا چاہیے، اگر ایسا متولی ہوگا تو مندرجہ بالا اوصاف سے متصف امام ومؤذن تلاش کر کے ان کا تقرر کرے گا، پھر ان کی صحیح قدردانی اور ان کو خدمت کرنے کا موقع فراہم کرے گا اور دینی کاموں کی انجام دہی میں ان کے معین ومددگار بنے گا۔

مسجد کی اذانیں اور ہمارا جرم

اسی طرح بیک وقت مختلف مساجد کے لاؤڈ اسپیکر سے نکلنے والی آوازیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ارتعاش پیدا کر دیتی ہیں، نہ صرف اذان کے الفاظ کو سمجھنا مشکل ہو جاتا

ہے، بلکہ ایک عجیب سی گھٹن پیدا ہو جاتی ہے، کاش تمام مساجد میں کچھ منٹ کے فاصلے سے اذاں کا وقت رکھا جاتا، اور ایک اچھے قاری کو اتنی تنخواہ دے کر رکھا جاتا کیونکہ مسلم علاقوں میں و مسلم بستیوں میں کچھ غیر مسلم بھی بستے ہیں اور اذان کی یہ دعوت بیشک ان کیلئے بھی ہوتی ہے، مسلمان کسی بھی طرح اذان کا ثواب تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن غیر مسلموں کو اگر اس نہ سمجھ میں آنے والی پکار سے تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

مسجدوں کے متولی امام کی قرات کو تو اہمیت دیتے ہیں لیکن موذن کی قرات کا کوئی دھیان نہیں دیا جاتا جبکہ امام کی قرات سے تو صرف نمازی ہی مستفید ہوتا ہے اگر امام کی قرات تھوڑی سی کمزور بھی ہے تو اسے صرف نمازیوں کو ہی برداشت کرنا ہے لیکن موذن کی آواز ان کو بھی متاثر کرتی ہے جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں یا غیر مسلم ہیں۔

؎ رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی

اذاں بہترین سیکھ کر بہترین انداز میں دیں

مؤذن کی بنیادی ذمہ داریوں میں اذاں کا وقت جاننا، مقررہ وقت پر اذاں دینا، مسنون طریقہ سے بہترین اذاں دینا، مگر افسوس آج کل اذاں واقامت اتنی غلط ہیں کہ اللہ کی پناہ ، اکثر کلمات غلط ہوتے ہیں، اور لحن سے تو اللہ ہی بچائے ، ہماری اذانیں غیروں کو متوجہ کروانے کے بجائے اذانوں پر پابندی کی آوازیں اٹھ رہی ہیں، جبکہ غیروں کو اذان سے نہیں غلط اذاں سے شکایت ہے، ورنہ کتنے غیر مسلم اذاں سن کر اٹھتے ہیں، اور کسی دن دیر سے اذاں ہونے پر پوچھتے ہیں آج اذاں وقت پر کیوں نہیں ہوئی، ہم اذاں سن کر اپنی صبح کرتے ہیں، اتنا کھینچ کھینچ کر کلمات کو بگاڑا جاتا ہے کہ ہر شخص کو کراہت ہوتی ہے۔

اذاں پر عبرتناک واقعہ

مولانا رومی کی رباعیوں کے حوالے سے ایک مشہور قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص

کسی بستی میں روزانہ پابندی کے ساتھ پانچ وقت کی اذان دیتا تھا جس کی آواز اتنی بھدی تھی کہ لوگ بدظن ہونے لگے، مگر بستی کے بااخلاق لوگ ان کے خلوص، پرہیزگاری اور وقت کی پابندی کی وجہ سے منع نہیں کر پارہے تھے کہ وہ اذان نہ دے، ایک دن بستی کے کچھ لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کی بستی سے کوئی قافلہ حج کو روانہ ہونے والا ہے، بستی کے لوگوں نے مشورہ کیا کہ کیوں نہ مؤذن کے زاد راہ کا انتظام کر کے انہیں حج کیلئے روانہ کر دیا جائے، اس طرح موذن صاحب ایک مقدس فریضے سے بھی ادا ہو جائیں گے اور ہمیں ان کی آواز سے بھی چھٹکارا مل جائے گا، قدیم زمانے میں چونکہ پیدل سفر کی وجہ سے مسافت طویل اور مشقت سے بھرپور ہوا کرتی تھی اس لئے اکثر لوگ قافلوں میں سفر کیا کرتے تھے اور پھر قافلے والے راستے میں کسی بستی میں کچھ دنوں تک ٹھہر کر آگے کے سفر کا بھی انتظام کرلیا کرتے تھے ،موذن صاحب جب اس قافلے کے ساتھ روانہ ہوئے تو سفر کے دوران ان کے قافلے کا پڑاؤ بھی ایران کی ایک بستی میں ہوا، وہاں پہنچ کر انہوں نے یہاں بھی پابندی کے ساتھ مقامی مسجد میں اذان دینا شروع کر دیا، <u>اسی دوران ایک دن بستی کا ایک غیر مسلم پارسی ایک تھیلے میں اشرفیاں بھر کر لایا اور موذن صاحب کو یہ کہہ کر دیکر چلا گیا کہ یہ میری طرف سے آپ کو حج کے سفر کیلئے تحفہ ہے، مؤذن نے خوشی خوشی لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا تو لوگ بہت ہی حیرت میں پڑ گئے کہ آخر وہ شخص جو ہمارے مذہب سے بغض رکھتا تھا اسے مؤذن صاحب پر اتنا رحم کیسے آیا، لوگوں نے پارسی سے پوچھا کہ تم کو تو ہمارے مذہب سے بیر تھا پھر آخر یہ نئے موذن پر فراخدلی کے مظاہرے کا کیا مطلب، پارسی نے کہا کہ میری لڑکی اس سے پہلے اذان کی آواز سے اتنا متاثر تھی کہ وہ روز مجھے پریشان کرتی کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتی ہے مگر نئے موذن صاحب کی آواز نے اسے اپنا فیصلہ بدلنے کیلئے مجبور کر دیا ہے، اس لئے میں نے خوش ہو کر یہ تحفہ نئے موذن کو دیا ہے کہ جس مذہب کو قبول نہ کرنے کیلئے میں برسوں اپنی لڑکی کو باز نہیں رکھ سکا اس مؤذن نے چند دنوں میں یہ کام پورا کر دیا۔</u>

<u>فائدہ:</u> کبھی کبھی مسلمان خود اپنے اعمال اور اپنی طرز زندگی یا اچھی بات کو غلط ڈھنگ

اور بے ڈھنگے طریقے سے پیش کر کے بھی دوسروں کو متنفر کرتے ہیں اور ہمیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا ہے۔

ملک میں اتنی زیادہ اذاں ہونے کے بعد بھی نفرت کیوں؟

ہمارے ملک میں بے شمار مسلکی تنظیمیں دعوت وتبلیغ میں مصروف ہیں، ساری تنظیموں کا دعویٰ ایک رب کی طرف بلانا ہی ہے، مگر مسلکی وتنظیمی اختلافات نے اسلام کو اختلافات کی چادر میں ڈھانک دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمان اپنے مسلک کی مسجد کی اذاں سن کر مسجد جاتا ہے، نفس اذاں سن کر مسجد نہیں جاتا ہے۔

مسلمانوں کی تنظیموں کو یہ احساس ہونا چاہئے کہ ہمارے اختلافات کی شدت نے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کی دھندلی تصویر پیش کی ہے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ مسلمانوں کے محلے میں رہنے والے ہندولڑکے بھی جاننے لگے ہیں کہ مسلمانوں کے کس مسلک کا کس مسلک سے کیا اختلاف ہے، ایسے میں مسلمان کس طرح غیر مسلموں میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کرسکتا ہے اور دیگر مذاہب کے لوگ کس تنظیم کی دعوت پر کس طرح لبیک کہیں گے؟ اس کے علاوہ شاید کسی بھی مسلک والے کی مسجد سے اذاں دل کش ہوتی ہو؟ الاماشاءاللہ۔ یہ ایک ایسی دعوت ہے جو دین کے ایک اہم فریضے کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے اور اس پکار میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات کا مقدس نام بھی آتا ہے جس کی ادائگی میں اتنا اہتمام تو ہونا ہی چاہیے کہ سننے والا خود یہ پوچھنے کیلئے بے چین ہو جائے کہ آخر یہ آواز کیسی ہے اور یہ کس ہستی کا مقدس نام ہے جس کی طرف بلانے کی دعوت دی جارہی ہے۔

اتنی تنخواہ میں ایسی ہی اذاں ہوگی

ایک شخص نے اذان کے معاملے میں ایک مسجد کے مؤذن سے شکایت کی کہ وہ اذان تھوڑا اچھے سے دیں، مؤذن نے جواب دیا کہ : کیا چار ہزار کی تنخواہ میں محمد رفیع کی آواز میں

پکاروں؟''موذن کی اپنی بات بھی درست تھی کہ چار ہزار روپیۓ میں کیسے گذارہ ہوگا لیکن مؤذن نے یہ نہیں سوچا کہ اذان کوئی فن یا پیشہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسی دعوت ہے جو دین کے ایک اہم فریضے کی طرف لوگوں کو بلاتی ہے اور اس پکار میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ذات کا مقدس نام بھی آتا ہے جس کی ادائیگی میں اتنا اہتمام تو ہونا ہی چاہیے کہ سننے والا خود یہ پوچھنے کیلئے بے چین ہو جائے کہ آخر یہ آواز کیسی ہے؟ اور یہ کس ہستی کا مقدس نام ہے؟

''ہندوستان میں مسلم حکمرانی کے بعد سارا نظام ہی درہم برہم ہو چکا، اب کسی مؤذن وامام اور کسی مسجد کے ٹرسٹی کو نصیحت کرنا بھی بے فیض معلوم ہوتا ہے لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اجتماعات، کانفرنس اور جلسوں میں لاکھوں روپیۓ خرچ کر کے اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جاتی ہے وہیں کیا اصلاحِ اذاں وامامت کرنے کے کام نہیں ہیں؟ کہ کم سے کم اپنے معاشرے کی اصلاح کا کام اپنے مساجد کی اصلاح سے شروع ہو''۔(ازقلم: عمر فراہی)

اذان کس قدر تسکین روح کا سامان ہے؟

واقعہ یہی ہے کہ اذان انتہائی مسحورکن اور دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے والی ایک پیاری آواز ہوتی ہے، اسی لیے ابھی کئی علاقوں میں مسلم ہی نہیں بلکہ ہندو بھی اذان کی آواز پر اٹھ جاتے ہیں اور اس وقت کے اٹھنے کو خیر و برکت اور رحمت کا باعث تصور کرتے ہیں اور سویرے ہی اپنی مصروفیت میں لگ جاتے ہیں، اسی اذان کی لذت نے بہت سارے غیر مسلم بھائیوں کو بھی اذان کا احترام کرنے پر مجبور کر دیا اور اس کی مٹھاس اور رس گھولنے والی اور شیریں آواز کے غلام بن کر رہ گئے، کتنے لوگوں نے اذان کی مسحورکن آواز کو سن کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں، اور اذان جیسی سریلی اور میٹھی آواز ان کے قبول اسلام کی وجہ بنی:

☆ بلکہ بعض امریکی سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ بعض پھول ایسے ہیں جو صرف اذان کی آواز پر ہی کھلتے ہیں۔

☆ برطانوی خبر رساں ادارے کی رپورٹر یسلی سعودی عرب/ جدہ میں اذان کی آواز سن کر اپنے جذبات پر قابو نہ پاسکیں اور رو پڑیں، ان کا کہنا تھا کہ ''یہ آواز اتنی سحر انگیز ہے کہ اس نے مجھے گنگ کر دیا ہے۔

☆ ہالی ووڈ ایکٹر ''لیام نیسن'' اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں کہ وہ دو ماہ کے لئے اپنی فلم ''ٹیکن 2''کی شوٹنگ کے لئے استنبول رہے، پہلے ہفتے انھوں نے اذان کی آواز سن کر کانوں کو بند کر لیا، دوسرے ہفتے اس آواز نے انھیں کھینچنا شروع کر دیا اور تیسرے ہفتے مکمل طور پر اس آواز کے سحر نے ان کو جکڑ لیا، ان کا کہنا ہے کہ بلا شبہ وہ ایک شاندار جگانے والی پکار ہے۔

☆ ایک فلم ایکٹر ''پرینکا چوپڑا'' کا ایک ویڈیو وائرل ہوا ہے جس میں وہ کہتی ہے کہ ان کو سب سے اچھا وقت وہ لگتا ہے جب وہ شہر بھوپھال میں اپنے گھر کے اوپر عشاء کی آواز کو سنتی ہے تو وہ ان کی زندگی کا نہایت خوش کن اور بہترین لمحہ ہوتا ہے، اور سے بڑا حسین تجربہ قرار دیا ہے۔

☆ غالبا ''پوجا بھٹ'' نے ٹوئیٹ کرتے ہوئے لکھا کہ: ''میں روز صبح چرچ کی گھنٹی اور اذان کی آواز کے ساتھ اٹھتی ہوں، پھر اگر بتی جلاتی ہوں، ہندوستان کی اس روح کو سلام''۔

☆ یوٹیوب پر گلوکار ''عاطف اسلم'' نے اذان کی ویڈیو کے ساتھ پیغام لکھا کہ اللہ سب سے بڑا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں۔ یوٹیوب پر عاطف اسلم کی آواز میں اذان کو اب تک دنیا بھر سے لاکھوں لوگوں نے سنا اور ہزاروں نے اس پر تبصرے کیے، ''انکیت پراجاپتی'' نامی ایک غیر مسلم مداح نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ''میں ہندو ہوں لیکن مجھے اسلام بہت پسند ہے اور میں اس مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں''۔

انکیت کے اس تبصرے کو لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے سراہا اور انہیں کھلے دماغ سے ترجمے کے ساتھ قرآن پڑھنے کے مشورے دیے۔

اذاں سن کر قبول اسلام کے واقعات

اذان کی طاقت اور روحانی لذت ہی ہے جس نے بہت سے غیر مسلموں کو متاثر کیا اور ان کے اسلام میں داخلے کا سبب بنا، یعنی یہ بذات خود ایک تبلیغ ہے۔

☆ایک پروگرام journey to Islam میں اسلام کے دائرے میں داخل ہونے والے غیر مسلم لوگوں کے انٹرویوز نشر کیے جاتے ہیں کہ انھیں کس چیز نے مسلمان ہونے پر مائل کیا، سمیہ ویلری، فرنچ نژاد خاتون کہتی ہیں کہ میں ڈپریشن میں تھی مجھے اپنی زندگی کا مقصد نہیں سمجھ آتا تھا، عجیب بے چینی تھی میرے پاس سب کچھ تھا لیکن میں خوش نہیں تھی 20/سال شادی کو ہوگئے، لیکن میرے اندر ایک چیز تھی کہ یہ میری دنیا نہیں ہے میرے بچے بڑے ہوئے تو میں اپنی فیملی کی اجازت سے سیاحت کے لئے یوگوسلاویہ گئی، اس علاقے میں سب سے آخر میں بوسنیا پہنچی، بس وہیں میں نے اپنی پہلی اذان کی آواز سنی اس نے میرے دل کو شدید متاثر کیا مجھے نہیں پتا تھا کہ وہ کیا تھا بس وہ جو کچھ بھی تھا مجھے اپنی طرف کھینچ رہا تھا پھر اسلام کو سرچ کیا اس کو عملی طور پر دیکھا، اور استنبول چلی گئی اور کچھ عرصے بعد اسلام قبول کرلیا۔

☆نیویارک ٹائمز اور دا اکانومسٹ سے منسلک فرنچ رپورٹر ’’جولئن ڈرولن‘‘ کہتے ہیں کہ ان کا شروع ہی سے روحانیت کی طرف کھنچاؤ تھا، وہ پادری بننا چاہتے تھے، فرانس میں آج کل 70/فیصد لوگ atheist ہیں ان کا کوئی مذہب نہیں، پہلے انہوں نے بدھ مت اختیار کیا کیونکہ اس میں انھیں مراقبہ کی وجہ سے روحانیت محسوس ہوئی، انھوں نے انٹرنیشنل جرنلسٹ کے طور پر 50 سے زیادہ ملکوں میں سفر کیا جن میں ظاہر ہے مسلم ممالک بھی تھے۔ پہلے اسلام کو وہ عربوں کا مذہب سمجھتے تھے، پہلی بار انھوں نے Cyprus میں اذان کی آواز سنی بہت مسحور کن تھی جو انکے اسلام کی طرف کھنچاؤ کی بنیاد بنی، وہ مختلف مذاہب کو پڑھ رہے تھے اور اللہ سے راہ ہدایت کے طلبگار تھے، 2007ء میں اذان سنی اور بالآخر 2012ء

میں عملی طور پر اسلام کے دائرے میں داخل ہو گئے۔

☆ ”ٹوکیو“ کی ”ٹرکش“ مسجد کے امام کا کہنا ہے کہ یہ اذان ہی تو ہے جو دعوت اسلام دیتی ہے، یہاں ”ٹوکیو“ میں کتنے ہی نوجوان ہیں جو اذان سننے مسجد آتے ہیں اور پھر دھیرے دھیرے اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔

پوری زندگی کسی مسلمان سے نہیں ملا، اذان سن کر مسلمان ہو گیا

لندن (اے پی پی) حال ہی میں دائرہ اسلام میں دخل ہونے والے ایک ”اسکاچ“ نومسلم نے کہا ہے کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے قبل پوری زندگی میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کی، میں پہلی بار ترکی میں سیاحتی دورے کے دوران ایک مسجد میں بلند ہونے والی اذان سے متاثر ہوا جس کے بعد اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا، گہرے مطالعے نے مجھے نہ صرف اسلام کے قریب کر دیا بلکہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کی راہ ہموار کی۔ اسکاچ نومسلم ”آلن رونی“ نے قبولیت اسلام کا اپنا واقعہ برطانوی اخبار ”انڈیپنڈینٹ“ میں شائع اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے۔

ہمارے ہاں عام مسجدوں میں مؤذن کا انتخاب کسی خاص صلاحیت پر نہیں ہوتا، اذان سن کر جب ایک مسلمان ہونے کے ناتے مسلمان کو متاثر کن نہیں ہیں تو غیر مسلم پر کیا اثر ہوگا۔ اگر انٹرنیٹ پر ہم مختلف مسلمان ممالک کی اذانوں کو سنیں تو سب کا انتہائی خوبصورت جدا جدا انداز نظر آئے گا، ملک میں بھی اچھے مؤذن ہیں لیکن عام مسجدوں میں ان کے انتخاب کا خاص معیار نظر نہیں آتا، دوسرے مسلمان ممالک میں مؤذن کا انتخاب انکی مسحور کن آواز پر ہوتا ہے تاکہ وہ سیاحوں کو متاثر کر سکے۔

بے شک ہمیں مؤذن کے چناؤ پر توجہ دینی چاہئے، اذان تو اللہ کی طرف سے ہمیں تبلیغ کے لئے ایک خوبصورت تحفہ ملا ہے۔

مؤذنین کو شاہ ابرارالحق صاحبؒ کی نصیحت

حضرت اقدس محی السنہ شاہ ابرارالحق صاحبؒ فرماتے ہیں: مؤذنین کو اذاں و اقامت سنت وشریعت کے مطابق سکھانے کے مراکز قائم کئے جائیں، اور جو مسکین ہوں تو ان کے کرایہ اور کھانے کا انتظام کیا جائے، اور ہر مسجد کے مؤذن کے علاوہ بھی کچھ مخصوص نمازیوں کو اذاں و اقامت سکھائی جائے تاکہ مؤذن صاحب گھر چلے جائیں یا بیمار ہوں تو دوسروں سے کام لیا جائے، اور مدارس میں تمام اساتذہ وطلباء کو اذان و اقامت سکھائی جائے، کبھی مہتمم صاحب اذاں و اقامت کہیں، اذاں کو نعوذ باللہ گھٹیا نہ سمجھیں، حضرت سیدنا عمرؓ نے فرمایا تھا کہ: اگر میرے ذمہ خلافت کا بار نہ ہوتا تو میں کسی مسجد میں اذاں دینے کی ذمہ داری لیتا، آج کل مساجد تو بہت شاندار ہیں مگر مؤذن بہت سستا رکھا جاتا ہے.. مؤذن ایسا ہو جو امامت بھی کرسکے، ایک جگہ بہت عمدہ نماز ہوئی، نماز کے بعد معلوم ہوا کہ مؤذن صاحب تھے، تنخواہ معلوم ہوئی پونے چارسو روپیہ، آج کل ہر کام میں اس کام کا ماہر چاہتے ہیں مگر قرآن پڑھانے کے لئے، اذاں دینے کے لئے امامت کرنے کے لئے سستا آدمی تلاش کرتے ہیں، یہ دین کی بے وقعتی نہیں تو اور کیا ہے؟۔(۱)

(۱) مؤذن نائب امام بننے کی صلاحیت رکھتے ہوں

ایک اور بہت ہی قابل توجہ اور ضروری بات مؤذن امام صاحب کی نیابت کے قابل ہو یعنی امام صاحب کی غیر موجودگی میں مؤذن صاحب کا نماز پڑھوانا ایک اہم معاملہ ہے، اس لئے مؤذن صاحب پر لازم ہے کہ نماز کے اس قدر ضروری مسائل لازمی سیکھیں کہ نماز صحیح پڑھا سکیں، بالخصوص نماز کی شرائط، فرائض، واجبات اور مکروہاتِ تحریمہ کے بارے میں اچھی معلومات ہونا بہت ضروری ہے کیونکہ شرط یا فرض رہ جائے تو نماز بالکل نہ ہوگی، جبکہ

(۱) آئینہ ارشادات ۱۳ :

اگر بھولے سے واجب رہ جائے یا کوئی مکروہِ تحریمی عمل ہو جائے تو بعض صورتوں میں تو سجدۂ سہو واجب ہوگا جبکہ بعض صورتوں میں نماز واجب الاعادہ ہوگی۔

(۲) مؤذن امانت دار ہو

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''المؤذن مؤتمن ''۔(۱)

ایک دوسری روایت میں فرمایا :''المؤذنون امناء المسلمين على فطورهم وسحورهم''۔(۲)

مؤذنین حضرات مسلمانوں کے امانت دار ہوتے ہیں ان کی سحری وافطاری کے مسئلہ میں ،اذان کی ذمہ داری خود ایک امانت ہے،اذان کی ذمہ داری کو اس کے تمام حقوق وآداب کی رعایت کے ساتھ انجام دینا اس امانت کی وفاداری ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے خاص طور سے افطار وسحری کے مسئلہ میں مؤذنین حضرات کو متوجہ کیا ہے،اس لئے کہ اگر فجر کی اذان وقت سے پہلے ہو جائے،تو روزہ رکھنے والوں (رمضان کے علاوہ بھی قضاء روزہ ،نفل روزے ،نذر کے روزے وغیر ہو سکتے ہیں) کے لئے سحری میں دقت ہوگی اور نیز اس سلسلہ میں ان کے ساتھ خیانت ہوگی۔

(۳) وضع قطع اسلامی ہو

☆ امامت خواہ ایک وقت کی ہو یا مستقل بہرصورت ایک اہم منصب اور لوگوں کی نگاہ میں بھی بہت عزت وشرف کا مقام ہے،اس لئے مؤذن صاحب کو چاہئے کہ کردار وگفتار، رہن سہن ،لباس اور صفائی ونظافت کے حوالے سے بھی توجہ رکھیں، صفائی ونظافت کیلئے ضروری نہیں ہے کہ کاٹن یا لٹھے کا فُل پریس کیا ہوا نیا سفید سوٹ ہو، بلکہ صرف دُھلا ہوا صاف لباس بھی نظافت ہی ہے۔

---

(۱) أبو داؤد، حديث ۵۱۷ :

(۲) كنز العمال، ۷ / ۷۲۲

(۴) شرعی مسائل میں عالم کی طرف رہبری کر دے

☆امام صاحب کی غیر موجودگی میں اگر لوگ کوئی شرعی سوالات کریں تو مؤذن صاحب کو چاہئے کہ اگر بالکل کوئی عام مسئلہ ہو مثلاً نماز یا وُضو کا طریقہ، نماز کی رکعات، وُضو کے فرائض وغیرہ تو جواب دینے میں حرج نہیں، جبکہ دیگر سوالات کے جواب کچھ کچھ آتے بھی ہوں تو از خود جواب دینے کی جرأت نہ کریں بلکہ مفتی صاحبان سے رہنمائی لینے کا مشورہ دیں۔

(۵) مسجد کی گھڑیوں کے اوقات درست کرنے کا اہتمام

☆اکثر مساجد میں ایک سے زائد گھڑیاں لگی ہوتی ہیں، مؤذن صاحب کو چاہئے کہ ان کا بھی خیال رکھیں کہ سبھی کا وقت ایک ساتھ ہو، بعض دفعہ ایک ہی مسجد کی گھڑیوں کا وقت آگے پیچھے ہونے کے باعث جماعت کا وقت ہونے پر لوگ باتیں کرتے ہیں، امام صاحب اور مؤذن صاحب دائیں جانب والی گھڑی کا اعتبار کرتے جبکہ لوگ بائیں جانب والی پر توجہ (Focus) کر رہے ہوتے ہیں اور جس گھڑی کا ٹائم آگے ہوا سے دیکھ کر گردنیں گھما گھما کر دیکھتے ہیں کہ مؤذن صاحب تکبیر کیوں نہیں کہہ رہے ہیں؟ بالخصوص جو گھڑی خطیب صاحب کے سامنے ہو اس کا وقت بالکل دُرست رکھنا بہت ضروری ہے تا کہ جمعہ کا بیان وخطبہ لیٹ نہ ہو جائے۔

(۶) سنن ونوافل کا پابند ہو

☆ نماز کی پابندی اور مکمل ادائیگی بھی بہت ضروری ہے جماعت کے فوراً بعد اپنی مصروفیات میں نکل جانا اور بقیہ سنن ونوافل مسجد میں ادا نہ کرنا مناسب نہیں کہ یہ عمل نمازیوں کو بدظن کرنے کا سبب ہے، بعض مؤذن بغیر وضو کے اذاں دے کر مسجد سے نکل جاتے ہیں،

اور جماعت سے پہلے آ کر اقامت کہہ دیتے ہیں، یہ نامناسب اور غیر شرعی روّیہ ہے۔(۱)

(۷) مسجد کھولنے اور بند کرنے کے اوقات متعین ہوں

☆مسجد کھولنے اور بند کرنے کے حوالے سے بھی مؤذن صاحب کو بہت پابندی اور توجہ کی ضرورت ہے، اس حوالے سے اہلِ محلہ اور انتظامیہ کی مشاورت سے کوئی وقت طے کر لینا چاہیئے اور مقررہ وقت پر مسجد کو بند کر دینا چاہیئے۔

(۸) نمازیوں سے عمدہ گفتگو ہو

☆بعض نمازیوں کی عادت ہوتی ہے کہ ایک پنکھے کے نیچے ایک بندہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس کے پاس نماز پڑھنے کے بجائے اپنے لئے الگ پنکھا چلائیں گے، ایسی صورت میں مؤذن صاحب کو چاہیئے کہ پیار محبت سے سمجھا دیں، ایک آدھ بار کہنے سے نہ مانیں تو الجھنے اور تکرار کرنے سے بالکل پرہیز کریں اور اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں یا ضرورتاً مسجد انتظامیہ سے بات کر لیں، اِنْ شَاءَ اللہ آج نہیں تو کل وہ خود ہی نادِم ہوگا جبکہ تکرار کے باعث ممکن ہے کہ وہ بدتمیزی کرے یا مسجد میں آنا ہی چھوڑ دے۔

(۹) نمازیوں سے جھگڑا نہ کرے

☆ مؤذن صاحب کو چاہیئے کہ بزرگ نمازیوں کے حوالے سے زیادہ احتیاط برتیں، کبھی صفائی کرتے ہوئے یا کسی بھی معاملے میں وہ کچھ کہہ دیں تو ناراض ہونے یا اُلٹا جواب دینے کے بجائے مسکرا کر موقع گزار دیں۔

(۱۰) صفائی کا لحاظ رکھے

☆اہلِ محلہ اگر کبھی کھانا وغیرہ مسجد میں بھیجیں تو بھی نفاست کا مظاہرہ کریں، ہر چیز مسجد

(۱) دعوت اسلامی چینل، فیضان مدینہ، قسط اول

میں رکھ لینا اور پھر خراب ہونے اور سڑنے کے بعد برتنوں کی صفائی کرنا یا کسی کے آئے ہوئے برتن وغیرہ واپس دینے کی زحمت نہ کرنا انتہائی غیر مناسب ہے بلکہ تقاضے کے بعد بھی نہ دینا ناجائز وحرام ہے۔

(۱۱) جنازہ کے موقع پر مؤذن ساتھ دے

☆ محلے میں کسی مسلمان کی میّت ہوجائے تو اس موقع پر بھی مؤذن صاحب کو توجہ رکھنی چاہئے یعنی جنازہ والی چارپائی وغیرہ وقت پر مہیا کرنا، میّت اور جنازہ کا اچھے انداز میں اعلان کرنا جہاں اخلاقی اعتبار سے اہم ہے وہیں مؤذن صاحب کی کارکردگی کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

(۱۲) امام صاحب کی جو خدمت متعلق ہو مکمل کردے

☆ مسجد کے دیگر امور کے ساتھ ساتھ مؤذن صاحب کو چاہئے کہ امام صاحب کے معاملات کا بھی خیال رکھیں، مثلاً: جائے نماز وغیرہ جھاڑ کر بچھائیں، خطبہ و بیان وغیرہ میں پانی اور کتابیں وغیرہ جو ان کی ضرورت کی ہوں ان کے پاس رکھ دیں، اور کسی بھی معاملے میں امام صاحب کے ساتھ نہ اُلجھیں۔

(۱۳) صاف انکار نہ کریں

☆ مسجد انتظامیہ یا امام صاحب مسجد کے حوالے سے کوئی کام بولیں تو تکرار یا انکار ہرگز نہ کریں، اگر کرنا ممکن ہو تو کردیں، اگر نہیں ہوسکتا ہو تو ایسے الفاظ سے بات کریں کہ سامنے والا اس کو انکار سمجھ لیں۔

(۱۴) مسجد کی انتظامیہ سے خیر خواہانہ تعلق ہو

☆ بعض مساجد میں مسجد انتظامیہ کے افراد خوب چست (Active) ہوتے ہیں اور بخوبی خدمت انجام دیتے ہیں، جبکہ بعض جگہ انتظامیہ کی سُستی یا ذاتی مصروفیات کے

باعث مسجد کے چھوٹے موٹے کام مؤذن صاحب ہی کے ذمہ ہوتے ہیں اور اگر مؤذن صاحب بھی توجہ نہ دیں تو یہ کام اکثر اِلتوا کا شکار رہتے ہیں، مثلاً کوئی لائٹ یا پنکھا وغیرہ خراب ہوجائے یا خادمِ مسجد کو صفائی کے لئے کوئی سامان درکار ہو تو مؤذن صاحب کو چاہئے کہ انتظامیہ سے بات کرکے ضروریات کو پورا کریں۔

(۱۵) مسجد کے اشیاء استعمال کرنے میں محتاط رہے

☆ مسجد کی جائے نماز اور دیگر سامان کا استعمال شریعت کے مطابق کرنا چاہئے، بعض مؤذن صاحبان پُرانی دری صفائی کے لئے خادم صاحب کو دے دیتے ہیں جو اسے کاٹ کر وائپر (Viper) پر لگا لیتے ہیں، اسی طرح بعض تو مسجد کی جائے نماز کھانا وغیرہ کھانے کے لئے بچھا لیتے ہیں، یاد رکھئے کبھی بھی مسجد کی چیز کسی دوسرے کام میں استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر وہ استعمال کے بالکل بھی قابل نہ رہی ہو تو بھی مفتیانِ کرام سے راہنمائی لینے کے بعد ہی اسے دیگر استعمال میں لایا جائے۔

(۱۶) مسجد کی خدمت کو ولایت کا ذریعہ بنائیں

☆ اگر مسجد کی انتظامیہ ایکٹو نہ ہو، مسجد کی چھوٹی موٹی ضروریات بلاوجہ اِلتوا کا شکار ہوں تو ہمیں چاہئے کہ ایک مسلمان کی حیثیت سے، ثواب کی نیّت سے مسجد کی خدمت کرتے ہوئے ان کاموں کو انجام دے دیں، ایک بات ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہمیں کبھی بھی یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ "یہ میرا کام نہیں"، مسجد انتظامیہ مساجد سے کوئی تنخواہ نہیں لیتی، بلکہ وہ فی سَبِیل اللہ کام کرتے ہیں اور ثواب کماتے ہیں، اگر ہم بھی فی سَبِیل اللہ اپنی ذمہ داریوں کے علاوہ مسجد کی خدمت کرلیں گے تو ہماری ہی آخرت سنورے گی اور نمازی حضرات مسجد سے دور نہیں ہوں گے۔

(۱۷) کمیٹی کی شکایات عوام سے نہ کریں

☆ مسجد انتظامیہ یا دیگر کسی بھی حوالے سے کوئی شکایت یا پریشانی ہو تو عام لوگوں کے

سامنے ہرگز تذکرہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اولاً امام صاحب سے مشورہ کریں پھر اگر مناسب ہو تو مسجد انتظامیہ سے بات کریں، بلا وجہ عوام الناس کے سامنے اپنے مسائل بیان کرنا عزت و وقار کو ٹھیس پہنچانے کے ساتھ ساتھ مسجد انتظامیہ کو بھی بلا ضرورت تشویش میں مبتلا کرے گا۔

(۱۸) معاملات میں صاف ستھرے رہیں

☆ لین دین کے معاملات، اُدھار، لوگوں سے فضول تعلقات، بلا ضرورت مسجد سے باہر گھومنے پھرنے، مسجد میں ہونے والی محافل و اجتماعات وغیرہ میں مصروفیات نبھانے اور لوگوں کے گھروں میں جا کر بچّوں کو پڑھانے وغیرہ کے معاملات میں مؤذن صاحب اور امام صاحب دونوں کو ہی بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔(۱)

(۱۹) امام سے عمدہ تعلق رکھیں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی موقعوں پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھول چوک یا کوئی اس طرح کے واقعے سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی رہنمائی فرمائی ہیں جیسا کہ مشہور واقعہ ہے ایک جنگ سے واپسی کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نگران مقرر کیا گیا تھا کہ آپ وقت مقررہ پر اٹھا دے تاکہ نماز وقت پر پڑھی جا سکے؛ لیکن تھکن کی وجہ سے نیند غالب رہی تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ اٹھا نہ سکے، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تھوڑی سی بھی تنبیہ نہیں فرمائی ؛ بلکہ آگے چلنے کے لیے فرمایا، اس واقعے سے جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق حسنہ معلوم ہوتے ہیں وہیں پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ذمہ داری قبول کرنا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہئے، اپنے امام سے ایسا تعلق رکھے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، امام سے غلطی ہو جائے تو اسے تشہیر کرنے کے بجائے اس کے علم و مقام کا لحاظ رکھتے ہوئے ادب سے عرض کرے، امام کی عیوب کیٹی

(۱) ماہانہ فیضان مدینہ، ماہنامہ ربیع الاول 1442, ھ

سے ذکر نہ کرے، کمیٹی کا جاسوس نہ بنے ،لوگوں کے سامنے بدنام کرنے کے موقع تلاش نہ کرے، آج جس امام کے عیوب دیکھے جائیں گے کل اسی مؤذن کو ذلت اٹھانی پڑے گی، لوگ ایک دوسرا سے متنفر کرنے کے بہانے تلاش کریں گے، امام کے علم سے استفادہ جاری رکھنا چاہیئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جگانے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے یہودی قرض لاکر دیا کرتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان پر صحابہ کو بلوا کر لاتے تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ فاقہ برداشت کرتے تھے۔

الغرض امام اور مؤذ میں گہرا تعلق ہو، کبھی امام حاضر نہ ہوسکے تو اس کی جگہ خدمت کرلے کمیٹی یا عوام کو امام خلاف نہ بھڑکائے اور نہ عیوب سے آگاہ کرے۔

(۲۰) مسجد کے مکتب ومدرسہ سے عمدہ تعلق رکھیں

مسجد میں اگر مکتب چلتا ہو تو مکتب بچوں سے ،مدرسہ چلتا ہو تو مدرسہ کے بچوں اور اساتذہ سے دلی محبت کرے، بچے بچے ہی ہوتے ہیں چاہے کسی کے ہوں، بچوں کی ہر چھوٹی غلطی کو اچھال کر کمیٹی یا عوام کو مکتب ومدرسہ کے خلاف نہ بھڑکائے، محض اس وجہ سے کہ مجھے مسجد کی صفائی کرنے میں دشواری ہورہی ہے، چوری چھپے مدرسہ ومکتب کے فوٹوز لے کر کمیٹی کو دکھا کر چاپلوسی نہ کرے، اور نہ کسی کے کہنے پر جاسوسی کی حرکت نہ کرے، یہ مؤذن کی شان کے خلاف ہے، ایسی خسیس حرکتوں سے خود کی اولاد دینی تعلیم سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجائے گی ،خود بھی مدرسہ سے فارغ ہے تو مدارس اور اہلِ مدارس کی عظمت کرے، چندہ کے لئے آنے والے سفیروں کو جھڑک کر بات نہ کرے، سنجیدگی سے مسجد کے احوال سنادے، نفرت والی زبان استعمال نہ کرے اور نہ ہی تحقیر کرے۔

(۲۱) لوگوں سے سوالیہ روّیہ نہ رکھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مجھے ایک چیز کی ضمانت دے دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں (آپ کو ایک چیز کی ضمانت دیتا ہوں)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کرنا۔ حدیث کے راوی (عبد الرحمن بن یزید) کہتے ہیں: (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سن لینے کے بعد) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا کوڑا اگر جاتا اور آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو آپ اونٹنی کو بٹھا کر خود ہی اسے اٹھا لیتے اور کسی سے یہ نہ کہتے کہ یہ مجھے (اٹھا کر) دے دو۔

"قال رسولُ الله -ﷺ- :مَن يَضمنُ لي واحدةً وأضمنُ له الجنّة؟ قال :قلتُ :أنا يا رسولَ الله، قال:لا تَسْألِ الناسَ شيئاً، قال :فكان سَوطُ ثوبان يسقطُ وهو على بَعيره فيُنيخُ حتّى يأخذَه، ومايقولُ لأحدنَاولْنِيه" (۱)

لوگوں کے سامنے سوالیہ انداز سے گفتگو نہ کرے، اپنے مصائب واحوال لوگوں سے بیان نہ کرے، اپنی تنخواہ کی کمی کی شکایت لوگوں کے سامنے نہ کرے، لوگ مسجد سے نکلتے وقت مسجد کے دروزہ کے پاس مصافحہ کرنے کے لئے نہ کھڑے، جانے والے لوگوں کی جیب اور ہاتھ پر نظر نہ ڈالے، صاحب استطاعت ہے تو کسی کی زکوۃ قبول نہ کرے، اگر دے تو منع کر دے۔

---

(۱) مسند أحمد، تتمة مسند الأنصار، ومن حديث ثوبان، حديث: ۲۲۴۵۰، ط: مؤسسة الرسالة، مذکورہ حدیث سند کے اعتبار سے صحیح اور قابل بیان ہے۔"قال فی "الترغيب :إسناده صحيحٌ. وصحَّحه الحاكمُ على شرطِ مُسلمٍ، ووافقَه الذهبي"

امامت کی اہمیت وفضیلت اور ائمہ کا مقام

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

امام اور امامت کی تعریف

☆''امام'' عربی کا ماخوذ لفظ ہے، اس کا لفظی معنی رہبر و رہ نما، پیشوا، جس کی اقتداء کی جائے، نمونہ، واضح راستہ، قرآن، خلیفہ، امیر لشکر، مصلح و منتظم، ڈوری جس سے معمار عمارت کی سیدھ قائم کرتے ہیں، سرغنہ، سردار، تسبیح کا بڑا دانہ ہے، (جو مذکر و مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے) جس کی جمع ائمہ ہے، یہ اسلامی رہبری کا عہدہ ہے جو اکثر مسلمانوں کی جماعت کے رہ نما اور مسجد میں عبادت پر رہنما پر استعمال ہوتا ہے؛ کیونکہ وہ اسلامی عبادت و تعلیمات کا عالم ہوتا ہے۔(۱)

☆اصطلاحی معانی: کسی بھی فن کا معروف عالم، جیسے : فن حدیث میں امام بخاری، فن فقہ میں امام ابوحنیفہ، فقہ میں پیش نماز کو کہا جاتا ہے۔(۲) ''امام'' لغت میں ہر ایسے شخص کو کہا جاتا ہے، جس کی اقتدا کی جائے، اور اس کی جمع ''ائمہ'' ہے، چنانچہ:

☆القاموس المحیط میں ہے:''والامامُ :ما ائتُمَّ به من رئیسٍ أو غیرِہِ''(۳)

☆ تاج العروس میں ہے :امام وہ ہے کہ قوم اسکی کی پیروی و اقتداء کریں (چاہیے) وہ صراط مستقیم (سیدھے راستے) پر گامزن ہو یا ضلالت وگمراہی کا شکار۔

"(والإمامُ) بالكَسْرِ: كُلّ (ما ائْتَمَّ به) قوم (من رَئيسٍ أو غَيْره)، كانوا على الصِراط المستقيم أو كانوا ضالّينَ. وقال الجوهريّ :الإمام :الَّذِي يُقْتَدَى به''(۴)

☆امام راغب اصفہانی ؒ لکھتے ہے : ''امام'' وہ ہے جس کی کوئی انسان اقتداء و

---

(۱) المنجد :۳۵

(۲) علماء اور حکومت، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

(۳) القاموس المحیط :۱/ ۱۳۹۲

(۴) تاج العروس :۳۱/ ۲۴۳

پیروی کرے، پیروی چاہیے اس کے گفتار کی ہو یا کردار کی۔"الإمام هو المؤتم به أنسانا كأن يقتدى بقوله أو فعله" تو امام دوسرے پیروی کرنے والے انسانوں کے لئے آئیڈیل ونمونہ ہوتا ہے، اگر امام سچا اور حق پر ہو تو وہ دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر گامزن کرے گا اور جنت میں پہنچا دیگا، اگر امام خود گمراہی پر ہو تو وہ دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف لے جائے گا۔

☆ اصطلاح کے اعتبار سے امام اور امامت کا لفظ ایسے شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نائب کی حیثیت سے دین کو قائم کرنے والا ہو، دین کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیتا ہو اور دنیاوی معاملات میں لوگوں کے مصالح کے مطابق شریعت کی روشنی میں ان کی راہ نمائی کرتا ہو۔ یعنی شریعت کی اصطلاح میں" امام" سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ اور ان کا حاکم ہوتا ہے۔ نماز میں امامت اور مسلمانوں کے امیر یعنی امام المسلمین میں فرق کرنے کے لیے کبھی امامتِ صغریٰ اور امامتِ کبریٰ کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔(۱)

امامت کی قسمیں

امامت کی دو قسمیں ہیں ایک امامت صغریٰ، دوسری امامتِ کبریٰ، امامت کبریٰ اس ملک ہندوستان میں فی الحال نہیں ہوسکتی کہ خلیفہ، امیر المومنین بن جائیں، البتہ امامت صغریٰ مسجد کی امامت اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیں، پہلے زمانے میں امامت صغریٰ اور کبریٰ دونوں ایک ہی فرد انجام دیتا تھا، اللہ کے نبی ﷺ ہی خلیفہ ہیں اور آپ ﷺ ہی مسجد کے امام ہیں، صدیق اکبرؓ خلیفہ ہیں اور امام بھی ہیں، زمانہ گزرتے گزرتے دونوں میں بہت بڑا بُعد آگیا تو ایک کو امامت کبریٰ کہا گیا دوسرے کو امامت صغریٰ کہا گیا۔

(۱) علماء اور حکومت، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر (143906200050:

امامتِ صغریٰ کی فضیلت

ایک حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا : ”قیامت کے دن کچھ لوگ نور کے ممبروں پر ہوں گے، ان میں تین لوگوں کا اللہ کے نبی ﷺ نے نام ذکر کیا :

☆ پہلا وہ شخص جو اللہ کا اور اللہ کے بندوں کا حق ادا کرنے والا یعنی غلام ہے جو اپنے آقا کا بھی حق ادا کر رہا ہے اور اپنے اللہ کا بھی حق ادا کرنا ہے، اس زمانے میں اس کی مثال ہم دیتے ہیں کہ غلاموں کا دور تو نہیں ہے لیکن ایک مدرس اپنے مہتمم کو بھی خوش رکھے اور اپنے اللہ کو بھی خوش رکھے اور ایک ٹیچر اپنے ہیڈ ماسٹر اور پروفیسر جو بھی ہے اسے بھی خوش رکھے اور اپنے اللہ کو بھی خوش رکھے، ایک بیوی اپنے شوہر کو بھی خوش رکھے اپنے اللہ کو بھی خوش رکھے، ہر ماتحت اپنے سرپرست کو خوش رکھے۔

☆ دوسرا وہ امام جس کے مقتدی اس کی دینی حالت سے خوش ہوں، کہ ہمارے امام صاحب ہیں، متقی ہیں، مسنون نماز پڑھاتے ہیں، ناراضگی دوسری وجہ سے ہے تو اس کا اعتبار نہیں، مثلاً امام صاحب کی ناک ایسی ہے، امام صاحب کا پائجامہ ایسا ہے، ہمارے امام صاحب تین شادیاں کر لئے ہیں، ہمارے امام صاحب business شروع کر دیے ہیں، وغیرہ، شرعی بنیاد پر ناراضگی ہو تو وہ امام شرعی وجود کی بنیاد پر وہ راضی ہیں تو پھر وہ امام اس حدیث کا بنے گا۔

☆ تیسرا وہ شخص جو لوگوں کو اذان کے ذریعہ دعوت دینے والا، اللہ ان کو کل قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھائیں گے۔

”ثلثة علی کثبان المسک یوم القیامة، عبد ادی حق الله، و حق مولاه، و رجل أم قوما، وهم به راضون، ورجل ينادى بالصلوة الخمس کل یوم ولیلة“۔(۱)

(۱)سنن ترمذی، باب ماجاء فی المملوک الصالح، حدیث :۶۲۷

امام کی اہمیت وعظمت

سب حضرات جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے بہترین جگہ اللہ کے گھر ہیں اور مسجد میں بہترین جگہ منبر ومحراب ہیں، محراب کی صفت یہ ہے کہ یہ عام صفوں سے آگے رہتا ہے اور ممبر پوری سطح مسجد سے اونچا رہتا ہے غور کریں پوری دنیا میں بہترین جگہ مسجد ہے، مسجد میں آگے رہنے کی جگہ منبر ومحراب ہے، اور ان دونوں جگہوں پر خدمت انجام دینے والا مسجد کا امام اور خطیب ہے، تو نتیجہ نکلا کہ بہتر سے بہتر جگہ پر کام کرنے والا بھی بہتر انسان ہوتا ہے، لہذا امام بھی پوری قوم میں بہتر انسان شمار ہوتا ہے، اسی واسطے اگر پوری مسجد بھر جائے، مصلیوں کو جگہ نہ ملے، تنگی کے موقع پر امام صاحب مسجد پہنچیں تو امام کو تو بہر صورت بہترین جگہ مل جائے گی، لوگ صفیں چیر کر امام کو جگہ دے دیں گے، امام کی جگہ پر کوئی بھی قبضہ نہیں کر سکتا، امام کی جگہ سلامت ہے۔

۲۔امام کے ذہن میں ہر گز یہ بات نہ رہے کہ میں تنخواہ دار ملازم ہوں، بلکہ منصب خلافت وسنتِ نبوی کا تصور رہے، منصب امامت کے افضل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے امام غزالیؒ لکھتے ہیں: ”بعض سلف کا قول ہے: انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء سے افضل کوئی نہیں اور ان کے بعد نماز کے امام سے افضل کوئی نہیں؛ کیونکہ یہ تینوں فریق (انبیاء، علماء اور ائمہ) اللہ تعالی اور اس کی مخلوق مابین رابطے کا ذریعہ ہیں، انبیاء علیہم السلام تو اپنی نبوت کے باعث، علماء علم کی وجہ سے، اور ائمہ کرام دین کے سب سے زیادہ اہم رکن (نماز) کے سبب“۔(۱)

اس فرض منصبی کی اہمیت پر چند امور ملاحظہ ہوں، تشریح آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں:

۳۔”فاالامام الذی علی الناس راعِ وھو مسؤل عن رعیتہ“(۲) امام

(۱) احیاء العلوم
(۲) صحیح بخاری: ۸۹۳

بھی داخل مانا جائے تو حدیث کا مفہوم عام غیر معارض رہے گا۔

۴۔مؤذن اللہ کا داعی ہے،امام اللہ کا نور ہے،صفیں اللہ کی طرف سے بنائی گئی مضبوط ستون ہیں،قرآن مجید اللہ کا کلام ہے،لہذا اللہ کے داعی کو لبیک کہو،اللہ کے نور سے فائدہ اٹھاؤ،اللہ کے ستون بن جاؤ۔

"المؤذن داعی اللہ ،والامام نوراللہ ،والصفوف ارکان اللہ ،
والقرآن کلام اللہ ،فأجیبوا داعی اللہ ،واقتبسوا من نوراللہ
،وکونوا ارکان اللہ ودینہ ،وتعلموا کلامہ"(۱)

۵۔جس نے حاکم کی توہین کی اللہ اس کو ذلیل کردیں گے۔"من اھان سلطان اللہ فی الارض اھانہ اللہ"(۲) میں اگرچہ حاکم وقت مراد ہے مگر عموم میں امام صلوۃ بھی داخل ہے،اورعملاً جولوگ ائمہ کی تحقیر کرتے ہیں ان کو ذلیل کرنے کی مختلف شکلیں مشاہدہ میں آئیں ہیں۔

۶۔مدارس زیادہ ہیں یا مساجد؟ ظاہر ہے ہر کچّی پکّی گلی میں مسجد موجو ہے،شہر،قریہ، ملک، آباد ویران،خشکی،تری،جنگل بیابان ہر جگہ آپ کو مسجد ملے گی،نیز عوام کا ربط مدارس سے زیادہ ہے یا مساجد سے؟ اہل مدارس،شیخ الحدیث مفتی اعظم کا تعلق عوام سے زیادہ ہے یا ان کے شاگرد ائمہ حضرات کا؟ عوام کے دینی احوال سے"ہدہد" کی نظر کی طرح باخبر کون ہونا چاہئے؟ اس مضبوط نیٹ ورک کا صحیح استعمال کون کرے؟

۷۔باجماعت نماز پر جب خدا کی رحمت کا نزول ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس رحمت کا مورد امام ہوتا ہے، پھر درجہ بدرجہ مقتدیوں کو اس رحمت سے نوازا جاتا ہے،دراصل باجماعت نماز ہی مسجد کے قیام اوراس کے نظام کی مرہون منت ہے،اگر نماز علیحدہ علیحدہ فرض ہوتی تو نہ مسجد تعمیر ہوتی اور نہ امام ومقتدی کا مسئلہ ہوتا،اور نہ ہی کوئی متولی وصدر ہوتا،یہ

(۱)مسند الفردوس،حدیث :۶۵۹۸

(۲)سنن ترمذی:۲۲۲۴

سارا نظام باجماعت نماز کی برکت سے ہے،اور جماعت امام کے بغیر نہیں ہوسکتی ۔تو اس سارے نظام میں امام کا مقام بھی واضح ہوگیا۔

۸۔ماضی میں اصلاح امت کا فریضہ اسی منصب سے ادا کیا گیا،مسلمانوں کی عملی زندگی میں سب سے زیادہ اور عبادات میں سے اہم اور مسلسل ادا کی جانے والی عبادت نماز ہے۔ اس لحاظ سے مسلمانوں کو اپنی عبادات میں بہت زیادہ واسطہ ائمہ کرام سے رہتا ہے، کیونکہ ان کی اقتدا میں نماز پڑھی جاتی ہے،تو زیادہ واسطہ انہیں سے ہوتا ہے،احوال کا علم اور اصلاح کی فکر بھی ہوتی آئی ہے۔

۹۔کسی نے کیا خوب کہا کہ ’’حاکمِ وقت لوگوں کے جسم پر حکومت کرتا ہے جبکہ امامِ وقت دلوں پر حکومت کرتا ہے۔‘‘ان الامام له سلطان علی القلوب کما ان الحکام لهم سلطان علی الاجسام‘‘

۱۰۔آپ ﷺ کی دعا ہے کہ ’’اے اللہ! ائمہ کرام کو ہدایت دے،اور مؤذن کی مغفرت فرما۔

’’ الإمامُ ضامنٌ و المؤذِّنُ مؤتمنٌ اللهمَ أَرْشِدِ الأئمةَ واغفرْ للمؤذِّنينَ‘‘(۱)

جس امام کے لیے رسول رحمت ﷺ نے ہدایت کی دعا دی کیا وہ گمراہ ہوسکتا ہے۔؟

مقامِ امامت

امام ’’ہم خرما و ہم ثواب‘‘ ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ حاجی کی ملاقات پر ثواب پر ثواب کے ساتھ کھجور و زمزم بھی مزید ہے،امام کی مثال حضرت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی سی ہے، بیٹے کو دودھ بھی پلاتی ہے اور معاوضہ بھی ملتا ہے۔اَجر بھی؛ اُجرت بھی، اپنی نماز بھی ہورہی ہے اور مادّی انعام خداوندی بھی، یا کہہ لیجئے۔’’ألأجر و الغنيمة‘(ثواب بھی اور غنیمت بھی)

(۱)ترمذی،حدیث:۲۰۷

نماز کی امامت درصل دین کی قیادت ہے

امامت فقط امامت نہیں بلکہ امامت ایک معنیٰ میں قوم وملّت کی قیادت وسیادت ہے، امامت حقیقت میں انسانیت کی رہنمائی ورہبری ہے اسی لئے شاعر اسلام علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو اس طرح اُجاگر فرمایا ہے:

تو نے پُوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے حق تجھے میری طرح صاحب اَسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق جو تجھے حاضر وموجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رُخ دوست زندگی اور بھی تیرے لئے دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہُو گرما دے فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے!

اور جو امام اس طرح کی ذمہ داری والی امامت نہ کرے یا نہ کر سکے اس امام کے لئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

فتنۂ ملّتِ بیضا ہے امامت اُس کی جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے!

درحقیقت نماز کی امامت دین کی امامت ہے بالخصوص جب کوئی امام مسجد میں حاضرین کو وعظ ونصیحت کرنے میں اپنی قوتیں کھپاتا ہو تو اس کا شمار ان خوش نصیب لوگوں میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے ہیں جو اپنے دامنوں میں اعمالِ صالحہ اور اقوال طِلیبہ کے ذریعے سے نیکیوں کے حسین پھول سمیٹ رہے ہیں۔

چونکہ عبادات میں سب سے افضل نماز ہے تو قیادت میں سب سے افضل قیادت امامت ہے، چونکہ افضل عبادت کا قائد وامام بھی دیگر عبادات کے قائد کے مقابل افضل ہی ہوگا۔

امام پر کسی کو تقدم حاصل نہیں ہے

محلہ کی بھری مسجد میں شیخ الحدیث، شیخ التفسیر، فقیہ العصر، مہتمم جامعہ وجامعات، شیخ القراء،

تشریف لائیں، نماز پڑھانے کا حق ان حضرات کو ہے یا امام مسجد کو؟ یہ مقام امام کو ان سب پر کس وجہ سے ہے؟ ۔ ''لایؤمن الرجل الرجل فی سلطانه'' (۱) حضرت عمرؓ کا ارشاد منقول ہے کہ ''میں ایسی جماعت کی امامت کروں جس میں ابوبکر بھی ہوں، اس سے بہتر ہے کہ مجھے قتل کر دیا جائے ۔(۲)

معلوم ہوا کہ مسجد کا مقررہ امام (بشرطیکہ وہ امامت کی اہلیت رکھتا ہو) موجود ہو تو کسی دوسرے شخص کے لیے لائق نہیں کہ وہ مصلیٰ امامت پر کھڑا ہو اگرچہ وہ امام سے افضل ہی کیوں نہ ہو الا یہ کہ وہ اسے اجازت دے دے؛ چنانچہ گھر کا مالک اگر اہلیت رکھتا ہو تو امامت کے مصلے پر کھڑے ہونا اسی کا حق ہے مگر یہ کہ وہ کسی دوسرے کو اجازت دے دے، نیز سلطان یعنی ملک کا سربراہ یا اس کا نائب موجود ہو تو امامت کے موقع پر وہی مقدم ہوگا بشرطیکہ اس میں امامت کی اہلیت ہو مگر یہ کہ وہ کسی اور کو امامت کرنے کی اجازت دے دے۔

ان حضرات کی امامت کے استحقاق میں دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: تو کسی شخص کا اس کے گھر میں امام نہ بن اور نہ کسی سلطان کی سلطنت میں امامت کر، اور نہ اس کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر بیٹھ مگر اس کی اجازت کے ساتھ۔ ''وَلَا يُؤَمُّ الرَّجُلُ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يُجْلَسُ عَلَى تَكْرِمَتِهِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ'' (۳)

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حدیث رسول اللہ ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ مالک مکان امامت کا زیادہ حق دار ہے اگر وہ قرآءت قرآن اور دینی علم رکھتا ہے ۔(۴) اسی طرح سلطان کا مقرر کردہ امام یا اس کا نائب یا اہل مسجد جس کی امامت پر متفق ہوں تو امامت میں اس کا زیادہ حق ہے کیونکہ یہ خاص عہدہ ہے، ان حضرات کی موجودگی میں کسی دوسرے کا

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۱۵۳۲

(۲) امامت کورس: ۲۸

(۳) صحیح مسلم المساجد باب من احق بالامامۃ؟ حدیث: ۶۷۳ و سنن ابی داؤد الصلاۃ باب من احق بالامامۃ، حدیث: ۵۸۲

(۴) معالم السنن شرح سنن ابی داؤد للامام الخطابی: ۱/ ۱۴۵ تحت ۱۹۰

امامت کے مصلیٰ پر کھڑا ہونا بدگمانی اور نفرت کا باعث ہے۔

اگر اسلام امام کو یہ منصب نہ دیتا تو کیا کوئی امام ان سب کی موجودگی میں آگے بڑھ سکتا ہے؟ وجہ غور فرمالیں! ذمہ داریوں کا احساس ہوجائے گا، کہ امامت سے محض نماز ہی پڑھانا مقصود نہیں ہے۔

منصبِ امامت منصبِ خلافت ہے

علامہ طیبیؒ نے لکھا ہے کہ "منصبِ امامت پر فائز ہونا درحقیقت منصبِ خلافت پر فائز ہونا ہے، کیونکہ یہ حضور ﷺ کی نماز میں نیابت ہے۔" "والامام خليفة رسول الله"(۱)

امامت دلیل خلافت ہے

اللہ کے نبی علیہ السلام اپنے بعد جس کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے ان کو اپنی زندگی میں مصلے پہ کھڑا کر دیا، بعد میں صحابہ کرامؓ میں خلافت کے متعلق اختلاف ہوا تو بعض صحابہؓ نے آپؓ کی امامت کو دلیل خلافت بنایا، کہ جس کو اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں مصلے پہ کھڑا کر دیا ہو وہ خلافت کے قابل ہوسکتا ہے۔ "لَا نُؤَخِّرُ مَنْ قَدَّمَهُ رَسُولُ اللهِ - ﷺ - أَلَا نَرْضَى لِدُنْيَانَا مَنِ ارْتَضَاهُ لِدِينِنَا"(۲) "فقياس الإمامة على الصلاة، وقياس الصديق الزكاة على الصلاة، وقال: والله لا أفرق بين ما جمع الله"(۳)

نتیجۃً یہ کہہ سکتے ہیں کہ امامتِ صغریٰ امامتِ کبریٰ کی دلیل ہے، جس طرح ضمیر بارز اور ضمیر مستتر ہوتی ہے اسی طرح امامتِ بارزہ اور امامتِ مستترہ ہے، امامتِ صلاۃ بارزہ ہے اور امامتِ سلطنت مستترہ ہے، صدیقؓ کی نماز میں خلافت چھپی تھی، بلکہ غور کریں تو منصب

(۱) مرقات شرح مشکوۃ: ۲/ ۱۶۵

(۲) مرقات ۲: /۹۶

(۳) شرح بخاری لابن بطال: ۱/ ۳۶۲

امامت منصب خلافت سے بھی افضل ہے، کیونکہ صحابہ کرامؓ نے اعلی منصب (لدیننا یعنی امامت صلوۃ) سے ادنی (لدنیانا یعنی خلافت) پر استدلال کیا ہے، یہاں سے یہ نکتہ بھی واضح ہوگیا کہ امامت من وجہ خلافت سے بھی افضل ہے۔

کیا قوم کی اصلاح امامتِ کبریٰ پر ہی موقوف ہے؟

کیا ہم لوگ بذریعہ امامت کبریٰ، سلطنت وخلافت انقلاب لانے کی امید یا انتظار میں ہیں؟ عوام کا دینی بگاڑ ہم نہیں کرسکتے ہیں بلکہ حکومتِ اسلامیہ قائم ہوگی تو دُرّہ عمر سے سب درست ہوجائیں گے۔ یہ "لیت الشباب یعود یوما" کی طرح محض تمنا ہی ہے۔

آج جن ۵۵ ممالک میں مسلمانوں کی حکومت ہے وہاں اصلاحی کام کون انجام دے رہے ہیں؟ اور مسلم حکومتیں کیا کررہی ہیں؟ قانون بدلنے سے انقلاب آئے گا یا دل بدلنے سے انقلاب آئے گا؟ کیا مسلم ممالک میں علما کے لئے زمین تنگ نہیں کی جارہی ہے؟ کیا موجودہ مسلم حکمران مذہب پسند ہیں؟ محمد بن سلمان علیہ ما علیہ سے زیادہ دین کی خدمت ہوئی ہے یا ابن بازؒ سے زیادہ ہوئی ہے؟

امام نبی کریم ﷺ کا نائب ہوتا ہے

ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ جائے امامت نبی ﷺ کا مصلی ہے، مصلے پر کھڑے ہونے والا نبی کا نائب ہوتا ہے، اذاں دینا حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی سنت ہے جو اس فریضے کو انجام دے وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا نائب ہے، لہذا امام اللہ کے نبی ﷺ کا نائب ہے اور مؤذن حضرت بلالؓ کا نائب ہے۔

مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ صاحب فتاوی رحیمیہ میں مرقات کے حوالے سے لکھتے ہیں "اسلام میں منصب امامت کی بڑی ہی اہمیت ہے، یہ مصلی، رسول اللہ ﷺ کا مصلی ہے، امام نائب رسول ہوتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ’’امام نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے اور مؤذن نائب بلال رضی اللہ عنہ ہوتا ہے۔ ’’وَالْإِمَامُ خَلِيفَةُ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وَالْمُؤَذِّنُ خَلِيفَةُ بِلَالٍ‘‘(۱)

امام اللہ اور بندوں کے درمیان ترجمان ہے

مسجد کا مصلّٰی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... کا مصلّٰی ہے، امام امامت کی نسبت سے نائب رسول ہے، اللہ رب العزت اور مقتدیوں کے درمیان جس طرح انبیاء کرام کو قاصد بنایا گیا تھا اسی طرح امام بھی ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں جو سب سے بہتر ہو اسے امام بنانا چاہیے۔ کہیں فرمایا: اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجۂ قبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو، وہ تمہاری امامت کرے، کیوں کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان قاصد ہے۔(۲)

امام کو بھی اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ جب وہ محراب پر کھڑا ہو تو یقین کرلے کہ میں انبیاء علیہم السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے مقام پر کھڑا ہوں، اور رب العالمین سے باتیں کر رہا ہوں۔ نہ صرف باتیں بلکہ پوری قوم کی طرف سے ترجمانی کر رہا ہوں۔

امامت عین سنت ہے

حضرت مولانا مفتی اشرف علی باقوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور فرماتے تھے کہ ’’حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک بلا تبدیل جاری ہے، اگر کوئی سنت بلا تبدیل کے جاری ہے تو وہ صرف منصب امامت ہے‘‘، تدریس، تبلیغ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بدل گئے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مروجہ گشت ثابت نہیں،

(۱) مرقات: ۲/ ۵۶۳

(۲) شرح نقایہ ۱/ ۶۸ والاولی بالا مامۃ

اور ثابت کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس واسطے کے طریقہ اورمنہج اللہ کے نبی ﷺ نے متعین نہیں کیا،اس میں امتیوں کے لیے سہولت ہے، ہرزمانے میں جیسی سہولت ہو ویسے کام ہو،طریقہ طے کر دیں گے تو تنگی ہو جائے گی، اور اگر کوئی نادان اسے ثابت کرنے کی کوشش کرے تو اس کی نادانی ہے، نوعیت کو ثابت کرنے کی حماقت نہیں کرنا چاہئے، اس موضوع پرحضرت علی میاں ندوی رحمتہ اللہ علیہ کا رسالہ ’’تبلیغ دین کے لیے ایک اصول‘‘(۱) مطالعہ کرلینا چاہئے، جس کا حاصل یہ کہ نفس دعوت وتبلیغ نصاً ثابت ہے، مگر نوعِ تبلیغ ثابت نہیں ہے، جس طرح علاج کرنے کا حکم دیا لیکن یہ نہیں بتلایا گیا کہ انگریزی علاج کراوَیا حکیمی علاج ؟ اسی طرح ’’چلہ فلاں حدیث سے ثابت ہے، چارماہ فلاں حدیث سے ثابت ہے، سہ روزہ فلاں حدیث سے ہے‘‘، نہیں کہا جاسکتا، جس طرح مدارس میں عربی اول ،عربی دوم فلاں حدیث سے ثابت ہے، ہدایۃ النحو ،کافیہ، فلاں حدیث سے ثابت ہے کہ فلاں جماعت میں پڑھایا جائے، اتنے سالہ عالم کورس رہے، یہ سب امورِ انتظامی ہیں شرعی نہیں ہیں، ان کو منصوص قرار دینا نادانی بلکہ دینی انحراف ہے، البتہ نفس امامت ونوعِ امامت اللہ کے نبی ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک بلاتغییر ثابت ہے، وہی دو رکعت پڑھتے ہیں، وہیں قرآن پڑھتے ہیں، وہی سورہ پڑھتے ہیں وہی تجوید ہے، صحابہ کرامؓ نے بھی بعد والوں کو نبی ﷺ کی نماز عملاً پڑھ کر دکھلائی ہے۔

امامت سنتِ متواترہ ہے

۱۔امامت جبریل کے بعد سے آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی امامت فرمائی ہے، الایہ کہ سفرپر ہوتے یا بیمار تھے تبھی آپ ﷺ کے مصلے پر کسی اور کو نائب بناتے ،آپ ﷺ مدینے میں ہوتے ہوئے چاہے جتنی بھی دیر ہو جائے کوئی اور امامت کے لیے آگے نہیں بڑھتا، ایک موقع سے جب دو خاندانوں میں جھگڑا ہو گیا تو وہاں انصاف کا فیصلہ

(۱) جو ہماری کتاب ’’دعوت وتبلیغ احکام ومسائل‘‘ حصہ ہے یہ بھی قابل مطالعہ ہے

کرنے جانے کی خاطر اللہ کے نبی ﷺ کی امامت چھوٹی بلکہ جماعت بھی چھوٹی۔

"أن رسول الله ﷺ خرج من بيته ليصلح بين الأنصار فرجع وقد صلى في المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ في منزل بعض أهله فجمع أهله فصلى بهم جماعة"(۱)

اس کے علاوہ اللہ کے نبی علیہ السلام جب تک مدینے میں با حیات رہے، فریش ہونے تک امامت کے فریضہ کو انجام دیا، آپ ﷺ نے فرض نمازوں کی سفر اور حضر دونوں حالتوں میں امامت فرمائی، دسیوں جنازے بھی پڑھائے، چند روز ہی صحیح نماز تراویح بھی پڑھائی، نمازِ عید بھی پڑھاتے تھے، نمازِ استسقاء بھی پڑھائی اور نماز کسوف اور خسوف یعنی سورج گرہن اور چاند گرہن کی نمازیں بھی پڑھائیں، بلکہ صلاۃ الخوف بھی پڑھائی، جس کے بعد دنیا میں شاید یہ نماز پھر پڑھی گئی ہو۔ آپ ﷺ نے اُمت کے ائمہ کرام کو اس منصب کی جہاں بہترین راہ نمائی فرمائی ہیں مقتدیوں کو بھی ائمہ کی عزت کا پورا دَرس دے کر، دونوں کے درمیان ایک پاکیزہ اور روحانی رشتہ قائم کر دیا۔

۲۔ آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین نے اس منصب کو وفات تک سنبھالا، صدیقِ اکبرؓ نے تو آپ ﷺ کی حیات میں ہی امامت شروع فرمالی، اور وفات تک مصلی نہ چھوڑا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو امامت کرتے وقت مصلی پر زخمی ہو جاتے ہیں اور یہی زخم شہادت کا سبب بنتا ہے، ان حضرات نے جس طرح منصبِ خلافت کو وفات تک سنبھالا ویسے ہی منصبِ امامت کو بھی موت تک سنبھالا۔

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی، من اسمه عبدان، حدیث ۱۶۰۱:، امام حاکم فرماتے ہیں، یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے، علامہ ذہبیؒ نے ان کی توثیق کی ہے، المستدرک، کتاب ال إمامة ا :۱/ ۳۲۷، حدیث ۷۵۴ :، دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الاولی ۱۴۱۱: ھ۔ ۱۹۹۰م۔، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں :اس کو طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

امامت کا انبیاء کرامؑ نے سوال کیا

امامت ایسا منصب ہے کہ انبیاء نے اس کی دعا فرمائی ہے۔ ”واجعلنا للمتقین اماما“ اے اللہ! ہمیں متقیوں کا امام بنا، ایک مطلب تو یہ ہے کہ تقوی والے جہاں بھی رہیں ہم سب میں تقوی کے لحاظ سے امام کی حیثیت سے رہیں، دوسرا مطلب یہ ہے کہ ”کم از کم ہم جس مسجد میں امامت کریں اسکے مصلی متقی بن جائیں اور میں ان متقیوں کا امام بن جاؤں۔“ قال :أئمة نقتدي بمن قبلنا ويقتدي بنا من بعدنا“(۱)

اللہ تعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آزمائشوں میں ڈالا آپ ﷺ تمام آزمائشوں میں کامیاب ہوئے تو اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا : ”میں تمہیں لوگوں کا پیشوا (امام) بناؤں گا(۲)“انی جاعلک للناس اماما“ انہوں نے عرض کیا، کیا میری اولاد میں سے بھی؟ ارشاد ہوا ہاں! مگر میرا وعدہ ظالموں کو نہیں۔ (۳)

---

(۱) فتح الباری: ۱۳/ ۲۵۱۔ ”أَي اجعلنا بحيث يقتدى بنا المتقون، في إِقامة مراسم الدين بتعلم العلم، والتوفيق في العمل“ (التفسیر الوسیط: ۷/ ۱۵۴۷) ”يُؤْتَمُّ بِهِمْ وَيُقْتَدَى بِهِمْ حِينَ يَقْتَدِي بِنَا مَنْ بَعْدَنَا“ (تفسیر ابن حاتم: ۸/ ۲۷۴۲)

(۲) ”يدل على أنه تعالى جعله إماماً لكل الناس، والذي يكون كذلك لابد وأن يكون رسولاً من عند الله مستقلاً بالشرع؛ لأنه لو كان تبعاً لرسول آخر لكان مأموماً [لذلك الرسول لا إماماً له، فحينئذ] يبطل العموم، وأيضاً إنّ اللفظ يدلّ على أنه إمام في كل شيء [والذي يكون كذلك لا بد وأن يكون نبيّاً، وأيضاً إنّ الأنبياء عليهم السلام أئمة من حيث يجب على الخلق اتباعهم] قال الله تعالى :{وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا} [الأنبياء :۲۱]، والخلفاء أيضاً أئمة؛ لأنه رتّبوا في محل يجب على الناس اتباعهم، وقبول قولهم، وأحكامهم. والقضاة، والفقهاء أيضاً أئمة لهذا المعنى، والذي يصلي بالناس يسمى أيضاً إماماً به ،قال عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام :إِنَّما جُعِلَ الإِمَام إِمَاماً لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا“ (اللباب فی علوم الکتاب: ۲/ ۴۵۱)

(۳) سورہ بقرہ: ۱۲۴

ایک نکتہ : اپنی امامت ہی نعمت نہیں ہے بلکہ اپنی اولاد کے لئے بھی امامت کا سوال کرنا اور اپنے بعد اولاد اس منصب کے قابل بنانے کی کوشش ہونی چاہئے، مگر افسوس کہیں خود ائمہ کرام اپنی اولاد کو امام کے بجائے دوسرے عہدوں پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں تو کہیں قوم امام کو ایسی تکالیف پہنچاتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اس منصب نہیں بلکہ مصیبت (العیاذ باللہ) میں مبتلاء دیکھنا نہیں چاہتا، ورنہ ہر ڈاکٹر اپنی اولاد کو ڈاکٹر، سیاست دان اپنی اولاد کو سیاسی بنانا چاہتا ہے، مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔

امامت کا صحابہ کرامؓ نے سوال کیا ہے

امام ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک صحابی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی کام بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی قوم کے امام بن جاؤ" تو انھوں نے کہا "اگر یہ ممکن نہ ہو تو؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا "پھر مؤذن بن جاؤ"۔

"انَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، دُلَّنِي عَلَى عَمَلٍ أَعْمَلُهُ، قَالَ:كُنْ إِمَامَ قَوْمِكَ، فَإِنْ لَم تَسْطِعْ فَكُنْ مُؤَذِّنَهُمْ، قَالَ :فَإِنْ لَمْ أَسْتَطِعْ ؟ قَالَ :فكن مؤذنهم"۔(۱)

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منصب امامت کا سوال کرنے لگے۔آپ ﷺ نے ان کا تقرر فرما دیا۔(۲)

عہدے کی چاہت سے آپ ﷺ نے منع فرمایا مگر 'امامت' کے عہدے کا سوال کرنے والے کو خود فائز فرما دیا۔ اس سے واضح ہوا کہ عہدے کی چاہت اور امامت یا خطابت کی ذمہ داری دونوں کا حکم علیحدہ ہے۔

---

(۱) شرح العمدہ، بحوالہ: اسلام ویب

(۲) سنن اَبی داوَد، کِتَاب الصَّلَاۃِ، بَاب مَتَی یُؤْمَرُ الْغُلَامُ بِالصَّلَاۃِ، حدیث ۴۹۷ :

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین ﷺ سے دراخوست کیا کرتے تھے کہ: ’’مجھے میری قوم کاامام بنادیجیے‘‘۔’’اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي‘‘۔(۱)

اس کی وجہ تھی کہ وہ امامت کی فضیلت اوراجر سے واقف تھے انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس دور میں بہت سے طلباء کو دیکھتے ہیں کہ وہ امامت کی ذمہ داری قبول کرنے میں رغبت اور شوق نہیں رکھتے بلکہ گریز اور کنارہ کشی کرتے ہیں۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: مجھے میری قوم کاامام مقرر کردیجیے! آپ ﷺ نے فرمایا آج سے تو ان کا امام ہے کمزروں کا خیال رکھنا۔’’اجْعَلْنِي إِمَامَ قَوْمِي، قَالَ :"أَنْتَ إِمَامُهُمْ، وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِمْ‘‘(۲)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی امامت

۱۔خلفائے راشدین اپنے دور کے امام صلاۃ بھی تھے۔

۲۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ امام تھے۔

۳۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ امام تھے۔

۴۔سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ امام تھے۔

۵۔حضرت عمرو بن سلمۃ رضی اللہ عنہ اپنی قوم کے امام تھے۔

۶۔سالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنہ امام تھے۔

امامت راہِ ولایت ہے

۱۔موجودہ زمانے میں امامت راہ ِولایت ہے،امام اپنی امامت سے سلوک کے راستے طے کرسکتا ہے، چالیس نمازیں تکبیر اولی کے ساتھ پڑھ لیااس کو نفاق سے اور جہنم سے

(۱)سنن ابی داوٗد الصلاۃ باب اخذ الاجر علی التاذین، حدیث :۵۳۱

(۲)سنن ابی داوٗد الصلاۃ باب اخذ الاجر علی التاذین حدیث:۵۳۱

بری ہونے کا مژدہ سنایا گیا، چالیس نمازیں تکبیر اولی سے پڑھنے پر یہ نعمت ہے تو پڑھانے والے کو کتنا ثواب ملے گا ،اور نفاق سے بری ہونے کی بات امام کے لیے اوّل درجے میں ثابت ہوگی، امامت میں مصلیوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جاتا ہے، جماعت سے پڑھنے والے اگر سولوگ ہیں تو ایک نماز کا ثواب جو جماعت سے پڑھی جاتی ہے، پچیس گنا یا اخلاص کی بنیاد پر ستائیس گنا بڑھ جاتی ہے، سولوگوں کی نماز پچیس گنا پڑھ جائے تو ان سب کی پچیس گنا نماز کا ثواب امام کو دیا جائے گا؟ سو کو پچیس سے ضرب دیا جائے تو امام کو ایک نماز کا ثواب ڈھائی ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، اور پانچ نمازوں کا ثواب ساڑھے بارہ ہزار نمازوں کا روزانہ ثواب ہے، جمعہ کا ثواب اس کے علاوہ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا :

"وإن أحسن كان له من الأجر مثل أجر من صلى خلفه من غير أن ينقص من أجورهم شيئا ، وماكان من نقص فهو له"۔(۱)

آپ ﷺ نے بھی فرمایا :اگر تم کو حسرت ہو کہ تمہاری نمازیں مقبول ہوں تو بھلے لوگ تمہارے امام ہونے چاہیے ۔(۲)

امام کے تقوی کا اثر مقتدیوں کی نماز کے ثواب پر بھی پڑتا ہے اس لئے کہ جو ثواب متقی امام کی اقتداء میں ہے وہ فاسق کی اقتداء میں نہیں۔

"هل الأفضل أن يصلي خلف هؤلاء أم الأنفراد قيل أما في الفاسق فالصلاة خلفه أولى،وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة لكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي"(۳)

(۱) طبرانی اوسط،عن ابن عمر، حدیث: ۷۷۵۵

(۲) مستدرک حاکم: ۴۹۸۱

(۳) الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین: ۱/ ۵۶۲

۲۔تنخواہیں جیسی ہونی ہے ویسی نہیں ہیں، مصلیوں میں ائمہ کی قدر نہیں ہے،کمیٹیوں کے ان گنت مسائل ہیں،صبر کا سمندر پار کرنا ہے،قناعت کی چہار دیواری میں جینا ہے،ہر کوئی مصلح وناصح بن کر پیش آتا ہے، وقت کی پابندی ہے،محنت کی ناقدری ہے، جن کا کوئی مصلح وشیخ نہ ہوتو مُصَلِّی، کمیٹی،صدر ومتولی ہی ان کے شیخ بن جاتے ہیں۔

امامت راہِ سہولت ہے

نماز تو بندے کو کہیں بھی پڑھنی ہی ہے،اور اہلِ علم کو تکبیر اولی،صفِ اول کا اہتمام کرنا ہی ہے، اگر اپنی سہولت کے لیے ایک مسجد متعین کر لیں جہاں کے اوقاتِ صلوۃ کا علم ہو تو اس میں ہمارے ہی لئے سہولت ہے۔

مسجد کی امامت کا جامع تصور

مسلمانوں کی چار اہم ترین ضروریات ہیں جو مسجد سے پوری ہوتی ہیں:

[۱] پہلی ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو ’’ایک عبادت گاہ‘‘ چاہیے۔

[۲] دوسری ضرورت یہ ہے کہ ہر مسلمان کو اسلامی زندگی گزارنے کے لیے ایک ’’تعلیم گاہ‘‘ چاہیے جہاں سے وہ اپنی روزمرہ زندگی میں علمی طور پر رہنمائی لے سکے۔

یہی وجہ تھی کی نبی کریم ﷺ مدینہ میں قدم رکھنے کے بعد آپ ﷺ نے مسجد کی بنیاد رکھی چونکہ نبی کریم ﷺ کے مبارک زمانہ میں مسجد نبوی میں مسلمانوں کی درس گاہ کا کردار ادا کیا گیا، آج بھی مسلمانوں کی بنیادی دینی تعلیم کی ضروریات مسجد ہی سے پوری ہو رہی ہیں، روزمرہ زندگی کے تمام شعبہ جات میں دینی، علمی رہنمائی کی فراہمی مسجد سے متعلق ہے،تجارت سے وابستہ شخص کو تجارت کے مسائل میں رہنمائی، زراعت سے وابستہ شخص کو مزارعت کے مسائل،محنت مزدوری سے وابستہ کو کسب کے مسائل،گھریلو احکام ومسائل،طلاق،نکاح وغیرہ سارے مسائل مسجد کے منبر ومحراب سے پورے ہوں۔

آج کے زمانہ میں ان کاموں میں اور اضافہ ہوگیا اور ضرورت بھی بڑھ گئی ہے، جبکہ مسجد منبر ومحراب سے یہ ضرورت پوری ہوتی نظر نہیں آرہی تو لوگ ٹی وی چینلوں کی طرف رجوع کرنے لگے ہیں، ایک کوتاہی میری اور آپ کی ہے کہ ہمارا مطالعہ بہت قلیل ہے، ہم صحیح طریقے سے عوام کی رہنمائی کا حق ادا نہیں کر پارہے ہیں۔

[۳] تیسری چیز یہ ہیکہ ہر مسلمان کو اپنے کردار، احوال اور قلب کی اصلاح کے لیے کوئی ''تربیت گاہ'' چاہیے (یعنی خانقاہی نظام سے وابستہ ہو)۔

[۴] چوتھی چیز مسلمانوں کے پاس ایک ایسا ادارہ ہو جہاں وہ باہم ملاقات کرسکیں، بہت قریب ہوکر ملیں، جیسے ''ملاقات گاہ'' کہا جاتا ہے۔ایک دوسرے کو دیکھ سکیں، ایک دوسرے کے پاس بیٹھ سکیں، یہ چار چیزیں مجموعی طور پر مسلمانوں کی ضرورت ہے:

''عبادت گاہ'' کا وجود'' درس گاہ''، ''تربیت گاہ''، باہمی رابطے اور ملاقات کے لئے ''ملاقات گاہ''،مسجد کو اللہ پاک نے ان چیزوں کا مرکز بنایا ہے اور مسجد کا امام وخطیب ان چاروں چیزوں کا نگران اور ذمہ دار ہے۔

مسجد مقبول جامعہ ہے

ائمہ کے پاس اُمت کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک بہترین میدان میسر ہے، جس میں:

۱-مسجد کی صورت میں ایک منظم ادارہ۔

۲-ائمہ وفضلائے مدارس کی صورت میں قابل اساتذہ۔

۳-نمازیوں کی صورت میں طلبہ۔

۴-پنج وقتہ نمازوں کی صورت میں اوقاتِ تعلیم۔

۵-قرآن وحدیث کی صورت میں ایک بہترین نصابِ تعلیم کی سہولیات موجود ہیں۔

ضرورت صرف متحرک اور فکرمند ہونے کی ہے،جس کا نتیجہ ان شاء اللہ! اصلاحِ معاشرہ

کی صورت میں نظر آئے گا۔

مسجد کی امامت باطنی سلطنت ہے

مسجد کی امامت باطنی سلطنت ہے،جس کے شہنشاہ امام الانبیاء ﷺ ہیں، مسجد نبوی پارلمنٹ ہے،منبر تخت شاہی ہے, قرآن وحدیث آئین سلطنت ودستور (aarTikal) ہے،علمائے عظام پارلمنٹ کے ممبر ہیں، دنیا کی ساری مسجدیں صوبائی پارلمنٹ ہیں،ان میں ائمہ کرام اس شہنشاہ کے وزراء ہیں۔

فرق ظاہری و باطنی سلطنت میں اتنا ہے کہ مشبہ بہ (دنیوی سلطنت) فانی ہے،اور مشبہ (باطنی سلطنت) غیر فانی و باقی ہے،حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فیوض الحرمین میں اس کو یوں بیان کیا کہ [۱]ایک دینی نصرت کے لیے حکومتی شعبوں میں کسی حکمران کا نبی کریم ﷺ کا نائب بن کر کام کرنا[۲]دوسرا تعلیم وتربیت،اصلاح وارشاد کے شعبہ میں نائب بن کر کام کرنا،دونوں میں جو بھی خدا طلبی واخلاص سے کام کرے وہ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء میں شامل ہے، پہلی کا نام خلافتِ ظاہرہ دوسری کا نام خلافتِ باطنہ(۱) غور کریں! دوسری خلافت کا کھلا میدان مساجد ہیں۔

دینی قیادت بمقابل سیاسی قیادت

آج بھی اُمت مسلمہ سیاسی قائدین سے زیادہ دینی قائدین پر اعتماد کرتی ہے،سیاسی وعدوں،جھوٹے ومکاروں کے چہروں کو مجبوراً تسلیم کرتی ہے،مگر دینی قیادت جن ہاتھ ہے انہیں کے ہاتھ میں امت کا مستقبل ہے، یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے موقع پر سیاسی قائدین بھی دینی قائدین کو لُبھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

نیز سیاسی قیادت کی وجہ سے عزت واحترام صرف عہدہ باقی رہنے تک رہے گا،جب

---

(۱) دین وشریعت:۲۰۸

عہدہ ختم ہوگیا تو احترام بھی ختم ،مگر دینی قائدین کا احترام بہر صورت باقی رہتا ہے۔

اسلام کی پیغام گاہ کا امام

ہر مسلمان کو کلمہ گو ہونے کی وجہ سے چند امور کا بجالانا ضروری ہے:

۱۔توحید وعبادت اور حقوق اللہ کے ذریعہ اپنا تعلق خالق سے جوڑے۔

۲۔مخلوق کے حقوق ادا کرکے اپنا اسلامی تعلق مخلوق سے بہتر بنائے۔

۳۔اقامتِ حدود کے ذریعہ سماج سے جرائم کو پاک کرے۔

۴۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ذریعہ سماج میں خیر کو غالب کرے۔

۵۔اقوامِ عالم کو بلا اکراہ پیغام اسلام پہنچا کر رحمتِ خدائی کے سایہ میں لائے۔

۶۔اسلام ومسلمان دشمنوں کی رکاوٹوں کو بوقتِ ضرورت جہاد کے ذریعہ ختم کرے۔ (جس کے احکام کی تعلیم مسجد میں ہو)

۷۔داخلی وباطنی امراض سے پاک کرنے کا مرکز جس سے قبولیت کی صفات حاصل ہوں۔

مذکورہ تمام امور کی تعلیم کے لئے کونسی جگہ ماضی میں تھی؟ کہاں سے یہ فرائض انجام پاتے تھے؟مسجد کے علاوہ تاریخ میں کوئی دوسری جگہ نہیں ملتی ہے،آج بھی مساجد میں وہ وسعت ہےکہ تمام امور انجام دئے جاسکیں،مگر ان میں کسی کام کے انجام دہی کا مرکز مسجد کو نہ سمجھنا ناقص تصور نہیں ہے تو کیا ہے؟اور ان امور کو انجام دینے کا جو شخص اہل ہوگا اس میں کس قدر جامعیت اور ہمہ جہتی امور کی انجام دہی کو خوبی کمال ہونا چاہئے،اور خود شریعت کی نظر میں کتنے بلند مقام پر فائز ہوگا۔

مساجد کا نیٹ ورک میڈیا کے نیٹ ورک کی طرح ہے

☆مساجد کا نیٹ ورک میڈیا کے نیٹ ورک سے بھی زیادہ مضبوط ہے،مگر کاش

اصلاح کی کوششیں بھی ویسی ہوتیں جیسی ہونی چاہئے،ایک سے فساد کا نظام جڑا ہے تو دوسرے سے اصلاح کا نظام مربوط ہے، یہاں رقومات کثیرہ،اوقاتِ ثمینہ،جھود بلیغہ کے بغیر اصلاح ہوتے آئی ہے۔

[۱] میڈیا ہر خبر کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہے،مسجد کا امام محلہ وبستی کے ہر فتنہ وضروری خبر سے واقف ہو۔

[۲] میڈیا ہر خبر عام کرتا ہے، ہر فتنہ سے آگاہ کرنا امام کی ذمہ داری ہے۔

[۳] میڈیا اپنے لائکرز بڑھانے کی کوشش کرتا ہے،امام اپنے عقیدت مند بڑھانے کی کوشش کرے۔

[۴] میڈیا سچ اور جھوٹ سب کو بولتا ہے، یہاں سچ کو رواج دینا ہے،مساجد ہمارے معاشرے کے لیے ایک Media Cell کا درجہ رکھتی ہیں،ایک ایسا میڈیا اور ذریعہ ابلاغ جو اس کے متعلقین تک دین کا پیغام پہنچا سکے۔

قابل غور پہلو

ہر گلی میں مسجد ہونے کے باوجود ہم اس مسجد کے آس پاس رہنے والوں تک دین کا پیغام نہیں پہنچا رہے اور یہ لوگ مسجد کی تمام ضرورتوں کو پورا کر رہے ہیں،اس کے بدلے ہم مسجد کا امام ہونے کی حیثیت سے ان کی دینی ضرورت کا کتنا خیال رکھ رہے ہیں؟ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا پنج وقتہ مقتدی جب اپنے گھر جاتا ہے اور آج کے مروجہ ذرائع ابلاغ ٹی وی، موبائل،انٹرنیٹ،اخبار وغیرہ کی طرف بڑھتا ہے تو اس دجالی میڈیا کا نہ ختم ہونے والا جال جو اس کی طرف بڑھتا ہے اور اسے ضروری غیر ضروری ہر عنوان سے باخبر رکھتا ہے جس میں علاقہ،شہر،ملک، بین الاقوامی،سیاست،صحت، کاروبار غرض ہر عنوان کی معلومات فراہم کرتا ہے، جو اس گھر بیٹھے نمازی تک باآسانی پہنچ جاتی ہیں اور وہ انتہائی دلچسپی کے ساتھ اس دجالی میڈیا سے باخبر ہونے کا شوق پورا کرتا ہے،اسی طرح میڈیا اس کے ذہن،عادات،گھر

اور آس پاس کے ماحول میں جگہ بنا تا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے جب اس نمازی مقتدی کے نظریات، تعلیم، اخلاق، گھر، معاشرت اور معاملات غرض زندگی کے ہر حصے میں میڈیا کی محنت کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے اتنا قریب رہنے کے باوجود دور کیوں ہوتا جا رہا ہے اور غیروں سے اجنبیت کا تعلق ہونے کے باوجود ان کی ہر بات میں ہاں میں ہاں کیوں ملاتا جا رہا ہے۔(۱)

مساجد کام کی بہترین جگہ ہیں

عامۃ المسلمین کا ربط دینی امور میں ائمہ حضرات سے ہی زیادہ ہوتا ہے، یومیہ، اسبوعیہ، سنویہ، حیاتیہ ومماتیہ، از بلوغ تا موت امام کی اقتداء تو جنازہ پڑھانے کا حقدار بھی امام، ایسا مضبوط رابطہ مسلمانوں میں کسی سے ہے؟۔

ائمہ مساجد کے لیے کام کرنے کا ایک بہترین فورم تیار ہو جاتا ہے، اس وقت ائمہ کے پاس امت کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک بہترین میدان میسر ہے جس میں:

۱- مسجد کی صورت میں ایک منظم ادارہ

۲- ائمہ وفضلائے مدارس کی صورت میں قابل اساتذہ

۳- نمازیوں کی صورت میں طلبہ

۴- پنج وقتہ نمازوں کی صورت میں اوقاتِ تعلیم

۵- قرآن وحدیث کی صورت میں ایک بہترین نصابِ تعلیم کی سہولیات موجود ہیں۔

ضرورت صرف متحرک اور فکرمند ہونے کی ہے جس کا نتیجہ ان شاء اللہ اصلاح معاشرہ

(۱) مقالات ومضامین دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالمتین صاحب

کی صورت میں نظر آئے گا۔(۱)

تنخواہ دیکر امام بنو! امامت ہماری ضرورت ہے

حضرت قاری امیر حسن صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس زمانے میں امامت اگر تنخواہ پر نہ ملے تو تم پیسے دے کر امامت کرو، اس کا ایک مثبت معنیٰ تو یہ ہے کہ اہل آدمی امامت نہیں کرے گا تو پھر نااہل لوگ امامت کریں گے، جب قوم کا امام ہی نااہل ہوگا تو پھر ساری قوم جاہل ہو جائے گی، دوسرا منفی معنیٰ جو ساتھیوں میں بے تکلفی کے لیے کہا کرتے ہیں کہ اگر اس زمانے میں امامت نہیں کریں گے تو ہماری نمازوں کا بیڑا غرق ہو جاتا ہے، جس حافظ وعالم کی امامت نہیں ہے اس کی تکبیر اولی، اس کی باجماعت نماز، اس کے سنن مؤکدہ قبلیہ وبعدیہ کا حال بے حال ہو جاتا ہے۔

امام اور قرآن کا مقام

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں ''قرآن مجید جتنا لوگوں کو گناہ سے روکتا ہے اس سے کہیں زیادہ امام روکتا ہے۔''مایزع الامام اکثر ممایزع القرآن ''کیونکہ بقول علی میاں ندویؒ :امام کے بغیر قوم کا حال ایسے جیسے جانوروں کا ریوڑ جس کا کوئی چرواہا نہ ہو یا سواروں سے بھرا جہاز جسکا کوئی ملّاح نہ ہو، کیونکہ اصلاحی نگہداشت کے بغیر اور اسلامی فکر و دعوت کے بغیر انسان کی حالت ایسی ہی ہو جاتی ہے، آج قوم کی مثال بھی دینی معاملہ میں کورے کاغذ کی ہو چکی ہے، جس پر جو شخص جو لکھے گا محفوظ ہو جائے گا۔

ائمہ پاور ہاؤس (Power House) ہوتے ہیں

ائمہ کا طبقہ بجلی گھر ہیں، یہ سماج کو روحانی بجلی (Spiritual electricity) فراہم

(۱) مقالات ومضامین دارالعلوم دیوبند، مولانا عبدالمتین صاحب

کرتے ہیں، آج کو کچھ دینداری سماج میں نظر آرہی ہے انہیں علما وائمہ کی محنتوں کا نتیجہ ہے، ایسی قربانی دینے والا طبقہ ہے جو مہینے کے اخیر میں قرض پر گھر چلاتا ہے، اور بے انتہا ٹھنڈی میں میٹھی نیند چھوڑ کر اذان وامامت کا فریضہ انجام دیتا ہے، ضرورت ہے کہ ائمہ کرام کی یہ قربانیاں بارگاہِ الٰہیٰ میں مقبول ہوجائے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ ہم اپنا نصب العین اور رخ صحیح کریں۔(۱)

امام ترجمان ہوتا ہے

اگر تم چاہتے ہو کہ اللہ تعالی تمھاری نماز قبول فرمالے، تو تم میں جو بہتر شخص ہو ان کو امام بناؤ، کیونکہ امام اللہ تعالی اور مقتدیوں کے درمیان قاصد ہوتے ہیں۔

"إن سركم أن تقبل صلاتكم فليؤمكم خياركم ، فإنهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم"(۲)

اسلام نے موجود لوگوں میں افضل شخص کو امامت کرنے کا اہل بتایا، اس لئے اگر قوم میں افضل شخص کو چھوڑ کر ادنی کو امام بنانے کا مزاج بن جائے یا اعلی شخص کو امام بنا کر اس کے ساتھ گھٹیا سلوک کیا جائے تو قوم ذلت ورسوائی میں مبتلا ہوجائے گی، چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب قوم کی امامت ادنی شخص کرتا ہے حالا کہ اس کے پیچھے افضل لوگ موجود ہیں تو ایسی قوم ہمیشہ پستی میں رہتی ہے۔

"جاء حديث اذاأم بالقوم وخلفه من هو أفضل منه لم يزالوا فی سفال"(۳)

---

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب: ۱۲

(۲) الدرایۃ فی تخریج أحادیث الہدایۃ نویندہ، ابن حجر: ۱/ ۱۶۸

(۳) کتاب الصلاۃ ومایلزمھا

قیامت کے قریب کوئی امام نہیں ملے گا

جب تک خدمت کا موقع ہے خدمت کرلیں،ایک دن آئے گا کہ یہ مواقع بھی نصیب نہیں ہوں گے،اورقوم کوبھی چاہئے کہ موجودہ ائمہ کرام کی قدرکرلے ورنہ جو ہیں وہ بھی نصیب نہیں ہوں گے،قیامت کےقریب لوگوں نماز پڑھانے والا ڈھنگ کاامام نصیب نہیں ہوگا۔"یَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَقُومُونَ سَاعَةً لا يَجِدُونَ إِمَامًا يُصَلِّي لهمْ"(۱)

نبی کریم ﷺ نے فرمایاکہ :لوگ قیامت کےقریب نماز پڑھنےکئی مسجدوں کا چکرلگائیں گے؛مگرانہیں کہیں امام نہیں ملے گا۔

"عَنْ سَلامَةَ بنتِ الحرِّ، قَالَتْ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ، يَقُولُ:إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يَتَدَافَعَ أَهْلُ المسْجِدِ لا يجدُونَ أَحَدًا يُصَلِّي لهمْ"(۲)

شعبہ امامت میں اضمحلال

حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مسجد مسلمانوں کا ہمہ جہت مرکزتھی،اورمسجد کاامام زندگی کےتمام مسائل میں مسلمانوں کا قائداور رہنما ہوتا تھا ،افسوس کہ جیسے زندگی کے بغیر دیگرشعبوں میں اضمحلال آگیا،اورمسلمانوں کاعمل قرآن اولی سے ہٹ گیا،اسی طرح لوگوں نےمسجدکونماز،اعتکاف،تک محدودکردیا،اورائمہ صرف پانچ وقت نماز کےامام سمجھے جانے لگے،نہ لوگوں میں یہ جذبہ باقی رہا کہ وہ زندگی کےتمام مسائل میں امام کواپنا قائد ورہنما سمجھیں،اورنہ ائمہ میں اپنے درجہ ومرتبہ اورمقام کااحساس باقی رہا کہ وہ صرف نمازوں کے امام نہیں ہیں،بلکہ مسلم معاشرہ کی پوری زندگی کے امام ہیں

(۱)المعجم الکبیر للطبرانی:۴۸/۱۸
(۲)المعجم الکبیر للطبرانی:۴۸/۱۸

،آج مسلمان جس بے دینی ،بے راہ روی اور معاملات اور سماجی زندگی میں شریعت سے غفلت کا شکار ہیں،اس کا علاج اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ مسجد کو زندگی کے تمام مسائل میں مرکزِ ہدایت بنالیں ۔(۱)

امامت سے بیزارگی کی وجوہات کیا ہیں؟

مذکورہ تمام اہم امور کے باوجود موجودہ زمانے میں بعض اہلِ علم امامت کی خدمت سے بیزارگی محسوس کرتے ہیں،کہیں اپنے معیار کی خدمت نہ ملنے پر مجبوراًامامت پر راضی ہوتے ہیں،کہیں دینی درسگاہوں سے ہی طلبہ میں امامت سے بیزارگی پیدا کردی جاتی ہے، کہیں امامت کو سائیڈ بزنس (Side business) کے طور پر استعمال کرلیا جاتا ہے۔

(۱) کیا نفسِ امامت بیزارگی کی وجہ ہے؟

۱۔غور کریں فرض نماز جو دین کا اہم ستون ہے، چند لوگ جماعت سے پڑھتے ہیں اور ایک شخص امامت کرتا ہے،اس میں کون سی چیز ایسی ہے جس کی وجہ سے امامت کو حقیر سمجھا جائے، فجر کی دو رکعت نماز کیا صرف دو رکعت ہونے کی وجہ سے یا اس میں لمبی سورتیں پڑھے جانے کی وجہ سے یا نمازِ ظہر کی نماز سری ہونے کی وجہ سے حقیر ہے؟ یا چار ہوجانے کی وجہ سے خلافِ عقل ہے؟ فرائض کی ادائیگی میں کوئی وجہ عیب دار نہیں ہے،اس کے باوجود اگر امامت کی ناقدری ہورہی ہے تو اصل وجہ امامت امامت کے تقاضوں کے ساتھ ادا نہ کیا جانا ہے، ائمہ کرام کا احسن طریقے پر اس امر کو انجام نہ دینا ہے جیسے تبلیغ میں ایک اللہ کی طرف بلانا یقین کی بات کرنا،صفات کی بات کرنا،توحید و رسالت اور آخرت کی بات کرنا،وغیرہ اس میں سے کوئی بھی فعل ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے بُرا کہا جاسکے،لیکن اگر بدنامی یا بدظنی ہے تو دعوت وتبلیغ کے فاعل کی وجہ سے اور اس کی نادانیوں کا اثر نفسِ تبلیغ پر ہے، داعی میں

---

(۱) نہج الائمہ فی اصلاح الامہ: ۴،حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

وہ صفات نہیں جن کی وہ بات کر رہا ہے، امام میں وہ صفات مفقود ہیں جن کی وجہ سے وہ مؤثر ومحبوب بن سکے۔

(۲) معاشرہ میں ائمہ حضرات کے ساتھ نامناسب روّیہ

۲۔بیزارگی کی دوسری وجہ: ائمہ حضرات سے کام کرنے کی بات کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ سماج میں ہمارا مقام ہی نہیں ہے کیا کام کریں؟

معاشرے میں مقام نام سے بنتا ہے یا کام سے بنتا ہے؟ سماج محض امام ہونے کی وجہ سے مقام دیدے یا ہمارے کے کام کی وجہ سے مقام دے؟ بغیر محنت کے چوری کر کے پاس ہونا ہے یا محنت کر کے امتحان میں پاس ہونا ہے؟ جتنے لوگ، یا جتنے ائمہ اس وقت کسی مقام پر ہیں، جتنے اساتذہ اس وقت کسی مقام پر ہیں وہ بلا محنت کے ہیں یا محنت کی وجہ سے ہیں؟ سماج میں کسی کو "سلام علیکم طبتم" سے استقبال ہے تو کسی کو "سحقاً سحقاً" سے استدبار ہے تو، وجہ کیا ہے؟ تاریخ کی جتنی شخصیتیں گذری ہیں وہ بلا محنت تاریخی بنے ہیں یا محنت کی وجہ سے؟ اور محنت رسمی تھی یا ترجیحی امور پر تھی؟ خلاصہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کا مجدد اُس زمانہ کی ترجیحی کام سے مجدد بنا ہے یہ اصول دراصل اسی مقام کو پانے کا طریقہ بتانے کے لیے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نے کیا خوب بات کہی ہے کہ" اگر اہل علم علم کی حفاظت کرتے، اور اس کو اس کے اہل ہی کے پاس رکھتے تو وہ اپنے زمانہ والوں کے سردار ہوتے، لیکن ان لوگوں نے دنیا طلبی کے لیے اہل دنیا پر علم کو نچھاور کیا، تو ان کی نگاہوں میں ذلیل ہو گئے۔

"عن عبد الله بن مسعود، قال :لو ان اهل العلم صانوا العلم ووضعوه عند اهله لسادوا به اهل زمانهم، ولكنهم بذلوه

لاهل الدنيا لينالوا به من دنياهم فهانوا عليهم"(۱)

اہل علم کو انکی محنتوں پر ہی مقام ملتا ہے۔ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ

"لأن من شأن أہل العلم أن يكون الملوك فمن دونهم تحت أقدامهم وأقلامهم وطوع آرائهم وأحكامهم"۔(۲)

یہ عزم کریں کہ موجودہ امامت کو اسلاف کے طرز پر لانا ہے اس کے لیے ناقابل تصور محنت کرنا ہے تاکہ مافوق التصور نتیجہ ومقام حاصل ہو جائے۔

بیماری پر تبصرہ کرنے سے صحت، اندھیرا کا تذکرہ کرنے سے اجالا آنے والا نہیں ہے، علاج کرنا پڑے گا، تبصروں سے ترقی نہیں ہوتی ،شکایتوں سے مقام حاصل نہیں ہوتا، جن کے مصلے پر کھڑے ہیں اس کی نیابت میں ان کے جیسے اخلاقِ حمیدہ اپنانا ہوگا ، اپنوں اور بیگانوں کے فاصلے کم کریں، عملی طور پر کچھ تبدیلی اپنے اندرون میں لائیں تو بیرون میں انقلاب برپا ہوسکتا ہے، اندر کے باطل کو ختم کی کوشش کریں تو باہر کے باطل کو ختم کرنے کے اسباب وطاقت اللہ فراہم کردیں گے۔

(۳) کیا اہل علم میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے؟

۳۔تیسری وجہ: صلاحیت نہ ہونے کی نہیں بلکہ حساسیت نہ ہونے کی ہے، حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوریؒ دورۂ حدیث کے طلبہ کی تقسیم فرماتے تھے کہ کون تدریس میں لگے کون امامت کرے اور کون جماعت میں جائے، ممکن ہے کسی کو اس تقسیم سے اختلاف ہو، البتہ باصلاحیت علما تدریس میں ہیں، ان سے کم صلاحیت کے امامت کرتے ہیں، مگر چند دن ان اصولوں پر کاربند ہو جائیں، جان توڑ محنت کریں، سدِ سکندری بن جائیں، چند دن بعد خود

(۱) کنز العمال، حدیث: ۲۹۴۵۱،یہ حدیث ضعیف ہے، اس سند میں نہشل متروک ہے راوی، مناکیر روایت کرتا ہے، اس لئے حدیث کا یہ ٹکڑا ضعیف ہے، البتہ معنیً درست اور اہل علم کا کلام ہے۔

(۲) مرقاۃ: ۱/ ۳۱۰

محسوس کرلیں گے صلاحیت ہے یا نہیں؟ چند دن اِن اصول وآداب کو پلو باندھ لیں، پھر ہم خود ہمارے نہیں رہیں گے بلکہ خالق ومخلوق دونوں کے ہوجائیں گے، ایک شخص شروع میں اسی احساس کے ساتھ مارکٹ میں قدم رکھتا ہے کہ مجھے تجارت نہیں آتی، تجارت کرتے کرتے ایک دن آتا ہے کہ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ میں اس مارکٹ کا مبتدی تھا۔

پہلی بار مدرِّس بھی مسندِ تدریس پر خوف کھاتا ہے، مگر بعد میں اپنی تدریس پر ایسے ہی فخر محسوس ہونے لگتا ہے جیسے باپ کو اپنی اولاد پر فخر ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ بھی پہلی بار مصلے پر کھڑے ہوتے وقت انکار فرمایا تھا۔ ''وکان رقیق القلب ''(۱) مگر حسب حکم امامت کرتے گئے کہ بعد میں کوئی آپ ﷺ کو نہیں پاسکا، أینقص الدین وأنا حیّ'' آپؓ ہی کی آواز ہے، جس کے آگے حضرت عمرؓ بھی عاجز آ گئے۔

منبر کی تین سیڑھیاں صلاحیتوں کے فرق کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جو جتنا محنت کر کے آگے بڑھے گا وہ اتنی بلندی پر پہنچے گا۔ ''الناس معادن کمعادن الذهب والفضة'' (۲) اور باصلاحیت اور حساس لوگ امامت میں نہ ہونے کی وجہ سے نااہل لوگ امامت میں آرہے ہیں، اور ''ضلّوا وأضلّوا'' کا مصداق بن رہے ہیں۔

(۴) ابتداء سے ہی استقبال کی امیدیں

۴۔امامت سے بیزارگی کی چوتھی وجہ: جب نئی کالونیاں بنتی ہیں تو شروع میں ایک دو مکان بنتے ہیں اور ایک دو مکینوں کے بس میں نہیں ہوتا کہ وہ مسجد کو آباد کرسکیں اور عالم صاحب یہ چاہتے ہیں کہ مجھے مسجد بھی ملے اور مکان بھی ملے، تنخواہ بھی معیاری ہو، ہر شخص مرید بن جائے، نمازوں میں چھوٹ بھی ملے، تب میں کام شروع کروں گا، مجاہدے کے لیے اہلِ حق علماء تیار نہیں ہوتے اور جو لوگ تیار ہیں، ان کے مساجد زیادہ ہیں، نئی کالیونیوں کی

---

(۱) مسند احمد: ۲۵۷۶۱

(۲) مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث: ۲۶۳۸

امامت یا ابتدائی محلہ کی امامت اپنے اخراجات کے لحاظ سے ناقابل برداشت سمجھ لی گئی، جس کی وجہ سے بڑی جگہ ملنا بھی مشکل، اور نفس امامت سے بھی محروم یا بیزارگی پیدا کر لی گئی۔

(۵) شہری واعلی مساجد پر نظر جمانا

۵۔ پانچویں وجہ: دیہاتوں میں کام بہت کم ہے، دیہاتوں میں مساجد کا حال بہت خراب ہے، مساجد ہیں، لیکن لوگوں کو کلمہ ٹھیک نہیں آتا، قرآن پاک صحیح نہیں آتا، دیہات دنیاوی اور دینی اعتبار سے جہالت میں ہے، وجہ یہ ہے کہ ہم مدارس میں شہری زندگی میں رہ کر پڑھتے ہیں، لوٹ کر دوبارہ دیہات کی زندگی میں جانا نہیں چاہتے، مدارس سے علما تو کافی فارغ ہورہے ہیں، لیکن دیہات میں خدمت کرنا نہیں چاہتے جس کی وجہ سے آج بھی دیہات میں شرک، بدعات، رسومات ہیں، یعنی دیہات کے طلبہ عالم بننے کے بعد دیہات کی مساجد کی امامت وخدمت سے بیزارگی ظاہر کرتے ہیں، جبکہ شہری مساجد میں لوگوں کو جیسے دین سکھانا چاہئے ویسے نہیں ہوپارہا ہے، لوگوں کو قرآن شریف پڑھانا، فقہی مسائل سمجھانا، معاملات سمجھانا، وغیرہ اُتنا نہیں ہورہا ہے جتنا ہونا چاہئے، دیہاتی مسجد میں جتنا کام ہورہا ہے شہری مسجد میں بھی تقریباً اتنا ہی کام ہورہا ہے یا کچھ زیادہ۔

دراصل یہ غلط فہمی ہے کہ شہر میں کام اچھا ہوگا دیہات کے مقابلہ میں، جبکہ کام کرنے والوں کو شہر اور دیہات کا کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں رہ کر حکیم الامت ومجدد ملت بنے ہیں وہ آج بھی دیہات ہی ہے، حضرت عبدالغنی پھولپوریؒ دیہات سے ہی مفکر اسلام وبانئ تبلیغ کی تربیت فرمائی ہے، مفکر اسلام اپنے دیہات میں رہ کر ہی عالم عرب کے سوئے ہوئے شیروں کو جگا دیا، ایسی سوؤں مثالیں تاریخ میں موجود ہیں جن سے ہمیں سبق لینا چاہئے۔

قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ کی استقامت

ممبئی کے معمولی کمرے میں ''مرکزِ علمی'' کا بورڈ لگا کر تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری اور مقالہ نویسی کا دورِ شباب گذارا، قاضی صاحب کہتے تھے کہ ''میں نے بڑے بڑے عقیدت مندوں کی عقیدت اور بڑی بڑی پیشکش کرنے والوں کا شکریہ ادا کر کے شہر کی چمک دمک میں کھو جانے کے مقابلہ میں بوریہ نشینی کو ترجیح دی، میرے بہی خواہ اور مخلص بزرگ واحباب اس معاملہ میں مجھے احمق سمجھتے تھے، اور میں کم از کم اس بارے میں اپنے آپ کو عقل مند سمجھتا تھا، بلکہ اب بھی سمجھتا ہوں۔(۱)

(۶) امامت کی تنخواہ معقول نہ ہونے کی وجہ سے

۶۔امامت سے بیزارگی کی چھٹویں وجہ: تنخواہ کی کمی، جہاں تک امامت کی اجرت ہے وہ دوطرح کی ہے، ایک تنخواہ، دوسری من خواہ، تن کو جتنی ضرورتیں ہیں اتنی رقم فراہم ہوجائے تو یہ جانبین (امام وکمیٹی) سے معقول ہے، عافیت سے جینے کا راستہ بھی یہی ہے، عافیت کا معیار بدل جائے تو شکایت کا دروازہ کھل جاتا ہے، ہم سکون اِس بات میں محسوس کرتے ہیں کہ آمدنی زیادہ سے ہو یا اِس بات میں سکون محسوس کرتے ہیں کہ عزت کی زندگی ہو، قرضوں کا بوجھ نہ ہو، اور صبح سے شام تک لوگوں کے ٹینشن نہ ہوں، ویسے دنیا میں کسی نہ کسی کو کسی نہ کسی کا ٹینشن رہے گا، ہم پل صراط پر نہیں ہیں کہ بجلی کی طرح پار ہوجائیں، یا ہم جنت میں نہیں ہیں کہ ارادہ کرتے ہی ہر چیز میسر ہوجائے، دنیا میں ہیں تو دنیا کے تقاضے ہوں گے، سر ہے تو سر میں درد بھی ہوگا، پیٹ جب تک ہے بھوک بھی لگے گی، جب تک سانسیں ہیں زندگی چلے گی، یہاں پر ہر طرح سے ٹینشن فری رہنے کا خیال ہی نادانی ہے، جہاں ہیں وہاں سے ہٹیں دوسری جگہ کا tension لیتے ہیں اور ایک tension کے بعد دوسرا tension لگا

(۱) سب کے لئے، ابن غوری: ۳۱

ہو ارہتا، آن لائن دار الافتاء دار العلوم دیوبند کا فتوی ہے کہ ”حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اگر چہ امامت وغیرہ پر تنخواہ لینے کے جواز کا فتویٰ ضرورت کی بناء پر دیا ہے مگر اجرت اور تنخواہ کو مقصود ہرگز نہ بنائے اخلاص کا تقاضہ یہی ہے کہ اللہ پاک کی رضا اور خوشنودی کو مقصود بنائے حضرت نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ اور حضرات اکابر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے طرز عمل کو حرزِ جان بنائے رہے، اور قوم کی ذمہ داری یہ ہے کہ خدام مسجد امام ومؤذن بلکہ خادمان مدارس کی حاجت، علمی قابلیت صلاح وتقویٰ کو ملحوظ رکھ کر مشاہرہ وتنخواہ کا انتظام کریں اور ہمیشہ ان کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھیں، اپنے کسی طرز وانداز سے ان کے احترام کو پامال نہ کریں۔(۱)

مادّیت کو بنیاد نہ بنائیں

امامت پر ملنے والا مشاہرہ، تنخواہ کم، گزارا نہیں ہوتا، قوم قدر نہیں کرتی، وغیرہ کو بنیاد نہ بنائیں، ہم امامت چھوڑ کر کروڑ پتی بننے والے نہیں ہیں، اگر بن بھی جائیں تو مادّیت کی دنیا ہماری منزل نہیں ہے، ضرورتیں غریبوں کی بھی پوری ہوجاتی ہیں، خواہشات بادشاہوں کی بھی ادھوری رہ جاتی ہیں، ہم اُن کے مصلے پر کھڑے ہیں جن کے گھر دو دو ماہ چولہا نہیں جلتا تھا، اصل مسئلہ خدمت دین کی توفیق مل جانا ہے، ذمہ داری پوری کرنا خود کا کام ہے ضرورتیں پوری کرنے خدا کا کام ہے، جمعہ کے خطبہ اور پانچ وقت کی نماز تک محدود ہوکر رہ نہ جاؤں، درس قرآن، درس حدیث، درس فقہ، سے مسجد کو آراستہ رکھوں، مخلوق کے حق میں نافع بنوں، نافع کو ہمشہ دوام رہتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ اکابر نے جتنی محنتیں کیں، آج ہم اُس کا نصف بھی نہیں کر پارہے ہیں، کوشش کرتے ہیں کہ کچھ نمازیں پڑھائیں، کچھ نہ پڑھائیں، اپنے دوسرے کاموں کو پورا کرنے میں لگ جائیں۔

(۱) دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، جواب نمبر 161709Fatwa:111 :-1022/H=10/1439

ہندوستان کی تمام مساجد کے ائمہ کرام اپنے منصب کی عظمت وتقاضوں کو سمجھیں تو کسی جنگ کے بغیر انقلاب لایا جاسکتا ہے، نماز کے باہر بھی نبی کو بحیثیت امام اپنا مقتدا ہونا منوایا جائے تو پچیس کروڑ مسلمانوں کا رعب باطل ایوانوں میں زلزلہ پیدا کردے گا۔

امامت کی عظمت اپنے دل میں پیدا کریں

کامیاب امام بننے کے لیے خود امام کے دل میں امامت کی عظمت اور دیگر ائمہ کی قدر پیدا ہونا ضروری ہے، جب تک امام کے دل میں اپنے منصب کی عظمت پیدا نہیں ہوگی، اس وقت تک اپنے منصب کو اس کے تقاضوں کے ساتھ انجام نہیں دے سکے گا، ایک ڈاکٹر کو اپنی میڈیکل فیلڈ کی اہمیت ہے تو وہ ویسا dress بھی پہن کے آرہا ہے، مریض (patient) پر ویسی توجہ ہے، آپریشن کے موقع پر ویسی چھتی اور پھرتی ہے، چونکہ اسے اپنی field کی اہمیت کا پتہ ہے، ایک تاجر کو اپنی تجارت کی قدر واہمیت ہے تو صبح چار بجے اٹھ کر دکان کھول رہا ہے ہر آنے والے گاہک کو "مالک، سرکار، سیٹ" بول کر اس کی منت سماجت کر کے اپنا سامان بیچنے کی فکر میں ہے، ملازم کو ملازمت کی اہمیت ہے تو رات بھر جاگ کر ڈیوٹی کرنے تیار ہے، کسان کو اپنے کھیت کی فکر پڑی ہے، اسے فصل اگانے کی اہمیت کا پتہ ہے تو دھوپ، گرمی سوچے بغیر راتوں میں درخت کے نیچے سوکر بارہ بجے اگر پانی آتا ہے تو اس وقت اپنے کھیت کو سیراب کرتا ہے، ایسے ہی امام کو اپنے منصبِ امامت کی فکر اور اہمیت ہونا چاہیے، پھر اپنے اس فریضے کو اس کے تقاضوں کے ساتھ انجام دے گا، اس وقت جہاں جاہل مصلیوں اور مقتدیوں کی جہالت کی وجہ سے ائمہ حضرات کو ان کے حقوق نہ دیے جانے کی بنا پر ان کے دل سے منصب امامت کی عظمت اور اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے وہیں ائمہ حضرات کے دل سے بھی امامت کی عظمت اور اہمیت ختم ہوتی جارہی ہے، امامت پر تجارت کو ترجیح دینا منصب امامت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، امامت کے ساتھ تجارت کرنا منع نہیں ہے، امامت کے ساتھ تدریس کرنا منع

نہیں،لیکن امامت کے مقابلے میں دنیاوی یاکسی اور دینی شعبہ کو اہم قرار دینا یہ اِس منصب سے ناواقفیت کی دلیل ہے،نیز اگر امامت ویسی ہوتی جیسی ہونی چاہئے تو شاید یہ شعبہ اتنا مجروح نہ ہوتا،وہ صفات جو امام میں ہونے چاہیے وہ نہ ہونے کی وجہ سے اس منصب کی عظمت ختم یا کم ہورہی ہے۔

دیگر مذاہب میں پیشوا کی اہمیت

دیگر مذاہب میں جو ان کے مذہب کے پیشوا ہوتے ہیں اسے کہیں (عیسائی مذہب میں) پادری کہتے ہیں،پادری ''پدر'' سے ہے،فارسی میں پدر باپ کو کہتے ہیں،عیسائی اپنے مذہب کے پیشوا کو باپ کا مقام دیتے ہیں،اسی کو انگریزی میں ''فادر''(father)۔

نیز باطل مذاہب میں انکے اپنے پیروکاروں اور رہنما کی عزت شاید مسلمانوں سے زیادہ کی جاتی ہو،یورپ وامریکہ جیسے آزادمعاشرہ میں لوگ پادری کو یہ مقام دیتے ہیں کہ اگر کسی عیسائی سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو وہ پوپ کو مطلع کرتا ہے کہ مجھ سے فلاں گناہ سرزد ہوگیا ہے،پوپ پانی کا چھینٹا اس کے چہرہ پہ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ تیرا گناہ معاف ہوگیا ہے، عیسائی خوش ہوجاتا ہے کہ ہاں پادری نے اس کا گناہ معاف کردیا،معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، ہمارے سماج میں بھی ڈھونگی باباؤں،مکّار مُجاروں اور لٹرے عاملوں کو یہ مقام حاصل ہے۔

ہندوؤں نے اپنے پیشوا کو ''پوجاری'' کا نام دیا ہے،پوجای کا مطلب ہوتا ہے جو پوجا کرنے میں سب سے آگے ہو،پوجا کرنے کے لیے جو بھی آئے گا اس کی پوجا کے ساتھ یہ بھی پوجا کرے گا۔(۱)

اسلام میں ''امام'' کا نام دیا گیا ہے،بعض جگہ ''پیش امام'' بھی کہتے ہیں ان القاب کو سامنے رکھ کر غور کریں عیسائیوں نے باپ کا مقام دیا،غیر مسلموں نے زیادہ عبادت کرنے

(۱) پوجا کرنے والا،پرستش کرنے والا،عقیدت مند۔یاتریوں کو پوجا کے رسوم بتانے والا،مندر وغیرہ کا مجاور۔''عَابِدُ الأَصْنَام، خَادِمُ المَعْبَد''

والے کا مقام دیا، اسلام میں آگے رہنے والے کا نام دیا گیا تو امام وہ ہوتا ہے، جیسے باپ کو اپنے بچے کے حق میں جو شفقت ہوتی ہے ویسی شفقت امام میں ہو، جو تربیت کی فکر باپ کو ہوتی ہے ویسی تربیت کی فکر اپنے مصلیوں کے حق میں امام کی ہو، مسجد کے امام میں اپنے مصلیوں کے لیے ویسی ہی شفقت ہونی چاہیے جو ایک باپ میں ہوتی ہے، ہمارا بچہ غلط کر رہا ہے تو جیسا ہم کو tension ہوتی ہے مُصلی بھی غلط کرتا ہے تو tension ہونا چاہیے اسی شفقت کے ساتھ اصلاح ہونی چاہئے۔

دوسرے لقب سے پتہ چلا کہ ''پوجاری'' پوجا جو زیادہ کرنے والا ہوتا ہے، ویسے ہی امام قوم سے زیادہ عبادت کرنے والا ہوتا ہے مثال کے طور پر قوم سنت بھی پڑھ رہی ہے، دس منٹ پہلے حاضر ہو جاتی ہے، وہ تلاوت بھی کر رہی، ذکر بھی کر رہی مگر امام صاحب کے وضو کا پانی مصلے پر گر رہا ہے، بھاگے بھاگے، جلدی جلدی، سانس پھولے ہوئے مصلے پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں، نماز کے فوری بعد نکل رہے ہیں، عبادت کا اہتمام نظر نہیں آتا ہے، منصب کا احترام کہاں رہا؟ قوم پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟۔

بالعموم منصب اِمامت اور منصب خطابت ایک ہی آدمی کے ذمہ رہتا ہے جو آدمی امام ہے وہی خطیب بھی ہے کہیں کہیں شہروں میں امام الگ اور خطیب الگ ہوتے ہیں، جہاں ایک ہی شخص امامت اور خطابت دونوں اپنے ذمے ہوں ایسی جگہوں پر آدمی کے لیے خدمتِ دین کا بہت بڑا میدان ملا ہے وہ کسی اور کو نہیں ملا، اس کا احساس ہونا چاہئے۔

تو ادھر اُدھر کی بات نہ کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

مسنون امامت کے اخلاقی آداب وہدایات

تیری رہبری کا سوال ہے

آگے ائمہ کرام کی تفصیلی ذمہ داریاں بیان کرنے سے قبل یہ بات ادباً عرض ہے کہ جہاں امام ومؤذن کے بہت سے فضائل ہیں، وہیں ان پر بہت بڑی ذمہ داریاں بھی ہیں منصب امامت بہت ذمہ داریوں والا منصب ہے، جب ایک گھراورادارہ سنبھالنا مشکل ہےتو پوری قوم کی رہنمائی کوئی آسان کام تھوڑی ہے،قوم کی بدعملی پر ہم میں سے ہر شخص نے بہت کچھ کہا ہے، مگر اپنے اندر کی کمی و کجی کا کیا کریں؟ ہمیں بھی تو سوچنا پڑے گا کہ میرے اندر کیا کمی ہے کہ قوم اپنے معیار پرنہیں آرہی ہے، میں کہاں تک قوم کی اصلاح کا ذمہ دار ہوں جو ان کی اصلاح نہ کرسکا، ہم قوم کی غلطیوں کو گنا کر اپنے کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے ہیں، ائمہ کرام کی ذمہ داری ستر فیصد تو عوام کی تیس فیصد ہے، کیونکہ ہم ''راع ومسئول'' ہیں، جو جتنا بڑا عالم و امام ہے اسکی ذمہ داری اتنی ہی زیادہ ہے۔ فتنے جس قدر تیزی سے آرہے ہیں، ہماری محنتوں میں تبدیلی کیا اسی تیزی آئی ہے؟ ماضی قریب کے علمائے حق کی کتابوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ علما نے کیسے کیسے لاینحل مسائل کو حل کیا ہے۔

امام کا اثر مقتدیوں پر پڑتا ہے

استاذ کی نقل شاگرد کرتا ہے، مدرّس کے صفات شاگردوں میں منتقل ہوتے ہیں، والد کی خوبیاں اولاد میں منتقل ہوتی ہیں، درخت کے پتّوں کا رنگ پانی میں منتقل ہوتا ہے، لوگ بادشاہوں کی ذہنیت کو اپناتے ہیں، دوست اپنے دوست کی زندگی قبول کرلیتا ہے، اسی طرح امام کا اثر مقتدیوں پر پڑتا ہے۔

☆ حجاج بن یوسف کے زمانے میں صبح قتل کے تذکرے ہوتے۔

☆ ولید بن عبدالملک کثیر المال والعمران تھا تعمیرات ومکانات ،نہروں و باغات کے تذکرے۔

☆سلیمان بن عبدالملک کھانے ،بجانے کاشوقین تو چرچے کھانے ،گانے ،رقص وسرور کے۔

☆عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں تلاوت ،تہجد،قیام اللیل ،صیام النھار کے تذکرے۔مشہور مقولہ ہے"الناس علی دین ملوکھم"طالب علم استاذ کی نقل اتارتا ہے، مقتدی امام کی کاپی مارتا ہے۔

اصول وآداب دوطرح کے ہیں

اصول دوطرح کے ہیں :ایک شرعی اور دوسرے اخلاقی ،یہاں پہلے اخلاقی آداب تفصیلاً مثبت ومنفی دونوں ذکر کئے جاتے ہیں بعد میں شرعی آداب کومختصراً بیان کیاجائے گا، اگر چہ شرعی آداب اپنی اہمیت کی وجہ سے پہلے بیان کرنا اہم ہے،مگر چونکہ صفات مستحبہ کی طرف توجہ کم ہوتی ہے،نیزشرعی آداب واجب کے درجہ میں ہوتے ہیں جبکہ اخلاقی آداب مستحب کے درجہ میں اور تعظیماً للواجب مستحب کومقدم کیاجاتا ہے،جیسے سنت کو فرض سے پہلے اداکیاجاتا ہے۔

بنیادی طور پرائمہ کرام پر چاراہم ذمہ داریاں

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ستاروں کو تین مقاصد کے لئے پیداکیا:

۱۔آسمانِ دنیاکومزین کرنا۔"وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ"

۲۔شیاطین کورجم کرنا۔"وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ"

۳۔راستے دکھلانے کے لئے۔"وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ"(۱)

لہذاعلمااورطلابِ علم کے بھی تین ہی کام ہیں:

۱۔دنیاکی زینت ہونااوراسے علم سے مزین کرنا۔

(۱)تفسیر الطبری: ۱۴؍ ۱۹۳،ذکرہ البخاری معلقا

۲۔زمینی شیاطین (اہلِ باطل) کو رجم کرنا،ان کا قلع قمع کرنا۔

۳۔سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرنا۔جو علما کو چھوڑے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔(۱)

مذکورہ اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امامت کرنے والے عالم میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے،حدیث میں ہے کہ " أن رسول الله (ﷺ) قال :العلماء مصابيح الأرض، وخلفاء الأنبياء، وورثتي وورثة الأنبياء"(۲) علماء زمین کے ستارے ہوتے ہیں،ستاروں کے سلسلے میں اللہ نے قرآن مجید میں تین کام بیان کیے ہیں۔

ائمہ کرام کا پہلا کام: ستارے آسمان کو زینت بخشتے ہیں۔"ولقد زينا السماء الدنيا بمصابيح" آسمانی دنیا کو ہم نے ستاروں کے ذریعے سے زینت بخشی ہے، امام ظاہر باطن میں اپنی قوم کے سنورنے کا ذریعہ بنے یعنی ظاہری پہناوا بھی جاذب ہو،امام صاحب کے کپڑے،ٹوپی،کرتا،لباس اور چال چلن ایسی ہو کہ لوگ اس کی نقل کرنے میں فخر محسوس کریں،امام صاحب خود میلے کپڑے پہنے ہیں،امام کی داڑھی کٹی ہے،امام کے بال عجیب ہیں،تو ظاہری بات ہے جب ہمارا مسلمان جوان غیروں کی اور ہیرو کی کاپی مار رہا ہے، acting کرنے والے کی acting کی نقل کر رہا ہے،لیکن وہ ایک نائب رسول کی copy مارنے تیار نہیں،تو چاہئے کہ امام کو بھی اپنے ظاہر کے لحاظ سے بہت خوبصورت بن کر رہنا چاہتے۔

مسئلہ جانتے ہیں کہ اگر کوئی امام پھول بوٹے والے شوقیلے کپڑے پہنے تو اس سے نماز مکروہ ہوتی ہے،پیچھے والے کا پورا خیال اس کے کپڑوں کی طرف جاتا ہے؛بلکہ ایسے کپڑے پہننا جس کی وجہ سے دوسرے اس پر فخر محسوس کریں۔

امام اپنا باطن بھی بہتر بنانے کی کوشش کرتا رہے،ہماری قوم سے اگر کوئی یہ سوال

(۱) مفتاح دار السعادۃ لابن القیم: ۱/۱۷۸

(۲) مذکورہ فضیلت حدیث لفظاً ثابت نہیں ہے،البتہ معنیً درست ہے،کتب شیعہ میں اس کو حضرت علیؓ کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

کرے کہ آپ کے مذہب اسلام میں کچھ مسلمان دکھائیں جس کا ظاہر اور باطن دونوں اسلام کے عین موافق ہو، کامل مسلمان کو دکھائیں، پورے محلے وبستی میں ایک کامل مسلمان کو دکھانا چاہیں تو امام کو دکھاسکیں، اگر پورے محلے میں امام بھی کامل مسلمان نہیں ہے تو پھر کس سے یہ توقع کی جائے گی؟

ائمہ کرام کا دوسرا کام: ستارے مسافروں کو راستہ دکھاتے ہیں بلکہ ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں۔''وبالنجم هم یهتدون'' عالم امام اپنے طرزِ زندگی ایسی اپناتا ہے کہ لوگ خود بخود اس سے سیدھے راستے پر آنے لگتے ہیں، اور راہِ راست زندگی کے ہر شعبے میں ہے، تجارت میں راہِ راست، Education میں راہِ راست، شادی بیاہ میں راہِ راست، جنازے کے احکام میں راہِ راست، ستاروں سے منزل کا پتہ چلتا ہے ایسے ہی ائمہ علماء کے ذریعے ''صراطِ مستقیم'' کا پتہ چلنا چاہیے، اگر امام خود راہِ راست پر نہ ہو تو یہ سیدھا راستہ کیسے دکھائے؟

ائمہ کرام کا تیسرا کام: ستارے شیاطین کا تعاقب کرتے ہیں۔''فأتبعه شهاب ثاقب'' امام کا فتنوں کی اور باطل طاقتوں کے تعاقب کا ذریعہ ہے، شیاطین جس طرح باطل ہیں، ستارے اس کی مارنے کا ذریعہ ہیں ایسے ہی اپنی قوم کا امام اپنے محلے میں آنے والے باطل طاقتیں اور فتنوں کے تعاقب کا ذریعہ ہے، جب تک حق پرست امام کسی بستی میں ہو تو کوئی گمراہ فرقے کا شخص داخل نہ ہو سکے گا، اپنے محلے میں کون کون سے فتنے پیدا ہو رہے ہیں ان کا تعاقب کیسے ہو؟ یہ امام کی ذمہ داری ہے۔جب ان صفات کے ساتھ امامت ہوگی تو باطل کیوں کر پھیلے گا؟

افسوس! آج اپنی کوتاہی کی شکایت عوام پر ڈالی جاتی ہے، خود امام صاحب کو شکایت رہتی ہے کہ ہمارے مقتدی غیر مقلد بنتے جا رہے ہیں، شکیل بن حنیف کے پیروکار بن رہے ہیں، فیاضی، گوہرشاہی، مرزائی فتنے کا شکار ہو رہے ہیں، کہیں اِس میں اپنی کوتاہی کا اعتراف تو نہیں ہے۔

یہاں سے ائمہ کرام کی ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے (۱) وہ آداب اور

امور جو ائمہ کرام کو کرنے چاہئے ۔(۲) وہ امور جو ائمہ کرام کو نہیں کرنے ہیں ۔

مقاصدِ بعثت پر عمل لازم ہے

ائمہ مساجد چونکہ علماء ہیں اور علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام ائمہ کے لیے ماڈل کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کی زندگی کا جو مشن تھا، وہ قرآن کریم میں بہت وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے:

''لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى المؤمِنِين إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالحكْمَةَ وَإِن كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِين'' (آلِ عمران)

ترجمہ : ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں پاک صاف بنائے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جب کہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔''

اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد تلاوت، تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیہ بیان کیا گیا ہے، جس کی توضیح کی آسان صورت یہ ہے:

۱۔ تلاوت : تجوید، ناظرہ اور حفظِ قرآن
۲۔ تعلیمِ کتاب : قرآن کی تفسیر
۳۔ تعلیمِ حکمت : حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
۴۔ تزکیہ : اخلاقیات اور تربیتی نظام

یہی چار کام دراصل ائمہ مساجد کی اصل ذمہ داری ہیں، یہ قرآن کریم کا تیار کردہ بہترین لائحہ عمل ہے، جس پر محنت کر کے ائمہ مساجد آس پاس کے ماحول میں موجود ہر فرد کی دینی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، نیز ائمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مقتدی کے دل میں مذکورہ

امور کی اہمیت کا بیج بونے میں کامیاب ثابت ہوں۔(۱) دین کا جامع تصور پیش کرنا بے حد ضروری ہے، ورنہ ہر تنظیم وتحریک اپنے مخصوص طریقہ کو منصوص کا درجہ دے کر شدّت وتحریف کا مرتکب ہو رہی ہے۔

(۱) امامت قبول کرنے سے قبل مسجد کے احوال جان لیں

یہ بہت کم ہی دیکھا گیا ہے کہ کسی امام یا خطیب کو سارے کے سارے نمازی دل وجان سے چاہتے ہوں، لہٰذا ان سے ناراض رہنے والے نمازی کا ایک گروپ موجودہ امام کے خلاف ماحول بناتے ہیں اور وہ موقع کی تلاش میں ہوتے ہیں، اِدھر امام سے کوئی غلطی سرزد ہوئی نہیں اور اُدھر سے یہ سرگرم ہوجاتے ہیں، اِسی دوران وہاں کے مدرّس یا خادم مسجد یا کسی کے ملنے ملانے والے کا نام متبادل کے طور پر پیش کرکے امام کو فارغ کردیا جاتا ہے، اب جو امام نئے امام صاحب آتے ہیں ان سے بھی سارے لوگ متفق نہیں ہوتے اور مساجد مستقل طور پر ”حالتِ جنگ“ میں رہتی ہیں، ظاہر ہے جو لوگ بغیر کسی شرعی اور اخلاقی وجہ کے ائمہ سے کدورت رکھ کر نکالدئے وہ کل ہمیں بھی نکال دیں گے، جیسے زبردستی امام بننے کا جرم ہے، ویسے ہی بلا جواز ائمہ کے بارے میں ناروا ذہن قائم کرلینا بھی ایک جرم ہے، مگر اپنی ذمہ داری ہے کہ احوال جان کر کسی بڑے عالم دین کو درمیان میں ذمہ دار بنا کر امامت قبول کریں، آج بلا نگرانی کے قبول کرلیں گے، کل جب معزولی کا وقت آتا ہے تو کسی بڑے عالم کی مدد کے ذریعہ معاملہ سلجھانا چاہتے ہیں، جبکہ اب ڈور ہاتھ سے نکل چکی ہوتی ہے۔

نیز اس عمل سے ائمہ کرام کی شبیہ بھی متاثر ہوجاتی ہے، پہلے امام پندرہ ہزار تنخواہ پر تھے نئے امام صاحب دس ہزار میں ہی راضی ہوگئے، جب مارکٹ میں ایک ہی چیز کہیں پندرہ ہزار کو ملے اور کہیں دس ہزار پر تو خریدار کس کو ترجیح دے گا؟ پھر کم تنخواہ کی شکایت کیوں؟ یہ

---

(۱) ماہنامہ بینات، رمضان وشوال 1443ھ-مئی 2022ء

ماحول تو ہماری نااہلی سے بھی ہوا ہے۔

(۲) اپنی امامت میں اخلاص پیدا کریں

مصلی کو اپنی نماز میں جیسے مخلص ہونا ضروری ہے اسی طرح امام کو اپنی امامت میں مخلص ہونا بھی ضروری ہے، مخلص رہیں یا ریاکار رہیں بہرصورت مشاہرہ مل جائے گا مگر قبولیت عنداللہ وعندالناس اخلاص پر موقوف ہے، مخلص ہرصورت میں کامیاب ہے، مکار بہر صورت خسارہ میں ہے، امام حمادؒ سے جب حاکمِ وقت محمد بن سلمان ملنے آتا تو اتنا مرعوب ہوجاتا کہ بے اختیار بولتا''کیا وجہ ہے کہ میں آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ پاتا ہوں؟

امام حمادؒ نے فرمایا: جب انسان کے حصولِ علم کا مقصد رضائے الٰہی ہو تو اس سے ہر چیز ڈرتی ہے، اور اگر حصولِ علم کا مقصد حصولِ زر ہو تو اسے ہر چیز سے ڈرنا پڑتا ہے۔

''العالم اذاارادبعلمه وجه الله هابه كل شئى ،واذاارادأن يكثربه الكنوز هاب من كل شئى''(۱)

مخلوق سے کسی بھی طرح کی امید کے بعد اخلاص باقی نہیں رہتا، اخلاص آتا بہت دیر سے ہے مگر جاتا بہت جلد ہے، اس لئے اخلاص پیدا کرنے کی اور باقی رکھنے کی مستقل ومسلسل کوشش جاری رہنا ضروری ہے۔

اخلاص کی ثروت دے کردار کی رفعت دے
گستاخ نگاہوں کو کچھ اشکِ ندامت دے
سرشار مجھے کردے تو اپنی محبت سے
کچھ شوقِ اطاعت دے کچھ ذوقِ عبادت دے

(۱) بستان العارفین للامام النووی :۹۵

ہمارا نصب العین کیا ہو؟

جان لیں کہ ہماری بائے بسم اللہ اور تائے تمت یعنی پوری زندگی کا حاصل خدمت دین ہے، اور یہ خدمت دین اللہ کی رضا اور دین کی سربلندی کے لیے ہے:

میری زندگی کا مقصد، تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

ہر عبادت کی روح رضائے الٰہی، اور وقتاً فوقتاً اسے تازہ کرتے رہنا چاہیے، حافظ محمد بخش صاحبؒ فرماتے ہیں کہ: اگر ہم اس کو نوکری سمجھیں گے تو دو گھنٹے کی قربانی بھی آسان ہو جائے گی، جب اصل مقصد کے علاوہ کوئی چیز پیشِ نظر ہوتی ہے تو وقت گزرنے کے ساتھ حقیقی مقصد نظروں سے اوجھل ہونے لگتا ہے، پھر انسان یہ سوچتا ہے کہ فلاں امام کو تنخواہ زیادہ رہی ہے اور رمجھے یہ سب حاصل نہیں، مہتمم ومتولی فلاں کو ایسا ایسا مقام دیتے ہیں اور مجھے نہیں، یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، اور مقصد کے خلاف میں الجھنا ہے، اس سے دینی محنت ضائع ہونے کا خطرہ ہے، یاد رکھیں! راج دھانی چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر نہیں ٹھہرتی۔(۱)

عوامی تعریف سے متاثر نہ ہوں

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اپنی تعریف لوگوں سے ہرگز نہ سنے اگر کوئی شاگرد، مقتدی وعقیدت مند تعریف کریں کہ امام صاحب آپ تو ماشاء اللہ۔۔۔آپ کا بیان تو ماشاء اللہ۔۔۔ آپ کے درس کا تو کیا ہی کہنا۔۔۔تو فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیں اور سمجھائیں کہ مخلوق کی تعریف کے بجائے خالق کی تعریف کریں، درس کا مقصد ہی یہی تھا کہ مخلوق کا تاثر ہمارے دلوں سے نکل جائے، دل اللہ تعالی سے متاثر ہو، نیز تعریف کرنے کا نقصان یہ ہے کہ نظرِ بد لگ جاتی ہے، حاسدین پیدا ہو جاتے ہیں، اس لئے ہر جگہ خالق رب العزت کی تعریف کی جائے

---

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب، افادات: مولانا احمد صاحب ٹکاروی مدظلہ: ۲۳

کہ اسی کا نام الحمید ہے اور دل میں اپنے آپ کو خطاب کر کے کہے ۔۔۔ یہ بے چارا دھوکہ میں آگیا ہے، اللہ کریم کا کرم ہے کہ اس نے مجھ پرستاری والا معاملہ کیا ہوا ہے، اگر وہ میرے عیوب وگناہ کھول دیں تو کوئی میرے پاس نہ بیٹھے۔

حضرت ربیع بن خثیمؒ کا واقعہ

حضرت ہلال بن اسافؒ فرماتے ہیں کہ: میں حضرت ربیع بن خثیمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کیا کہ حضرت! کچھ نصیحت فرمادیجئے! فرمایا: اے ہلال! تمہیں لوگوں کی تعریف اپنے بارے میں دھوکہ نہ دے کہ (لوگ تمہاری خوب تعریف کریں اور تم اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھنے لگ جاو) اس لئے کہ لوگ تو صرف تمہارے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔

"لا یغرّنک یا ھلال! کثرۃ ثناء الناس علیک، فان الناس لا یعلمون منک الا ظاہرک"(۱)

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ

حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص کسی باغ میں داخل ہو جائے جہاں پر بہت سارے درخت ہوں اور ان درختوں میں بہت سارے پرندے بیٹھے ہوئے ہوں اور ہر پرندہ اپنی زبان میں اس شخص سے مخاطب ہو کر کہے "السلام علیک یا ولی اللہ" اور یہ سن کر وہ مطمئن ہو جائے۔ (تو اس کی ہلاکت شروع ہوگئی) اور وہ اس مخلوق کے ہاتھ میں قیدی بن گیا۔"(۲)

بہت ہی کم نظر آیا مجھے اخلاص لوگوں میں
یہ دولت بٹ گئی شاید بہت ہی خاص لوگوں میں

(۱) تابعین کے واقعات: ۱/ ۱۰۵

(۲) حلیۃ الاولیا، طبقات اہل المشرق: ۵/ ۴۷۰

(۳) اتّباعِ سنّت کا اہتمام کریں

ائمہ کرام کو چاہیے کہ ان کا ہر کام سنت کے مطابق ہو، کوئی کام خلافِ شرع یا خلافِ سنت نہ ہو، ورنہ مقتدی اس کو دلیل وحجت بنا کر پیش کریں گے کہ ہم جو کام کرتے ہیں، یہ تو ہمارے امام صاحب یا فلاں مولوی صاحب بھی کرتے ہیں لہذا ائمہ کرام کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں : حضرت عطاء اللہ اسکندریؒ کا ایک ملفوظ ہے۔فرمایا : ''جب تم رسول کریم ﷺ کی اتباع کروگے تو اتنا ہی بھلائی کی طرف چلو گے اور جتنا اتباع سے دوری ہوگی، اتنی ہی ہلاکت ہوگی۔''

ترے محبوب کی یارب شباہت لے کے آیا ہوں
حقیقت اس کو تو کردے میں صورت لے کے آیا ہوں

شعبۂ امامت میں نبی کریم ﷺ کا اسوہ

سیدنا عیسیٰ کا قول ہے''تم روئے زمین میں نمک کی طرح ہو، جب نمک ہی میں سے نمکینیت ختم ہوجائے تو کھانا نمکین کیسے ہوگا''۔(۱) سارا دین نقوش میں ہے، نفوس میں کب دکھے گا؟ قوم کا پیشوا اگر کامل مسلمان نہیں ہے تو عوام کا کیا حال ہوگا؟ شعبۂ امامت میں نبی کریم ﷺ کو اسوہ بنا کر کیوں اپنایا نہیں گیا؟ ہر طبقہ کی کمزوری ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنے ہی نظریات کے لیے دیکھا ہے، نبی کریم ﷺ کو جامع شخصیت نہیں بلکہ ناقص طریقہ سے دیکھا گیا۔

قاضی اطہر مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں''اہل علم نہ صرف دینی علوم میں مرجع تھے بلکہ دنیوی علوم میں بھی مرجع تھے'' آپ ﷺ صحابہ اور امت کے لیے دونوں میں مرجع ہیں۔

(۱) مخزنِ اخلاق

علماء کو بہت سے جائز کام بھی چھوڑنے پڑتے ہیں

حضرت مفتی شفیعؒ فرماتے ہیں : میں اپنے دوستوں سے اور علماء وطلبہ سے یہی بات کہا کرتا ہوں کہ تم اپنے آپ کو عوام کی طرح سمجھ کر یہ مت کہو کہ یہ جائز تھا، اس لیے ہم نے کرلیا بلکہ علماء کو بہت جائز کاموں سے بھی اس لئے رکنا پڑتا ہے، تاکہ عوام گمراہ ہوں، علماء کو بہت سے ایسے جائز کاموں کو چھوڑنے پڑتے ہیں جن میں خطرہ یہ ہو کہ عوام کو کوئی مغالطہ لگ جائے گا، ایسے کاموں سے بھی علماء کو بچنا چاہیے، اس واسطے کہ تم اپنی ظاہری وضع قطع سے دعویٰ کررہے ہو کہ ہم اللہ والے ہیں اور اللہ والوں کا جو طرزِ عمل ہے اہل علم کو اس کے خلاف نہیں کرنا ہیے، چاہے وہ حقیقت میں جائز ہی ہو۔(۱)

امام ابوشامہؒ نے اپنی کتاب ’’الباعث‘‘ میں لکھا ہے کہ : عالم کو ایسا کام نہیں کرنا چاہیے جس سے عوام کسی مخالفِ شریعت امر کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جائیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت طلحہؓ کے کام پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا، جس کی ظاہری شکل سے جاہل عوام کے دھوکہ میں پڑنے کا اندیشہ تھا، چنانچہ ’’مؤطا امام مالکؒ‘‘ میں حضرت نافعؒ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو احرام کی حالت میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے دیکھا، تو پوچھا کہ طلحہ یہ کیا ہے؟

حضرت طلحہؓ نے جواب دیا : ’’امیر المؤمنین! یہ مٹی سے رنگا ہوا ہے۔‘‘

حضرت عمرؓ نے فرمایا : لوگوں کے تم امام ہو، لوگ تمہاری اقتداء کریں گے، اگر کوئی جاہل اس کپڑے کو دیکھے گا تو ضرور یہ کہے گا کہ طلحہ احرام کی حالت میں رنگین کپڑے پہنے ہوئے تھے، اس لیے تم یہ رنگین کپڑے مت پہنو۔(۲)

(۱) مجالس مفتی اعظم : ۱۰۰

(۲) مؤطا الامام مالک، الحج، باب لبس الثیاب ۳۳۲

عالمانہ وقار باقی رہے

عالمانہ وقار ہو، مسنون طرزِ عمل ہو، امام کا رہن سہن کسی بھی جہت سے غیر مہذب یا زنانہ یا آزادانہ نہ ہو، بیل بوٹے والا لباس، باجی (بڑی بہن) کے کپڑے نہ لگیں، وقار کو مجروح کرنے والا لباس نہ ہو، ٹخنے سے نیچے پائجامہ، تنگ ورنگیلا نہ ہو، بال غیر شرعی نہ ہوں، داڑھی مسنون طریقے پر ہو، صاف صفائی کا پورا اہتمام ہو، قوم سے بہتر لباس ہو، بنا استری و پریس کے نہ ہو، سفید لباس کا اہتمام ہو، عطر کا استعمال کثرت سے ہو، پان سگریٹ، گٹکا، تمباکو وغیرہ سے مکمل احتراز ہو، اس شبیہ کو بدنام نہ کریں، منصب کے ظاہر کا رعب پڑتا ہے، پولیس، وکیل، جج، ڈاکٹر، فوجی، دربان، دولہا، وغیرہ کا لباس اس کے مقام کا پتہ بتاتا ہے، یہ منصب نبی کی نیابت کا ہے۔

سنّی وہی ہے جو کرے اطاعت رسول کی — ہوگی اسی کے حق میں شفاعت رسول کی

عالمانہ وقار کی بقاء کے لئے امام بخاریؒ کا مؤثر واقعہ

علامہ عجلونیؒ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت کے بارے میں یہ عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ آپؒ سمندر کا سفر کر رہے تھے اور آپ کے پاس ایک ہزار اشرفیاں تھیں، ایک رفیق سفر نے عقیدت مندانہ راہ و رسم بڑھا کر اپنا اعتماد قائم کر لیا، حضرت امام بخاریؒ نے اپنی اشرفیوں کی اسے اطلاع دے دی، ایک روز آپ کا یہ رفیق سو کر اٹھا تو اس نے با آواز بلند رونا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ میری ایک ہزار اشرفیاں گم ہوگئی ہیں، چنانچہ تمام مسافروں کی تلاشی شروع ہوئی، حضرت امام نے یہ دیکھ کر کہ اشرفیاں میرے پاس ہیں اور وہ ایک ہزار ہی ہیں، تلاشی میں ضرور مجھ پر چوری کا الزام لگایا جائے گا، اور یہی اس کا مقصد تھا، امام نے یہ دیکھ کر وہ تھیلی سمندر کے حوالہ کر دی، امام کی بھی تلاشی لی گئی، مگر وہ اشرفیاں ہاتھ نہ آئیں اور جہاز والوں نے خود اسی مکار رفیق کو ملامت کی، سفر ختم ہونے پر اس نے

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے اشرفیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: میں نے ان کو سمندر میں ڈال دیا، وہ بولا کہ اتنی بڑی رقم کا نقصان آپ نے کیسے برداشت فرمالیا؟ آپؒ نے جواب دیا جس دولت ثقاہت کو میں نے تمام عمر عزیز گنوا کر حاصل کیا ہے، اور میری ثقاہت جو تمام دنیا میں مشہور ہے کیا میں اس کو چوری کا اشتباہ اپنے او پر لے کر ضائع کر دیتا، اور ان اشرفیوں کے عوض اپنی دیانت و امانت وثقاہت کا سودا کر لیتا میرے لیے ہرگز یہ مناسب نہ تھا۔(۱)

قوم سے ہر خوبی میں آگے رہے

حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ" قوم سے دو، تین، چار رکعت پڑھانے میں آگے ہیں تو قوم سے اخلاق، تقوی، تہجد، حسن معاملات، اتباعِ سنت، وغیرہ میں آگے رہے، ورنہ شرم کی بات ہے کہ دو رکعت پڑھانے میں ہم آگے رہیں بقیہ صفات میں مقتدی آگے رہیں، ہم نماز میں ان کے امام ہیں، تو کیا بقیہ امور میں وہ ہمارے امام ہیں؟۔

نماز جیسی عبادت میں آگے رہنے والا شخص کیا بقیہ امور میں سب سے پیچھے ہوسکتا ہے؟ جس کی آواز پر تمام مقتدی جھکتے، اٹھتے، اشارے پر آغاز واختتام کرتے ہیں، وہ نماز کے باہر قوم کے سامنے مجبور ومقہور کیسے بن سکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہو کر نبی کی نیابت کرنے والا سماج میں عضوِ معطّل کیسے ہوسکتا ہے؟ اور جو قوم اپنے امام کو حقیر جانے وہ معزز ہوسکتی ہے؟ ہر جمعہ قوم کے منکرات پر تنبیہ کرنے والا، بے راہ روی پر للکارنے والا مرعوب و بے حیثیت کیسے ہوسکتا ہے؟

(۴) مسجد کا نہیں بلکہ محلے اور بستی کا امام بنیں

امام صرف مسجد کا امام نہ رہے بلکہ پورے محلے کا امام بن کے رہے، اپنے محلے کے

(۱) ویکیپیڈیا، آزاد دائرۃ المعارف۔ محمد بن اسماعیل بخاری

لیے ideal مسلمان بن کے رہے، فرض نماز میں قوم امام کے تابع ہوتی ہے، امام فرض نماز کے واجبات میں مجبور ہوتا ہے، قوم واجبات میں بھی اس کے تابع ہوتی ہے، امام فرض نماز کی سنتوں پر عمل کرتا ہے، قوم کو سنتوں میں بھی اتباع کی ترغیب ہے، جس طرح نماز کے فرائض، واجبات اور سنن میں قوم امام کے تابع ہوتی ہے ایسے ہی نماز سے باہر کی زندگی میں بھی امام زندگی کے فرائض، واجبات، اور سنن میں اس کے تابع ہونی چاہیے، امام صاحب کی تجارت پر انگلیاں اٹھ رہی ہیں، تجارت کہاں اگر امامت ہی مسنون طریقہ پر نہ ہو تو کیا کیا جائے، پھر قوم میں تبدیلی کیسے آئے گی؟

کیاامام صرف نماز میں ضامن ہے؟

آپ ﷺ جوامع الکلم ہیں، سمندر بکوزہ ہیں، کسی بھی جملہ کا وہ معنی جس میں معنویت زیادہ ہو مراد لینا آپ ﷺ کے شایانِ شان ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ویتعهد للسفارة بينهم وبين ربهم في الدعا "رب اور بندوں کے درمیان امام سفیر وترجمان ہے، دعا نماز میں ہے یا خارج نماز میں؟ عام ہے!

"ألامام ضامن "کا مطلب صرف نماز میں ضامن ہے؟ یا بطورِ خاص نماز میں ضامن ہے؟ دوسرا مطلب جامع ہے، اور پہلے مطلب کے معارض بھی نہیں ہے، نماز میں ضامن نماز کی درستگی کا، خارجِ نماز ضامن خارجِ نماز زندگی کی درستگی کا، اور ماضی میں امام عوام کی دینی درستگی کا ضامن سمجھا جاتا تھا، اس معنی کو تلقی بالعمل حاصل ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب لکھتے ہیں"رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "ألامام ضامن "کا مطلب لوگوں نے محدود کر دیا کہ امام کی نماز درست ہونے پر باقی مقتدی کی نماز درست ہو جاتی ہے، یہ بات درست ہے، مگر ہم رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان میں یہ بات کیوں نہ تلاش کریں کہ امام اپنے مصلیوں اور مقتدیوں کی پوری زندگی کا ضامن ہے، وہ اس بات کا بھی ضامن ہے کہ مقتدی کی تجارت درست ہو، خاندانی، عائلی مسائل، معیشت واخلاق درست ہو، آپ ﷺ نے صحابہ کرام

کے خارج نماز جن امور کی اصلاح فرمائی کیا وہ بحیثیت امام ہونے کے نہیں تھے؟''(۱)

اگر امام صرف نماز ہی کا ضامن ہے تو بقیہ دینی امور میں قوم کی اصلاح کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا یہ بات فرضِ منصبی کے معارض ہے؟ یا فرضِ منصبی میں داخل نہیں ہے؟ غور کیا جائے تو موجودہ امامت کی تحقیر یا بے حیثیتی کی وجہ یہی ہے کہ امامت کے منصب کو محدود کر دیا گیا، جب اس کا مفہوم عام اور جامع تھا تو امام کا مقام وہ تھا جس کی ہر کسی کو تمنا ہے۔

عوام کے حالات سے باخبر رہیں، اور انکی اصلاح کریں

نماز پڑھا کر سنت مؤکدہ قوم سے پہلے پڑھ لیں یا بعد میں پڑھیں مگر تھوڑا وقت مسجد کے پیچھے حصہ میں بیٹھ کر جانے والے مصلیوں میں کسی ایک کے احوال جاننے کا اہتمام کریں، چند دن بعد لوگ خود آپ کے پاس آئیں گے، جب آپ انکے احوال پوچھیں گے تو وہ آپ کے احوال پوچھیں گے، معاونت کی شکلیں فراہم ہوں گی، جو قوم کے لیے جیتا ہے قوم اسکے لیے مرنے تیار ہو جائے گی۔

آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما ہیں، ایک صحابی نماز میں تعدیل ارکان نہیں کئے، فرمایا۔ ''قم فصل فانک لم تصل ''تین بار یعنی بارہ رکعات پڑھنے تک انتظار کیا، اس کے بعد نماز درست فرمائی، یہاں آپ ﷺ نے بحیثیت امام وقت دیا ہے نہ بحیثیت خلیفہ، آپ ﷺ کے پاس ایک مقتدی کے لیے اتنا وقت ہے اور ہمارے پاس وقت نہ ہونے یا مصروفیت کی شکایت؟ کیا یہ درست ہے؟

مصلیوں کے مسائل پر توجہ دیں

امام اور مقتدی کا پاکیزہ رشتہ ہمدردی اور خلوص کے جذبات سے پروان چڑھتا ہے، ہمدردی اور احساس کا اظہار ایک دوسرے کے دکھ درد میں شرکت سے ممکن ہے، نبی

(۱) نھج الائمۃ فی اصلاح الامۃ ۷۲:

کریم ﷺ اس کا خیال رکھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ نے سفر میں نماز پڑھائی، نماز سے فارغ ہو کر رُخِ انور پھیرا تو ایک آدمی سب سے ہٹ کر علیحدہ بیٹھا ہوا تھا، جس نے لوگوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھی تھی، آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگوں کے ساتھ نماز نہ پڑھنے میں کیا وجہ حائل ہوگئی؟'' مَا مَنَعَكَ يَا فُلَانُ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَ الْقَوْمِ؟'' اس نے عرض کی: میں حالتِ جنابت میں تھا اور پانی تھا نہیں، فرمایا: ''تم سطح زمین (سے) کچھ (پاک مٹی) لے لیتے۔ وہ (تیمم کی صورت میں) تمھیں کافی ہو جاتی۔ ''عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ'' (۱)

سیدنا سعد بن معاذؓ جنگِ خندق میں شدید زخمی ہوئے تو آپ ﷺ نے مسجد ہی میں ان کا خیمہ لگوا دیا تا کہ ان کی دیکھ بھال کی جاسکے۔ (۲)

انبیاء کرام کا معمول کیا تھا؟

آپ ﷺ نماز فجر کے بعد مصلیوں کی طرف رخ کر کے خواب کے متعلق پوچھتے ہیں، کبھی اپنا خواب سناتے، اس عمل سے کیا پیغام ملتا ہے؟ کہ لوگوں کے جاگتے ہوئے حالات ہی نہیں بلکہ خوابوں میں بھی دلچسپی دکھانا یعنی معمولی امور کی بھی اہمیت بتانا مقصود ہے تا کہ فاصلے ختم ہوں، انسیت پیدا ہو جائے۔

نماز کے بعد کوئی مہمان، مسافر آ گیا اس کا انتظام فرماتے، صحابہ کے گھر اپنے دولت گدے پر مہمانی کا سامان معلوم فرماتے، یہ امور بحیثیت امام بھی تو ہیں۔

علامہ قرطبی ''جامع القرآن'' میں لکھتے ہیں۔ ''وتفقد الطیر فقال مالی اری الھدھد'' وکان الھدھد مھندسا'' اپنی رعایا میں پرندے کی خبر رکھتے ہیں تو انسانوں کی کیسی خبر رکھتے ہوں گے، پھر فرمایا ہر عہدے دار کو اپنے ماتحت کی ایسی ہی خبر رکھنی چاہئے۔

(۱) صحیح البخاری، كِتَابُ التَّيَمُّمِ، بَابُ الصَّعِيدِ الطَّيِّبِ وَضُوءُ المسلمِ، يَكْفِيهِ مِنَ المَاءِ، حدیث: ۳۴۴

(۲) صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ الخَيْمَةِ فِي المَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِم، حديث: ۴۶۳

ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”پرندے کا تفقد آداب میں سے تھا، جبکہ عوام کا تفقد فرائض میں سے ہے۔“هذافي الآداب فكيف بناالیوم ونحن نقصر فی الفرائض“(۱)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: دریائے فراط کے کنارہ بکری پر بھیڑیا حملہ کردے تو اس کے متعلق عمر جواب دہ ہوگا ”لو ان سخلة علی شاطئی الفرات اخذها الذئب لیسئل عنها عمر... اس پر علامہ قرطبی لکھتے ہیں: اس سے پتہ چلا کہ امام پر اپنے ماتحتوں کے احوال کا تفقد لازم ہے، اور بذات خود ان کے احوال کو درست کرنے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ ”فقد دل القرآن والسنة وبیّنا مایجب علی الامام من تفقد احوال رعیتیه ومباشرة ذلک بنفسه“(۲)

موجودہ حال یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں پانچ مرتبہ کوئی بندہ پچیس سال سے بھی آرہا ہے مگر نہ امام کو اس کے احوال کا علم ہے اور نہ مقتدی کو امام کے حالات سے دلچسپی ہے، جبکہ اللہ نے دونوں کو کس قدر روحانی رشتے سے جوڑ کررکھا ہے، کسی دوکان پر گاہک بار بار آنے لگے تو دوکاندار سے دوستی ہوجاتی ہے، حتی کہ حجام سے دوستی ہوجاتی ہے، خیرخواہانہ جذبات بڑھ جاتے ہیں مگر یہاں پچیس سال ہوجائیں تو نفرتیں پنپنے لگتی ہیں۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

آپؒ ایک مرتبہ ایک گاؤں میں تشریف لے گئے، سارے لوگ آپ کے بہت معتقد تھے، حتی کہ ہندو بھی بہت چاہتے تھے، ایک واقعہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خود سنایا کہ: ایک بڑھیا کسی کام سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئی، آپ نے جواب دیدیا کہ اس وقت موقع نہیں ہے، پھر کبھی آنا، بڑھیا نے سانس بھر کر کہا کہ ”یااللہ! تجھ تک تو میری رسائی نہیں اور جن کی تیرے

---

(۱) قرطبی: ۱۳/ ۱۷۹

(۲) قرطبی: ۱۳/ ۱۷۸

در تک رسائی ہے وہ میری طرف توجہ نہیں کرتے ہیں، کروں تو کیا کروں! اتنا کہنا تھا کہ آپؒ کی حالت بدلنا شروع ہوگئی، جو کچھ نعمت ملی تھی سب چھن گئی، کئی دن روتے رہے، بڑھیا کو تلاش کر کے معافی مانگی، تب نعمت واپس ملی، پھر فرمایا: بھائی! مجھے تو ڈر لگتا ہے (کہیں نعمت سے محروم نہ کر دیا جاؤں) جتنی دفعہ بھی بلایا جاؤں گا حاضری دوں گا۔(۱)

امت کی تقدیر ائمہ سے وابستہ ہے

ہم صرف امام الصلوۃ نہیں،؛ بلکہ امام الزکاۃ، امام الصوم، امام الحج، امام العقائد اور امام العبادات الاخلاق بھی ہیں، امامت نبیوں کی نیابت کا حساس، نازک اور نورانی وروحانی مقام ومنصب ہے، اس میں بڑی نزاکت ہے، مؤذن کی جب یہ فضلیت ہے کہ محشر میں مؤذن کی گردن نمایاں ہوگی تو امام کیا پوچھنا!''اذان عملاً سنت بلالی ہے اور قولاً سنت رسول ہے، جب کہ امامت قولاً وعملاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے''۔امامت بڑی طاقت ہے بشرطیکہ اس کا صحیح استعمال ہو، بڑے سے بڑے مقرر سے بھی زیادہ تبدیلی نہیں ہوسکتی جتنی ایک امام کے ذریعہ ہوسکتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ امت کی قسمت ائمہ سے وابستہ ہے۔(۲)

(۵) عوام سے معتدل وخیرخواہانہ تعلق ہو

عوام سے تعلق ایسا ہو جیسے گھر کے افراد سے ہوتا ہے، گھر کے افراد کے حق میں جس طرح خیرخواہی ہوتی ہے ویسی خیرخواہی اپنے مصلیوں کے ساتھ ہو، اپنے عوام سے بے تعلقی ان کی گمراہی اور اپنے متعلق بدنامی کا ذریعہ ہے، جو امام جتنا تعلق دار ہوگا اسکے دنیا کے کام بھی اتنے ہی آسانی سے نمٹ جائیں گے، بعض کا تعلق ماشاءاللہ فیملی ممبر کی طرح ہوتا ہے، ہر کام میں ان کی رائے تو ترجیح دی جاتی ہے، ہر خوشی وغم میں ان کی شرکت ضروری

(۱) تذکرۃ الرشید، بحوالہ: سب کے لئے، ابن غوری :۲۶

(۲) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب ۱۴ :

ہوتی ہے، اگر کبھی کمیٹی انہیں نکالدے تو دھرنا لگ جائے، اور بعض جگہوں پر ایسی بے تعلقی کے پندرہ سال امامت کے بعد اچانک نکالدیا گیا تو دو چار مصلی بھی خیریت پوچھنے نہیں آئے، اس میں قصور کس کا ہے، تعلقات بنائے رکھنا میری اپنی ذمہ داری ہے۔

ائمہ اور مقتدی حضرات کے درمیان فاصلوں کی وجہ ایک دوسرے کو وقت نہ دینا بھی ہے،، بہت سے مقتدی تو اس کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں علماء وائمہ کی صحبت میں چند لمحے گزارنے چاہئیں، اگر کوئی اس کا آرزومند ہو بھی تو اسے ائمہ کی صحبت میسر نہیں آتی، سلام پھیرا اور چند ہی لمحوں بعد امام صاحب مصلیٰ چھوڑ کر چلے گئے، ائمہ کرام کی اپنی ضروریات اور مصروفیات ہوں گی، رسول اللہ ﷺ کو بھی بہت سی دیگر مصروفیات تھیں اس کے باوجود آپ ﷺ خصوصاً نمازِ فجر کے بعد طلوع آفتاب تک مصلی پر تشریف فرما رہتے اور اس دوران صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محوِ گفتگو بھی ہوتے، رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کے بڑے بڑے دعویدار امام اس اُسوۂ نبوی کو اپنانے کے لیے تیار نہیں۔

سیدنا جابر بن سمرہ ؓ نبی ﷺ کے ان لمحات کو ہمارے سامنے رکھتے ہیں، ایک دن سیدنا سماک بن حرب رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا : کیا آپ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے: بہت زیادہ۔ آپ ﷺ تو فجر کی نماز سے لے کر طلوعِ آفتاب تک مصلے پر تشریف فرما رہتے تھے، اس دوران صحابہ کرام ؓ آپ ﷺ سے گفت وشنید کرتے اور جاہلیت کی باتیں بھی کرتے، پھر وہ ہنستے بھی، اس دوران آپ ﷺ مسکرا رہے ہوتے۔(۱) واضح ہوا کہ نبی ﷺ صحابہ کرام سے صرف خطاب کے لیے تشریف فرما نہیں ہوتے تھے، اس کے علاوہ بھی ان میں گھل مل کر بیٹھتے تھے۔

(۶) مسجد کو وقت دیں

اذاں سب کے لیے ہے جس میں امام بھی شامل ہے، اذاں کے فوری بعد نماز کی

---

(۱) صحیح مسلم، كِتَابُ الْفَضَائِلِ، بَاب تَبَسُّمِهِ ﷺ وَحُسْنِ عِشْرَتِهِ، حدیث :۲۳۲۲

تیاری شروع کردیں، امام کے لیے الگ سے اذاں نہیں دی جائے گی، دیر سے آنا، سنن قبلیہ کا اہتمام نہ ہو پانا، نماز میں خشوع وخضوع کے اثرات نہ دکھنا، مصلے پر وضو کے خطرات گرتے ہونے کی حالت میں تکبیرِ تحریمہ کہنا، تاخیر پر متنبہ کرنے پر نامناسب انداز اپنا لینا، مزاجِ شریعت وا کابر کے نہج کے خلاف بھی ہے، اور ضابطہ کے بھی خلاف ہے، اذاں سے پہلے مسجد میں آجائیں، تلاوت کریں، یا کم از کم اذاں کے فوری بعد مسجد میں آجائیں ۴۵:۷ کو اگر جماعت کا وقت ہے تو ۴۴:۷ کو مسجد میں داخل ہونا نامناسب بات ہے۔

نماز میں تعدیل ارکان کا اہتمام ہو، نماز کے بعد جلدی نکلنے کی فکر نہ ہو، امام کا تعلق علاقہ کے لوگوں کے ساتھ صرف مصافحہ کی حد تک نہ ہو؛ بلکہ ان کے احوال کی بھرپور فکرمندی کا روّیہ ہو، بعض مرتبہ مصلی سنت میں ہیں امام صاحب سترہ اٹھا کر سامنے رکھ کر جلدی سے نکل رہے ہیں، دو منٹ بیٹھ جاتے، کہیں دعاء کے فوری بعد اگلی صف ہی سے بغیر سنت پڑھے نکل رہے ہیں، ایک صاحب بولنے لگے "ایسا لگتا ہے کہ ہمارے امام صاحب کو مسجد میں کانٹے چبھتے ہیں"۔

ہمیں خود بھی سوچنا ہے میں پوری امامت میں کتنا وقت مسجد میں گزار رہا ہوں، میرا دل کتنا مسجد سے لگا رہتا ہے، ملازمت کے علاوہ عبادت کا پہلو بھی سوچا جائے، امام بخاریؒ نے اپنی کتاب الجامع الصحیح میں مسجد کے احکام وآداب اور اس کے استعمال کے دائرے کی تفصیل ۵۰ سے زائد ابواب باندھ کر بیان کی ہے۔

مساجد سے متعلق ہمارے اکابر واسلاف کے ارشادات نقل کیے جاتے ہیں، تاکہ اندازہ ہو کہ ہمارے اکابر کا مساجد سے رشتہ کیسا تھا۔

(۱) علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ اپنی کتاب تنبیہ المغترین میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

مساجد پرہیزگاروں کے گھر ہیں، مساجد کو جن لوگوں اپنا گھر بنا لیا ہے اللہ رب العزت ان لوگوں کے لیے راحت وآرام اور پل صراط پر آسانی سے گذرنے کے ضامن ہے۔(۱)

(۱) احکام المساجد: ۵۸

(۲) ابوصدیق ازدیؒ فرماتے تھے کہ مساجد میں بیٹھنے کی عادت ڈالو کیونکہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ مساجد انبیائے کرام علیہم السلام کے بیٹھنے کی جگہیں تھیں۔(۱)

(۳) حکیم بن عمرؒ سے روایت ہے کہ مساجد کو اپنا گھر بناؤ، ابوادریس خولانیؒ فرماتے تھے کہ مساجد میں بیٹھنے والے لوگ اللہ رب العزت کے نزدیک باعزت ہے۔(۲)

(۴) حضرت عطاء بن ابی رباحؒ مسلسل چالیس سال مسجد میں مقیم رہے تھے۔(۳)

(۵) مالک بن دینارؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر پیشاب پاخانے کی حاجت نہ ہوتی تو میں مسجد سے کبھی باہر نہیں نکلتا اور مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ : میں لوگوں پر ان کی بدعملی کی وجہ سے عذاب نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہوں لیکن مساجد کو آباد کرنے والوں، قرآن مجید کی تلاوت کرنے والوں اور مسلمانوں کے معصوم بچوں کو دیکھ کر اپنا عذاب روک لیتا ہوں۔(۴)

(۶) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ مسلمان مسجد میں اس طرح ٹھہرتا ہے جس طرح مچھلی پانی میں ٹھہرتی ہے، جس طرح پانی کے بغیر مچھلی کے لیے حیات ممکن نہیں اسی طرح مسلمان کے لیے مسجد کے بغیر حیات ممکن نہیں، اور منافق مسجد میں اسطرح ٹھہرتا ہے جس طرح پرندہ پنجرے میں ٹھہرتا ہے، یعنی پرندے کے لیے جس طرح قید خانہ بوجھ معلوم ہوتا ہے کہ کب اس سے چھوٹ کر بھاگ نکلے ٹھیک یہی حال مسجد میں آنے والے منافق کا ہوتا ہے کہ کب میں یہاں سے واپس چلا جاؤں۔(۵)

(۷) شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ مساجد ومدارس

---

(۱) احکام المساجد :۵۸

(۲) احکام المساجد :۵۸

(۳) احکام المساجد:۵۸

(۴) احکام المساجد :۵۹

(۵) احکام المساجد، :۵۷

دین کے قلعے ہیں، جب تک یہ قلعے آباد رہیں گے تو پوری قوم آباد رہے گی۔(۱)

(۸) شیخ اسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرمایا کرتے تھے کہ : مساجد ومدارس دین کے کارخانے ہیں، کارخانے آباد ہوں گے تو مال کی پیداوار برابر جاری رہے گی اور حفاظ کرام، قرائے عظام، مفتیان، واعظین، اور مفسرین قرآن نکلتے رہیں گے اور اگر یہ کارخانے بند ہوجائیں گے تو مال نکلنا بند ہوجائے گا اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایمان واسلام ختم ہوجائے گا، لہٰذا مساجد ومدارس کو آباد رکھو۔(۲)

* مسجد کی دیوار پر لکھا ایک خوبصورت جملہ اگر تم تھک گئے ہو تو اندر آجاؤ، خدا کی نعمت ابھی بھی تمہارے انتظار میں نہیں تھکی۔

(۷) حفاظ ائمہ کرام آن لائن شعبہ عالمیت کی تکمیل کریں

زندگی کے ہر شعبے کو حکمِ الٰہی پر لانا ہے، حکم پر اُس وقت آسکیں گے جب ہر شعبہ کا علم حاصل کریں گے، جتنی جہالت ہوگی اُتنا ہر شعبہ غیروں کے طریقوں پر جائے گا، دُنیا میں ایسے ایسے ممالک بھی ہیں، جہاں پورے ملک میں کوئی کلمہ سکھانے والا اور کوئی مسائل بتانے والا نہیں ہے، اللہ نے ہمیں علماء اور مدارس کا ملک عطا فرمایا ہے۔

علم اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز فرض ہے، ہر مؤمن مرد وعورت کے ذمہ علم کا حاصل کرنا اسی طرح فرضِ عین ہے جس طرح نماز کا پڑھنا فرضِ عین ہے، ہر وہ عمل اللہ کے یہاں قبول ہوگا جو علم کے مطابق ہو، اتنا ایمان کا سیکھنا ہر مؤمن کے ذمہ فرضِ عین ہے کہ جو اس کو اللہ کی پہچان کرائے، اسی طرح اتنا علم سیکھنا ہر مؤمن کے ذمہ فرضِ عین ہے جو اس کو حرام حلال کی تمیز کرادے، ہاں! محدث بننا، فقیہ بننا، مفسر بننا یہ فرضِ کفایہ ہے، یہ ہر ایک کے ذمہ فرض نہیں ہے۔

(۱) احکام المساجد: ۱۵۸

(۲) سفرۃ الواعظین ،۷۹

اللہ کے یہاں کوئی عمل جہالت کے ساتھ قبول نہیں ہوگا، اور نہ جاننا اللہ کے یہاں عذر نہیں ہے کہ اللہ! مجھے تو معلوم نہیں تھا، جہالت عذر نہیں ہے، یہاں تک کہ کوئی عمل اخلاص کے ساتھ بھی علم کے بغیر قبول نہیں ہوگا، ایک آدمی بڑا مخلص ہے، لیکن جہالت کے ساتھ عمل کررہا ہے تو اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا، کیونکہ جاہل شخص ہر من پسند عمل کو دین سمجھ کر کرنے لگتا ہے جبکہ وہ دین نہیں ہوتا۔

بہت سی مساجد کے ائمہ کرام صرف حافظ ہوتے ہیں، جنہیں اردو بھی صحیح نہیں آتی، اگر باطل فرقے کی عوام رٹے رٹائے ہوئے اعتراض کردے تو جواب دینا دشوار ہوجاتا ہے، موجودہ زمانہ میں آن لائن عالم بننے کی بھی سہولت حاصل ہے، اسلئے حفاظ ائمہ کرام اپنا قیمتی وقت نکال کر عالم بننے کی کوشش کریں، ہرگز یہ خیال نہ کریں اس عمر میں کیسے عالم بنوں؟ اب مجھے کتابیں کہاں سمجھ میں آئیں گی؟ علم کی کوئی عمر نہیں ہوتی ہے۔

شیخ سعدیؒ کی ابتدائی حالت

شیخ سعدیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے علم کا جو داعیہ پیدا ہوا اس کا سبب یہ ہوا کہ آپ ایک مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، بیوی کسی بات پر ناراض ہوگئی، تو جس چمچہ سے وہ دال نکال رہی تھی اسی سے مارنے لگی آپ کے دل میں یہ بات آئی کہ اگر میرے پاس علم ہوتا تو اس چمچہ کا مار نہ کھاتا، چنانچہ اسی وقت رخت سفر باندھا اور بغداد جا کر تحصیل علم میں لگ گئے، لیکن چونکہ عمر بڑی تھی اور زبان بھی موٹی ہو چکی تھی، اس لئے علم حاصل کرنے میں زبان چلتی نہیں تھی، تو بچے ان پر ہنستے اور مذاق اڑاتے تھے، ایک مرتبہ پریشان ہوکر اور علم سے مایوس ہوکر یہ طے کرلیا کہ چلو اب ڈوب مریں، پس اس ارادے سے ایک کنویں پر پہنچے تو کنویں میں ایک تختہ تیرتا ہوا دیکھا، جس پر گڈھے پڑ چکے تھے، پوچھا یہ گڈھے کیسے پڑے ہیں؟ ایک عورت نے کہا ڈول رسی کی رگڑ کی وجہ سے اس پر گڈھے پڑے ہیں، فوراً آپ کے دل میں یہ بات آئی کہ جب اس تختہ پر رسی کی رگڑ کی وجہ

سے گڑھے پڑ سکتے ہیں باوجود یہ کہ سخت ہے، تو میری زبان تو نرم ہے، میری شب وروز کی محنت اور جدو جہد سے کیا زبان میں سلاست پیدا نہیں ہوسکتی، یہ بات دل میں کچھ اس طرح اثر کرگئی کہ اپنا ارادہ ملتوی کردیا اور برابر علم کی محنت میں لگ گئے اور چالیس سال تک تحصیل علم میں لگے رہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور ایسا زبردست علم عطا ہوا کہ رہتی دنیا تک ان کے علوم وفیوض سے علمی دنیا میں نفع ہوتا رہیگا۔(۱)

یحییٰ نحوی کی ابتدائی حالت

امام النحو شیخ یحییٰ کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ابتداء میں ایک کشتی کے ملاح تھے اور جزیرۂ اسکندریہ میں جہاز رانی کے فرائض انجام دے رہے تھے، لیکن علم سے بہت محبت رکھتے تھے، جب ان کی کشتی میں علم دوست حضرات سوار ہوتے اور ان کے مابین علمی چرچا اور مذاکرات ہوتے اس کو برابر کان لگا کر سنتے رہتے اور جی میں بہت خوش ہوتے، پس رفتہ رفتہ یہ بات دل میں جم گئی کہ علم حاصل کرنا چاہئے، لیکن معاً دل میں یہ سوچ بھی پیدا ہوئی کہ میری عمر چالیس سال سے متجاوز ہوچکی ہے اور سوائے جہاز رانی کے اور کوئی پیشہ میں نہیں جانتا تو علم جیسی دولت میں کیسے حاصل کرسکتا ہوں، جب دل میں فکر پیدا ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جو مسبب الاسباب ہے ضرور اسباب مہیا کرتا ہے۔

اسی سوچ میں مستغرق تھے کہ یکا یک ایک چیونٹی کو دیکھا جو کھجور کی گٹھلی اٹھا کر بڑی مشقت کے ساتھ اوپر چڑھ رہی تھی وہ تھوڑی دور تک چلتی اور گٹھلی گر جاتی، پھر لوٹ کر آتی اور اٹھا کر چلنا شروع کرتی، اسی طرح کئی مرتبہ کی مسلسل محنت ومشقت کے بعد وہ اپنے مقصود میں کامیاب ہوئی اور منزل تک پہنچ گئی۔

یہ منظر دیکھ کر ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ جب ایک کمزور مخلوق محنت ومشقت سے اپنے مقصود کو حاصل کرسکتی ہے، تو میں توانا وطاقتور ہو کر محنت ومشقت سے اپنے مقصود کو کیوں

(۱) تعلیم بالغان اہمیت وطریقہ کار پر مرتب کی کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

حاصل نہیں کرسکتا، پس اسی وقت وہ اپنی کشتی کو بیچ کر طلب علم کیلئے نکل پڑے اور نحو، لغت اور منطق کو پڑھنا شروع کیا اور پوری مہارت حاصل کی نحو میں تو امامت کا درجہ حاصل کرلیا اور بہت ساری کتابیں لکھی، صحابیِٔ رسول حضرت عمرو بن العاص ؓ سے ان کی ملاقات ہوئی تو حضرت عمرو بن العاص ؓ ان سے بہت خوش ہوئے۔ (اسلاف کی طالبِ علمانہ زندگی)

(۸) ائمہ کرام استغنائیت پیدا کریں

استغنائیت اور خودداری کسی سے کوئی لالچ اور امید والی بات نہ رہے، فلاں صدر صاحب ہیں، فلاں سیکرٹری ہیں، فلاں committee کے ممبر ہیں، فلاں کی property ہے، فلاں کی کمپنیاں ہیں، موقع بموقع اپنے مقتدیوں کی دعوت کی جائے، جس سے لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کا وقار بڑھے گا، ضرورت مند ساتھیوں کی امداد کی جائے ورنہ کم ازکم ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا اہتمام کیا جائے، اس سے کوئی غرض نہ ہو، کوئی بھی آدمی دے گا تو کتنا دے گا؟ کتنی بار دے گا؟ اور کتنی شرافت وعزت احترام کے ساتھ دے گا؟ کتنے علماء ہیں جو آپس میں علماء کو ہدیہ دیتے ہیں، عوام کو مولوی ہدیہ دینا تو دور ایک عالم نے دوسرے عالم کو ہدیہ دیا تو وہ تعجب سے پوچھنے لگے آپ ہدیہ دے رہے ہیں؟ چونکہ تصور بھی ختم ہوگیا کہ کوئی مولوی کسی کو ہدیہ دے، جیسے منطق میں کلی کی ایک قسم جس کے بعض ہی افراد پائے جاتے ہیں (عقول عشرہ، سبع سیارات) اور کوئی کلی جس کا ایک بھی فرد خارج میں نہیں پایا جاتا جیسے شریک باری، علما کا آپس میں ہدیہ دینا ایسی کلی کے افراد میں شمار ہے۔

استغناء کا مطلب کیا ہے؟

مولانا محمد منظور نعمانی ؒ اپنی کتاب میں ''ملفوظات اِلیاس'' میں لکھتے ہیں کہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے ایک موقع پر فرمایا: ''بعض اہل دین اور اصحاب عِلم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضی یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل اثروت سے

مطلقاً ملا ہی نہ جائے اور ان کے اختلاط سے مکمل پرہیز کیا جائے، حالانکہ استغناء کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم ان کی دولت کے حاجت مند بن کر ان کے پاس نہ جائیں اور طلبِ جاہ ومال کے لئے ان سے نہ ملیں، لیکن ان کی اصلاح کے لیے اور دینی مقاصد کے لیے ان سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں، بل کہ یہ تو اپنے درجہ میں ضروری ہے، ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ ان کے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال وحب جاہ اور دولت کی حرص پیدا نہ ہو جائے۔(١)

حضرت مولانا غلام علیؒ فرماتے ہیں: استغناء کا مطلب ''لوگوں سے نفع کی امید اور نقصان کے اندیشہ سے بے خوف ہو جانا ہے''۔ اگر بے نیازی ہوگی تو اللہ کی طرف سے زیادہ ہی ملے گا۔ عوام کی علمی سطح کا اندازہ نہیں لگا سکتی کہ قدوری واصول الشاشی کی کتنی صلاحیت ہے، لیکن وہ آپ کی اندرونی صفات: قناعت، استغنا، صبر شکر وغیرہ کو خوب پہچان لیتی ہے۔ اللہ نیت جانتا ہے، نیت درست ہوگی تو مدد آئے گی۔

ذلت کی روٹی سے عزت کی بھوک بہتر ہے

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: روٹی کا ٹکڑا، پانی کا پیالہ اور بوسیدہ کپڑا اُس عیش وآرام سے بہت بہتر ہے جس کے بعد ندامت وذلت دیکھی جائے۔

''كسرة خبز وقعبُ ماء وفردُثوب مع السلامة خير من العيش في نعيم يكونُ في آخره ندامة''(٢)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لوگوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آنا، لوگوں کو دشمن بنا دیتا ہے، اور بہت زیادہ خندہ پیشانی برے ہم نشینوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لہٰذا ترش روئی اور بہت زیادہ خندہ پیشانی کے درمیان معتدل راہ اختیار کرو۔

(١) ملفوظات الیاسؒ: ١٤

(٢) الجواہر المضیئۃ لابن أبی وفا: ٦٤٣

”الانقباض عن الناس مكسبة للعداوة والانبساط اليهم مجلبة لقرناء السوء فكن بين المنقبض والمنبسط“(١)

قاضی بکارؒ بن قتیبہ کا واقعہ

قاضی بکار بن قتیبہ رحمہ اللہ مصر کے مشہور محدث، مصر کے قاضی القضاۃ اور فقیہہ گزرے ہیں۔ امام ابوجعفر طحاوی رحمہ اللہ کے استاد ہیں، امام طحاوی رحمہ اللہ نے ”شرح معانی الآثار“ میں متعدد حدیثیں آپ کی سند سے روایت کی ہیں، اُن کے زمانہ میں احمد بن طولون مصر کے حکمران تھے، وہ قاضی بکار رحمہ اللہ کے درسِ حدیث لینے کے لئے خود اُن کی مجلس میں پہنچ جاتے تھے، اُن کا دربان پہلے مجلس کے قریب پہنچ کر لوگوں سے کہہ دیتا کہ : ”کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ اُٹھے!“ اُس کے بعد ابن طولون چپکے سے آکے بیٹھ جاتے اور عام طلباء کی صف میں بیٹھ کر حدیث کا درس لیتے، ایک زمانہ تک ابن طولون اور قاضی بکار رحمہ اللہ کے تعلقات بہت خوشگوار رہے اور اُس عرصہ میں احمد بن طولون قاضی صاحب کی تنخواہ کے علاوہ اُن کی خدمت میں سالانہ ایک ہزار دینار بطورِ ہدیہ پیش کیا کرتے تھے، اتفاق سے ایک سیاسی مسئلہ میں قاضی صاحب اور احمد بن طولون کا اختلاف ہوگیا، احمد بن طولون چاہتے تھے کہ وہ اپنے ولی عہد کو معزول کر کے کسی اور کو ولی عہد بنائیں اور قاضی صاحب سے اس کی تصدیق کروائیں۔ قاضی صاحب اسے دُرست نہ سمجھتے تھے،(٢) نوبت یہاں تک پہنچی کہ ابن طولون نے قاضی صاحب

---

(١) حلیۃ الاولیاء: ٩/١٣٠

(٢) ان کے زمانے میں بغداد جو خلافتِ عباسیہ کے زوال و بحران سے گزر رہا تھا، آئے روز خلفائے عباسیہ کے عزل و نصب کے معاملے طے ہوتے تھے، ایک بار جب یہی عمل دہرایا گیا تو اِن حالات میں حکومت وقت نے بطور قاضی کے اِن سے معزول ہونے والے خلیفہ پر لعن طعن کرنے کو کہا تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا، اِس انکار پر اِنہیں بیشتر آزمائشوں سے گزرنا پڑا، ابن خلکانؒ کا بیان ہے کہ بلاد اشام کے والی احمد بن طولون جو بکار بن قتیبہ کو اُن کی مقررہ تنخواہ کے علاوہ ایک ہزار دینار بطور ہدیہ بھیجا کرتا تھا، مگر وہ اس رقم کو استعمال کیے بغیر رکھ دیتے، جب قاضی بکار سے احمد بن طولون نے موفق پر خطبہ جمعہ میں لعنت کرنے کو کہا اور قاضی نے انکار کر دیا۔

کو قید کردیا(۱) اور یہ پیغام اُن کے پاس بھیجا کہ : ”جتنے دینار آپ کو بطورِ ہدیہ دیئے گئے وہ سب واپس کیجئے!“ سالانہ ایک ہزار دینار دینے کا سلسلہ اٹھارہ سال سے جاری تھا، اِس لئے مطالبہ یہ تھا کہ اٹھارہ ہزار دینار فوراً واپس کیئے جائیں! ابن طولون سمجھتے تھے کہ یہ مطالبہ قاضی صاحب کو زچ کردے گا، لیکن جب پیغام اُن کے پاس پہنچا تو قاضی صاحب کسی تردّد کے بغیر اندر تشریف لے گئے اور گھر سے اٹھارہ تھیلیاں نکال لائے، جن میں سے ہر ایک تھیلی میں ہزار ہزار دینار تھے، یہ تھیلیاں جب ابن طولون کے پاس پہنچیں تو اُس نے دیکھا کہ یہ تو بعینہٖ وہی تھیلیاں ہیں جو قاضی صاحب کے پاس بھیجی گئی تھیں اور اُن کی مہریں تک نہیں ٹوٹی تھیں، ابن طولون یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ قاضی بکار رحمہ اللہ نے اُن میں سے ایک تھیلی بھی نہیں کھولی، بلکہ اسے جوں کا توں محفوظ رکھ لیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ قاضی بکار رحمہ اللہ نے اسی خیال سے اُنہیں استعمال نہیں کیا کہ امیر سے بلا شبہ اِس وقت تعلقات اچھے ہیں لیکن کبھی اختلاف پیدا ہوا تو اُنہیں جوں کا توں واپس لوٹا دوں گا، ابن طولون قاضی بکار رحمہ اللہ کی بلندئ کردار،

(۱) ابن طولون ویسے اچھے انسان تھے مگر کبھی سیاسی ضد اچھے انسان سے بھی برے کام کروالیتی ہے جیسے ہارون رشید سے ہوا، ابن طولون کا انصاف بھی بہت مقبول ہے، تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ احمد بن طولون کا ایک کمانڈر مصر کے کسی شہر کا گورنر تھا۔ ایک عیسائی راہب احمد بن طولون کے دربار میں اس کے ظلم کی شکایت لے کر آیا۔ دربار کا دربان جو اس کمانڈر کا تعلق دار تھا، اس نے اس سے پوچھا : تجھے کیا شکایت ہے؟ راہب نے جواب دیا : اس نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرے تین سو دینار غصب کئے ہیں۔ دربان نے کہا : تو شکایت نہ کر، تین سو دینار میں تجھ کو ادا کر دیتا ہوں۔ وہ راہب کو اپنے گھر لے گیا اور تین سو دینار اس کے حوالے کر دیئے۔ راہب نے اسی کو غنیمت سمجھا اور لے کر چلا گیا۔ احمد بن طولون کو واقعہ کی اطلاع مل گئی، اس نے کمانڈر، دربان اور راہب، تینوں کو دربار میں طلب کیا۔ کمانڈر سے پوچھا : کیا تیری ضروریات پوری نہیں کی جاتیں؟ کیا تجھے خوش حالی اور رزق میں کشادگی میسر نہیں ہے؟ اور کوئی ایسا محرک بھی نہیں ہے جو تجھے دست ظِلم دراز کرنے پر برانگیختہ کرے۔ پھر کس چیز نے تجھے ایسا کرنے پر اُکسایا؟ اس کے بعد احمد بن طولون نے کمانڈر اور دربان دونوں کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔ اس کے بعد عیسائی راہب کو بلایا اور اس سے پوچھا : اس نے تجھ سے کتنے دینار لئے تھے؟ اس نے بتایا : تین سو دینار۔ ابن طولون نے کہا : تیرا برا ہو، تین ہزار دینار کیوں نہیں کہتا، جتنے کہو گے اتنے لے کر دوں گا۔ اس کے بعد کمانڈر کے مال سے اُتنے دینار لے کر راہب کو دے دیئے۔ (التذکرۃ الحمدونیۃ: ۲۰۱، سنہ ۲۰۰۳ء)

ذہانت وحکمت اور استغناء وبے نیازی کی یہ نرالی شان دیکھ کر شرم سے عرق عرق ہوگئے۔(۱)

محمد تغلق نے شیخ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفہ شیخ قطب الدین منورؒ کو تکلیف پہنچانی چاہی ؛لیکن اس پر قادر نہ ہوسکا، آخر بادشاہ نے ایک لاکھ تنکے (اس زمانہ کا چاندی کا سکہ) بھجوائے، شیخ نے قبول کرنے سے معذرت کرلی، پھر سلطان نے پچاس ہزار قبول کرنے کی خواہش کی، شیخ نے اسے بھی قبول نہ کیا، اخیر میں بات جب دو ہزار تک پہنچی تو فرمایا کہ درویش کو دو سیر چاول، دال اور ایک دان (اُس زمانہ کا کم مقدار سکہ) کا گھی کافی ہے، آپ نے اپنے مخلصین کے کہنے پر اسے قبول کرلیا کہ کہیں بادشاہ درپئے آزار نہ ہوجائے؛ مگر اسی وقت اہلِ حاجت میں تقسیم کردیا۔(۲)

اس عمر میں مجھے ذبح نہ کرو

بعض خلفاء کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علمائے کرام کو تحائف بھیجتے تو وہ قبول کرلیتے ایک مرتبہ فضیل بن عیاض کو دس ہزار دینار بھیجے تو انہوں نے قبول نہیں کئے تو ان

---

(۱) پھر بھی احمد بن طولون نے قاضی بکار سے منصب قضا واپس لے لیا اور اِنہیں قید کردیا، پھر جب مناظرہ ہوتا تو قاضی بکار مناظرہ کے لیے مجلس میں آجاتے اور جب مجلس مناظرہ ختم ہوجاتی تو دوبارہ جیل خانہ واپس بھیج دیے جاتے، جب قاضی بکار کی سزائے قید طویل ہوگئی تو عوام سے بہت سے لوگوں نے احمد بن طولون سے درخواست کی کہ اُنہیں قاضی بکار سے سماعت حدیث کی اجازت دے دی جائے تو اُس نے اجازت دے دی، اِس کے بعد قاضی بکار قید خانے کی کھڑکی سے اپنے شاگردوں کے سامنے احادیث بیان کیا کرتے تھے، عمر کے آخری دور میں اکثر لوگوں نے اِسی کیفیت میں آپ سے حدیث کا سماع کیا، احمد بن طولون نے قاضی بکار کو جیل خانہ سے کرائے کے ایک مکان پر منتقل کرنے کا حکم دیا جہاں وہ کافی عرصہ مقیم رہے، جب 10 مئی 884ء کو احمد بن طولون کا انتقال ہوگیا تو قاضی بکار سے کہا گیا کہ : امیر تو فوت ہوگیا اور اب آپ اپنے گھر تشریف لے جائیں مگر اُنہوں نے جواب دیا کہ : کرائے کا گھر ہی اُن کے لیے بہتر ہے، قاضی بکار کا انتقال اسی کرائے کے گھر میں ہوا۔(ابن حجر عسقلانی، رفع الاصر عن قضاۃ مصر:۱/ ۲۵۴)، النجوم الزاہرہ فی اخبار ملوک مصر والقاہرہ: ۳/ ۱۹

(۲) بزمِ صوفیہ :۳۷۶

کے بیٹوں نے کہا کو قبول کرلیں آپ سے پہلے فقہا بھی قبول کرتے رہے ہیں آپ محتاج بھی ہیں توفضیل بن عیاض رونے لگے اور کہا کہ کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اور میری مثال کیا ہے ؟ ہماری مثال اس قوم کی سی ہے جس کی ایک گائے تھی اور وہ اس سے ہل چلاتے تھے جب وہ بوڑھی و بیمار ہوگئی تو اسے ذبح کردیا تاکہ اس کی کھال سے فائدہ اٹھاسکیں تم بھی یہی چاہتے ہو کہ تم مجھے بڑھاپے میں ذبح کردو، فضیل کو ذبح کرنے سے بہت بہتر ہے کہ بھوکے رہو (مرجاؤ)۔(۱)

مفکر اسلام ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

مولانا کو جب ۱۹۸۰ء میں فیصل اوارڈ دیا گیا تو نصف رقم افغان پناہ گزینوں اور بقیہ نصف رقم مکہ مکرّمہ کے دو دینی اداروں ایک ادارہ حفظِ قرآن اور دوسرا مدرسہ صولتیہ کو برابر دیدیا، اور اس وقت آپؒ نے فرمایا: دینی واسلامی خدمات کا معاوضہ درحقیقت صرف آخرت ہی میں ملتا ہے، اس لئے سلف صالحین کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ اپنے اعمال وخدمات کی اجرت لینے سے احتراز کرتے رہے، اور آج بھی یہی طریقہ بہتر ہے، میں نے فیصل اوارڈ اس لئے قبول کیا کہ یہ مرحوم شاہ فیصل بن عبدالعزیز کی یادگار ہے، جو اسلام، عالم اسلام اور ملت اسلامیہ کے بڑے مخلص، دردمند اور خیر خواہ تھے"(۲)

ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی کا واقعہ

جامعہ عثمانیہ کے استاذ، مقیم فرانس ومدفون امریکا، ۱۹۴۸ء تا ۱۹۹۶ء تک کل اڑتالیس سال تک معمول تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر اوسطاً دو افراد اسلام قبول کرتے تھے، دنیا کی مختلف زبانوں میں شائع شدہ کتابوں سے انہیں رائلٹی ملتی، مگر ساری رقم دنیا کے

(۱) احیاء علوم الدین، بیان فضیلۃ الزہد: ۱/ ۲۴۴

(۲) قومی آواز، مؤرخہ ۹/فروری/ ۱۹۸۰ء

مختلف حصوں میں پھیلے غریبوں وناداروں کوبھجوا دیتے،اسّی کی دہائی میں پاکستان کی طرف سے دس لاکھ کا قومی ایوارڈ ملا، یہ رقم آپ نے''ادارہ تحقیقات اسلامی'' کی لائبریری کو دیدی، ۱۹۹۴ء میں شاہ فیصل ایوارڈ کے لئے جب آپ کاانتخاب کیا گیاتو آپ نے ازراہ بے نیازی لینے سے انکار کر دیا۔(۱)

جامعہ ازہر کے رئیس أستاذ الدکتور عبدالحلیم محمود صاحب کاواقعہ

جامعہ ازہر کے رئیس ہوتے ہوئے وہ کرائے کے مکان میں مقیم تھے، پھر میراث میں ملی اپنی آبائی زمین بیچ دی تاکہ قاہرہ میں ایک چھوٹا فلیٹ لے سکیں،اس دوران ایک دوست سے ملنے قاہرہ کے ایک اسپتال گئے،وہاں دیکھا کہ ایک شاگرد کی ماں داخل ہے، جس کیلئے ڈاکٹروں نے آپریشن تجویز کیا ہے،مگر اس کے پاس پیسے نہیں ہیں، زمین کے سارے پیسے اس کی جیب میں ڈال کر خالی ہاتھ لوٹ گئے،وزارت اوقاف نے سرکاری گھر کی پیشکش کی،مگر انکار کیا، پھر ساری زندگی کرائے کے مکان میں ہی رہے،یہ ہیں'' فضيلة الإمام الأكبر الأستاذ الدكتور عبد الحليم محمود''، جو 1973ء سے 1978ء تک شیخ الأزہر تھے۔ رحمه الله وأسكنه الفردوس الأعلى من الجنة۔

الغرض کسی کی طرف ایسی نظر ہی نہ ہوکہ وہ ہماری نظر سے ایسا محسوس کرے کہ مولوی صاحب کے دل میں دنیا کی لالچ ہے، چونکہ ہم رسول اللہ کے مصلے پر ہیں تو نائب اصل کی صفات اپنے اندر پیدا کرلے،بعض مرتبہ عوام ائمہ کا تبصرہ کرتے ہوئے ان کے دنیوی لالچ کا بھی ذکر کرتے ہیں،بعض ہر کسی کو سلام ہر کسی کو مصافحہ ،مصافحہ کا مخصوص انداز،سب قابل اصلاح ہیں،بلکہ کبھی کبھار آدمی اپنے جیب سے بھی دیدیا کرے،مرتب کے ایک دوست ضلع کرٹہ کی مدینہ مسجد کے امام صاحب نے مسجد کے لیے اے سی کا اعلان کیا اور خود پانچ ہزار کی رقم پہلے دیدی،اسی مجلس میں ڈھائی سے تین لاکھ جمع ہو گئے، جب امام صاحب

(۱) ڈاکٹرحمیداللہ۔مجدّدِعلوم سیرت،بحوالہ سب کے لئے ے :۳۹

دے رہے ہیں تو قوم میں دینے کا جذبہ پیدا ہو گا ،آپ کا احترام پیدا ہوگا ، مسجد کی تمام ضرورتیں مسجد سے ہی پوری ہو جائیں گی۔

ایک طالبِ علم کے خواب کی تعبیر

دارالعلوم دیوبند سے ایک منتہی طالب علم خواب کی تعبیر دریافت کرنے حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ کے پاس آئے، خواب میں دیکھا کہ امام محمدؒ تشریف فرماہیں ، آپ کے سامنے ایک نہایت حسین نوجوان عورت جو سنگار کر کے مزین لباس میں بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اپنے کو امام محمدؒ کی بیوی ظاہر کر رہی ہے اور خوشامد کر رہی ہے کہ امام محمدؒ ایک نظر اس کی طرف دیکھیں، مگر امام محمدؒ نہایت استغناء کے ساتھ کسی دینی کام میں مشغول ہیں، میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا: ”آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد معاش کی فکر ہو رہی ہے؟“
انہوں نے کہا: ”اس فکر میں بعض دفعہ نیند نہیں آتی“

میں نے کہا: ”بس اس خواب میں اسی مرض کا علاج بتایا گیا ہے، امام محمدؒ جیسا علم حاصل کرو تو دنیا اپنی تمام تر زیب وزینت کے ساتھ تمہاری ایک نظر کی خواہش مند ہوگی اور تم کہو گے کہ مجھے ضرورت نہیں“ علماء اللہ تعالیٰ پر اعتماد بحال کر کے ”أتته الدنيا وهي راغمة “اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے کا مشاہدہ کریں۔

اورنگ زیب عالمگیریؒ کو ایک لڑکے نے سبق سکھایا

عالمگیرؒ کے زیر نگیں ایک ریاست کا والی ہندو راجہ تھا وہ مر گیا، اس کا بیٹا نابالغ تھا، عالمگیرؒ نے یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ اس لڑکے میں حکومت کرنے کی صلاحیت ہے یا اسے طلب کیا، اتفاقاً آپ اس وقت حوض کے کنارے پر تھے، مزاحاً لڑکے کو بازوؤں سے پکڑ کر حوض پر لٹکا کر فرمایا، چھوڑ دوں؟ لڑکے نے کہا کہ ”جس کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اسے ڈوبنے کیا خوف؟۔“

ایک بنئے کے بچے کو ایک مخلوق بادشاہ پر اتنا اعتماد، کاش! کہ آج مسلمان کو مالک ِ ارض وسماء پر اس جیسا اعتماد حاصل ہو جائے۔

ایک بہروپیہ کو زاہد کے روپ میں دیکھ کر عالمگیریؒ نے ایک ہزار اشرفی نذرانہ پیش کیا، مگر اس نے صرف اہل اللہ کی نقل اتارنے کی غرض سے اسے ٹھکرادیا، کاش! کہ اہل اثروت کے دروازوں پر بھٹکنے والی نظریں اس بہروپیہ اہل اللہ کی نقل اتارنے ہی کا سبق حاصل کرلیں۔(۱)

حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں کہ :

من تباعد من الدنيا فتقارب الى الله وفى بعض الكتب ان اهون مااصنع بالعالم اذامال الى الدنيا فاسلبه حلاوة مناجاتى"۔(۲)

جس شخص نے دنیا سے دوری اور علیحدگی اختیار کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہوا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب سے ہلکی مصیبت کسی عالم کی یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف مائل ہوتو پھر میں اس سے دعاؤں کی لذت چھین لیتا ہوں"۔

مالداروں سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے

سلطان محمد تغلق (متوفی ۷۵۲ھ) ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہے جو ہندوستان کی تاریخ میں اپنی سطوت اور خون ریزی میں بہت مشہور ہے، ایک مرتبہ وہ شیخ قطب الدین منورؒ کی رہائش گاہ کے قریب سے گزرا، حضرت قطب صاحبؒ اپنی جگہ بیٹھے رہے اور اس کے استقبال کے لیے باہر نہیں نکلے، سلطان کو یہ بات بہت ناگوار گزری اور اس نے باز پرس کے لیے حضرت قطب صاحبؒ کو اپنے دربار میں طلب کرلیا۔

---

(۱) احسن الفتاویٰ ۴۳۷/۱

(۲) اسماء الحسنى للقشيرى : ۲۱۴

حضرت دربار میں داخل ہوئے تو ملک کے تمام بڑے امراء، وزراء اور فوجی افسر بادشاہ کے سامنے مسلح ہو کر دورویہ (دونوں جانب قطار میں) کھڑے تھے۔

دربار کا رعب ناقابل بیان تھا، حضرت قطب صاحب ؒ کے ساتھ ان کے نوعمر صاحب زادے نورالدین ؒ بھی تھے، انہوں نے اس سے قبل کبھی بادشاہ کا دربار نہیں دیکھا تھا، ان پر ہیبت ناک منظر دیکھ کر رُعب طاری ہوگیا، حضرت قطب صاحب ؒ نے بیٹے کو مرعوب ہوتے دیکھا تو زور سے پکار کر کہا: ''العظمة لله'' ''عظمت تمام تر اللہ کے لیے ہے''۔

حضرت نورالدین ؒ فرماتے ہیں کہ جوں ہی اپنے والد کی یہ آواز میرے کانوں میں پڑی میں نے اپنے اندر ایک عجیب وغریب قوت محسوس کی، میرے دل سے دربار کی ساری ہیبت زائل ہو کر رہ گئی اور تمام حاضرین مجھے ایسے معلوم ہونے لگے جیسے وہ بھیڑ بکریوں کا کوئی ریوڑ ہو۔(۱)

سلطان ملک شاہ سلجوقی اپنے دارالسلطنت نیشاپور میں مقیم تھا، اس نے اپنی سلطنت کے مختلف شہروں کے دورے کا پروگرام بنایا، رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا آخری عشرہ تھا، اس نے فیصلہ کیا کہ جیسے ہی رمضان ختم ہوگا وہ عید کے فوراً بعد ضروری کام پر نکل جائے گا، رمضان المبارک کی ۲۹/ ویں شب تھی، اس نے اپنے وزرا اور مصاحبوں کے ساتھ چاند دیکھنا شروع کیا، خوشامدی مصاحب موجود تھے، انہوں نے شور مچادیا کہ حضور چاند نکل آیا ہے، سلطان نے خود چاند نہیں دیکھا اور نہ کسی اور ذمہ دار نے دیکھا، لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رؤیتِ ہلال کا یقین دلایا اور حکم ہوگیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین ابوالمعانی جو مفتی اور رئیس القضاۃ تھے، ان کو خبر ہوئی تو انہوں نے منادی کو بلوایا اور کہا کہ ان لفاظ کے ساتھ منادی کرادو: ''ابوالمعالی کہتا ہے: کل تک ماہ رمضان ہے، جو میرے فتویٰ پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ کل بھی روزہ رکھے''۔

رئیس القضاۃ کے اس منادی کو مفتریوں نے نہایت برے الفاظ میں سلطان تک

(۱) سیرۃ الاولیاء: ۳۵۳ تا ۳۵۵

پہنچایا؛ بلکہ یہاں تک کہا کہ ابولمعالی کے خیالات سلطنت کے بارے میں اچھے نہیں ہیں اورعوام ان کے معتقد ہیں ،اگر سلطان کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہوگی ،سلطان طبیعت کا برانہیں تھا ، اس لیے امام الحرمین کی منادی ناگوار گزرنے کے باوجود اس نے حکم دیا کہ ان کو عزت واحترام کے ساتھ میرے پاس لاؤ،فتنہ پردازوں نے پھر کہا کہ جو شخص سلطان کے حکم کی عزت نہ کرے،وہ قابلِ احترام نہیں ہے، سلطان نے کہا : جب تک میں براہ راست ان سے گفتگو اور حقائق معلوم نہ کرلو ایسے رفیع القدر شخص کی عزت میں فرق نہیں آنا چاہیے،قاضی صاحب کو جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہوجائے اور حاسدین اللہ جانے دربار میں کس پیرایے میں میری تاخیر بیان کریں ، جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے،محل کے دروازے پر دربان نے روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے، ادھر حاسدین نے سلطان کو اطلاع دی کہ امام الحرمین نے پہلے ہی حکم عدولی کی ہے،اب دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آگئے ہیں،سلطان کی طبیعت کچھ اور مکدر ہوگئی، مگر اندر آنے کا حکم دیا،رئیس القضاۃ جیسے دربار میں آئے سلطان نے پوچھا :اس ہیئت کدائی سے آپ کیوں تشریف لائے ہیں اور درباری لباس کیوں نہیں پہنا؟

قاضی صاحب نے کہا : ’’اے سلطان! میں اس وقت جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعا جائز ہوتا ہے، پس جب اللہ کے سامنے میں اسی طرح پیش ہوتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا قباحت؟ البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری نہیں ہے اور اس کی وجہ سے گستاخی نہیں ؛ بل کہ میں نے سوچا کہ ذرا سی دیر کی غفلت میں فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں اور مجھ سے بادشاہ اسلام کے حکم کی مخالف سرزد نہ ہوجائے،اس لیے جلدی میں جس طرح بیٹھا تھا اسی طرح چلا آیا سلطان نے کہا : جب اسلام میں حاکم کی اطاعت اس قدر واجب ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنیٰ ہیں؟

قاضی صاحب نے فرمایا : ''جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں، ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتویٰ کے متعلق ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور، اسے مجھ سے پوچھ لینا چاہیے کیوں کہ بحکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔''

جب سلطان نے امام صاحب کی یہ تقریر سنی تو اس کا غصہ جاتا رہا اور ان کی جاتا رہا اور ان کی جرات وصداقت سے بہت خوش ہوا اور اعلان کرادیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا اور امام الحرمین ورئیس القضاۃ کا فیصلہ صحیح ہے۔

آج بھی اگر علماء کرام مالداروں سے مرعوب نہ ہوں اور حق گوئی کو اپنا شعار بنالیں تو حکمران ان کا احترام کرنے پر مجبور ہوجائیں گے اور اسی طریقے پر عمل ہونے سے آسمان کے نیچے عدل وانصاف اور امن وامان قائم ہوسکتا ہے۔(١)

ہمارے پاس بقدرِ ضرورت دنیا ہے

حکیم الامت حضر تھانوی ؒ نے نواب صاحب ڈھاکہ کو جواب دیا تھا، نواب صاحب نے کہلوایا : ''آپ مجھ سے مل لیں'' حضرت نے کہلوایا : ''نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز ''دولت'' ہے وہ میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لیے آپ کو آنا چاہیے۔ مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔''

استغناء سے محرومی کا وبال

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''سب سے ہلکی مصیبت کسی عالم دین کے لئے یہ ہے کہ جب وہ دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے تو میں اس سے دعاؤں کی لذت چھین لیتا ہوں''۔

"ان أهون ماأصنع بالعالم اذا مال الى الدنيا فأسلبه حلاوة

---

(١) نظام الملک طوسی: ١٣٣/١

مناجاتی"(۱)

اہل ثروت سے استغناء کانسخہ

حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں: علماء دنیاداروں کورکن نہ بنائیں اوران کی کوئی رائے قبول نہ کریں، یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اپنے اندر قناعت پیدا کریں اور حب دنیا کا علاج کریں، جس میں قناعت نہیں ہوتی، مالی قناعت بھی نہیں اور جاہ کی قناعت بھی نہیں وہ ہر وقت یہی سوچتا رہتا ہے کہ عام لوگ تو کجا بڑے بڑے لوگ بھی اس کا بہت اعزاز واکرام کریں اوراس کے پاس پیسہ بھی بہت رہے، ایسا شخص تو دنیاداروں سے کبھی بھی استغناء نہیں کرسکتا۔

اہلِ ثروت سے استغناء اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ اپنے مصارف کم سے کم رکھیں، کم سے کم مصارف رکھنے پر اپنے نفس کی تضمیر (یعنی قلیل پر اکتفاء کرنے کی مشق) کریں جیسے گھوڑوں کی تضمیر کرتے تھے تاکہ وہ تیز تیز بھاگیں اسی طرح اپنے نفس کی تضمیر کریں تاکہ اس کو قلیل پر اکتفاء کرنے کی عادت پڑے، حضرت نانوتویؒ کے اشعار ہیں:

آفریں تجھ پہ ہمت کوتاہ طالبِ جاہ ہوں نہ طالبِ مال
مال اتنا کہ جس سے ہوخوردنوش جاہ یہ کہ خلق کا نہ ہوں پامال

مال تو اتنا بھی کافی ہے جس سے دووقت چنے چبا کر گزارہ ہوجائے، ویسے تو اللہ تعالی کسی کو زیادہ دے دیں تو ٹھیک ہے ورنہ" اپنی احتیاج دنیاداروں کے سامنے پیش کرنے سے بہتر تو یہی ہے کہ انسان چنے چبانے پر گزارہ کرلے۔

استغناء کے بغیر اخلاص مشکل ہے

غیر اللہ سے استغناء کے بغیر کام اخلاص اور پورے طور پر للہیت پیدا نہیں ہوگی، مشققین

(۱) درمنثور: ۴/ ۳۱۳

اٹھانا پڑیں تو اس پر پریشان ہونے کے بجائے اور زیادہ خوش ہونا چاہیے کہ اللہ کی خاطر، اپنی آخرت بنانے کی خاطر یہ مشقتیں برداشت کر رہے ہیں، جب تک ایسی ایسی قناعت اور مشقت برداشت کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا غیر اللہ سے استغناء تو ہو ہی نہیں سکتا۔(۱)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں : ''اہل علم میں استغناء ہونا چاہیے،''عرض حاجت'' میں ذلت ہے، پھٹے پرانے کپڑوں میں موٹا جھوٹا کھانے میں ذِلت نہیں،اور استغناء میں دین کا اعزاز ہے اگر یہ نیت ہوتو ثواب بھی ہوگا،دنیاداروں کے پاس نہ جائے۔ غریب کے پاس جانے میں ذلت نہیں۔''(۲)

''سَأَصرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الحقِّ''(۳)

جلد ہی میں پھیر دوں گا اپنی آیتوں سے ان کو جوتکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق۔''

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اور تکبر کرنے والوں یعنی بڑے بننے والوں کو اپنی آیتوں سے پھیر دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے آیات الٰہیہ کے سمجھنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق سلب ہو جاتی ہے۔

اور اگر اپنا مقام بنانے اور دنیا حاصل کرنے کی نیت سے ہی استغناء کیا گیا تو بھی دنیا قدموں میں آئے گا،بعض مرتبہ بغیر اخلاص سے کیا گیا استغناء بھی رنگ لاتا ہے۔

کیا دین تمہارا محتاج ہے؟

☆ مجاہد ملّت حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمیؒ خلیفۂ مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے آخری سالانہ جلسہ کے موقع پر فرمایا: میں یہاں پچاس سال سے

(۱) علماء کا مقام :۳۰تا۳۲

(۲) مجالس اعظم۔۵۹۷

(۳) اعارف :۱۴۶

زیادہ ہو چکا ہے،کوئی ایک شخص کھڑے ہو کر بتادے کہ ''عبداللطیف'' نے کبھی چندہ کی اپیل کی ہو،لیکن تمھیں اس لئے بلا لیتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہوکہ ہمیں پوچھا نہیں جاتا،اور یہ بھی سمجھ لوکہ دین تمھارا محتاج نہیں تم دین کے محتاج ہو''(۱)

اپنے مدرسہ کے ذکر سے گریز

حضرت مفتی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ: ''ایک سیٹھ نے پوچھا کہ میرا کوئی وارث نہیں ہے،میں زندگی میں اپنا مال تقسیم کرنا چاہتا ہوں،اس کے لئے بہترین جگہ کون سی ہوگی؟ تو میں (مفتی محمد شفیع صاحب) نے متعدد دینی مدارس اس کو بتلائے،تو پاس بیٹھنے والے ایک شخص نے تعجب سے کہا کہ آپ کا بھی تو اپنا مدرسہ ہے،اس کا نام کیوں نہیں لیا؟ میں نے کہا اگر اس کو کچھ دینا ہوگا تو خود دیدیگا،مگر میری اپنی حمیت گوارا نہیں کرتی کہ وہ مجھ سے مسئلہ پوچھے اور میں اس کو اپنے مدرسے میں دینے کے لئے کہوں،اس میں بھی ایک طرح کا حظ نفس پایا جاتا ہے۔(۲)

دنیا ذلیل ہو کر آتی ہے

مولانا حبیب الرحمان صاحب دیوبندی نے حافظ انوارالحق صاحب دیوبندی کی روایت سے نقل فرمایا کہ حضرت نانوتوی چھتہ کی مسجد میں حجرہ کے سامنے چھپر میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت مولانا سے ملنے کے لئے دیوبند آئے،مولانا نے اس کو دور سے آتے ہوئے دیکھا،جب قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ رخ دوسری طرف پھیر لیا،گویا کہ دیکھا ہی نہیں،وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے،ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپئے تھے،جب انہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ

(۱)ماہنامہ ''حق چاریا'' خصوصی نمبر: ۱۵۹

(۲)البلاغ مفتی اعظم نمبر،ج ۲ ص: ۱۰۹۸

ہوگیا تو حضرت مولانا نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں، مزاج اچھا ہے؟ انہوں نے سلام عرض کیا اور بندھا ہوا روپیہ قدموں پر ڈال دیا، حضرت نے اسے قدموں سے الگ کر دیا، تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر بمنت قبول فرمالینے کی درخواست کی، بالآخر بہت سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دیا، حضرت جب اٹھے تو نہایت استغنا کے ساتھ جوتے جھاڑ دیئے، اور روپیہ سب زمین پر گرگیا، حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوارالحق صاحب سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دنیا کماتے ہیں، اور اہل دنیا بھی دنیا کماتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں پر پڑتی ہے اور دنیادار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم فرمادیا۔(۱)

متروک الدنیا نہیں تارک الدنیا بنیں

یہ بات یاد رکھیں کہ اگر کوئی عالم درس تدریس یا دین کا کوئی کام اس لیے کرتا ہے اگر چہ دنیوی دھندوں میں پیسہ زیادہ ملتا ہے، مگر وہ دھندے اسے مشکل لگتے ہیں کون گدھے پر بوجھ اٹھائے، کون مزدوری کرے، گرمی میں یہ سب چیزیں برداشت کرے۔

لہٰذا آسان سی صورت یہ ہے کہ کسی مدرسے میں داخلہ لے لیں، آرام سے بیٹھے رہیں گے ، اچھا کھانا، پنکھوں کی ٹھنڈی ہوا، ٹھنڈا پانی سب کچھ ملتا رہے گا، مزے ہی مزے ہوں گے، محنت ومشقت سے بھی بچ جائیں گے۔

تو ایسا مولوی اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں، بل کہ وہ تو اس قابل نہیں کہ اسے ''مولوی'' کہا جائے، وہ تو پکا دنیادار ہے۔ میں (مفتی رشید احمد لدھیانویؒ) جن علماء کے بارے میں کہتا ہوں کہ وہ متروک الدنیا نہیں تارک الدنیا ہوتے ہیں اس سے مراد وہ علماء ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ اگر چہ دنیا کے دوسرے کام کرنے میں منافع زیادہ ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے کام

(۱) ارواح ثلاثہ۔ص:۲۰۹

کے لیے پیدا فرمایا ہے، روکھی سوکھی کھا کر، آدھا پیٹ کھا کر گزارہ کرلیں گے، مگر صرف اور صرف اللہ کا کام کریں گے دنیا کا کوئی کام نہیں کریں گے، ایسے علماء کے بارے میں میں کہہ رہا ہوں کہ وہ متروک الدنیا نہیں ہوتے، تارک الدنیا ہوتے ہیں۔

دنیوی کام کرنے والوں کی تنخواہیں، بہت زیادہ ہوتی ہیں، مثلاً لیبر ومزدور جتنا کماتے ہیں بڑے بڑے علماء کی تنخواہیں اتنی زیادہ نہیں ہوسکتیں۔

جب میں (مفتی رشید احمد لدھیانوی ؒ) دارالعلوم کورنگی میں تھا تو ایک بار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب ؒ نے علماء وطلبہ کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: دارالعلوم میں کام کرنے والے بیل کی اجرت یہاں کے سب سے اونچے درجہ کے استاذ کے وظیفہ سے بھی زیادہ ہے۔" (اس زمانے میں دارالعلوم میں جو زمین خالی پڑی ہوئی تھی اس میں سبزیاں وغیرہ کاشت کرنے کے لیے ایک کاشت کار رکھا ہوا تھا جو اس میں ہل چلاتا تھا)

بیل چلانے والے کی بات تو الگ رہی بیل کی تنخواہ سب سے بڑے استاذ کے وظیفے سے زیادہ تھی۔

اس ارشاد کے ذریعہ آپ اس طرف متوجہ فرما رہے تھے کہ "اگر مولوی اپنی نیت صحیح نہیں کرتے اور اخلاص پیدا نہیں کرتے تو انہیں چاہیے کہ ہل چلانا شروع کردیں یا بیل اور گدھا بن جائیں تو زیادہ کمائیں گے۔" علماء پر لازم ہے کہ یہ جو دنیوی دھندوں کو چھوڑ کر کم پر قناعت کررہے ہیں اس میں اپنی نیت درست کریں، صبر سے کام لیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے اپنے کام میں لگا رکھا ہے۔

شکر خدای کن کہ موفق شدی بخیر زانعام وفضل او نہ معطل گزاشتت
منت منہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس از وکہ بخدمت بداشتت

دارالعلوم دیوبند کتنا بڑا ادارہ ہے، مگر اس میں صرف دارالحدیث میں پنکھے تھے اس کے سوا کسی بھی درس گاہ میں پنکھے نہیں تھے، بڑے بڑے اساتذہ ایسے ہی پڑھاتے تھے، جب درسگاہوں میں پنکھے ہوتے اس کو جھلتے رہتے اور ساتھ ہی ساتھ تصنیف وتالیف اور کتب

بیٹھی فرماتے رہتے۔

حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ جب وہ دارالعلوم دیوبند میں استاذ تھے، استاذ بھی حدیث کے استاذ حدیث بھی اور ساتھ ہی ساتھ مفتی اعظم، اتنا بڑا مقام، اس زمانے کی بات بتاتے ہیں کہ ''جس مکان میں ہم رہتے تھے وہ اتنا تنگ اتنا چھوٹا تھا کہ کھانا پکانے کے لیے سوختے کی جو لکڑیاں استعمال ہوتی تھیں انہیں رکھنے کی کوئی جگہ نہیں تھی، وہ لکڑیاں اپنی چار پائی کے نیچے رکھتے تھے۔'' (اسلاف کی طالب علمانہ زندگی)

علماء کی زندگی عوام سے ممتاز ہونی چاہیے

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں: ''ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے، ہمارے کام زیادہ تر حسبۃً للہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے، جب تک ہمارے طبقہ علماء میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت مؤثر اور قابل احترام نہیں ہوگی، دل و دماغ میں دین کا گہرا اثر و وقار نہیں ہوگا، علماء کا وقار اس سے نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالب علم پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں، اس سے علماء کا وقار نہیں قائم ہوگا، علماء کا وقار ہوتا ہے ذاتی نمونے سے، عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے لیکن علماء اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بڑی چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔(۱)

امام ابوحازم رحمۃ اللہ علیہ قاضی مدینہ کا واقعہ

امام ابوحازمؒ بہت بڑے عالم، فقیہ اور مدینہ کے قاضی تھے، ان سے ایک مرتبہ وقت

(۱) خطباتِ علی میاں: ۱/۸۶

کے امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک نے کہا : ابوحازم! اپنی کوئی ضرورت ہمیں بتاؤ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

"ارفع الینا حاجتک ایا أباحازم نقصها لک مهما کانت"

حضرت ابوحازمؒ نے جواب میں فرمایا : میری ضرورت یہ ہے کہ آپ مجھے جہنم سے بچالیں اور جنت میں داخل کر دیں۔

"حاجتی ان تنقذنی من النار و تدخلنی الجنة"

ایک مرتبہ امیر المؤمنین نے حضرت حازمؒ کے لیے دیناروں سے بھری ہوئی ایک تھیلی بھیجی اور ساتھ ہی یہ لکھ کر بھیجا : "ابوحازم! یہ رقم آپ کے خرچہ کے لیے ہے آپ اس کو خرچ کیجئے میرے پاس آپ کے لیے اور بھی بہت سارا مال ہے بعد میں بھیجوں گا۔"

حضرت ابوحازمؒ نے وہ تھیلی واپس بھیج دی اور ساتھ ہی یہ تحریر لکھ کر بھیجی، ہمیں چاہیے کہ اس کو بار بار اور اس پر غور کریں، فرمایا : امیر المؤمنین! میں اللہ کے حضور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آپ کے سوالات جو آپ نے مجھ سے کیے وہ مذاق بن جائیں اور میرا جواب دنیا باطل اور بے کار ہو جائے، اے امیر المؤمنین! بخدا میں یہ مال تو آپ کے لیے پسند نہیں کرتا اپنے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں۔

امیر المؤمنین! اگر یہ دنیا میری اس دینی گفتگو کے عوض دیے گئے ہیں جو میں نے آج آپ سے کی ہے، تو میں اضطراری حالت میں مردار اور خنزیر کا گوشت اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اور اگر آپ نے ویسے ہی بیت المال سے مجھے یہ دیا ہے تو جتنا مجھے دیا ہے اتنا دوسرے مسلمانوں کو بھی برابر برابر دیا جائے۔

" یا أمیرالمؤمنین أعوذ بالله أن یکون سؤالک ایای هزلاً،وردّی علیک باطلا ،فوالله ما أرضی ذلک ،یا أمیر المؤمنین لک فکیف أرضاه لنفسی ؟ یاأمیر المؤمنین !ان کانت هذه الدنانیر لقاءحدیثی الذی حدثتک به ،فالمیتة

ولحم الخنزير فی حال الاضطرار أحل منها ....وان كانت حقا لی فی بیت مال المسلمین فهل سوّیت بینی وبین الناس جمیعاً فی هذا الحق"(۱)

سالم مولیؒ کا سبق آموز واقعہ

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا بھائی خلیفہ ھشام بن عبد الملک بن مروان بیت اللہ شریف کے حج کو آیا، طواف کے دوران اس کی نگاہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پوتے زاھد و متقی اور عالم ربانی حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ پر پڑی جو اپنا جوتا ہاتھ میں اٹھائے ہوئے خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، ان کے جسم پر ایک کپڑا اور ایک عمامہ تھا جس کی قیمت ۱۳/درھم سے زیادہ نہیں تھی، خلیفہ ھشام نے کہا "کوئی حاجت ہو تو فرمائیے" حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا "مجھے اللہ سے شرم آرہی ہے کہ میں بیت اللہ میں رہ کر غیر اللہ کے سامنے دستِ سوال دراز کروں"

یہ سننا تھا کہ خلیفہ کے چہرے کا رنگ سرخ ہونے لگا اُس نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں اپنی سبکی محسوس کی جب حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حرم شریف سے باہر نکلے تو وہ بھی ان کے پیچھے ہی حرم سے نکل پڑا اور راستہ میں ان کے سامنے آکر کہنے لگا: "اب تو آپ بیت اللہ سے باہر نکل چکے ہیں، کوئی حاجت ہو تو فرمائیں بندہ حاضر ہے" حضرت سالم بن عبداللہؒ پوچھا: آپ کی مراد دنیاوی حاجت سے ہے یا اخروی حاجت سے؟ خلیفہ ھشام نے جواب دیا "اخروی حاجت کو پورا کرنا تو میرے بس میں نہیں البتہ دنیاوی ضرورت ضرور پوری کرسکتا ہوں، فرمائیں"!

حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے دنیا تو اُس سے بھی نہیں مانگی جس کی یہ ملکیت ہے پھر بھلا میں اس شخص سے دنیا کیوں کر طلب کرسکتا ہوں جو خود اِس کا

(۱) صور من حیاۃ التابعین: ۹۲

مالک نہیں ہے'' یہ کہہ کر اپنے گھر کی طرف چل دیے اور ھشام بن عبد الملک اپنا سامنہ لے کر رہ گیا۔(۱)

(۹) مستقل مزاجی واستقامت کا فیصلہ کرلیں

علی میاں ندوی ؒ فرمایا کرتے تھے کہ علماء کو تین چیزوں کو اپنانا چاہیے اخلاص و اختصاص اور استقامت ۔(۲)

امام جس مسجد میں امامت کرتا ہو وہاں پر مستقل مزاجی سے امامت کرے، یہاں آگیا ہوں اب موت تک یہیں رہوں گا، جیسے پہلے زمانہ میں دلہن کے بارے میں پہلے بولا کرتے تھے ماں کے گھر سے ڈولی جارہی اب سسرال سے ڈولہ ہی واپس آئے گا، بیچ میں لڑکے جھگڑ کر نہیں آنا، ایسے ہی مسجد کو آگئے تو ہمارا جنازہ ہی نکلے گا، یہاں کچھ دن وہاں کچھ دن رہے تو ہرگز اپنا مقام نہیں بناسکیں گے، اس کی مثال ایسی ہے کہ درخت ایک جگہ گاڑ دو چند سال چھوڑ دو، کھڑا رہنے دو، اس کے بعد بڑا ہوگا، سایہ دے گا، کل کوئی اسے اکھاڑنا چاہے تو بھی نہیں اکھاڑ سکتا، ایک جگہ رہ گئے تو آدمی ایسا جم جاتا ہے کہ کوئی بھی نہیں نکال سکتا، ایک جگہ رہنے کی عادت ڈال لیں، جہاں رہتے ہیں وہاں رہتے ہوئے دوسری مسجد اور اس مسجد کی committee کی تعریف نہ کریں، ہم کو جامع مسجد والے بلوا رہے ہیں، فلاں جگہ پندرہ ہزار، پچیس ہزار تنخواہ ہے، فلاں مسجد والے کیسی facility دے رہے ہیں، فلاں مسجد میں امام صاحب کو گھر بھی دیا گیا ہے، دوسری مسجد کی کمیٹیوں کی تعریف اس مسجد کے احباب کے سامنے نہ کریں، جیسے دو بیوی والا ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی کی تعریف نہ کرے، بلکہ دوسری عورت میں دلچسپی نہ دکھائے، جیسے اپنی بیوی کو طلاق کی دھمکی دینے سے کوئی محبت نہیں بڑھتی، اس سے نفرت بڑھتی ہے، اپنی مسجد کی کمیٹی کی تعریف اور

(۱) البدایۃ والنھایۃ: ۹/ ۱۳۵

(۲) علی میاں ندوی ؒ کی مقبولیت کا راز: ۸۔

ان کی خوبیاں بیان کرتے رہیں۔

مولانا زاہد راشدی صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا ہے کہ ”اگر امام طاقتور ہو تو کمیٹی بھاگ جاتی ہے اور اگر کمیٹی طاقتور ہو تو امام بھاگ جاتا ہے“، لیکن جو مخلص ہو کر چلے، پیشہ نہ سمجھے، مشن سمجھ کر چلے گا، ایک دن آئے گا کہ کمیٹیاں ماتحت ہو جائیں گی، ان شاء اللہ، یہ فیصلہ کرلو کہ کوئی مطالبہ نہیں کرنا، مجھے جو ملنا ہے اللہ دے گا کسی سے کوئی مطالبہ نہیں کرنا اور دوسری بات یہ سمجھیں کہ مجھے حاجی صاحب نے رکھا ہوا ہے یا صدر صاحب نے رکھا ہوا ہے، بلکہ یہ سمجھیں کہ مجھے اللہ نے رکھا ہوا ہے، جب اللہ نکال دیں گے نکل جاؤں گا، جب یہ فیصلہ کرلیں گے تو ان شاء اللہ، اللہ راہیں کھول دے گا۔

یاد رکھیں، ساری دنیا کا نفس وشیطان ایک ہی ہے، ہر جگہ کی مصیبتیں مستقل ہے، مصائب سے کہیں فرار نہیں ہے، مسائل ومصائب کے بغیر دنیا کا تصور مشکل ہے، جگہ بدلنا مسئلہ کا حل نہیں ہے، بلکہ نئے مسائل کو سر اوڑھ لینا ہے، مرزا غالب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک نوجوان کسب معاش کے لئے کلکتہ جانے سے پہلے ملاقات کے لئے آیا، غالب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کلکتہ کے خدا کو سلام کہہ دینا، حضرت! کلکتہ کا اور دہلی کا خدا ایک ہی ہے، الگ الگ نہیں ہے، مرزا غالب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو خدا تمہیں کلکتہ میں تجھے معاش دے سکتا ہے وہ دہلی میں نہیں دے سکتا؟ دراصل اپنے مقاصد وترجیحات کی تعین کا مسئلہ ہے، عامی اور خاص کی ترجیحات میں زیادہ فرق باقی نہیں رہ جاتا جب مادیات مقصود بن جائے۔

جذبہ والا دیہات میں رہ کر پانچ سو بچوں اور بچیوں کا بہترین مکتب چلا سکتا ہے، شہر کی گنجان آبادی میں رہنے والا اگر مردہ حوصلے والا ہو تو دس بچوں کا مکتب بھی نہیں چلا سکتا ہے، کام کے لئے وسائل اصل نہیں ہیں بلکہ عزائم اصل ہیں، شہر اور دیہات اصل نہیں ہے، کام کی خاطر جلنا اصل ہے، دولت اصل نہیں ہے، ہمت اصل ہے، تھانہ بھون، اعظم گڑھ، جلالہ آباد، وغیرہ کے اکابر اپنے سے بہتر کام کر گئے، ایک عرب عالم جماعت میں ”کیرنور“ کا پتہ پوچھنے لگے، کیونکہ وہاں فلکیات کے ماہر گذرے ہیں، ان کے خاندان سے ملاقات کرنا ہے۔

مولانا عاقل حسامی صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

امرجنسی ۱۹۷۶ء کے زمانہ میں جب سنجے گاندھی نے برتھ کنٹرول کی تحریک چلائی تھی اورنعرہ دیا ”دوسرا بچہ ابھی نہیں، اوردو کے بعد کبھی نہیں“ تو اس وقت مولانا کا نعرہ تھا ”دوسرا بچہ ابھی ابھی بارہ کے بعد کبھی کبھی“ امرجنسی کے جبر وتشدد کی فضا میں یہ نعرہ نوکِ زبان بن گیا تھا، آخر کار اسی نعرہ نے آپ کو جیل تک پہنچایا لیکن آپ کے پایہ استقامت میں کوئی تزلزل نہیں آیا، جیل جانے لگے تو گھروالی بیمارتھی، کہنے لگی اس حال میں چھوڑ کر جاتے ہو؟ فرمانے لگے: ایک خاتون کی خاطر امت کی کئی بیٹیوں اورماؤں کا مسئلہ بگڑ جائے گا، بیمار بیوی کو چھوڑ کر چلدئے، مولانا سے اس وقت کے وزیرِ داخلہ جناب آصف پاشاہ نے کہا کہ ”اگر آپ یہ لکھ کر دیدیں کہ میں حکومت کی پالیسی میں کوئی مداخلت نہیں کروں گا، تو آپ کی رہائی ہوسکتی ہے“ مولانا نے کہا: حکومت لکھ کر دیدے کہ وہ مذہبی احکام ومعاملات میں کوئی دخل نہیں دے گی تو میں لکھ کر دے سکتا ہوں، وزیرصاحب نے معذرت کی، تو مولانا نے کہا: میرے لئے بھی ممکن نہیں ہے۔

☆ مولانا عاقل جب جیل پہنچے تو جناب سلیمان سکندر سے ملاقات ہوئی، سلیمان سکندر صاحب گویا ہوئے کہ مولانا (عاقل صاحب) میں جب سے جیل آیا ہوں روزانہ رات میں جس کوخواب میں دیکھتا ہوں صبح وہ شخص جیل میں آجاتا ہے، کل رات میں نے آپ کو دیکھا اور آج آپ...... مولانا عاقل نے مسکراتے ہوئے کہا ”آپ ایسے خواباں دیکھنا چھوڑ دو۔“

☆ جیل میں کوئی نو ماہ تک رہے لیکن رشد و ہدایت، وعظ ونصیحت، بیعت و ارشاد، سلوک و احسان، ذکر وفکر وغیرہ معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا۔ قیدی بھی نمازی اور ذاکر ہوگئے۔ ایک دن جیلر نے از راہِ مزاح مولانا سے پوچھا کہ ”کیا یہ سب (قیدی) سدھر گئے؟ مولانا نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا ”ذرا چھوڑ کے دیکھو! معلوم ہوگا“۔ بعد ازاں جیلر مسلمان ہوگیا۔

یہ وہ حضرات ہیں جو ہر مشکل میں خود بھی جمے رہے اور قوم کو بھی سنبھالا، دنیا کی نظر میں یہ آج بھی زندہ ہیں، اور انہیں کی محنتوں کا ثمرہ قوم کھا رہی ہے۔

(۱۰) امام مقتدی کے درمیان ربط پیدا کریں

نبی کریم ﷺ نے صفوں کے درست کرنے کو نماز کی تکمیل قرار دیا ہے، اگلی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پچھلی صف میں کھڑے ہونا منع ہے، شرعی مسجد کی حدود میں امام کے بعد ایک صف خالی چھوڑ کر کھڑا ہونا مکروہ ہے، اگر دو صفوں کے درمیان ایک صف خالی چھوڑ کر صف بنائی جائے تو مکروہ ہے، اگرچہ شرعی مسجد کے احاطے میں اس طرح نماز ادا کرنے سے نماز ہو جائے گی، البتہ مسجدِ شرعی سے باہر اگر کوئی امام کی اقتدا کرتا ہے تو اگر امام اور مقتدی کے درمیان یا دو صفوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو، جس میں دو صفیں بنائی جا سکتی ہوں یا راستہ ہو جس سے گاڑی گزر سکتی ہو، تو صفوں میں اتصال نہ ہونے کی وجہ سے پیچھے والوں کی اقتدا درست نہیں ہوگی، اس مسئلہ کی روشنی میں یہ نکتہ سمجھنا چاہیئے کہ نماز کے باہر بھی امام اور مقتدی میں تعلقات کا اتصال زندگی کو درست بناتا ہے اور تعلقات کا انفصال زندگی کے سکون کو فاسد کر دیتا ہے۔

نیز دورانِ اقتداء کسی غریب کی نماز محض غربت کی وجہ سے مکروہ نہیں ہوتی، لہٰذا امام کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں کو حقیر نہ سمجھے، مؤذن کی عزت نفس کو ٹھیس نہ پہنچائے۔ ''جاہل قسم کے لوگ ہوتے ہیں'' ''گنوار ہیں'' وغیرہ الفاظ یہ تصور نہ کرے، یہ شرعاً بھی منع ہے، بعض مرتبہ بدی کا بدلہ بدی سے ملتا ہے، نبی کریم ﷺ سے متعلق یہ بات ملتی ہے کہ اگر کسی صحابی سے کوئی کوتاہی ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ کا انداز اس طرح ہوتا تھا کہ ''لوگوں کو کیا ہو گیا'' یا ''صرف چہرہ پر کچھ ناراضگی کا اظہار فرما دیتے تھے'' لیکن ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتے جو معاشرہ میں گھٹیا سمجھا جاتے ہیں، تعلقات بڑھانے اور مضبوط کرنے والا قول وفعل اختیار کرے، مقتدی کا تعلق اپنے امام سے نہ ہوا تو باطل فرقے انہیں محبت دے کر اپنا بنالیں گے۔

مسجد پرحاوی لوگوں کی ذہن سازی کریں

جہاں پر جنکا غلبہ ہے وہاں ان کونشانہ نہ بنائیں، جہاں تبلیغی بھائیوں کا غلبہ ہے وہاں ان کی غلطیاں نہ اچھالیں، کیونکہ مخالفت اور تناؤ کے ماحول میں مثبت اور ترقی کے کام انجام نہیں دیئے جاسکتے ہیں، ساری محنت دفاع میں لگ جائے گی، اقدامی محنت نہیں ہو پائے گی، جمعہ کے موقع پر انکی کمیاں، غلطیاں وغیرہ ہرگز بیان نہ کریں، اصلاح کی فکر ہے تو تنہائی و ذہن سازی کریں۔

کمیٹی کی ذہن سازی کی کوشش جاری رہے، ان کی کمیاں نہ اچھالے، اتنا تو ہے کہ کمیٹیوں کے تسلّط سے کسی کو چھٹکارہ نہیں الاماشاءاللہ، اکبر الہ آبادی شیخ سعدیؒ کے شعر کو اس طرح تضمین کرکے کہا کرتے تھے:

کریما! بہ بخشائے برحال ما — کہ ہستم اسیر کمند ہوا

اے کریم رحم کر میرے حال پر — کیونکہ میں خواہش نفس کی کمند کا اسیر ہوں

کریما! ببخشای برحال ما — کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

اے کریم رحم کر میرے حال پر — کیونکہ میں کمیٹی اور چندہ کا اسیر (قیدی) ہوں

مخصوص افراد کو قریب کرنے کی شکلیں بنائیں

اپنی مسجد کے تحت آنے والے جتنے ایجوکیٹڈ لوگ ہیں، ڈاکٹرز، انجینئرز، لائرز، جو بھی ہیں ان سب کی لسٹ بنائیں، ان سب کے الگ الگ موقعوں پر جوڑ رکھیں، ان کے مقام کی رعایت کرتے ہوئے نظم رکھیں، ان کی فیلڈ کا ان کو دین دینے کی کوشش کریں، ڈاکٹرز کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ لائرز کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ تاجروں کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اہتمام سے بتائیں تو ہر شعبہ دیندار ہوگا، ہر شعبہ کے افراد کو اسکا دین نہ ملنے کی وجہ سے مخصوص

افراد ومخصوص شعبہ ہی دینی شعبے رہے، بقیہ شعبہ جات کا دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، educated لوگوں میں محنت کرنا، حکومت کی طرف سے ملنے والی scheme عام کرنا، اس کی فہرست ہمارے پاس رکھنا وقت کا تقاضا ہے۔

جب انسان کسی چیز کو اپنی ذمہ داری سمجھتا ہے تو اس کے لیے فکر کرتا ہے، دعائیں کرتا ہے اور نئی نئی تدبیریں سوچتا ہے، اس کا ذہن ہر وقت مشغول رہتا ہے کہ مجھے اللہ نے امام بنایا ہے، ان کے دینی امور کا نگران و ذمہ دار بنایا ہے۔ میری سستی سے صرف میرا ذاتی نقصان نہیں ہوگا، بل کہ میری سستی سے کئی نسلوں کا نقصان ہوگا۔

میرا ویسے ہی وقت گزرنے اور صرف نمازوں کی حد تک ان کا امام رہ کر کفایت کرنے میں کئی گھرانے دینی علوم سے محروم ہو جائیں گے اور میرے محلے کا ایک ایک گھر اور ہر ایک فرد پر محنت کرنے سے کئی گھر خانقاہیں۔۔۔اور مدارس میں تبدیل ہو جائیں گی۔

مرد مجھ سے اور میرے ساتھیوں دین سیکھ کر جائیں گے تو جس طرح مسجد میں علمی حلقہ لگا ہوا ہوتا ہے، گھروں پر بھی علمی حلقہ لگے گا اور یہ گھنٹہ دو گھنٹے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت میں رہے، اسی طرح گھروں پر جا کر یہ عورتوں اور بچوں کو یہ سکھائیں گے وہ بھی اللہ کی رحمت میں رہیں گے۔

محلے اور بستی کے غرباء سے تعلق رکھے

امام صرف مالداروں کا نہیں ہے، غریبوں کا بھی ہے، اس لئے غُربا سے بھی خصوصی تعلق ہو، آپ ﷺ نادار احباب کے ساتھ تشریف فرما ہوتے، جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے والے مصافحہ سے فرمایا، ہتیلی کی سختی سے پیشہ معلوم کیا، اور اسکے ہاتھوں کا بوسہ لیا۔

مال داررں کے گھر آمد وفت ہوگی نعمتوں کی ناقدری آئے گی، خصوصاً بیوی کو مالداروں کے گھروں سے دور رکھو! ورنہ قناعت وصبر کی تعلیم مٹی میں مل جائے گی، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے کھڑکھڑ کرتے پنکھے میں جو سکون ہے؛ وہ دوسروں کے، اے، سی، کار بنگلوں، اور فیکٹری میں نہیں، بس! دین کی خاطر وتحمل کی ضرورت ہے۔ "بالصبر و التقوىٰ تنال

امامة القوم''

مکہ کے مالدار غرباء کو مجلس سے ہٹانے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے منع فرمادیا، الگ مجلس لگانے کی درخواست بھی نہ مانی، حضرت عمرؓ نے عرض کرنے پر کہ یہ ہمارے اپنے ہیں، سمجھ جائیں گے، الگ مجلس ہوسکتی ہے، آپ ﷺ راضی ہوئے مگر آیت نازل ہوگئی۔ ''ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجہ'' امراء سے تعلق کی وجہ سے غرباء سے بے تعلقی نہیں برتنی چاہئے۔

علماء اور ائمہ حضرات یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ صرف امراء سے تعلق رکھنے کی بنیاد پر متہم ہوسکتا ہے لیکن صرف غرباء سے تعلق رکھنے پر متہم ہونے کے بجائے بااخلاق اور قابل تعریف سمجھا جاتا ہے، لیکن سمجھداری اسی میں ہے کہ آدمی دونوں کو اہمیت دے اور دونوں کو وقت دینے کا مزاج پیدا کریں۔

محلے کے نوجوانوں کو قریب کریں

محلے کے نوجوانوں کو قریب کرنے کی محنت ہو، عمر رسیدہ لوگوں سے تعلق رکھنا، عمر رسیدہ لوگ پہلے آکر مسجد میں پڑھ جاتے ہیں، بیٹھ کے دیکھتے رہتے ہیں کہ کون آرہا ہے کون جارہا ہے، امام کی ہر حرکت پر پوری نظر رکھتے ہیں، اگر کسی دن آپ کا committee سے جھگڑا ہوگیا تو یہ لوگ یا تو طرف داری کریں گے یا مخالفت۔

علامہ قرطبیؒ نے ''وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس والطیر فھم یوزعون'' کے تحت لکھا ہے کہ امام کو ایسے افراد بنائے رکھنا ضروری جو اس کی حفاظت کرسکیں۔

حضور اکرم ﷺ بھی نوجوانوں کو قریب رکھتے تھے کہ جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ رکھا کرتے تھے، جو کہ انتہائی جوان جست صاحب مشیر تھے۔

گمراہ فرقے کس قدر جوانوں پر محنت کرکے انہیں اپنا بناتے جارہے ہیں، وہ ہمارے لئے درس عبرت ہے، نوجوانوں کے پوچھے گئے سوالات کو بالکل بھی نظر انداز نہ کیا جائے ؛ بلکہ چھوٹے بڑے تمام سوالات کو اہمیت دی جائے، چاہے وہ سوالات کسی بھی حوالے سے ہوں جن میں خاص کر موجودہ میڈیائی فتنے شامل ہیں جن کو دیکھ کر ان نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، ایمان، توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوتے جارہے ہیں، ان سوالات کا اگر بروقت تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو ان کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

نوجوانوں کو ان کے مسائل میں ائمہ مساجد رہنمائی نہیں کریں گے تو وہ اپنے مسائل و اشکالات کو بھلا بیٹھنے والے نہیں ؛ بلکہ وہ انہی مسائل کے ساتھ جب مختلف تجدد پسند یا گمراہ فکر کے حامل لوگوں تک پہنچتے ہیں تو وہ انھیں اپنے طور پر ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ علماء اور تمام تر روایتی فکر سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

تونے چہرہ دھویا ہم دل دھویا

سلطان ابراہیم بن ادہمؒ راستہ سے گزر رہے تھے کہ دیکھا کہ ایک شرابی نشہ میں بے ہوش پڑا ہوا ہے، پہچان گئے کہ کسی رئیس کا بیٹا ہے اور مسلمان ہے، افسوس سے ایک آہ کھینچی کہ! جس زبان سے یہ کلمہ پڑھتا ہے اسی سے شراب بھی پیتا ہے، چہرہ پر مکھیاں بھنک رہی تھیں، حضرت سلطان ابراہیم بن ادہمؒ نے آسمان کی طرف دیکھا اور دل میں کہا کہ اے خدا! اگر چہ یہ آپ کی نافرمانی کی حالت میں ہے، لیکن اس کو آپ سے نسبت ہے کہ یہ آپ کا بندہ ہے، اگر مجنوں لیلیٰ کی گلی کے کتے کو پیار کررہا تھا تو یہ تو آپ کا بندہ ہے اور مسلمان ہے، لہٰذا انہوں نے اس کا منہ دھویا، منہ پر ٹھنڈا پانی لگنے سے وہ ہوش میں آگیا، اس نے کہا کہ حضرت آپ تو تارک سلطنت بلخ ہیں؟ اتنے بڑے ولی اللہ یہاں کیسے آگئے؟ فرمایا کہ تم بے ہوش تھے، میں نے تمہارا چہرہ دھویا اور یہ تمہاری قے دھوئی ہے، وہ رونے لگا کہ آہ! میں تو سمجھتا تھا کہ اللہ والے گنہگاروں کو حقیر سمجھتے ہوں گے، مگر آج معلوم ہوا کہ اللہ والوں سے بڑھ

کر گنہگاروں سے محبت کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوسکتا ہے،اس نے کہا کہ مجھے ابھی توبہ کرائیے،واللہ لااشرب خمرا ابدا خدا کی قسم! اب کبھی شراب نہیں پیوں گا،حضرت ابراہیم بن ادہم کے ہاتھ پر اس نے توبہ کی،اسی وقت شاہ ابراہیم بن ادہم کو کشف ہوا کہ توبہ کرتے ہی اس شخص کو ولایت کا بلند مقام عطا ہوگیا اور اپنے وقت کے تمام اولیاء سے آگے ہو گیا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات میں حضرت ابراہیم بن ادہم نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ! لوگ بڑے بڑے مجاہدے کر رہے ہیں،تہجد و اشراق پڑھ رہے ہیں،لیکن ان کو اتنا اونچا درجہ نہیں ملا اور اس شرابی نے ابھی توبہ کی اور اس کو آپ نے اتنا اونچا مقام دے دیا،اس کی کیا وجہ ہے؟! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے سلطان ابراہیم بن ادہم! میرے لیے تو نے سلطنت فدا کی اور سلطنت کا عیش و آرام اور عزت و جاہ چھوڑ کر میرے لیے فقیری اختیار کی اور میرے لیے غار نیشا پور میں دس سال عبادت کی اور میری خاطر سے تو نے ایک گنہگار بندہ کا منہ دھویا اور اس کی قے صاف کی۔أنت غسلت وجهه لاجلی "تو نے میری خاطر سے،میری محبت میں اس کا چہرہ دھویا کہ یہ میرا بندہ ہے،گناہ سے تو نفرت تھی،گنہگار سے میری نسبت کی وجہ سے نفرت نہیں کی اور اس شرابی گنہگار کا چہرہ دھویا" فغسلت قلبه لاجلک " پس میں نے تیری خاطر سے اس کا دل دھو دیا اور جس کا دل خدا دھو دے اس کے دل میں رذائل کا امالہ نہیں ہوتا، ازالہ ہوجاتا ہے۔(۱)

تعلقات قائم کرنے کا دس نکاتی ایجنڈہ

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی بھی مشن پر جانے والا شخص اپنے مشن اور منزلِ مقصود کی تمام بنیادی ضروریات کا خیال رکھتا ہے اور اس بات کی بھرپور تسلی کرتا ہے کہ میں نے اپنی کوئی

(۱) ماہنامہ الفارق: ۸/۲۳، ۷، ۱۴۳۳ھ

تیاری ادھوری نہ چھوڑی ہو،ٹھیک اسی طرح چونکہ ائمہ مساجد کا اصل مقصد مسجد اور اس مسجد کے آس پاس کے ماحول کو صالح ماحول میں بدلنا ہوتا ہے، امام مسجد کا کردار اس ماحول میں موجود تمام لوگوں کے لیے مثالی بن جائے، اس کے لیے ضروری ہے کہ:

۱۔امام کا تعلق علاقہ کے لوگوں کے ساتھ صرف مصافحہ کی حد تک نہ ہو، بلکہ ان کے احوال کی بھرپور فکرمندی جیسارویہ ہو۔

۲۔جنازہ اور نکاح نہ پڑھانا ہو، تب بھی شرکت کا اہتمام کیا جائے۔

۳۔موقع بموقع اپنے مقتدیوں کی دعوت کی جائے، جس سے لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کا وقار بڑھے گا۔

۴۔ضرورت مند ساتھیوں کی امداد کی جائے، ورنہ کم از کم ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

۵۔مقتدیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے بھی تعلق رکھا جائے اور مل جل کر بیٹھنے کا اہتمام کیا جائے اور اس میں امیر، غریب، صاحبِ استطاعت اور بے روزگار میں امتیاز نہ برتا جائے۔

۶۔جتنا زیادہ ہو سکے اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدے کو فروغ دیا جائے، ورنہ فرقہ واریت کے خدشات بڑھ جائیں گے، اور تعلقات خراب ہو جائیں گے۔

۷۔نوجوانوں کے پوچھے گئے سوالات کو بالکل بھی نظر انداز نہ کیا جائے، بلکہ چھوٹے بڑے تمام سوالات کو اہمیت دی جائے، چاہے وہ سوالات کسی بھی حوالے سے ہوں، جن میں خاص کر موجودہ میڈیائی فتنے شامل ہیں جن کو دیکھ کر ان نوجوانوں کے ذہنوں میں دین، ایمان، توحید، رسالت اور آخرت سے متعلق شکوک وشبہات پیدا ہوتے جارہے ہیں، ان سوالات کا اگر بروقت تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو اُن کا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔

۸۔نوجوانوں کو ان کے مسائل میں ائمہ مساجد رہنمائی نہیں کریں گے تو وہ اپنے مسائل واشکالات کو بھلا بیٹھنے والے نہیں، بلکہ وہ انہی مسائل کے ساتھ جب مختلف تجدُّد پسند یا

گمراہ فکر کے حامل لوگوں تک پہنچتے ہیں تو وہ انھیں اپنے طور پر ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ علماء اور تمام تر روایتی فکر سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

۹۔ بیماری میں عیادت، نمازوں میں نام لے کر دعا، لوگوں کو بوقتِ ضرورت برائے تعاون متوجہ کرایا جائے۔

۱۰۔ سرکاری فوائد کے حصول، ہنگامی موقعوں پر ساتھ کھڑے رہنے کی کوشش کی جائے ائمہ مساجد اس بات کے حریص ہوں کہ ان کے وجود سے علاقہ کے لوگوں کو جتنا زیادہ دینی فائدہ ہو سکے، ہوتا رہے، جو بھی بات کہی جائے وہ لوگوں کی ذہنی سطح، ماحول اور ضرورت کے اعتبار سے کہی جائے۔

(۱۱) مسجد کی صفائی میں حصہ لیں

مسجد کی صفائی میں حصہ لینے کی کوشش کریں، مؤذن صاحب مسجد جھاڑتے رہتے ہیں، خادم جھاڑوں دیتے ہیں اس ٹائم پر اگر تھوڑا بہت صفائی کر دیں تو اپنی عزت میں کوئی کمی نہیں آئے گی، بلکہ خادم کے دل میں عظمت پیدا ہو جائے گی، امیر المومنین حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مسجد قبا تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا: اے اوفی! کھجور کی چھڑی لے آؤ! جب اوفی کھجور کی چھڑی لے آئے، تو اس میں اپنے کپڑے کو لپیٹا اور جھاڑو کی طرح بنا کر مسجد کی صفائی فرمائی۔(۱)

اور یہ بھی یاد رکھیں committee اور امام کے درمیان میں جو واسطہ ہوتا ہے وہ مؤذن ہوتا ہے Committee direct امام کی کمیاں کم دیکھتی ہے، مؤذن صاحب سے رپورٹ لیتی رہتی ہے، اگر مؤذن ہماری طرفداری میں رہے تو ہماری سیٹ پکی ہے، مؤذن صاحب سے الجھنا اپنے کو خطرے میں ڈالنا ہے، امام و مؤذن کا تعلق نبی کریم ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا ہو۔

(۱) فتح الباری لابن رجب، باب کنس المسجد

(۱۲) وقت کی پابند کرنا ہرگز نہ بھولیں

عہدِ نبوی میں اور اس کے بعد بھی بہت لمبے عرصے تک لوگ سورج اور اس کے سایوں سے نمازوں کے اوقات کا پتہ چلاتے تھے یا مؤذن کی اذان سن کر مسجد کی طرف آتے تھے، اُس دور میں وقت اوپر نیچے ہو جانا بعید نہیں تھا، اب چونکہ باہمی مشاورت سے وقت طے ہو جاتا ہے، نیز دور بھی بڑی تیزی کا ہے۔ ہر شخص بہت سی مصروفیات میں گھرا ہوا ہے اور منٹ منٹ کا شیڈول رکھتا ہے، اس لیے ائمہ کرام کو طے شدہ اوقات میں بروقت نماز کرانی چاہیے، اسے کوئی پابندی یا دباؤ نہ سمجھا جائے، بلکہ یہ دیکھا جائے کہ اگر گھڑیاں نہ ہونے کے باوجود ہمارے سلف صالحین نماز کا بروقت اہتمام کرتے تھے تو گھڑیوں کی موجودگی میں ہم تاخیر کیوں کریں، آپ ﷺ پر ایک ہی وقت میں کئی مصروفیات اور اہم ترین ذمہ داریاں تھیں، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جن ائمہ کرام کی 24 گھنٹے میں ذمہ داری محض یہی ہے کہ وہ پانچ نمازیں پڑھا دیں تو وہ تاخیر کر جاتے ہیں، پھر مقتدی حضرات خصوصاً انتظامیہ کو غصہ کیوں نہ آئے۔(۱)

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ:

(۱) صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد کی کمیٹی اور ذمہ داران نے یہ طے کر دیا ہے کہ اب ایک دو منٹ کی تاخیر کی گنجائش نہیں ہے اور فجر کی نماز بھی پابندی سے پڑھانی ہوگی تو کمیٹی کو شرعاً اس کا اختیار حاصل ہے، آپ کے لیے اس کی پابندی لازم ہوگی۔

(۲) جب آپ سات سال سے امامت کر رہے ہیں تو امامت ترک نہیں کرنی چاہیے؛ البتہ نماز متعینہ وقت پر پڑھانے کا اہتمام کرنا چاہیے؛ بلکہ وقت سے کچھ پہلے مسجد پہنچ جانا چاہیے، آج کل ایک دو منٹ کی تاخیر بھی مقتدیوں کے لیے کلفت اور اذیت کا سبب بنتی ہے

---

(۱) محدث فورم، محمد نعمان فاروقی صاحب

اور فجر کی نماز میں بھی مسجد میں حاضر ہونا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(۱)

پابندی نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں میں وحشت پیدا ہوجاتی ہے، مخالفین پیدا ہوجاتے ہیں، ایک غلطی دوسری غلطی کی طرف نشاندہی کردیتی ہے، شرعی معاہدہ کے بھی خلاف ہے۔

(۱۳) سنتیں مسجد میں پڑھنے کا اہتمام کریں

مسجد میں سنن قبلیہ اور بعدیہ کا اہتمام کریں، اگرچہ گھر میں پڑھنا افضل ہے لیکن امام کے لیے موجودہ زمانے میں مسجد میں پڑھنا چاہئے، آپ گھر میں کتنی بھی نمازیں پڑھ لیں، مسجد میں نہیں پڑھیں گے تو آپ کو لوگ تارکِ سنت ہی سمجھیں گے، اس کی مثال وتر کی نماز تہجد کے بعد پڑھنا افضل ہے جسے بیدار ہونے کی امید ہو مگر رمضان میں تراویح کے بعد پڑھنا افضل ہے، جبکہ رمضان میں تہجد کا ہونا عموماً یقینی ہے گیارہ مہینوں کے مقابلے میں جبکہ گیارہ مہینے تہجد میں اٹھنا متوقع نہیں ہے، کیونکہ جماعت کے ساتھ وتر کی نماز پڑھتی ہے، جب قوم اجتماعی طور پر کوئی کام کررہی ہے آپ اس موقع پر اکیلے نہیں ہوسکتے، قوم ساری کی ساری پہلے آکر سنتیں پڑھ رہی، قوم فجر سے پہلے آکر سنتیں پڑھ رہی ہے، وہاں آکر سیدھا فرض پڑھادینا بدگمانی کا سبب ہے۔

(۱۴) مسجد سے دروس کا اہتمام کریں

ہر مسجد میں فضائل کی تعلیم ہوتی ہے، کہیں پانچ منٹ کا مدرسہ ہے، کہیں فضائل اعمال وغیرہ، اس تعلیم کے ساتھ آپ اپنے ذمے میں کچھ دروس لازم کرلیں، بالخصوص جو ائمہ کرام علماء ہیں وہ درس قرآن، درس حدیث، درس فقہ میں سے کسی ایک درس کا اہتمام کریں، ہفتے کے چھ دن درس فضائل چلے گا، ایک دن درس قرآن ہوگا، لوگ قرآن سے جڑتے ہیں، لوگ مسئلے مسائل سے جڑتے ہیں تو گمراہ لوگوں کو یوٹیوب پر سن کر نہیں بھٹکیں گے، عوام مسائل

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 607823

سے ناواقف ہونے کی وجہ سے طلاق کا،میراث کی تقسیم کا،تجارت کا غلط طرزِ عمل اپنا چکے ہیں، جھگڑے کرلیں گے اس کے بعد مولوی صاحب سے کہیں گے غصے میں تھا،طلاق دے دیا،ا نہیں پہلے بتانا چاہیے کہ طلاق کیسے دینا چاہیے طلاق کے طریقوں میں سے عوام یہ سمجھتی ہے کہ تین بار بولیں تو ہی طلاق واقع ہوگی،کئی مسائل ایسے ہیں جن میں مسئلہ ہاتھ سے نکل جانے کے بعد حل پوچھنے کی فکر ہوتی ہے،اب اگر علما اس کا حل نہیں نکالیں گے تو شریعت کے ترجمانوں پر انگلیاں اور بدگمانیاں شروع ہوجاتی ہیں۔

امام ضروری درجہ کا دین سکھانے کا مکلف ہے

مسجد کا امام،مسجد سے تعلق رکھنے والے عام لوگوں اور اہل محلہ کا دینی پیش وااور مربی ہوتاہے،اس کی ذمہ داریوں میں صرف نماز پڑھانا ہی نہیں ،بل کہ متعلق لوگوں کی دینی تربیت بھی داخل ہے،وہ اگر اپنی ذمہ داری محسوس کرکے پورے اخلاص اور مکمل منصوبہ بندی اور ایک جامع نظام تربیت کے ساتھ اہل محلہ کی دینی تربیت کا کام شروع کردے تو اس کی محنت سے سارے محلے میں دینی انقلاب آسکتا ہے اور لوگوں کی زندگیاں بدل سکتی ہیں۔

اس تربیتی مہم امور میں جو امور بطور شامل ہونے چاہئیں اور جو امام اور خطیب مسجد کی دینی محنت کو بارآور بنانے میں معاون بن سکتے ہیں،ان میں سب سے زیادہ اہمیت ’’سلسلہ دروس‘‘ کو حاصل ہے۔قرآن وحدیث کا درس اپنے اندر ایک انقلاب آفرین تاثیر رکھتا ہے اور اسی سے اجڑی زندگیوں میں تعمیر کردار کے تابندہ نقوش ابھر سکتے ہیں،ہفتہ کے ایام کو درس قرآن،درس حدیث اور فقہی مسائل میں تقسیم کردیا جائے۔مثلاً : تین دن درس قرآن، دودن درس حدیث اور ایک دن فقہی مسائل کے لیے رکھا جائے۔۔۔۔اور پورے اہتمام اور تیاری کے ساتھ درس دیا جائے،عام فہم اسلوب اور لوگوں کے مزج وماحول کو سمجھ کر انداز گفتگو اختیار کیا جائے،تو بڑی تیزی کے ساتھ اہل محلہ پر اس کے بہترین آثار ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گے۔

البتہ اس بات کا خیال رہے کہ درس کا دورانیہ بہت زیادہ طویل ہونے کے بجائے مختصر ہو اور مقررہ وقت میں درس ختم کرنے کی پابندی کی جائے، مختصر وقت میں مرتب اور منظم گفتگو کی جائے تو اس کا اثر لمبے بیانات سے بسا اوقات زیادہ ہوتا ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد ہے :''ماقل و کفی خیر مما کثر و الھی ''''کفایت کرنے والی کم گفتگو، مشغول کردینے والی لمبی گفتگو سے بہتر ہے۔''

دروس کا فائدہ

محلے کا ہر فرد جس طرح کھانا پینا اپنے ذمہ سمجھتا تھا اسی طرح مسجد سے اپنی روحانی غذا ان تعلمی حلقوں میں بیٹھ کر حاصل کرنا ضروری سمجھتا تھا جس کے نتیجے میں اس امت کا ہر فرد شرک کے گناہ سے بچتا تھا اس لیے کہ تعلیمی حلقوں کے ذریعے اس کے عقائد کی اتنی اصلاح ہو جاتی تھی کہ وہ قبر پرستی، شخصیت پرستی، باطل کے تمام حربوں اور چالوں سے بچنے کے لیے ان تعلیمی حلقوں کے ذریعے اپنی حفاظت کر لیتا تھا۔

کاش! ائمہ حضرات دوبارہ اپنی اپنی مساجد میں ایسی ترتیب بنالیں کہ محلے کا ہر شخص ان تعلمی حلقوں میں بیٹھے اور ہماری مساجد یں دوبارہ ان تعلیمی حلقوں سے آباد ہو جائیں اور مساجد پر کسی وقت بھی تالا نہ لگے۔

لہذا ائمہ کرام کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گذارش ہے کہ وہ اپنی مساجد میں صبح تا شام تعلیمی حلقے قائم کریں، مساجد میں تعلیمی حلقے قائم کرنے سے معاشرے کی بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں گی، آپ کے محلے میں امن وامان قائم ہوگا، رحمت و برکت کی فضا قائم ہوگی، آپس میں تعاون، اخوت (بھائی چارہ) قائم ہوگا۔

مساجد جامعات ہوا کرتے تھے

حرمین شریفین اور مصر میں جامع عمر بن عاص ؓ و دمشق میں جامع اموی، بغداد میں جامع

المنصور، مغرب میں جامع القرون کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام جوامع علماء و دعاۃ اور واعظین کی کھیپ تیار کرتے تھے، وہاں درس ووعظ کے بڑے بڑے حلقے لگتے تھے، ان جوامع میں مستند علمی کتب کی بڑی بڑی لائبریاں ہوتی تھیں، تونس کی ''جامعہ زیتونہ'' میں علوم وفلسفہ کی مختلف کتب پر ایک عظیم الشان لائبریری تھی، جہاں دو لاکھ سے زائد کتابیں اس زمانے میں تھیں، جامعہ الازہر جو بعد میں یونیورسٹی کی شکل اختیار کرگئی، یہ جامع الازہر تھی جہاں پنج وقتہ نماز ہوتی اور دیگر اسلام کے شعائر وعبادات کی بجا آوری ہوتی تھی۔

عہدِ صحابہؓ وتابعینؒ میں مساجد میں دروس کا نظام

☆ حضرت ابو ادریس خولانیؒ فرماتے ہیں کہ ''المساجد مجالس الکرام'' یعنی مسجدیں اعیان واشراف کی مجالس ہیں۔(۱)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے علماء کو حکم دیا تھا کہ اپنی مساجد میں علم کی نشر وشاعت کریں، (مساجد میں تعلیم وتعلم والی) سنت مٹ رہی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے عامل جعفر بن برقان کو لکھا کہ تم اہل وقف کو حکم دو کہ اللہ نے ان کو علم دیا ہے اس کی اشاعت اپنی مجالس اور مساجد میں کریں

☆ امام بخاریؒ نے ''باب ذکر العلم والفتیا فی المساجد'' قائم کیا ہے۔(۲)

☆ حضرت خطیب بغدادیؒ نے اپنی کتاب ''الفقہ والمتفقہ'' میں فصل ''تدریس الفقہ فی المساجد'' قائم کیا ہے اور اس باب میں بہت سے واقعات اس سلسلہ میں لکھے ہیں۔

☆ قاضی ابن خلاد رامہرمزی نے ''المحدث الفاصل بین الراوی والداعی'' میں عقد المجالس فی المساجد'' کا باب باندھا ہے۔

☆ عہد صحابہ میں مسجد نبویؐ میں جگہ جگہ تعلیمی حلقے قائم ہوتے تھے، جن میں مقامی اور

(۱) حلیۃ الاولیاء، ذکر طبقۃ من تابعی اھل الشام: ۱۴۱/۵
(۲) صحیح بخاری، کتاب العلم: ۲۵/۱

بیرونی طلبہ کی کثرت ہوتی تھی، مسجد نبوی میں مجلسوں اور حلقوں کا ذکر بڑے فصیح وبلیغ اور والہانہ انداز میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ایک شاگرد نے یوں کہا : اس مسجد میں میرا وہ دور گذرا ہے جب یہ باغیچہ کے مانند تھی تم اس کے جس حصہ میں چاہوں بیٹھ جاؤ۔

"عھدی بھذاالمسجد وانه کمثل الروضة اختر منھا حیث شئت"(۱)

☆ حضرت ابوالاحوصؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ ان کی مجالس مسجدوں میں منعقد ہوتی تھیں۔(۲)

☆ حضرت جندب بن عبداللہ بجلیؒ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ گیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں جا کر دیکھا تو لوگ آپس میں حدیث کے سیکھنے اور سیکھانے میں مشغول ہیں۔(۳)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک شخص نے جہاد میں شرکت کے لیے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو اس سے اچھی بات نہ بتاؤ؟ تم مسجد بناؤ اور اس میں فرائض سنت اور "تفقہ فی الدین" کی تعلیم دو۔(۴)

☆ علامہ ابن الحاج "المدخل" میں فرماتے ہیں :

مسجد میں تعلیم کا حلقہ لگنا افضل ہے، کیوں کہ اس میں طلب علم کا قصد کرنے والے اور نہ قصد کرنے والوں دونوں کے حق میں زیادہ فائدہ ہے، بخلاف مدرسہ کے کہ وہاں صرف علم کا طالب یا استفتاء کرنے والا ہی آئے گا۔ اس لیے مسجد کے بجائے مدرسہ میں تحصیل علم سے اس کی اشاعت کم ہوگی۔

"أخذالدرس فی المسجد أفضل ،لأجل کثرة الانتفاع بالعلم لمن قصده ومن لم یقصده ،بخلاف المدرسة فانه

(۱) المحدث الفاصل :۱۸۰

(۲) الفقه والمتفقه للخطیب بغدادی: ۲/۱۲۹

(۳) طبقات ابن سعد: ۳/۵۰۰

(۴) جامع بیان العلم: ۱/۲۱

لایأتی الیها الامن قصدالعلم أو الاستفتاءفأخذه فی المدرسة أقل رتبة فی الانتشار منه فی المسجد"(۱)

☆ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے زمانۂ خلافت میں علماء کے لئے ایک عام حکم جاری کیا تھا کہ اپنی مسجدوں میں علم کی نشر و اشاعت کریں، مساجد میں تعلیم وتعلم والی سنت مٹ رہی ہے، چنانچہ انہوں نے اپنے "گورنر جعفر بن برقان" کو لکھا "تم اہل علم وفقہ کو حکم دو کہ اللہ نے جو انہیں علم دیا ہے اس کی اشاعت اپنی مساجد اور مجالس میں کریں۔(۲)

☆ مولانا حکیم عبدالحئیؒ صاحب فرماتے ہیں:

ہمارے پیر و مرشد روحی فداہ (ﷺ) نے خاک پاک مدینہ میں جو پہلی مسجد یں دنیا میں ہوئیں ان ہی کو آپ مدارس سے تعبیر کرسکتے ہیں، تعلیم کا پرانا طریقہ یہ تھا کہ استاذ مسجد میں آکر بیٹھ جاتا اور اسی کے ارد گرد شاگردوں کا حلقہ بن جاتا اساتذہ خالصاً لوجہ اللہ تعلیم دیتے اور ان کے شاگرد چٹائیوں پر بیٹھ کر اور چراغ جلا کر تحصیل علم کرتے تھے، بڑے بڑے شہزادوں کو بھی علم کا ذوق ہوتا تھا تو وہ مسجدوں میں جا کر اور اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہ کرکے بیٹھتے تھے، یہی طریقہ چوتھی صدی ہجری تک علی العموم جاری رہا۔

مساجد میں صحابہ کرامؓ کے مراکز

وہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعینؒ جنہوں نے مسجد نبویؐ ہی کو اپنی تعلیم کے لیے مرکز بنالیا تھا ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

☆ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: جابر بن عبداللہ کا حلقہ مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا ان سے علم دین حاصل کیا جاتا تھا۔

"کان لجابربن عبدالله حلقة فی المسجدیعنی النبوی

---

(۱) المدخل: ۱/ ۲۰۲

(۲) مساجد کی شرعی حیثیت اور ائمہ کرام کی ذمہ داریاں: ۴۴

یؤخذعنه العلم"۔(۱)

☆ زید بن ثابتؓ کا بھی تعلیمی حلقہ مسجد نبوی میں لگتا تھا اور ان کے حلقے کے بارے میں صاحب ''تذکرۃ الحفاظ'' نے زید بن ثابتؓ کے شاگرد ثابت بن عبیدؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: میں نے کسی شخص کو اپنے گھر میں حضرت زیدؓ سے زیادہ ہنسی مزاح کرنے والا اور مجلس میں ان سے زیادہ باوقار نہیں دیکھا۔

"ما رایت رجلا أفکه فی بیته و لا أوقر فی مجلسه من زید"(۲)

☆ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بھی مسجد نبوی میں ہی بیٹھ کر درس دیتے تھے، ان کے بارے میں عمرو بن دینارؒ فرماتے ہیں: ''میں نے عبداللہ بن عباسؓ کی مجلس سے زیادہ باقار مجلس کوئی اور نہیں دیکھی ان کی مجلس حلال وحرام کے احکام، عربی فصاحت، انساب اور اشعار سے معمور رہتی تھی۔

"ما رأیت مجلسا أجمع لکل خیر من مجلس ابن عباس الحلال والحرام والعربیة"(۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی مسجد نبوی کو اپنے اشاعت علم کا مرکز بنایا تھا، وہ صبح سے چاشت تک مسجد نبوی میں قبلہ رو بیٹھ کر احادیث کا درس دیتے تھے۔ ان کے بارے میں ان کے غلام وشاگرد حضرت نافعؒ فرماتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد نبوی میں چاشت کے وقت تک بیٹھتے تھے اس وقت نماز (چاشت) نہیں پڑھتے تھے (بل کہ درس دیتے رہتے) پھر اٹھ کر بازار جاتے اور اپنی ضروریات پوری کرکے واپس مسجد نبوی میں آ کر دو رکعت نماز پڑھتے اس کے بعد پھر اپنے گھر میں داخل ہوتے۔

"انه کان یجلس فی مسجد رسول الله ﷺ حتی یرتفع

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱/ ۲۱۳

(۲) الاصابة فی تمییز الصحابة: ۱/ ۵۶۱

(۳) ذخائر العقبی فی مناقب ذوی القربی: ۱/ ۲۳۰

الضحی ولا یصلی ،ثم ینطلق الی السوق فیقضی حوائجه
ثم یجیء الی أهله فیبدأ بالمسجد ،فیصلی رکعتین ثم یدخل
بیته"(۱)

☆ عقیل بن ابی طالبؓ حضرت علیؓ کے بھائی تھے ان کی بھی مجلس مسجد نبوی میں منعقد ہوتی تھی۔

آپؓ کے بارے میں بھی حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں : "ان سے لوگ یہ باتیں مسجد مدینہ (مسجد نبوی) میں حاصل کرتے تھے۔

"وکان الناس یأخذون ذلک عنه بمسجد المدینة"(۲)

☆ اسلم عدویؒ کے بعد ان کے بیٹے زید بن اسلم عدویؒ متوفی ۱۳۶ھ نے مجلس علم کو باقی رکھا، علامہ ذہبیؒ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: "وکانت له حلقة للعلم بالمسجد النبوی "ان کا حلقہ علم مسجد نبوی میں قائم ہوتا تھا۔

☆ حضرت ابن عمرؓ کے شاگرد حضرت نافعؒ کی بھی ابتداءً مجلس علم مسجد نبوی ﷺ میں لگتی تھی، مگر جب آپ آنکھوں سے معذور ہو گئے تو اپنے گھر جو جنت البقیع کے وہاں ہی درس دیتے تھے، امام ذہبیؒ "تذکرۃ الحفاظ" میں امام مالکؒ کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "میں نافعؒ کے یہاں آتا تھا اس وقت میں نو عمر لڑکا تھا، میرے ساتھ خادم ہوتا تھا، وہ اوپر سے اتر کر مجھ سے حدیث بیان کرتے تھے اور صبح کے بعد مسجد نبوی میں بیٹھا کرتے تھے اس وقت ان کے پاس کوئی شخص نہیں آتا تھا اور سورج نکلنے کے بعد اٹھ جاتے تھے، سالم بن عبداللہؒ کی زندگی میں فتویٰ نہیں دیتے تھے۔

"کنت آتی نافعا وأنا غلام حدیث السن ،معی غلام فینزل
ویحدثنی، وکان یجلس بعد الصبح فی المسجد لا یکاد

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۴/ ۱۴۷

(۲) الاصابہ: ۲/ ۴۹۴

یأتیه أحدفاذاطلعت الشمس قام،وکان فی حیاة سالم لایفتی"۔(۱)

☆ تین بھائی حضرت موسیٰ بن عقبہ،حضرت ابراہیمؒ بن عقبہ،اورحضرت محمد بن عقبہؒ یہ تینوں علم کی اشاعت کے لیے مسجد نبوی میں بیٹھا کرتے تھے : حضرت ابراہیمؒ حضرت موسیٰ اورمحمدؒ کا حلقہ بھی مسجد نبوی میں قائم تھااور یہ سب کے سب فقیہ اور محدث تھے اور موسیٰؒ فتویٰ بھی دیتے تھے۔

"کان لابراهیم وموسی ومحمدبن عقبة حلقة فی مسجد رسول اللهﷺوکانواکلهم فقهاءومحدثین وکان موسی یفتی"(۲)

☆ حضرت محمد بن عجلانؒ کی بھی مجلس علم نبوی میں منعقد ہوتی تھی،ان کے بارے میں علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "وہ مفتی،فقیہ،عالم،عابد،ربانی بڑی قدرومنزلت والے تھے،مسجد نبوی میں ان کا بڑا حلقہ تھا۔

" وکان مفتیافقیها،عالماعابداً،ربانیاً،کبیرالقدرله حلقة کبیرةفی مسجدالنبویﷺ"(۳)

☆ حضرت عبدالرحمن بن ہرمزیؒ کا حلقہ درس مسجد نبوی اوران کے مکان میں دونوں جگہ قائم ہوتا تھا،حضرت امام مالکؒ سات سال تک ان کے حلقۂ درس میں بیٹھتے تھے،اس درمیان کسی اور درس گاہ میں نہیں گئے۔(۴)

یہ چند مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ اور بعد کے لوگوں نے مسجد نبوی کے اندر

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ،طبقۃ ثالثۃ: ۱/ ۱۰۰

(۲) تھذیب الکمال: ۲۹/ ۱۲۱،الطبقۃ الخامسۃ

(۳) تذکرۃ الحفاظ،طبقۃ خامسۃ: ۱/ ۱۶۵

(۴) خیرالقرون کی درسگاہیں : ۲۹۳

بیٹھ کر تعلیم اور اشاعتِ علم کا علم بلند کیا۔

مسافرت میں بھی حلقۂ دروس کا اہتمام

صحابہ کرامؓ اور اسلافِ امت جہاں جہاں گئے وہاں کی مسجد میں ہی بیٹھ کر اشاعتِ علم کا علَم بلند کیا، مثلاً:

☆ جب حضرت ابوالدرداءؓ دمشق تشریف لے گئے تو وہاں انہوں جا کر جامع مسجد دمشق میں اپنا مسکن اور ٹھکانہ بنایا۔

عبد القادر مغربیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوالدراءؓ فجر کے بعد جامع مسجد دمشق میں بیٹھتے تھے، طلبہ قرآن پڑھنے کے لیے ان کو گھیر لیا کرتے تھے، حضرت ابو درداءؓ دس دس طلبہ کی جماعت بنا کر ان میں ایک نگران مقرر فرما کر خود محراب میں بیٹھ جاتے اور طلبہ کی نگرانی فرماتے، ایک دن حضرت ابو درداءؓ نے طلبہ کا شمار کیا تو ان کی تعداد سولہ سو نکلی۔(۱)

☆ حضرت عبد الرحمن بن غنمؓ حضرت معاذ بن جبلؓ کے علم کے امین ہیں، ان کا حلقہ بھی جامع مسجد دمشق میں ہی ہوتا تھا، علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ عبد الرحمن بن غنمؓ سے شام کے تابعینؒ نے علم حاصل کیا۔ یہ نہایت جلیل القدر راو رصادق علم تھے۔(۲)

☆ حضرت ابوادریس خولانیؒ کی بھی مجلس علم دمشق کی جامع مسجد میں قائم ہوتی تھی۔ جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی شریک ہوتے تھے ان کے بارے میں مکحولؒ شامی فرماتے ہیںؒ:

جامع مسجد دمشق میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کا حلقہ ہوتا تھا۔ سب حضرات قرآن پڑھتے تھے اور جب سجدہ کی آیت آجاتی تو ابوادریس خولانیؒ کو بلاتے اور وہ اس کو پڑھ کر سجدہ فرماتے، ان کے ساتھ تمام اہل درس سجدہ کرتے۔

---

(۱) (خیر القرون کی درسگاہیں: ۲۱۰

(۲) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۴۱۸/۲

"کانت حلقة من اصحاب النبیﷺ یدرسون جمیعاً فاذا بلغوا سجدة بعثوا الی أبی ادریس الخولانی فیقرءھاثم یسجدفیسجدأھل المدارس"(۱)

☆ حضرت ابوعمروشیبانیؒ کی علمی مجلس کوفہ کی جامع مسجد میں لگتی تھی ان کے بارے میں عاصم بن بہدلہ فرماتے ہیں: ابوعمرو شیبانی کوفہ کی جامع مسجد اعظم میں قرآن کا درس دیتے تھے"۔ "کان أبو عمرو الشیبانی یقرءالقرؤن فی المسجدالأعظم"۔(۲)

☆ حضرت عمرو بن دینارؒ اصلاً یمنی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم کے خصوصی اصحاب میں شمار کیے گئے، کثیر الحدیث، ثقہ وثبت، عالم ومفتی تھے، ان کا حلقۂ درس مسجد حرام میں قائم ہوتا تھا جو آخری زمانے تک جاری رہا، حضرت عمرو بن دینارؒ حدیث کے معانی بیان کرتے تھے، حضرت سفیان عیینہؒ کہتے ہیں: عمرو بن دینا حدیث کے معانی بیان کرتے تھے اور وہ خوب سمجھنے والے"فقیہ" تھے۔

شیخ عبداللہ قاسم الوشلی نے اپنے رسالے"المسجد ودوره التعلیمی"۔۔۔میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں مسجدوں میں تعلیمی حلقوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔(۳)

ائمہ کرام کی تعلیمی ذمہ داری اور مولانا الیاس صاحبؒ کا ملفوظ

آج ہم نے سارا بازار اور ساری تجارت جاہلوں کے حوالہ کردی ہے، جب تک ہم تجارتوں، زراعتوں، حکومتوں کو اور دنیا جہان کے تمام سرمایہ داری کے نقشوں کو یہ سمجھ کر چھوڑے رکھیں گے کہ یہ ہمارے کرنے کے کام نہیں ہیں، تو خدا کی قسم! اس میں کبھی دین نہیں آسکتا، کیسا مزا آوے کہ ایک عالم خود عملی طور پر بازار جا کر دیکھے کہ علم کے مطابق تجارت

(۱) الآحاد والمثانی: ۳۳۸/۵

(۲) (تذکرۃ الحفاظ، الطبقۃ الثانیۃ: ۶۷/۱

(۳) بحوالہ: تحفۃ الأئمہ :۲۸۸

ہو رہی ہے یا نہیں؟ یہ کتنے بڑے نقصان کی بات ہے کہ ایک آدمی تجارت کا علم حاصل کرے اور اس کے محلہ کا بازار علم کے مطابق نہ ہو، اگر ایسا نہ کیا گیا تو جو حرام راستہ کی کمائیاں ہیں وہ سب علم وعمل کو لے ڈوبیں گی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ: ''ہم تجارت چھڑوانا نہیں چاہتے بلکہ تجارت کو حکم پر لانا چاہتے ہیں، ورنہ وہ ہوگا جو قوم شعیب کے ساتھ ہوا۔'' حکم پر لانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ عملی طور پر ان شعبوں کا علم لے کر ان میں داخل ہوں۔

امام وکیعؒ کا بالغان کو تعلیم دینے کا اہتمام

امام وکیع بن جرّاحؒ کے متعلق ان کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ ''میرے والد ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، بعد فجر درسِ قرآن و درسِ حدیث چاشت کے وقت تک پڑھاتے، نمازِ ظہر کے بعد اس سڑک کی طرف چلنے کا معمول تھا جدھر سے پانی بھرنے والے پانی بھر بھر کر شہر کی طرف لاتے تھے، وہاں ہر ایک سے دریافت کرتے کہ قرآن کتنا یاد ہے؟ جسے یاد نہ ہوتا اسکو قرآن کی اتنی سورتیں یاد کرادیتے جو نماز پڑھنے کے لئے کافی ہوں، عصر تک یہی کام کرتے، نمازِ عصر کے بعد مسجد میں درسِ قرآن دیتے۔(۱)

امام منذریؒ کی فکرِ تعلیم

امام عبد العظیم بن عبد القوی المعروف امام منذریؒ ''الترغیب والترهیب'' کے مصنف امام منذریؒ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، قاہرہ کے مشہور مدرسہ ''دارالحدیث کاملہ'' میں بیس سال تک حدیث کے شیخ رہے، جہاں پڑھاتے، وہاں سے بالکل نہ نکلتے، نہ کسی کی تعزیت کرنے جاتے اور نہ تہنیت و مسرت کے موقع پر نکلتے، زندگی بھر ایک ہی چیز کو اپنایا اور عمرِ عزیز کو اسی میں صرف کیا، یعنی مشغلۂ علم، حتی کہ ان کے صاحبزادے رشید الدین کا جب انتقال ہوا جو خود ایک زبردست عالم تھے تو مدرسہ کے اندر ان

---

(۱) متاعِ وقت اور کاروانِ علم: ۱۶۰، تاریخ بغداد، ترجمہ: وکیع بن الجرّاح بن ملیح: ۱۳/۴۷۶)

کی نمازِ جنازہ پڑھائی، جب جنازہ اٹھایا گیا تو مدرسہ کے دروازے تک آئے، اشک بار آنکھوں کے ساتھ کہنے لگے: ''اب تو اللہ کے حوالے ہے'' وہیں سے واپس ہوئے اور مدرسہ سے نہ نکلے۔(۱)

جنید بغدادیؒ کا سبق آموز واقعہ

حضرت جنید بغدادیؒ کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک روز وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آیا اور کہا: ''حضرت آپ کا وعظ شہر ہی میں کام کرتا ہے یا جنگل میں بھی کچھ تاثیر بخشتا ہے؟

آپ نے حال پوچھا، اس نے عرض کیا: ''چند لوگ فلاں مقام پر جنگل کے اندر مصروفِ رقص وسرور اور دورِ شراب سے مخمور ہیں۔'' آپ نے اسی وقت منہ لپیٹ کر جنگل کی راہ لی۔ جب آپ قریب پہنچے تو وہ لوگ بھاگنے لگے۔ فرمایا: ''بھاگو مت''، میں بھی تمہارا ہم مشرب ہوں ہمارے لیے بھی لاؤ، شہر میں تو پی نہیں سکتے، پوشیدہ طور پر یہاں آئے ہیں۔'' ان لوگوں نے کہا: ''افسوس ہے! کہ اس وقت شراب نہیں رہی، فرمائیں! تو شہر سے منگوا دی جائے حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا: کیا میں تمہیں کوئی ایسی بات نہیں آتی کہ شراب خود بخود آجایا کرے؟''

وہ بولے: ''صاحب یہ کمال تو ہم میں نہیں۔'' فرمایا: ''آؤ تم کو ایک ایسی بات سکھادوں کہ شراب خود بخود آجائے، پھر شراب کا مزا دیکھو۔'' وہ سب مشتاق ہوئے کہ یہ کمال تو ضرور بتادیجئے! فرمایا: ''اچھا اول نہاؤ، پھر کپڑے بدل کر میرے پاس آؤ۔'' سب نے غسل کیا۔ کپڑے دھوئے، اور پاک وصاف ہو کر آموجود ہوئے، تب فرمایا: ''سب دو رکعت نماز پڑھو۔'' جب وہ نماز میں مشغول ہوئے تو آپ نے دعا مانگی: ''یا خدایا! میرا تو اتنا ہی کام تھا کہ تیرے حضور کھڑا کر دیا، اب تجھے اختیار ہے، خواہ ان کو گمراہ کر، خود ہدایت بخش۔'' چناں چہ

(۱) طبقات الشافعیہ الکبریٰ للسبکی، ترجمہ: عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ ۸/۲۶۰

حضرت کی دعامنظور ہوئی اور سب ہدایت کامل سے مستفیض ہوئے۔(۱)

آندھرا پردیش کے ایک امام صاحب کی محنت

آندھرا پردیش علاقے کے ایک صالح جواں سال عالم دین کی مسجد میں امامت اور دیگر دینی امور کے انجام دہی کی شاندار کارگذاری ہم سب توجہ سے پڑھیں اور اللہ کے حضور دین کے کام کرنے اور اس کے مقبول ہونے کی دعا کریں۔(موصوف نے نام لکھنے سے منع فرمایا ہے۔)

ہماری مسجد میں فجر بعد تفسیرِ قرآن ہوتا ہے روزانہ پندرہ منٹ بس عصر بعد معارف الحدیث پڑھ کر سناتا ہوں جس میں کتاب الطہارت سے شروع کیا اور اب کتاب النکاح تک پہنچ چکا ہوں جن میں روزانہ عصر بعد فضائل کے ساتھ ساتھ مسائل بھی اس کتاب میں ملتے رہتے ہیں، پھر ہم کتاب المسائل وغیرہ سے مطالعہ کر کے اس مضمون سے متعلق مسائل کو عام فہم انداز میں زبانی بیان کرتے ہیں اس قدر فائدہ ہوا کہ مسجد میں تیس پینتیس سال سے فاتحہ اور جمعہ بعد دعاء ثانی اور جنازے کی بدعات وغیرہ ہماری مسجد میں سب ختم ہوگئیں الحمدللہ نیز جب شعبان آتا ہے تو تفسیر موقوف ہو جاتی ہے اور مسائلِ رمضان (روزہ تراویح، اعتکاف، زکاۃ) فضائل کے ساتھ فجر بعد اور عصر بعد چلتا رہتا ہے بقرعید آتی ہے تو اس سے دس پندرہ دن قبل سے ہی قربانی کے فضائل ومسائل بیان ہوتے ہیں اور ساتھ میں حج کے فضائل اور اہم ارکان کی تشریح بھی لوگ بڑی دل چسپی کے ساتھ سنتے ہیں بیٹھتے ہیں اہم دعائیں مسجد کے بورڈ پر عربی اور تیلگو زبان میں لکھی جاتی ہیں اور بھی بہت سے کام مسجد میں ہوتے ہیں ۔ الحمداللہ۔

نوٹ:-ایک کام ایسا بھی کرتا ہوں کہ جب کبھی نماز میں سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے تو نماز کے بعد، اس نماز میں سجدہ سہو کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی وہ بھی اعلان کر کے

(۱) مخزن اخلاق :۳۰۸

سمجھا دیتا ہوں جس سے لوگوں کو نئی چیزیں سننے کو گاہ بگاہ (سال میں ایک دو بار) سننے کو ملتی ہیں، پھر وہ معلوم بھی کرتے ہیں خود سے کہ ہمیں تو آج ہی پتا چلا کہ ایسا بھی مسئلہ ہوتا ہے نماز میں، پھر ہمیں موقع نصیب ہو جاتا ہے ان کی تعلیم کا اور ہم ان کو واٹس ایپ سے جوڑ کر روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے مسائل سکھاتے ہیں۔

نہ سکھانے والے عالم اور نہ سیکھنے والے جاہل کیلیے وعید

حضرت مولانا یوسف کاندہلوی ؒ نے ''حیاۃ الصحابہ'' جلد سوم میں ایک عنوان'' التھدید علی علم لا یعلم وعلی جاہل لا یتعلم '' کے نام سے باندھا ہے جس کا ترجمہ حضرت مولانا احسان الحق صاحب نے اس طرح فرمایا : ''نہ سکھانے والے عالم اور نہ سیکھنے والے جاہل کے لیے وعیدیں''

حضرت ابزی خزاعی ابو عبد الرحمن ؓ فرماتے ہیں کہ ۔۔۔۔۔۔ایک دن حضور ﷺ نے بیان فرمایا اور مسلمانوں کی چند جماعتوں کی خوب تعریف کی۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا : ''کیا بات کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ اپنے پڑوسیوں میں دین کی سمجھ پیدا کرتے ہیں اور نہ ان کو سکھاتے ہیں اور نہ انہیں سمجھ دار بناتے ہیں اور نہ ان کو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور نہ انہیں برائی سے روکتے ہیں اور کیا بات ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اپنے پڑوسیوں سے دین کی سمجھ حاصل نہیں کرتے اور ان سے سیکھتے نہیں اور سمجھ وعقل کی باتیں حاصل نہیں کرتے؟

اللہ کی قسم ! یا تو یہ لوگ اپنے پڑوسیوں کو سکھانے لگ جائیں اور انہیں سمجھ دار بنانے لگ جائیں اور ان میں دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرنے لگ جائیں اور انہیں بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے لگ جائیں اور دوسرے لوگ اپنے پڑوسیوں سے سیکھنے لگ جائیں اور ان سے سمجھ وعقل کی باتیں حاصل کرنے لگ جائیں اور دین کی سمجھ حاصل کرنے لگ جائیں ورنہ میں انہیں اس دنیا میں جلد سزا دوں گا۔'' پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور اپنے

گھر تشریف لے گئے ۔لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ کیا خیال ہے حضور ﷺ نے کن کن لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے؟

تو کچھ لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں تو قبیلہ اشعر کے لوگوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے ،کیوں کہ وہ خود دین کی سمجھ رکھتے ہیں اور ان کے کچھ پڑوسی ہیں جو چشموں پر زندگی گزارنے والے، دیہاتی اور اجڈ لوگ ہیں، جب یہ خبر ان اشعری لوگوں تک پہنچی تو انہوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا : یارسول اللہ! آپ ﷺ نے بہت سے لوگوں کی تعریف فرمائی لیکن ہمارے بارے میں آپ ﷺ نے کچھ نہیں فرمایا ہے ۔تو ہماری کیا خامی ہے؟''

حضور ﷺ نے فرمایا : ''لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑسیوں کو سکھائیں، ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور انہیں سمجھ دار بنائیں اور انہیں نیکی کا حکم کریں اور انہیں برائی سے روکیں، اور ایسے ہی دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑسیوں سے سیکھیں اور ان سے سمجھ وعقل کی باتیں حاصل کریں اور دین کی سمجھ حاصل کریں نہیں تو میں ان سب کو دنیا ہی میں جلد سزا دوں گا ۔'' ان اشعری لوگوں نے عرض کیا : ''کیا دوسروں کی غلطی پر ہم پکڑے جائیں گے؟'' حضور ﷺ نے پھر وہی ارشاد فرمایا : تو انہوں نے عرض کیا : ''ہمیں ایک سال کی مہلت دے دیں ۔''

چناں چہ حضور ﷺ نے انہیں ایک سال کی مہلت دی تا کہ وہ ان پڑسیوں کو سکھائیں اس میں دین کی سمجھ پیدا کریں اور انہیں سمجھ دار بنائیں، پھر حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُودَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۔(۱)

بنی اسرائیل میں جو لوگ کافر تھے ان پر لعنت کی گئی تھی حضرت داوٗد اور حضرت عیسیٰؑ

(۱)المائدہ :۷۸۔ ۷۹

کی زبان سے یہ لعنت اس سبب سے ہوئی کہ انہوں نے حکم کی مخالفت کی اور حد سے نکل گئے جو برا کام انہوں نے کر رکھا تھا اس سے باز نہ آتے تھے، واقعہ ان کا فعل بے شک برا تھا۔

شیخ مصطفی السباعی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں :

یہاں پر دو چیزوں کا ذکر کیا گیا، ایک نافرمانی اور حد سے تجاوز کرنا، اور دوسرا برے کام سے نہ روکنے کا، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی لعنت اور عذاب کی موجب بنتی ہیں، چناں چہ ان دو فریقین کو لڑائی اور سزا کا مرتکب قرار دیا گیا، یہاں تک سیکھنے اور سکھانے (تعلیم و تعلم) کے عمل میں لگ جائیں اگر چہ یہ حدیث اشعریین کے بارے میں وارد ہوئی ہے، مگر حضور ﷺ نے اس حکم عام ذکر فرمایا، نہ کہ اشعریین کے ساتھ خاص کیا۔ چنانچہ اس کا حکم عام ہے کسی گروہ یا کسی زمانہ معین کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

"انک لترى فى هذاالحديث من الحقائق مايجدر التنبيه اليها ،أعتبر ذلک عدوانا منكر ايوجبان اللعنة والعذاب ، أعلن الحرب والعقوبة على الفريقين حتى يبادواالى التعليم والتعلّم لئن كانت الحادثة قدوردت بشأن الأشعريين فان الرسول أعلن ذلک المبدءصفةعامة لابخصوص الأشعريين بأن قضية مبدءعامٍ غير مخصوص بفئة ولاعصر معين"۔

لوگوں کی تعلیم کے لئے اپنا نائب تیار کرنے کی سنّت

حضرت عروہؓ فرماتے ہیں : جب حضور ﷺ مکہ سے حنین تشریف لے گئے تو اپنے پیچھے حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ والوں پر امیر بنا کر چھوڑ گئے اور انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ میں لوگوں کو قرآن سکھائیں اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کریں۔ پھر جب وہاں سے مدینہ واپس

جانے لگے تو دوبارہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو مکہ والوں پر مقرر فرمایا۔(۱)

لہٰذا امام صاحب کو چاہیے کہ جب وہ اپنا نائب مقرر کر کے سفر پر جا رہا ہو تو ان کو سمجھائے کہ آپ نے صرف نمازیں نہیں پڑھانی بل کہ جو ذمہداری میری ہے مثلاً عشاء کے بعد درس قرآن دینا، عصر کے بعد قرآن وحدیث کا درس دینا اور فجر کے بعد لوگوں کو دعائیں سکھانا اور ان کی نمازیں درست کرنا یہ بھی آپ کی ذمہ داری میں شامل ہیں۔

آپ اس پر غور کریں گے تو افسوس ہوگا کہ آپ پیچھے بیس سال سے نماز پڑھنے والے احباب ہوں گے۔لیکن اس کی سورۂ فاتحہ غلط ہوگی۔لہٰذا امام صاحب اس کی بھی فکر فرمائیں کہ ہر مقتدی قرآن کریم صحیح پڑھنے والا بن جائے۔اور ہر مقتدی کے گھر والے بیٹے بیٹیاں، یہاں تک کہ خادم خادمائیں باورچی، ڈرائیور، ہر آدمی قرآن کریم کو صحیح طرح پڑھے۔

حدیث شریف میں ہے "اقرؤ والقران بلحون العرب" سے قرآن کریم کو عربوں کے لہجے میں پڑھو۔"(۲)

(۱۵) عوام کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مانوس کریں

مفسرِ قرآن حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک مسلمان کے لئے اپنا جاننا ضروری نہیں جتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا جاننا ضروری ہے، جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں جانتا وہ اپنے ایمان اور اسلام کو کیسے جان سکتا ہے، مومن اپنے وجودِ ایمانی میں سراسر وجودِ پیغمبر کا محتاج ہے، عیاذ باللہ اگر وجودِ پیغمبر سے قطع نظر کر لی جائے تو ایک لمحہ کے لئے بھی مومن کا وجود ایمانی باقی نہیں رہ سکتا۔

مفکرِ اسلام حضرت علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مسلمان صرف تجارت کے لیے پیدا کئے جا رہے تھے تو مکّہ کے ان تاجروں کو جو شام ویمن کا تجارتی سفر کیا کرتے

(۱) مستدرک للحاکم، مناقب احد الفقہاء الستۃ من الصحابۃ: حدیث: ۵۲۴۷

(۲) مجمع الزوائد، کتاب التفسیر، باب القراء بلحون العرب: ۱۶۹۳

تھے، اور مدینہ کے ان بڑے یہودیوں، سوداگروں کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لیے ایک نئی امت کیوں پیدا کی جارہی ہے؟ اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام اور یمن اور عراق کے کاشتکاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ چھونے کا حق تھا کہ کاشت کاری اور زراعت میں ہم محنت وکوشش کا کون سا دقیقہ اٹھار کھتے ہیں کہ جس کے لئے ایک نئی امت کی بعثت ہورہی ہے۔

درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لئے پیدا کئے جارہے تھے جو دنیا میں نہ کوئی اور انجام دے رہا تھا اور نہ دے سکتا تھا، اور اس کے لئے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی''۔(۱) اور مسلمان کا یہ مقصد سیرت سے ناواقفیت کے ساتھ حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔

درسِ سیرت کی شکلیں

ربیع الاول کی مناسبت سے یا حسبِ ترتیب سیرت کو عام کرنے کی یہ شکلیں ممکن ہیں:

۱۔واقعاتِ سیرت بتانا، جس میں نبوت سے قبل کی چالیس سالہ زندگی، مکی ومدنی دور کے واقعات۔

۲۔واقعاتِ سیرت واعمالِ رسول ﷺ کی حکمتیں بتانا۔

۳۔حقوقِ مصطفی ترتیب وار سمجھانا۔

۴۔اپنی زندگی کی مشکلات میں سیرت سے رہبری لینے کی ترتیب بتانا۔جس کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ بہتر ہے:

۱۔تاریخ امتِ مسلمہ جلد اوّل حصۂ سیرت، مولانا اسماعیل ریحان صاحب دامت برکاتہم۔

۲۔سیرت مصطفی ﷺ، مولانا ادریس کاندھلوی ؒ۔

۳۔سیرت النبی ﷺ، مولانا محمد خیر محمد مکی حجازی صاحب۔

(۱) عوام کو سیرت طیبہ کیسے سکھائیں؟ صفحہ: ۱

۴۔سیرتِ طیبہ ﷺ مولانا الطاف الرحمن عباسی صاحب
۵۔سیرت کوئز۔مختلف اہل علم کی لکھی ہوئی۔
۶۔ پیامِ سیرت عصرِ حاضر کے پس منظر میں،مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
۷۔فقہ السیرۃ علامہ محمد سعید رمضان البوطیؒ کی اور الدکتور موفق سالم نوری کی۔
۸۔فہمِ حقوقِ مصطفی ﷺ، مفتی منیر احمد صاحب مدظلہ العالی۔ ۱۳/دروس پر مشتمل بہترین کتاب ہے۔
۹۔ازدواجی زندگی کی پریشانیاں،از شادی مبارک۔خوشگوار ازدواجی زندگی کی سنتیں ،گھریلو زندگی کی پریشانیاں،از کامیاب ساس۔(مفتی منیر احمد صاحب مدظلہ العالی)
۱۰۔مالی معاملات اور اخلاقی تعلیمات،مالی معاملات اور شرعی تعلیمات ،مالی تنازعات اور ان کا حل ،ہم رشتے کیسے نبھائیں ۔(مفتی منیر احمد صاحب مدظلہ العالی)

(۱۶)فجر میں مصلیوں کی کمی کو ختم کرنے کی کوشش ہو

جو تاخیر سے سوئے گا تو تاخیر سے اٹھے گا، بدن تھکتا ہے تو اسے آرام چاہیے، یہ فطری اصول ہے، جلدی سونے والا جلدی اٹھے گا، تاخیر سے سو کر جلدی اٹھنے کی امید بے فائدہ ہے، یہ فطرت سے مقابلہ ہے، اسکرین اور ٹیکنالوجی میں ایک گھنٹہ بے وجہ مصروف تھا، دو گھنٹے لیٹ اٹھے گا، اس لیے کہ دماغ جب تک تھکتا ہے تو اس کا اثر پورے بدن پر ہوتا ہے اور صحت بھی متاثر ہوتی ہے، جوانی سے پہلے بڑھاپا آتا ہے، چڑچڑا پن آتا ہے، نیٹ کے غلط استعمال سے جسمانی اور روحانی (ایمانی) دونوں نقصان ہوتے ہیں ، آج ہم موبائل کو استعمال نہیں کرتے ؛ بلکہ موبائل ہمیں استعمال کرتا ہے، ایپ کی ڈیزائن ذہین اور ماسٹر مائنڈ ٹیم تیار کرتی ہے، جس میں دلدل کی طرح آدمی گھستا چلا جاتا ہے، دس منٹ کی جگہ دو گھنٹے ضائع ہوتے ہیں۔

دروس کے ذریعہ ذہن سازی کریں

عیدین کی نماز میں ۱۰۰ر فیصد (100٪) حاضری ہوتی ہے، جمعہ کی نماز میں ۸۰ر فی صد (80٪) حاضری ہوتی ہے، اور فجر کی نماز میں صرف ۲۵ر فی صد (25٪) حاضری ہوتی ہے، ہر مسجد کا حال ایک جیسا ہے، اگر آپ سروے کریں گے تو ہر بستی میں ایسے کئی گھرانے ملیں گے جن میں مہینے بھر فجر کا نور داخل نہیں ہوتا، اور نہ ہی گھر میں قرآن مجید کھلتا ہے، یہ کورونا سے بڑی بیماری ہے، ہم اتنی غفلت برتتے ہیں، پریشانی ومصیبت کا رونا روتے ہیں، اور تعویذ وغیرہ کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔

اگر ہم لغویات اور فضول کے ذریعے عشاء کی نماز کا نور ختم نہ کریں تو فجر کی نماز آسان ہوجاتی ہے۔''الحسنة تجلب اختها'' (نیکی نیکی کو کھینچتی) یورپ اور امریکہ میں رات جلد سونے کا رواج ہے، رات نو بجے کے بعد کسی کے گھر فون کرنا مشکل ہوتا ہے، اسے ایمرجنسی پر محمول کیا جاتا ہے، اسکول اور سرکاری دفاتر صبح جلدی کھلتے ہیں، صبح کے وقت ٹرافک، دوڑ بھاگ اور چہل پہل شروع ہوجاتی ہے۔

ہمارے ملک میں بھی غیر مسلم محلوں میں رات کی بیداری اور مجلس بازی کی بیماری کم ہے، لیکن دوسری طرف ہمارا نوجوان دیر تک جاگتا ہے اور نصف شب میں تہجد کے وقت گھوڑے بیچ کر سوجاتا ہے۔

ہمارے ملک میں غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ ڈاکٹرز، انجینئرز وغیرہ حفظان صحت کے نام پر صبح سویرے فٹ پاتھ، پارکوں اور سڑکوں پر رات کا لباس پہن کر ورزش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ہمارے رحیم وشفیق رب نے ہمیں عمدہ کپڑے پہن کر مسجد میں بلایا، فجر کی نماز کی صورت میں کئی گنا نعم البدل عطا فرمایا، پھر فجر کی نماز نشاط کم ہونے کی وجہ سے نفسیاتی رعایت کرتے ہوئے صرف چار رکعات (دوسنت، دوفرض) رکھی، پھر ایک لمبے وقفے کے بعد ظہر کی رکعات رکھی، عصر اور مغرب کے وقت میں مشغولیات کی وجہ سے مشغولیات کی وجہ

سے ۸۔ ۷۔ رکعات رکھی، اور عشاء کا وقت فراغت کا وقت ہے تو اس میں ۱۷ر رکعات رکھی، الغرض اتنی رحمتوں، شفقتوں اور رعایتوں کے باوجود ہم نمازوں سے اور خصوصا فجر سے غفلت برتتے ہیں۔

(۸) منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور فجر کی نماز ہے، اور اگر انہیں ان نمازوں کے ثواب کا انداز ہو جاتا، تو گھٹنوں کے بل چل کر آتے۔(۱) معلوم ہوا کہ ایک کامل ایمان والا فجر اور عشاء میں غفلت نہیں کرسکتا۔

(۹) ایک حدیث میں ہے کہ فجر اور عصر کی نماز پڑھنے والے کو قیامت کے دن اللہ کے دیدار میں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔(۲)

اگر مقتدی درس یا وعظ نہ سنیں؟

امام یا خطیب اس شخص کو اچھا نہیں سمجھتے جو ان کے وعظ یا درس نہیں سنتے، ان سے ایک چڑ اور رخار رکھتے ہیں کہ یہ ہمیں اہمیت کیوں نہیں دیتے؟ ہماری بات کیوں نہیں سنتے؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ بھی خطبہ عید کے لیے لوگوں کو اختیار دے دیا کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن سائب کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی اور فرمایا: جو واپس جانا پسند کرتا ہے وہ چلا جائے اور جو خطبے کے لیے ٹھہرنا چاہتا ہے، وہ ٹھہرا رہے۔

"مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْصرِفَ فَلْيَنْصرِفْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُقِيمَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيُقِمْ"(۳)

اس سہولت اور اجازت کے برعکس میں نے خود کئی ائمہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس نے خطبہ

(۱) صحیح بخاری :۶۵۷

(۲) صحیح بخاری :۵۵۴

(۳) سنن النسائي، كِتَاب صَلَاةِ الْعِيدَيْنِ، بَاب التَّخْيِيرِ بَيْنَ الجلوسِ في الخطبة لِلْعِيدَيْنِ، حديث :۱۵۷۱

نہ سنا،اس کی عید نہیں ہے!! کاش ائمہ وخطبا بھی قلب ونظر میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کریں،بعض خطبا اس بات پر راضی نہیں ہوتے کہ زیادہ تر افراد تو ان کا درس سننے کے لیے تیار ہیں، بلکہ اُٹھ کر جانے والے دو تین افراد کی ٹینشن لے رہے ہوتے ہیں،آخر کیوں؟ کیا کسی کو زبردستی کچھ سنایا جاسکتا ہے؟ یہ تو لوگوں کی اپنی خوش بختی یا بدبختی ہوتی ہے۔ ان کے حصول اور محرومی میں ائمہ کا کردار تو تذکیر اور یاد دہانی کی حد تک ہی ہوسکتا ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں تشریف فرما تھے۔اس دوران تین افراد آئے،ان میں سے دو نبی ﷺ کے پاس آگئے اور ایک (باہر ہی سے) چلا گیا(اندر آنے والے وہ) دو افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ٹھہرے، پھر ان دونوں میں سے ایک نے مجلس میں خالی جگہ دیکھی اور جا کر بیٹھ گیا اور دوسرا مجلس کے آخر ہی میں بیٹھ گیا، رسول اللہ ﷺ جب (وعظ) سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ''کیا میں ان تین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں،ان میں سے ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ بنائی تو اللہ نے بھی اسے اپنی طرف جگہ دی۔اور دوسرے نے شرم محسوس کی اور (مجلس سے رخ نہ پھیرا) تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی حیا کی اور تیسرا شخص رخ موڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے رخ موڑ لیا۔

''أَلا أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلاثَةِ. أَمَّا أَحَدُهُمْ :فَأَوَى إِلَى اللهِ، فَآوَاهُ اللهُ، وَأَمَّا الآخَرُ :فَاسْتَحْيَا، فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الآخَرُ :فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ'' (۱)

اس حدیث میں ائمہ وخطبا کے لیے کس قدر واضح سبق ہے کہ اگر کچھ لوگ اپنی شومئ قسمت کی بنا پر نبوی مجلس سے رخ موڑ لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے آپ کے وعظ ودروس کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

(۱)صحيح البخاري، كِتَاب العِلْمِ، بَاب مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ المَجْلِسُ، وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الحَلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، حديث:٦٦

(۱۷) فتوی دینے ومسائل بتانے میں جلد بازی نہ کریں

ہر سوال کا جواب فوراً دینا ضروری نہیں ہے، بل کہ سائل کے سوال سے ہٹ کر اس کو اصلاح کی غرض سے کچھ وعظ ونصیحت بھی کریں، اگر امام کو معلوم ہے کہ اس کا کاروبار حرام ہے یا اس کے عقائد خراب ہیں یا یہ فلاں فلاں گناہ میں مبتلا ہے، وغیرہ وغیرہ تو پہلے اس کو حکمت وبصیرت اور نرمی وخیر خواہی کے ساتھ اس کے اصلاح کی کوشش کریں اور بعد میں اس کے سوال کا جواب دیں۔

جیسے حضرت یوسفؑ سے جب دو قیدی ساتھیوں نے سوال کیا کہ : ''نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ''، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتایئے ، ہمیں تو آپ خوبیوں والے شخص دکھائی دیتے ہیں''۔

تو حضرت یوسفؑ نے ان کو فوراً جواب نہیں دیا بل کہ پہلے ان کو وعظ ونصیحت کی اور بعد میں ان کو خواب کی تعبیر بتائی۔

اسی طرح اختلافی باتوں کا جواب نہ دیا جائے کہ ایک ہی صف میں بیٹھنے والے مقتدی کئی صفوں میں نہ بٹ جائیں۔ یہ عقل مندی نہیں کہ مسلمانوں کا شیرازہ ویسے ہی اتنا بکھر گیا ہے کہ اب ہمارے جوابات سے کہیں اتنا بھی نہ بکھر جائے کہ ایک ہی محلہ میں رہنے والوں اور ایک ہی مسجد میں نماز پڑھنے والوں میں ایسے اختلافات ہوجائیں کہ وہ مسجد چھوڑنے پر مجبور ہوجائیں۔

بسا اوقات مسجد میں نیا امام آتا ہے تو لوگ نئے نئے سوالات سے اس کو پریشان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ ان سے کہیں کہ جس کو ضرورت ہو وہ لکھ کر مجھے دے میں دارالافتاء سے پوچھ کر جواب دے دوں گا، تو اس سے جن کو طلب نہیں ہے صرف مجلس گرم رکھنے کے لیے فضول سوالات کرنا مقصود ہوتا ہے، وہ خود بخود خاموش ہوجائیں گے۔

صحابہ کرام مسائل بتانے میں کس قدر محتاط رہتے تھے؟

حضرت مسلم بن عقبہؒ کا بیان ہے کہ میں چونتیس سال تک حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، بسا اوقات لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تو وہ جواب میں "لاأدری" کہتے اور میری طرف متوجہ ہو کر فرماتے: "یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہی چاہتے ہیں کہ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنائیں"، اور ان لوگوں سے کہتے: "تم لوگ ہماری پشت کو جہنم کا پل بنا کر کہنا چاہتے ہو کہ ابن عمر نے یہ فتویٰ دیا ہے۔"(۱)

امیر المؤمنین عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور یہ لوگ خیار صحابہ میں سے تھے جب ان سے کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ اصحاب رسول ﷺ کو جمع کرتے اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھتے پھر جس بات پر اتفاق ہو جاتا اس کے مطابق فتویٰ صادر کرتے، جبکہ ہمارے دور میں لوگ فتویٰ دینے پر فخر کرتے ہیں۔(۲)

جلیل القدر تابعی عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کو پایا ان میں سے کسی سے کسی مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ یہی چاہتا کہ اس بارے میں اس کا جواب اس کا بھائی دے، اور کبھی ان سے کوئی سوال ہوتا تو وہ اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتا اور وہ تیسرے کی طرف اشارہ کرتا یہاں تک کہ وہ سوال پہلے ساتھی کی طرف لوٹ آتا۔

" أدركت عشرين ومائة من أصحاب رسول الله ﷺ ما منهم رجل يسأل عن شيء إلا ودّ أن أخاه كفاه۔۔۔۔۔ يسأل أحدهم عن المسألة فيردها إلىٰ هذا وهذا إلىٰ هذا حتىٰ

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں: ۲۰۔۲۰۲

(۲) ترتیب المدارک: ۱/۱۷۹

ترجع إلى الأول"(۱)

مالک بن انس امام دارالہجرۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مدینہ منورہ میں میری بہت سے علماء،فقہاء سے ملاقات ہوئی ان میں سے کسی سے کوئی دینی مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کی حالت ایسی ہوجاتی کہ گویا کہ موت طاری ہوگئی ہے، جبکہ ہمارے زمانے میں لوگ فتویٰ دینے کو پسند کرتے ہیں، اگر ان لوگوں کو کل قیامت کے دن غلط فتویٰ کی سزا کا علم ہوتو وہ کبھی فتویٰ نہ دیں۔

فتوی میں احتیاط کرنے میں سلف کے چند نمونے

صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ دین فتویٰ دینے میں بہت ہی زیادہ محتاط تھے۔ اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں:

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کا واقعہ

معاویہ بن ابی عیاش بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں موجود تھا اتنے میں محمد بن ایاس بن البکیر آئے اور کہنے لگے: ایک دیہاتی نے اپنی بیوی کو دخول سے قبل تین طلاقیں دی ہیں، اس بارے میں آپ دونوں کی کیا رائے ہے؟ تو عبداللہ بن الزبیرؓ نے فرمایا: ہمیں اس بارے میں کچھ بھی علم نہیں، تم عبداللہ بن عباسؓ اور ابوہریرہؓ سے پوچھو، ان دونوں کو میں سیدہ عائشہؓ کے پاس چھوڑ کر آیا ہوں، ان سے پوچھ کر ہمیں بھی ان کے جواب سے آگاہ کرنا، محمد بن ایاس البکیر ان دونوں کے پاس آئے اور مسئلہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو ابن عباسؓ نے ابوہریرہؓ سے فرمایا: اے ابوہریرہؓ ایک پیچیدہ مسئلہ آیا ہے آپ ہی اس کے متعلق فتویٰ دیں، تو ابوہریرہؓ نے جواب دیا: پہلی طلاق طلاقِ بائنہ (وہ طلاق جس میں شوہر کو رجوع کا حق ختم اور

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۲۷۴

عورت کی مرضی سے نئے عقد کی گنجائش ہو) ہوگی اور تین طلاقیں اس عورت کو حرام کر دے گی جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے پھر اسے طلاق ہو جائے۔

"الواحدة تبينها والثلاث تحرمها حتى تنكح زوجاً غيره، أفته يا أبا هريرة فقد جاءتك معضلة"(۱)

اللہ تعالیٰ امام مالک کی قبر پر رحمتوں کا نزول فرمائے اگر وہ آج ہمارے زمانے کے نام نہاد مذہبی اسکالر کو پردۂ سکرین پر فتویٰ بازی کرتے ہوئے دیکھتے تو ان کے بارے میں کیا فرماتے؟ امام مالک بن انس رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ ان سے ایک دن پچاس مسائل کے بارے میں سوال کیا گیا ان میں سے کسی کا جواب نہیں دیا بلکہ آپ کہا کرتے تھے کہ: کوئی بھی عالم جواب دینے سے قبل اپنے نفس کو جنت یا جہنم پر پیش کرے اور یہ سوچے کہ نجات کس طرح ممکن ہے پھر جواب دے۔

"من أجاب في مسألة فينبغي قبل الجواب أن يعرض نفسه علىٰ الجنة والنار وكيف خلاصه ثم يجيب"(۲)

آپ ہی کے شاگرد الہیثم بن جمیل کہتے ہیں کہ ایک دن امام مالک سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا ان میں سے بتیس مسائل کے بارے میں فرمایا: "لا أدري" مجھے اس کے بارے میں علم نہیں۔(۳)

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جہل کا اعتراف بھی علم کا ایک حصہ ہے اور پھر امام مالکؒ کا مقولہ سنایا کہ وہ فرمایا کرتے: علموا اصحابكم قول "لا ادري" اپنے ساتھیوں کو "لا أدري"، "میں نہیں جانتا" کہنا بھی سکھاؤ۔"

جلیل القدر تابعی ابوالمنہالؒ بیان کرتے ہیں کہ میں زید بن ارقم اور البراء بن عازبؓ

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ ۲: ۲۷۴/۲

(۲) آداب المفتی والمستفتی لابن الصلاح: ۷۹/۱

(۳) آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی للنووی ۳:

سے (الصرف) کے بارے میں جب بھی ان میں سے کسی ایک سے پوچھتا وہ دوسرے کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ ان سے پوچھو وہ مجھ سے زیادہ دیانتدار اور زیادہ علم والا ہے۔(۱)

امام مالکؒ کا سبق آموز واقعہ

امام عبدالرحمن بن مہدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں امام مالکؒ کی مجلس میں تھا ایک اجنبی آیا اور کہنے لگا کہ میں چھ ماہ کی طویل مسافت طے کر کے اپنی بستی والوں کی طرف سے بہ طور نمائندہ ایک مسئلہ آپ سے پوچھنے آیا ہوں، امام مالکؒ نے فرمایا کہ پوچھو، جب اس نے مسئلہ بیان کیا تو امام صاحبؒ نے اس کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا کہ مجھے اس کا صحیح علم نہیں، ابن مہدیؒ کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کا جواب سن کر وہ آدمی دنگ رہ گیا اس کا خیال تھا کہ میں تو ایسے شخص کے پاس آیا ہوں جو سب کچھ جانتا ہے، اس آنے والے شخص نے کہا کہ : میں اب واپس جا کر اپنی بستی والوں کو کیا جواب دوں گا جنہوں نے صرف آپ سے دریافت کرنے کے لیے بہ طور خاص مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی بستی والوں سے کہنا مالک کہتا ہے کہ اس مسئلہ کے بارے میں اسے کوئی علم نہیں ہے۔(۲)

قاسم بن محمد ابی بکرؒ کا واقعہ

ابن عون کہتے ہیں کہ ایک دن میں القاسم بن محمد بن ابی بکر کے ساتھ تھا ایک شخص آیا اور کسی مسئلہ کے متعلق ان سے پوچھنے لگا آپ نے جواب میں فرمایا مجھے اس بارے میں مکمل علم نہیں، تو سائل نے کہا : میں یہاں کسی عالم کو نہیں جانتا آپ ہی اس بارے میں رہنمائی کریں، آپ نے فرمایا تم میری لمبی داڑھی اور میرے ارد گرد لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر دھوکے میں مت آؤ، واقعتاً مجھے اس بارے میں علم نہیں ہے، اسی مجلس میں موجود ادھیڑ

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ : ۲/۲۷۸

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ : ۲/۴۵

عمر کے ایک قریشی آدمی نے کہا : اے اجنبی! تم اس مسئلہ کے تعلق سے جواب کے لیے اصرار کرو میں نے اس مجلس میں تم جیسا ہوشیار نہیں دیکھا ہے، تو القاسم نے فرمایا: میری زبان کا کٹ جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس بات سے کہ میں کسی ایسے فتویٰ کے متعلق جواب دوں جس کا مجھے صحیح سے علم نہ ہو۔

"لأن یقطع لسانی أحب إلی من أن أتکلم بما لا علم لی به"(۱)

مسئلہ بتانے اور فتویٰ دینے میں جرأت دکھانے والے سلف کی نظر میں

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے تھے: فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت مند وہ شخص ہوتا ہے جو علمی طور پر نکما ہو۔ "أجرؤ الناس علی الفتویٰ أقلھم علما"(۲)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو شخص ہر پوچھے جانے والے سوال کا جواب دے وہ پاگل ہے "إن الذی یفتي الناس فی کل ما یسألونه لمجنون"(۳)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے : اے لوگو! جس شخص سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا جائے اسے اس کا علم ہو تو ضرور اس کو بیان کرے، اور جس کو علم نہ ہو تو وہ "اللہ أعلم" کہے، کیونکہ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے بارے میں اللہ اعلم کہنا بھی علم ہی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو یہ کہنے کا حکم دیا ہے: کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس پر کوئی بدلہ طلب نہیں کرتا اور نہ میں تکلف کرنے والوں میں سے ہوں۔

"قل لا أسئلکم علیه من أجر و ما أنا من المتکلفین"(۴)

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۴۶

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۴۴

(۳) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۴۹

(۴) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/۲۷۶

سیدنا عمرؓ کا سبق آموز واقعہ

آج کل لوگ ایسے ایسے مسائل میں فتویٰ دینے لگ گئے ہیں اگر یہ مسائل سیدنا عمر کو درپیش ہوتے تو وہ اہل بدر کو جمع کر کے ان سے ان کا حل معلوم کرتے، اس کی واضح مثال ہمیں اس واقعہ سے ملتی ہے:

جلیل القدر صحابی سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا تھا اتنے میں ایک شخص آپ کی مجلس میں آیا اور پکارا اے امیر المؤمنین! یہ زید بن ثابت مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو غسل جنابت کے متعلق اپنی رائے سے فتویٰ دے رہے ہیں، امیر المؤمنین نے فوراً انہیں اپنی مجلس میں حاضر ہونے کا حکم دیا، زید بن ثابت حاضر ہوئے تو امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے کہ ’’أي عدو نفسه قد بلغت أنک تفتي الناس برأیک‘‘ اے اپنی ذات کے دشمن تم لوگوں کو اپنی رائے سے فتوے دے رہے ہو؟ تو زید بن ثابت نے جواباً عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! میں نے اپنی رائے سے تو فتویٰ نہیں دیا بلکہ میں نے یہ ابو ایوب انصاری، ابی بن کعب، اور رفاعہ بن رافع سے سنا ہے، یہ سن کر امیر المؤمنین، رفاعہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تم لوگ جب اپنی بیویوں سے جماع کر کے عدم انزال کی صورت میں غسل نہیں کرتے تھے؟ تو رفاعہ گویا ہوئے: ہم اللہ کے نبی ﷺ کے زمانہ میں ایسا کیا کرتے تھے، ہمیں اللہ کی طرف سے کوئی حرمت نہیں ملی اور نہ ہی اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع کیا، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ ﷺ جانتے تھے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں؟ تو رفاعہ نے لاعلمی کا اظہار کیا، تو امیر المؤمنین نے مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور ان سے اس مسئلہ کے بارے میں مشورہ کیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ اس پر غسل واجب نہیں، لیکن معاذ بن جبل اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے ان کے اس جواب سے اختلاف کیا اور فرمایا: ’’إذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل‘‘ مرد وعورت کی شرمگاہیں آپس میں مل جائیں تو غسل

واجب ہوجاتا ہے۔ان کا یہ اختلاف سن کر امیر المؤمنین نے فرمایا:

”ھذا و أنتم أصحاب بدر؛ قد اختلفتم فمن بعد کم أشد اختلافا“ تم اصحاب بدر اختلاف کا شکار ہو تمہارے بعد والے اس سے کہیں زیادہ اختلاف کا شکار ہوں گے، تو سیدنا علی بن ابی طالب جو سیدنا عمر کے سُسر اور مشیر خاص تھے،انہوں نے فرمایا :اس مسئلے میں ازواج مطہرات سے زیادہ کوئی جاننے والا نہیں، آپ ام المؤمنین سیدہ حفصہ کے پاس کسی کو پوچھنے کے لیے بھیج دیں، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا :”لا علم لی بھا فأرسل إلی عائشة“ مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں عائشہ سے پوچھا جائے، جب عائشہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو معاذ اور علی بن ابی طالب کا جواب تھا :”إذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل“، جب مسئلہ کی وضاحت ہوئی تو سیدنا عمر نے فرمایا :اگر آج کے بعد مجھے یہ معلوم ہوا کہ کسی نے ایسا کیا ہے تو میں اس کو سزا دوں گا۔(۱)

(۱۸)سوال وعتراض کا فرق سمجھ کر جواب دیں

کسی مجلس،ضافت یا عمومی لوگوں کے مجمع میں ایک شخص سوال کرتا ہے جس سے بحث مباحثہ مقصود ہوتا ہے یا کسی شخص کی تذلیل مقصود ہوتی ہے کہ امام صاحب !ایسا جواب دیجئے جس سے فلاں کو اپنی غلطی معلوم ہوجائے اور اپنی غلطی کا احساس ہوجائے۔

اس غلطی کی اصلاح بسااوقات جس میں تذلیل بھی ہو آپس میں مزید عداوت ونفرت بڑھانے کا سبب ہے یا پھر وہ مخصوص مخاطب اسی مجلس میں بھڑک اٹھتے ہیں اور بات خوش گوار ماحول سے ہٹ کر کہیں سے کہیں چلی جاتی ہے اور میزبان پریشان ہوجاتا ہے کہ کن لوگوں کو میں نے ضیافت میں بلایا تھا کہ اچھی خاصی خوشی کی مجلس کو غم میں بدل دیا۔

اسی طرح درس کے بعد بعض اوقات ایک شخص کا سوال سارے مجمع کے ذہن کو خراب

---

(۱)مصنف ابن أبي شيبہ،حدیث: ۹۵۲،ازقلم: مفتی براہیم عبد الرحیم صاحب، مجلہ اسوہ حسنہ کراچی،فروری 2014, 16

کر دیتا ہے یا سب کو فائدہ ہوتا ہے ،وہ سوال بعض اوقات موضوع درس کے متعلق ہی ہوتا ہے اور بعض اوقات سورج کے نیچے جتنی چیزیں ہیں ان کے متعلق فضول سوالات ہوتے ہیں،بعض اوقات اعتراض بصورتِ اشکال کیا جاتا ہے،اعتراض میں سائل اپنے آپ کو عالم اور شکال میں سائل اپنے آپ کو جاہل اور مخاطب کو عالم سمجھتا ہے،اگر قرائن سے یہ معلو ہوجائے کہ یہ اعتراض ہے تو ہرگز جواب نہ دیا جائے،اسلیے کہ وہ اپنے آپ کو عالم سمجھ رہا ہے تو آپ کے کسی جواب پر بھی مطمئن نہیں ہوگا،چنانچہ معترض کو کہیں کہ لکھ کر یہ سوال لاؤ، اولاً تو یہی ہے کہ وہ لکھ کر نہیں لائے گا،اور اگر لکھ کر لے آئے تو کہیں کسی دارالافتاء بھجوادو،خود ہی بھجواؤ اور جوابی لفافہ بھیج کر اپنے پاس جواب منگوالو۔

اسی طرح بعض اوقات ایک ہی سوال ایک امام سے پوچھ کر دوسرے امام سے بھی پوچھا جاتا ہے۔پھر اگر دونوں جوابوں میں تفاوت ہوتو عوام دواماموں یادو عالموں کے درمیان آپس میں بدگمانی۔۔۔۔ یاایک دوسرے کو نیچا کرنے کی سازش۔۔۔ یا آپس میں تقابل۔۔۔وغیرہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں جس دوسرے سادہ لوگوں کا بھی ذہن خراب ہوجاتا ہے۔

لہذاامام کو وہ اپنی مہارت اوراستعداد کے ذریعے پہچاننے کی کوشش کرے کہ کس قسم کا سوال ہے؟ اگر اصلاحی سوال ہے تو ضرور تشفی کرنی چاہیے،بعض سوالات کے جوابات مجمع میں دینا مناسب نہیں ہوتا تو تنہائی میں دے دیں۔

ابراہیم بن اَدھم رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

میں نے حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کی بابت پوچھا۔ آپؒ رونے لگے اس سے مجھے اپنے سوال پر شرمندگی ہوئی پھر آپؒ نے سر اٹھایا اور فرمایا ''جسے اپنے آپ کی پہچان حاصل ہوئی وہ اس میں لگ گیا اور جس نے اپنے رب کو پہچان لیا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر اس کے ماسوا سے بے پرواہ ہوا۔

"سألت ابراهيم بن أدهم عما كان بين علي ومعاوة فبكى ،فندمت على سوالى اياه فرفع رأسه فقال:انه من عرف نفسه اشتغل بنفسه ومن عرف ربه اشتغل بربه عن غيره"(۱)

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ : عمر بن عبد العزیزؒ سے پوچھا گیا کہ اہل صفین کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا! یہ ایسے لوگ تھے کہ ان کے خون سے اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ رنگین نہیں کیے، تو میں ان کے بارے میں نامناسب باتیں کہہ کر اپنی زبان کیوں رنگین کروں"۔

"وقال الشافعی رحمه الله:قيل لعمربن عبدالعزيز ماتقول فی أهل صفين؟قال:تلك دماء طهّر الله يدی منها فلا أحب أن أخضب لسانی فيها"(۲)

حماقت کا جواب خاموشی ہے

احمقوں کے جواب میں خاموش رہنا سعادت ہے۔"السكوت عن جواب الأحمق سعادة" کہتے ہیں خاموشی ، مخزن ہے حکمتوں کا ۔۔۔۔ دب دبہ ہے حاکموں کا ۔۔۔۔شیوہ ہے عقل مندوں کا ۔۔۔۔ جواب ہے جاہلوں کا ۔۔۔۔۔ اور قلعہ ہے فتنوں سے بچنے کا۔۔۔۔لہذا جاہل لوگوں کے سوالات پر خاموشی اختیار کر لینی چاہیے۔

امام شافعیؒ کے یہ اشعار ہر امام یاد کرلیں

امام شافعیؒ نے جاہل معترض کو جواب نہ دینے اور خاموش رہنے کے بارے میں کہے ہیں، یہ اشعار ہر امام کو یاد کرنے چاہئیں اور اپنی میز پر لگانا چاہئیں تا کہ ہر وقت نظر کے

(۱) حلیۃ الاولیا ۱۲/۹:
(۲) حلیۃ الاولیاء: ۱۲۱/۹

سامنے رہیں، چنانچہ فرماتے ہیں :

دوستوں نے کہا: آپ معترضین کے جواب میں خاموش ہو گئے ۔ان کو جواب کیوں نہیں دیتے تو میں نے کہا بسا اوقات بے تکے سوالوں کا جواب دینا جھگڑوں کا دروازہ کھول دیتا ہے، جاہل احمق کے جواب میں چپ رہنا شرافت ہے اور سکوت ہی عزت، وصلاحیت کی حفاظت کا بہترین ذریعہ ہے، کیا تو نہیں دیکھتا کہ شیر چپ رہتا ہے تو بھی اس سے ڈرا جاتا ہے اور کتا بھونکتا ہے تو بھی اسے پتھر مارے جاتے ہیں ۔

قالوا سَكَتَّ وَقَد خُوصِمتَ قُلتُ لهم
إنَّ الجوابَ لِبابِ الشَرِّ مِفتاحُ
والصمّتُ عَن جاهِلٍ أَو أَحمقٍ شرفٌ
وَفيهِ أَيضاً لِصَونِ العِرضِ إِصلاحُ
أَما تَرى الأُسدَ تخشى وَهِيَ صامِتَةٌ
وَالكَلبُ يخسى لَعَمري وَهوَ نَبّاحُ

حاسد کو بہترین جواب بھی حسد میں اضافہ کا سبب بنتا ہے

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: جس کا سوال واعتراض حسد وبغض کی بناء پر ہو، تو اس کو جتنی فصاحت وضاحت اور احسن طریقے سے جواب دیا جائے، تو اس کے بغض وحسد اور دشمنی میں اضافہ ہی ہوگا۔لہذا طریقہ یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دیا جائے، بل کہ اس سے اعراض کیا جائے اور اس کو اسی کی بیماری (حسد) میں چھوڑ دیا جائے (جیسا قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں)''اعراض کر دیجئے (اے پیغمبر) اس سے جس نے اعراض کیا۔

''من كا سواله واعتراضه عن حسدوبغض فكلما تجيبه بأحس الجواب وأفصحه وأوضحه ،لايزيدذلك الا بغضاء وعدوة وحسدا،فالطريق ألاتشتغل بجوابه وأن

تعرض عنه وتتركه مع مرضه "فأعرض عن من تولی"

امام نووی ؒ فرماتے ہیں کہ جو سائل کسی کو محض خاموش کرنے اور عاجز کرنے کی غرض سے سوال کرے تو وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

"السائل تعنتا وتعجیز الا یستحق جوابا"(۱)

ملک ناصر الدین ؒ سبق آموز واقعہ

ملک ناصر الدین ؒ قرآن شریف لکھ کر فروخت کیا کرتے اور اسی آمدنی پر بمشکل گزارہ کرتے تھے، شاہی خزانہ سے کبھی ایک پیسہ تک زندگی بھر نہ لیا۔ ایک مرتبہ ایک قرآن شریف نہایت اہتمام اور بڑی محنت سے لکھا۔ اُمراو وزراء نے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، آپ نے دیکھ لیا نا؟ سب نے بہت تعریف کی۔ ایک ناسمجھ و بے وقوف نے کہا کہ اس لفظ پر "فتحہ" یعنی "زبر" ہونا چاہیے۔

سلطان نے کہا "نہیں، اسی طرح درست ہے۔" اس نے اصرار کیا، آپ نے قلم سرمہ سے اس پر نشانی لگا دیا اور کہا کہ اس کو درست کرلوں گا، سب لوگ رخصت ہو گئے اور فقط ایک معتمد باقی رہ گیا، سلطان نے اس نشان کو مٹا دیا۔ معتمد نے کہا کہ اگر اس کو مٹانا ہی تھا اس وقت نشان لگانے کی کیا ضرورت تھی؟

سلطان نے فرمایا "مجھے پورا یقین تھا کہ وہ اہلِ کار غلط کہہ رہا ہے اور دوسرا قرآن شریف لا کر میں اس کی غلطی کو ثابت بھی کرسکتا تھا لیکن میں نے اس کی بے وقوفی اور جہالت کا اندازہ لگا کر خاموشی اختیار کرنے میں طرفین کے لیے عافیت سمجھی، اور نشان لگا کر اُس کے جہالت کے فتنہ کو دبانے کی کوشش کی، ورنہ وہ تو نہیں سمجھتا اور اپنے ساتھ کچھ مزید بے وقوفوں کو تیار کر کے رونق مجلس بن جاتا، طرفین کا مزید وقت بھی ضائع ہوتا، اور بے اطمینانی بڑھتی، جب کہ نشان لگانے میں میرا کوئی حرج نہ ہوا اور اس کی حوصلہ افزائی اور وہ شرمندگی سے

(۱)المجموع: ۳۹/۱، بحوالہ: تحفۃ الأئمہ: ۳۸۴

بچ گیا، اگر وہ مخلص تھا تو اس کی دل شکنی سے حفاظت ہوگئی، اور اگر وہ فتنہ باز تھا، تو اس کے مکر سے میری حفاظت ہوگئی۔"(۱)

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج بن یوسف کا سوال

ایک دن حضرت حسن بصریؒ حجاج بن یوسف الثقفی کے پاس آئے، حجاج نے پوچھا:
"آپ حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟"

حسن بصریؒ نے جواب دیا: "میں وہی بات کہتا ہوں جو مجھ سے بھی زیادہ بہتر شخص نے تجھ سے زیادہ بہتر شخص نے تجھ سے زیادہ برے آدمی کے سامنے کہی تھی، یعنی جب فرعون نے پوچھا: "قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى" "اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا" تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ-لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَ لَا يَنْسَى "ان لوگوں کا علم میرے پرودگار کے پاس دفتر (رجسٹر) میں ہے، میرے ہے، میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور بھولتا ہے۔"

حجاج بن یوسف نے کہا: "اے ابوسعید! آپ سید العلماء ہیں۔"(۲)

موضوع بدل دینا حکمت کی دلیل ہوتی ہے

بعض اوقات حکمۃً جواب دیتے وقت بات کا موضوع بدل دینا چاہیے، اور یہی سنت سے ثابت بھی ہے کہ کسی صحابیؓ نے آپ ﷺ سے سوال کیا: "یارسول اللہ متی الساعۃ" قیامت کب آئے گی؟" جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا "مااعددت لھا؟" "تم نے اس کے لیے کیا تیاری کی؟"

اس شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس کے لیے بہت ساری نمازیں،

(۱) مخزن اخلاق، اعمال الصالحین: ۳۰۶

(۲) ہماری پریشانیاں اور ان کا حل: ۵۰

روزے اور صدقے تو نہیں تیار کیے،لیکن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا" فانت مع من احببت "،'' تمہارا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو۔''(۱)

آپ ﷺ نے یہاں یہ پوچھے جانے پر کہ" قیامت کب آئے گی ؟'' اس سوال کے جواب میں (جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں) یہ جواب دینے کے بجائے، اس شخص کو ان باتوں کی طرف متوجہ فرمادیا جس کا وہ زیادہ محتاج ہے کہ تم نے اس کے لیے تیاری کی ہے۔

فرضی سوالات سے اعراض بہتر ہے

شیخ عبد الفتاح ابوغدہؒ نے اپنی کتاب" الرسول المعلم ﷺ واسالیبہ فی التعلیم "، میں اس موضوع پر بہترین بحث کی ہے، اہل علم کو چاہیے کہ ضرور اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

بسا اوقات لوگ ایسے فضول سوالات کرتے ہیں جن کا خارج میں کوئی وقوع نہیں، صرف" ولو فرضنا "، کے درجہ میں۔۔۔ایسے سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہیے۔

امام زہریؒ زید بن ثابتؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ جب ان سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو فرماتے: ''کیا یہ بات واقع ہو چکی ہے؟ اگر وہ کہتے: '' نہیں (صرف ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں)'' تو نہیں بتاتے تھے (فضول سوالات جن کی تمہیں ضرورت نہ ہو وہ کیوں پوچھتے ہو)۔ ہاں! اگر وہ بتاتے کہ واقعۃً ایسا ہو چکا ہے تو بتلاتے''۔

لایعنی سوالات کا نقصان

ایسے فضول سوالات کرنے والوں کو حکمت سے سمجھا دیا جائے کہ ہمیں ان چیزوں میں

(۱) مسلم، البر والصلۃ، باب المرء من من احب

پڑ کر اپنا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

بے کار سوالات اور غیر ضروری باتوں کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ آہستہ آہستہ افراد اور افراد جماعتوں کو قوتیں مضمحل اور سلب ہوتی چلی جاتی ہیں اور لوگ مفلوج ہو کر رہ جاتے ہیں، جن لوگوں میں عمل کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں وہ باتونی نہیں ہوا کرتے، بل کہ باعمل اور فعال ہوا کرتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”پچھلے لوگ اس لیے تباہ ہوئے کہ انہوں نے پیغمبروں سے بے جا اور بے موقع سوالات کیے اور ان کے بتلائے ہوئے طریقے پر چل نہیں سکے۔“ اور پھر اس پر وقت ضائع ہوتا ہے لوگوں میں سمجھنے کی صلاحیت ہوتی نہیں اور علماء سے بحث ومباحثہ کرنا شروع کر دیتے ہیں جس سے سوائے دینی نقصان اور مزید پریشانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حکیم الامتؒ کے سبق آموز سوال وجواب

حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا معمول تھا کہ نامکمل، فضول سوالات اور بے فائدہ باتوں پر بہت سخت تنبیہ فرماتے تھے، یہاں پر حضرتؒ کے چند واقعات وارشادات مقتدیوں کی اصلاح کی نیت سے نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ فرماتے ہیں: آج کل ایسے فضول سوالات بہت کیے جاتے ہیں جن پر دین کا کوئی مقصود موقوف نہیں۔

☆ مثلاً یہ سوال کیا جاتا ہے کہ: ”فلاں کام بڑا گناہ ہے یا چھوٹا گناہ ہے“۔

میں جواب دیا کرتا ہوں کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کیا ارتکاب کا قصد ہے؟ اگر کہے: ”ہاں!“ تو میں کہتا ہوں کہ: ”کیا کبھی اپنے چھپر میں چنگاری لگانے کے متعلق بھی یہ سوال کیا ہے کہ یہ چنگاری چھوٹی ہے بڑا انگارہ ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ چھوٹی چنگاری ہے تو کیا اُس کو چھپر میں لگانے کی جرأت کرو گے؟“۔

اگر کہو : ''نہیں کیوں کہ ذراسی چنگاری بھی کبھی بڑھ جاتی ہے''، میں کہتا ہوں کہ: ''اسی پر چھوٹے گناہ کو قیاس کرلو جوشخص چھوٹے گناہ پر جرأت کرتا ہے وہ کل بڑے پر بھی جرأت کرے گا۔

☆ یہ سوال کیا جاتا ہے کہ: ''چند مُردوں کو ثواب بخشا جائے تو تقسیم ہو کر پہنچے یا بلا تقسیم کے سب کو برابر پہنچے گا؟ اگر تقسیم ہو کر پہنچتا ہے تو ابا جان کو بہت کم ملے گا''۔

میں کہتا ہوں کہ : ''تم اس فکر میں کیوں پڑے، اگر تقسیم ہو کر بھی ثواب پہنچا تو اللہ تعالیٰ کو بڑھانا بھی آتا ہے، حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چھوارے کے صدقے کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ جبلِ اُحد سے بھی بڑھ جاتا ہے۔(۱) اب بتلاؤ کہ پہاڑ میں کتنے ارب چھوارے ہوں گے اور اتنے ارب میں تقسیم جاری ہو تو کیا حرج ہے۔''

ارے میاں! اللہ تعالیٰ کے یہاں تو ذرا سا عمل بھی قبول ہو جائے تو بہت ہے پھر تم کس فکر میں پڑے ہو؟ مگر اب علماء بھی ان مسائل کی تحقیق کے درپے ہو جاتے ہیں ہم نے بھی لڑکپن میں ایسی تحقیق کی ہے، مگر اب معلوم ہوا کہ یہ مشغلہ فضول تھا پس عوام کو یہ چاہیے کہ فضولیات کا جواب نہ دیں۔

☆ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب لکھنویؒ سے ایک شخص نے حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے متعلق سوال کیا، مولانا نے سائل سے پوچھا : ''یہ سوال کس کا ہے آپ اور وہ تم دونوں کیا کام کرتے ہو؟''

کہا : ''سوال فلاں حافظ صاحب کا ہے اور وہ انگریز ہیں اور میں درزی ہوں''۔

فرمایا: ''تم کپڑے سیتے رہو اور ان حافظ صاحب سے کہہ دو کہ کپڑے رنگتے رہیں۔ علیؓ جانیں اور معاویہؓ جانیں، تم ان سے ان کے معاملہ کا کیا تعلق؟ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن اُن کا مقدمہ تمہارے اجلاس میں نہ آئے گا''۔

☆ ایک شخص نے میرٹھ میں ایک عالم سے سوال کیا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

۱

مؤمن تھے یا نہیں؟"

عالم نے کہا : "آپ نماز پڑھتے ہیں یا نہیں؟" کہا : "ہاں پڑھتا ہوں۔"

کہا : "اچھا بتلاؤ نماز کے اندر کتنے فرض ہیں؟"

اب وہ خاموش ہیں فرمایا: "جاؤ! تم کو نماز کے فرائض کی خبر نہیں جس کا سب سے اول قیامت میں حساب ہوگا اور زائد باتوں کی تحقیق کے درپے ہو۔"

ان فضولیات کی تحقیق میں نفس کی کید یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی تحقیق میں تو عمل کرنا پڑھتا ہے اور عمل دشوار ہے اور فضولیات کے سوال میں تو اس کو دین دار سمجھیں گے کہ ایسے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور کرنا کچھ پڑتا نہیں، اس لیے عام طور سے لوگ فضول سوال کرکے دین دار مشہور ہونا چاہتے ہیں۔ خیر عوام تو جاہل ہے، مگر بعض علماء کو کیا ہوگیا کہ وہ بھی ایسے سوالات کا جواب دیتے ہیں، میں ایسا روگ نہیں پالتا۔(۱)

☆ ایک خط میں کاتب نے بعض لوگوں کی نسبت تعریضا یہ لکھا کہ : "جو لوگ حرام کھاتے ہیں ان کا حشر کیا ہوگا؟"

فرمایا: "مجھ کو فضول سوال سے گرانی ہوتی ہے انسان پہلے اپنی فکر کرے، کیوں کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ ایسے مضمون سے نصیحت کرنا منظور نہیں ہوتا، بل کہ محض دوسرے کو چڑانا مقصود ہوتا ہے"۔

☆ ایک شخص حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں آیا کہ فلاں شخص فلاں کام شرک کا کر رہا ہے اور اس پر بنظرِ تحقیر کہا تھا۔

حضرت نے فرمایا: "میاں بیٹھ بھی، جس وقت اپنی حقیقت کھلے گی تو سب بھول جاؤ گے اور اپنے کو کافر سے بھی بدتر سمجھو گے، دوسروں کے عیوب کی طرف نظر ہی نہ ہوگی۔

☆ حضرت تھانویؒ نے ایک موقع پر فرمایا: "ایک شخص نے کہا: یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے؟"

(۱) فضائل صبر شکر: ۳۲۸_۳۲۹

میں نے کہا: ''ہاں اس شخص کو جائز ہے جس کو یقین ہو جائے کہ میں اس سے بہتر ہو کر مروں گا۔''

اس نے کہا: ''یہ مرنے سے پہلے کیسے ہو سکتا ہے؟''

میں نے کہا: ''بس مرنے کے بعد جائز ہو گا۔''

☆ ایک اور موقع پر فرمایا: ''شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے کسی نے دریافت کیا کہ ہندوستان میں جمعہ کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟''

فرمایا: ''جیسے جمعرات کی نماز پڑھنا''۔کسی اور نے یہ پوچھا' فاحشہ عورت کا جنازہ پڑھنا کیسا جائز ہے؟'' فرمایا: ''اس کے آشناؤں کے جنازے کیسے جائز سمجھتے ہو۔''

☆ ایک عامی نے حضرت سے پوچھا: ''ضاذ (ض) کیسے پڑھا جائے؟'' آپ نے فرمایا: ''جیسے قرآن میں لکھا ہے۔''

☆ حضرت تھانویؒ ایک مرتبہ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے پاس تشریف لے گئے حضرت سہارنپوریؒ نے حضرت سے فرمایا: ''ایک شخص ہے بہشتی زیور کے ایک مسئلہ پر بہت اعتراض کرتا ہے۔'' حضرتؒ نے فرمایا: ''اس کو میرے پاس بھیجو۔'' جب وہ سامنے آیا تو حضرتؒ نے فرمایا: ''تمہیں ''نفس مسئلہ سمجھ نہیں آیا یا اس کی علت؟'' اب وہ عامی شخص تھا اس بات کو سمجھ ہی نہ سکا اور چپ چاپ واپس آ گیا۔

☆ ایک شخص نے کہا: ''حضرت! لوگ آپ کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں، اس لیے ایک جلسہ منعقد کیا جائے جس میں اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں۔''

اس پر آپؒ نے فرمایا: ''لوگ تو اللہ تعالیٰ ''واحد لا شریک'' پر بھی اعتراض کرتے ہیں، پہلے اس پر جلسہ قائم ہو، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی، کیوں کہ اس پر اعتراض کیے جاتے ہیں اس کے بعد قرآن پاک پر، کیوں کہ اس پر بھی اعتراض کیے جاتے ہیں، اسی طرح تمام عظیم ہستیوں پر جلسے کرا کر اعتراضات کے جوابات دیے جائیں پھر جب میرا نمبر آئے گا تو میں جلسہ کراؤں گا اور جوابات دوں گا۔''

☆ایک شخص نے کہا : ''نمازیں پانچ کیوں فرض کی گئیں؟'' حضرت نے جواب دیا : ''تمہاری ناک کمر پر کیوں نہ لگائی؟'' اس نے کہا : ''بری لگتی'، تو حضرت نے فرمایا : سب کی ہوتی تو بری کیسی لگتی۔

☆ایک شخص نے پوچھا : ''دیہات میں جمعہ کیوں نہیں ہوتا؟''

حضرت تھانویؒ نے فرمایا : ''بمبئی میں حج کیوں نہیں ہوتا؟'' حضرت تھانویؒ کو اللہ تعالیٰ نے حکمت کا خزانہ عطا فرمایا تھا۔

مفتی اعظم مفتی شفیع صاحبؒ کا معمول

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کو اس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ جن سوالات پر دنیا آخرت کا کوئی عملی فائدہ مرتب نہ ہو ان کی ہمت شکنی کی جائے۔ حضرت مفتی صاحبؒ ایسے سوالات کے جواب میں فتویٰ لکھنے کے بجائے نصیحت فرماتے تھے جس سے عمل کا دھیان اور آخرت کی فکر پیدا ہو۔

مثلاً ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا : ''یزید کی مغفرت ہوگی یا نہیں؟'' آپؒ نے جواب دیا : ''یزید سے پہلے اپنی مغفرت کی فکر کرنی چاہیے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ معلوم کیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سر نیچا کیے خاموش بیٹھے رہے، سائل نے دوبارہ معلوم کیا اور کہا : ''آپ نے میرا سوال نہیں سنا؟''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: ''ہاں سنا، تم لوگ گویا سمجھتے ہو کہ جو باتیں ہم سے معلوم کرتے ہو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہم سے سوال نہیں کرے گا، اتنا موقع تو دو کہ ہم تمہارے مسئلہ میں غور کرلیں، اگر ہمارے نزدیک جواب ہوگا تو بتادیں گے ورنہ تم سے کہہ دیں گے کہ ہم اس کا علم نہیں ہے۔''(۱)

(۱) خیر القرون کی درسگاہیں :۲۱

(۱۹) جاہل سے بحث نہ کریں

بعض اوقات امام مسجد کو ایسے لوگوں کے ساتھ واسطہ پڑ جاتا ہے جو یا تو جاہل ہوتے ہیں، یا ہوتے تو وہ عالم ہیں، لیکن جاہل کام کرتے ہیں ۔۔۔۔ یا مقابلہ میں آ کر جاہلانہ باتیں کرتے ہیں کوئی ایسی کوئی بحث شروع کر دیں گے جس کے ذریعے امام کو تنگ کرنا مقصود ہوتا ہے ۔۔۔ یا امام کے ذریعے اپنے دوسروں ساتھیوں کو ذلیل کروانا مقصود ہوتا ہے ۔۔۔ یا آپس کے نمازیوں میں تفرق پیدا کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔

اس وقت امام کو چاہیے کہ اس آیت مبارکہ پر عمل کرے جو اللہ تعالیٰ نے رحمن کے بندوں کی صفت میں بیان فرمائی ہے (وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا) (۱)

''اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے''۔

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی کم عقل اور بے ادب لوگوں کی بات جواب عفو وصفح سے دیتے ہیں جب کوئی جہالت کی گفتگو کرے تو ملائم بات اور صاحب سلامت کہہ کر الگ ہو جاتے ہیں، ایسوں سے منہ نہیں لگتے۔ نہ ان میں شامل ہوں نہ ان سے لڑیں۔ (۲)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں، یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں سلام، یہاں جاہلوں کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی بل کہ وہ (شخص) جہالت کے کام یا جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو، اور لفظ سلام سے مراد یہاں عرفی سلام نہیں بل کہ سلامتی کی بات ہے۔ (۳)

---

(۱) الفرقان: ۶۳

(۲) تفسیر عثمانی: ۴۸۷

(۳) معارف القرآن: ۶/ ۵۰۳

امام قرطبیؒ نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام ''تسلیم'' سے مشتق نہیں بل کہ ''تسلیم'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ''سلامت رہنا'' (۱) مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذاء نہ پہنچے اور یہ گناہ گار نہ ہو، حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ حضرات انتقامی معاملہ نہیں کرتے بل کہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔

لاحاصل اختلاف سے عمر ضائع ہو جاتی ہے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا اس سلسلہ میں ایک عبرت انگیز واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں: قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے، ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا، ایک صبح نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا: حضرت کیسے مزاج ہیں؟ کہا: ہاں ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کردی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گزری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں مشاہیر ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا: میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی۔

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟ فرمایا: ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری کاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔ اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۷/۵۵

امام ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنالوہا منوائے گا، وہ ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے مین ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کردیں، اور دوسرے کے مسلک کو خطا محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں، اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں، تدقیقات کا جن میں مصروف ہیں۔

پھر فرمایا: ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کون سا مسلک صواب تھا اور کون سا خطاء، اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، دنیا میں بھی ہم، تمام تر تحقیق وکاوش کے بعد یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطاء ہو اور وہ خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا، آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

مسالک کے اختلاف کو ہوا نہ دیں

حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ یہ تھے ''اللہ تعالیٰ امام شافعیؒ کو رسوا کردے گا نہ امام ابو حنیفہؒ کو، نہ امام مالکؒ کو، نہ امام احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے ہدایت کو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گزریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا۔ (نشاءاللہ) کہ وہاں میدان محشر میں کھڑا کرکے یہ معلوم کرے کہ ابو

حنفیہؒ نے صحیح کہا تھا یا شافعیؒ نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا نہ برزخ اور نہ محشر میں، اس کی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی، اپنی قوت صرف کردی اور صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن دعوت انبیاء کرام علیہم السلام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج یہ دعوت تو نہیں دی جارہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہورہا ہیں اور اپنے واغیار ان کے چہرے کو مسخ کررہے ہیں اور منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک وبت پرستی چل رہی ہے، حرام وحلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے، لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا : یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔

آپ مسلمانوں کی پستی، تنزلی اور ذلت کے اسباب پر غور فرمائیں گے تو آپ کو بڑے بڑے یہی دو اسباب نظر آئیں گے: (۱) امت آپس میں دشت وگریباں ہے، ہر شخص الگ جماعت بنانے کی فکر میں ہے، کئی جماعتیں ایسی ہیں کہ ان میں صدر اور سکریڑی کے علاوہ آپ کو تیسرا شخص نہیں ملے گا، مگر نعرے ایسے انقلاب خیز لگائے جاتے ہیں، گویا یہی ایک جماعت ہے جو بگڑی ہوئی امت میں انقلاب برپا کرسکتی ہے، کام سے زیادہ پروپگینڈہ اور تشہیر کی جاتی ہے۔

(۲) قرآن کو چھوڑ کر امت نے لینن مارکس(۱)، ماؤ زے تنگ(۲) غامدی(۳)

---

(۱) اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۲) اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۳) اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

انجینئر مرزا(۱) شکیل بن حنیف (۲) فیاض بھیّا(۳) ریاض گوہر شاہی (۴) اور نہ جانے کون کون سے لادینوں کی تعلیمات کو اپنا لیا ہے، اپنی معشیت ۔سیاست، حوحکومت ۔غرضیکہ ہر چیز کے بارے میں ان ہی گمراہ کن کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

قرآن کریم کو خوب صورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقوں کی زنیت بنادیا گیا ہے۔

قرآن کا مقصد اب صرف یہ رہ گیا ہے: کہ کبھی کبھار برکت کے لیے پڑھ لیا جائے۔

یا کوئی مرجائے تو قرآن سے ایصالِ ثواب کردیا جائے۔

یا کبھی جھگڑا ہو جائے تو قرآن کی قسم اٹھالی جائے۔

یا تعویذات لکھ لکھ کر بیماروں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں۔(۵)

(۲۰)خواب کے بجائے بیداری کی فکر کروائیں

اکثر مقتدی احباب ائمہ حضرت کے پاس خواب کی تعبیر پوچھنے آتے ہیں، ان میں بعض تو برے خواب دیکھ کر بہت پریشان ہوجاتے ہیں اور بعض اچھے خواب دیکھ کر بہت مطمئن ہو جاتے ہیں۔

خوابوں کے پیچھے بہت زیادہ پڑنا مطلوب اور مقصود نہیں، البتہ اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اس پر نجات کا مدار نہیں، کیوں کہ غیر اختیاری معاملہ ہے، ہمارے طبقے میں ایک بڑی تعداد ہے جو خوابوں ہی کے پیچھے پڑی ہے دن، رات یہی فکر ہے کہ کوئی اچھا خواب آجائے، اسی کو منتہاءِ مقصود سمجھا ہوا ہے، حالاں کہ یہ بات درست نہیں، اس لیے کہ پھر یہ

(۱)اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۲)اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۳)اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۴)اس شخص کا تعارف بقیات میں ہے

(۵) ندائے منبر محراب :۱۸۶

ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی اچھا خواب اپنے بارے میں دیکھ لیں تو بس یہ سمجھا کہ اب میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہوں، خوب سمجھ لیں کہ خواب اپنی ذات میں نہ تو کسی کا درجہ بلند کرتا ہے، اور نہ اجروثواب کا موجب ہوتا ہے، بل کہ اصل مدار بیداری کے اعمال پر ہے، یہ دیکھو کہ تم بیداری میں کیا عمل کر رہے ہو، لہذا اگر کوئی اچھا خواب دیکھے۔

مثلاً اپنے بارے میں کوئی دینی یا دنیوی ترقی دیکھے، تو اس صورت میں اپنے جاننے والے اور اپنے محبت کرنے والوں کے سامنے اس خواب کا تذکرہ کرے، دوسروں کو نہ بتائے، کیوں کہ بعض اوقات ایک آدمی وہ خواب سن کر اس کی الٹی سیدھی تعبیر بیان کر دیتا ہے ،جس کی وجہ سے اس اچھے خواب کی تعبیر اس کے مطابق ہوجاتی ہے، اس لیے اپنے محبت کرنے والوں کو وہ خواب بتائے، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔(۱)

اور اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : تم میں سے کوئی برا خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے (بل کہ) چاہیے کہ وہ کھڑا ہوجائے اور (نفل) نماز پڑھے"۔

لہذا ہم ائمہ کو چاہیے کہ لوگوں کو بتلائیں کہ خواب کے معاملہ میں وہ درمیانی راستہ موقع مناسبت دیکھ کر اختیار کریں جو ہمیں شریعت نے بتلایا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نبی کریم ﷺ کے نورانی طریقوں پر عمل کرنے کی پوری پوری کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سوال اسی زندگی سے متعلق ہوگا، اگر یہ زندگی اللہ تعالیٰ کے حکموں اور رسول ﷺ کے طریقوں کے موافق ہو تو چاہے، انسان اپنے آپ کو کواب میں کسی بھی حالت اور مقام پر دیکھے تو اسے پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے، اور اگر خوانخوستہ بیداری والی زندگی کے اعمال میں کوتاہیاں ہیں تو خواہ اپنے آپ کو خواب میں اچھے سے اچھے مقام پر بھی دیکھ لے تو کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ہی اس پر مطمئن ہونا چاہیے۔

---

(۱) بخاری التعبیر، باب الرویا الصالحۃ، حدیث :٦٩٨٦

''حضرت محمد بن سیرینؒ کاارشاد ہے: ''الرؤیا تسر ولا تغر''، خواب کسی انسان کو دھو کے میں نہ ڈالے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ میں بہت پہنچا ہوا ہوں اور اس کے نتیجے میں بیداری کے اعمال سے غافل ہو جائے۔''

ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے سو خواب پوچھے جاتے تو کسی کا جواب نہ دیتے، اور فرماتے: بیداری میں اللہ سے ڈرو، نیند کی کوئی چیز تمھیں تکلیف نہیں پہنچائے گی۔

''قال هشام بن حسان: كان ابن سيرين يسأل عن مائة رؤيا فلا يجيب فيها بشيء إلا أن يقول: اتق الله وأحسن في اليقظة, فإنه لا يضرك ما رأيت في النوم''(۱)

ایک شخص نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے خواب سنایا کہ ''میں نے آپ کو جنت میں دیکھا ہے''، حضرت نے فرمایا: خواب مومن کو خوش تو کرتا ہے مگر دھوکہ میں نہیں ڈالتا ہے، خواب میں تم اس آدمی کو بھی جنت میں دیکھو گے جو بیداری میں کافر ہے۔

''جاء رجل إلى الإمام أحمد بن حنبل، وقال: ''إني رأيتك في الجنة''فقال: ''الرؤيا تسر المؤمن ولا تغره؛ قد كان يُرى لفلان ما تقول، وهو اليوم يَرى رأي الخوارج''(۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ خواب کی تعبیر میں یہ شعر پڑھتے

ایک صاحب نے حضرت تھانویؒ سے خواب کی تعبیر معلوم کرنے کی درخواست کی، اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ خواب میں کیا رکھا ہے بیداری کی کوئی بات پوچھو؟۔

آج کل لوگ خوابوں کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، کثرت سے خطوط میں خواب لکھے ہوئے آتے ہیں، میں اکثر یہ جواب لکھ دیتا ہوں کہ:

---

(۱) الآداب الشرعیة: ۳/ ۴۵۱

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۱/ ۲۲۷

نہ شبم، نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
ز غلام آفتابم ہمہ آفتاب گویم

بیداری کو چھوڑ کر خواب کے پیچھے پڑنا ایسا ہے جیسے کوئی اصل شکار کو چھوڑ کر اس کے سائے کے پیچھے پڑھ جائے اور یہ سب آخرت سے غفلت اور حقیقت سے بے خبری کی باتیں ہیں۔

تشریح: بہت سے لوگ اس مغالطے اور دھوکے میں ہیں ہے کہ انہوں نے خواب دیکھنے کا نام تصوف سمجھا ہے اور کوئی اچھا خواب دیکھ لیا تو سمجھنے لگے کہ ہم ولی ہو گئے، خواب کے عجیب وغریب راز ہیں، اس کو کوئی پہچان نہیں سکتا۔

اس واسطے حضرت والاؒ فرمایا کرتے تھے کہ: خوابوں کی فکر میں زیادہ نہ پڑو؛ بل کہ اپنی بیداری کی حالت کو درست کرواور اگر کسی نے کیسا بھی برے سے برا خواب دیکھا ہو لیکن اگر تمہاری بیداری کی حالت صحیح ہے تو پھر کوئی فکر کی بات نہیں ل ورنہ ان فضولیات میں کیا رکھا ہے، کیوں بے کار وقت کا ضیاع کیا جائے، وقت کی قدر کرنا چاہیے اور ضروری کام میں لگنا چاہیے۔

خواب حجت نہیں ہے

ایک قاضی تھے، لوگوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مقدمہ سامنے آیا، اور مقدمہ کے اندر گواہ پیش ہوئے، اور شریعت کے مطابق گواہوں کی جانچ پڑتال کا جو طریقہ ہے، وہ پورا کرلیا، اور آخر میں مدعی کے حق میں فیصلہ کرنے کا دل میں ارادہ بھی ہوگیا، لیکن قاضی صاحب نے کہا کہ اس فیصلے کا اعلان کل کریں گے، یہ خیال ہوا کہ کل تک ذرا اور سوچ لوں گا، لیکن جب رات کو سوئے تو خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی، اور جب صبح بیدار ہوئے تو ایسا یاد آیا کہ خواب میں ﷺ یہ فرمارہے تھے کہ جو تم فیصلہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہو یہ فیصلہ غلط ہے، یہ فیصلہ یوں کرنا چاہیے، اب اٹھ کر جو غور کیا تو جس طریقے سے فیصلے

کرنے کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا، وہ کسی طرح شریعت کے دائرے کے مطابق نہیں ہوتا۔

اب بڑے پریشان ہوئے کہ ظاہری طور پر شریعت کا جو تقاضہ ہے، اس کے لحاظ سے تو یہ فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے، لیکن دوسری طرف خواب میں حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ یوں فیصلہ کرو، اب معاملہ بڑا سنگین ہوگیا اور یہ جو مقدمہ کی ذمہ داری ہوتی ہے یہ بڑی سنگین ذمہ داری ہے، جن لوگوں پر گذرتی ہے، وہی اس کو جانتے ہیں، راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہیں۔

چناں چہ قاضی صاحب نے خلیفۂ وقت کو جا کر بتایا کہ اس طرح سے یہ مقدمہ پیش آگیا، اور حضور ﷺ نے خواب میں اس طرح فیصلہ کرنے کو فرمایا، آپ علماء کو جمع فرمائیں، تاکہ اس کے بارے میں ان سے مشورہ ہوجائے۔

چناں چہ سارے شہر کے علماء جمع ہوئے، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا کہ اس طرح یہ مقدمہ درپیش ہے، ظاہری طور پر شریعت کا تقاضہ یہ ہے، لیکن دوسری طرف خواب میں حضور ﷺ نے یہ فرمایا ہے، اب کیا کیا جائے؟

علماء نے فرمایا کہ واقعتہً یہ معاملہ بڑا سنگین ہے، حضور ﷺ کے فرمان پر عمل کرنا چاہیے لیکن اس زمانے کے بزرگ جو اپنی صدی کے مجدد کہلاتے تھے، حضرت شیخ عزالدین ابن عبد السلام، وہ بھی مجلس میں حاضر تھے وہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ میں پورے جزم اور وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ شریعت کے قاعدے کے مطابق آپ جو فیصلہ کرنے جارہے ہیں، وہی فیصلہ کیجیے اور سارا گناہ ثواب میری گردن پر ہے، خواب کی بات پر فیصلہ کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ خواب میں ہزارہاں احتمالات ہوسکتے ہیں، اللہ جانے اپنے دل کی کوئی بات اس میں آگئی ہو، اگر چہ حضور ﷺ کی صورتِ مبارکہ میں شیطان نہیں آسکتا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بیداری کے بعد شیطان نے کوئی وسوسہ ڈال دیا ہو۔ کوئی غلط بات دل میں آگئی ہو۔ شریعت نے حضور ﷺ کے بیداری میں سنے ہوئے ارشادات کے مقابلے میں ہمارے خواب کو حجت قرار نہیں دیا، اور حضور ﷺ کے جو ارشادات ہم تک سندِ متصل کے ساتھ پہنچے

ہیں وہی ہمارے لیے حجت ہیں، ہمیں ان پر عمل کرنا ہے، آپ بھی اس عمل پر کیجیے، اور گناہ ثواب میری گردن پر ہے۔(۱)

(۲۱) مساجد میں رفاہی کام انجام دیں

مساجد میں رفاہی خدمات کوشش کریں، محلے میں ڈاکٹرز رہتے ہیں، ٹیچرز رہتے ہیں، وکلاء رہتے ہیں، ان سے بات کر کے ہفتے میں ایک دن مہینے میں ایک دن فری میڈیکل شاپ قیام عمل میں لائیں امام صاحب کی نگرانی میں وہاں سے بیواؤں کو وظیفے دینے کی کوشش کریں، یہاں سے غیر مسلموں کو قریب کرنے کی کوشش کرنے کی جو شکلیں ہو سکتی ہیں، آپ اپنے ایریے کے لحاظ سے اہتمام کریں، اس سے عام لوگوں میں آپ کا وقار بڑھے گا ہے، آپ کو میرے سے فائدہ ہو گا تو تعلق باقی رہے گی بلکہ بڑھتا رہے گا، سرکاری اسکیموں کو مسجد کے ذریعہ متعارف کروائیں، لوگوں کے بچوں کو آپ کے ذریعے سے سیٹ مل گئی ان کے بچے کو آپ کے ذریعے سے کچھ دوائیاں مل گئیں، تو ان کے دلوں میں محبت بڑھے گی۔

ایسے ہی محلے میں، بستی میں کوئی بھی مفادِ عامہ والا کام ہو تو اس میں آگے بڑھ کے حصہ لیں جیسے ہمارے محلے میں کلینک کھولنا چاہ رہے ہیں، ہاسپٹل کھولنا چاہ رہے ہیں یا سرکاری سکول آرہی ہے، قبرستان کی حفاظت کا کام ہو، کوئی بھی رفاہی کام ہماری مسجد کے تحت ہو تو امام اس میں آگے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی کوشش کرے۔

آپ ﷺ نے خدمت کے معاملہ میں مکمل عالم انسانیت کو ایک خاندان کا درجہ دیا اس طرح کہ تمام انسانوں کو آپ ﷺ نے عیال اللہ قرار دیا اور ہر اس شخص کو لائق تکریم، جو اللہ کے عیال کی کسی بھی طرح خدمت کرتا ہے چنانچہ فرمایا: ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اس کے عیال کے لیے فائدہ مند ہو۔" الخلق

(۱) اصلاحی خطبات، خواب کی شرعی حیثیت: ۵/ ۹۵

كلهم عيال الله و أحب خلقه إليه أنفعهم لعياله‘‘(۱)
و دوسروں کے لیے جتنا نافع ہوگا وہ اتنا ہی بہتر تصور کیا جائے گا۔’’خَیرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ‘‘(۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دولت رفاہ عام کے کاموں کے لیے تقریباً وقف تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی خدمت خلق کے جذبہ سے اس طرح سرشار تھے کہ آپؓ کے در سے کوئی سوالی خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا، آپ کا معروف قول ہے کہ جنت اس شخص کی مشتاق رہتی ہے جو اپنے بھائی کی حاجت روائی میں مصروف رہتا ہے۔

یتیم، کمزور و معذور، بیوہ، پڑوسی، مسافر اور ایسے مقروض جو اپنے قرض کی ادائیگی سے معذور ہوں، قوم ان کی حاجت روائی اور خدمت کے لیے ہمیشہ کمر بستہ رہے، اور انھیں کبھی بھی بے یارو مددگار نہ چھوڑے، تعاون اور خدمت کے سلسلہ میں ہر شخص کے لیے یہ عمومی حکم موجود ہے کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کی ہر طرح سے تعاون کرتے رہیں، رشتہ داروں میں سب سے سرفہرست والدین ہیں، اسی طرح اسلامی معاشرہ کا تانابانا اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اگر اسے مسلم معاشرہ میں ٹھیک طور پر برتا جائے تو وہاں کوئی بھوکا پیاسا یا بغیر پرسان حال نہیں ہوگا، ہر ایک کی خبر گیری کی جانی یقینی ہے۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عہد حاضر میں مادیت کے طوفان اور خودغرضی کے عفریت نے اس طرح انسان کو جکڑ لیا ہے کہ وہ انسان ہو کر بھی انسانیت سے عاری ہے، ایسے ماحول میں مغرب نے آگے بڑھ کر انسانیت کی خدمت کا بیڑا اٹھایا، مجبور و معذور اور بے کس و بے سہارا کو تعاون کی بیساکھی فراہم کی، مظلوم و مقہور اور بے در و بے گھر افراد کے آنسو پوچھنے کے جتن کیے اور کر رہے ہیں؛ لیکن ان کا یہ کام صرف انسانیت کی خدمت کے لیے نہیں جو کہ اسلام کا خاصہ ہے؛ بلکہ اکثر و بیشتر ان کے بہت سے خفیہ ایجنڈے بھی ہوتے

(۱) مجمع الزوائد: ۷۰۷ ۱۳
(۲) مسند الشہاب: ۱۲۹

ہیں جنھیں وہ اس کے در پردہ انجام دیتے ہیں؛ چنانچہ اس وقت مغربی این جی اوز جن ممالک میں بھی انسانی خدمات کا شوروم کھولے بیٹھے ہوئے ہیں، خواہ وہ پناہ گزینوں کے لیے کیمپ کا انتظام ہو یا پھر غریبوں کے لیے ہاسپیٹل اور اسکول وکالج کا قیام اس کی آڑ میں عیسائیت کی تبلیغ، ملکوں کی جاسوسی اور مختلف طرح کے فتنوں کی نت نئی کاشت ان کا محبوب مشغلہ ہے، لہٰذا یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانیت کی حقیقی اور بے لوث خدمت صرف اسلام کا حصہ ہے۔(۱)

(۲۲)مصلیوں کے غم میں شریک رہیں

اگر کوئی مصلی بیمار ہو جائے تو عیادت کا اہتمام کریں، چاہے خواہ وہ committee کا ہو یا نہ ہو عیادت سے مخالف بھی موافق بن جائے گا، عیادت کو جانا سنت ہے، اس سے آدمی کا نظریہ بدلتا ہے، ہمارا ایک شاگرد امامت کرتا ہے، جماعتِ اسلامی کا ایک بندہ بیمار ہو گیا جا کر خیر خیریت پوچھ آیا، اس کے بعد سے مخالفت اور مودودیت پرستی کا بھوت اتر گیا، دو ناریل ساٹھ روپے کے آدمی کے نظریہ بدل سکتے ہیں، عیادت کی وجہ سے وہ ہمارا عقیدت مند ہو جائے گا۔

آپ ﷺ یہودی بچے کی بیماری پر عیادت کے لیے تشریف لے گئے، آپ ﷺ کا جانا اس کی ہدایت کا ذریعہ بن گیا، مصلیوں سے ملنا اپنے وقار کے خلاف نہیں ہے، بلکہ سنتِ رسول ﷺ ہے، حضرت عمرؓ نے ایک مقتدی کی غیر حاضر پر گھر جا کر احوال معلوم فرمائے۔

تعجب ہے کہ پابندی سے آنا والا مصلی دو ہفتوں سے غائب اس کی اقتداء میرے ثواب میں اضافے کا ذریعہ تھی وہ نظر نہیں آرہا، اس کے متعلق معلوم کریں، حالات میں گھرا ہے تو تعاون کی، مشوروں کی شکل نکالیں، اگر بے رخی اپنائی گئی تو مقتدی کے دل میں امام کی کیا وقعت وعظمت پیدا ہوگی، اگر امام بیمار ہو جائے تو کوئی مقتدی عیادت کو نہیں آرہا ہے،

(۱) دارالعلوم ،شمارہ 1 :، جلد 103:، ربیع الثانی، جمادی الاول 1440ھ جنوری 2019ء

اور امام کو اپنے کسی مقتدی کے عیادت کو نہ آنے کا احساس بھی نہیں ہے تو کس قدر افسوس کی بات ہے، غم کے موقعوں پر ساتھ دینے والوں کو انسان نہیں بھولتا ہے، بیماری، پریشانی میں آپ کے تعلقات کے ذریعہ جس کی جو مدد کر دیں زندگی بھر وہ مقتدی آپ کے غلام کی طرح پیش آئے گا، آپ کے دم کا پانی، آپ ہسپتال جا کر عیادت کر لینا زندگی بھر کے لیے آپکا گرویدہ بنا دے گا۔

کسی مقتدی کے انتقال پر تعزیت کریں، آپ تسلی کے دو بول ان کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیں، بعض کام بہت چھوٹے نظر آتے ہیں مگر ان کے پیچھے چھپی محبتوں کی قیمت کا ہمیں اندازہ نہیں ہے۔

نیز بیماری وعیادت اور جنازہ کے موقع پر دل نرم ہوتے ہیں، اس موقع پر ضرورت کی دین کی بات کر دینا، قرض وصیت، ترکہ، مہر وغیرہ کے احکام نرمی سے سمجھا دینا، درحقیقت داعی امام موقع کی تلاش میں رہتا ہے کہ کسی طرح دین منتقل کر دیا جائے، عوام الناس کو فائدہ پہنچانے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا ہے۔

(۲۳) آپسی احترام کا اہتمام کریں

منصب امامت حاصل ہونے کے بعد دوسرے مسجد کے امام سے گہرا خیر خواہانہ تعلق رہے، اس کے متعلق عوام کے سامنے کسی طرح کی شکایت نہ کرے، عوام سے ان کی برائی نہ سنے، کوئی مسئلہ غلط بتانے کی اطلاع ملے تو عوام میں تبصرہ نہ کرے، عوام اگر ان کی تعریف کرے تو ساتھ دے، عوام کو ان کی قدر وخدمت ومنزلت کی ترغیب دے، ماحول وحالات کا تبادلۂ خیال کرے، علمی وتجرباتی استفادہ کا سلسلہ جاری رکھے، حسب سہولت پرانے ائمہ کی خدمت میں حاضری وہدیہ کا اہتمام کرے، امام ہی نہیں بلکہ مصلیوں سے کسی دوسرے مصلی کی غیبت بھی نہ سنے، امام کا دور خاپن اس کے ہی حق میں بہت مضر ہے، ایک صاحب پوچھنے لگے: کیا اہل علم کی مجلس میں بیٹھنا جائز ہے؟ سوال کی وجہ کیا ہے؟ کہنے لگے: غیبت

کے علاوہ کچھ ہوتا نہیں ہے، تو ناجائز مجلس میں شرکت کا حکم معلوم کر رہا ہوں"، کتنی تربیت کی ضرورت ہے کہ ذکرِ غیر میں لذت آتی ہے، ذکرِ خیر میں لذت نہیں آتی ہے۔

☆ شیخ یونس صاحبؒ نے حضرت علی میاں ندویؒ کے متعلق لکھا کہ "آپ رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں ذکرِ خیر ہوتا تھا، ذکرِ غیر نہیں ہوتا تھا"، مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب فرماتے ہیں: اپنے جسم کے بچھو ہٹانے غم کا نہیں، دوسرے کے ناک کی مکھی اڑانے کی فکر ہے۔

☆ امام شافعیؒ نے ایک مرتبہ امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے قریب فجر کی نماز پڑھی تو قنوت نہ پڑھا، پوچھا گیا تو فرمایا کہ "صاحبِ قبر کے ساتھ ادب کا معاملہ کرتے ہوئے میں نے ایسا کیا ہے" اور آپ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ہم کبھی اہلِ عراق کے مذہب کی طرف اترتے ہیں۔"(۱)

☆ قاری طیب صاحبؒ لکھتے ہیں کہ "علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہم سے عہد لیا گیا کہ جب کوئی شخص ہمارے سامنے ہمارے ہم عصر کی تعریف کرے تو ہم بھی اس کی تعریف اور مدح میں موافقت کریں، اور اس میں میخ نہ نکالیں خواہ وہ ہم پر اعتراض ہی کرتا رہتا ہو، جلدی ہی وہ اپنی حرکت سے باز آجائے گا اور برائی کرنا چھوڑ دے گا، اس تدبیر سے ہم خود گناہ سے بچ جائیں گے، اور اس کو بھی بچالیں گے، یہ عہد آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے، ذرا اس زمانہ کے علماء اور سالکین غور سے دیکھیں کہ اس پر کہاں تک سرایت کرتا جارہا ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ جو دنیا میں سب سے بہترین مقامات تھے آج وہی سب سے زیادہ شر وفتن کے سرچشمہ بنے ہوئے ہیں، جن کے بدبودار سوتے بہہ بہہ کر دنیا کو متعفن کر رہے ہیں، اللہ پاک سب کی حفاظت فرمائے۔(۲)

صحابہ کرامؓ وتابعین کے نمونے

صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور بعد کے فقہاء میں سے کچھ حضرات بسم اللہ پڑھ کر نماز شروع

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

کرنے کے قائل تھے جبکہ کچھ حضرات ایسا کرنا پسند نہیں کرتے تھے، کچھ اسے بلند آواز میں پڑھتے تھے اور کچھ آہستہ، فجر میں کچھ لوگ دعائے قنوت پڑھتے تھے، کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ بعض حضرات کی رائے کہ نکسیر پھوٹنے، قے آنے اور سنگی لگوانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے جبکہ دیگر حضرات اس رائے کے قائل نہ تھے، بعض کی رائے کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اور بعض کے ہاں نہیں ٹوٹتا، اونٹ کا گوشت یا کوئی ایسی چیز جسے براہ راست آگ نے چھوا ہو اس کے کھانے سے کسی کے ہاں وضو کرنا ضروری تھا اور کسی کے ہاں نہیں تھا، اس کے باوجود تمام حضرات ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتے تھے۔ جیسے:

۱۔ مدینہ منورہ کے مالکی اور دیگر ائمہ باوجود یہ کہ بسم اللہ نہ تو جہراً پڑھتے تھے اور نہ ہی سراً، مگر امام ابوحنیفہؒ خود اور ان کے ساتھی نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ ان کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے، خلیفہ ہارون رشید نے ایک دن سنگی لگوانے کے بعد امامت کی اور امام ابو یوسفؒ نے بھی ان کی اقتدا میں نماز ادا کی اور بعد میں نماز کو لوٹایا نہیں حالانکہ ان کے مذہب میں پچھنے لگوانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

۲۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک تھا کہ نکسیر پھوٹنے سے اور سنگی لگوانے سے وضوٹوٹ جاتا ہے، ان سے دریافت کیا گیا کہ اگر وضو کرنے کے بعد امام کے بدن سے خون نکلے اور وہ دوبارہ وضو نہ کرے تو کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟ آپؒ نے جواب دیا ''امام مالکؒ اور سعید بن مسیبؒ جیسے اماموں کے پیچھے میں نماز پڑھنے سے گریز کرسکتا ہوں؟'' ان دونوں حضرات کے ہاں خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۳۔ امام شافعیؒ صبح کی نماز میں دعائے قنوت کے قائل تھے، ایک مرتبہ بغداد میں امام ابوحنیفہؒ کی قبر کے قریب والی مسجد میں ان کو صبح کی نماز ادا کرنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے دعائے قنوت نہیں پڑھی، جب ان سے اس بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا ''کیا ان کی موجودگی میں میں ان کے مسلک کی خلاف ورزی کی جرأت کرسکتا ہوں''

پھر آپؒ نے کہا ''کبھی کبھی ہم اہل عراق کے مذہب پر بھی عمل کر لیتے ہیں''(۱)

مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے ساتھ تھانویؒ کا معاملہ

حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری صاحب مدظلہ ''ندائے منبر ومحراب'' میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کا قول ذکر فرماتے ہیں ''میں نے مولانا تھانویؒ صاحبؒ کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت چیزوں میں اختلاف رکھتے ہیں، قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا مگر جب مجلس میں ذکر آتا تو فرماتے: ''مولانا احمد رضا خان صاحب''(ادب سے نام لیتے)

ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر ''مولانا'' کے احمد رضا کہہ دیا، حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ عالم تو ہیں، اگر چہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترام کرتے ہو، یہ کس طرح جائز ہے۔ رائے کا اختلاف اور چیز ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے، مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب؟

حضرت تھانویؒ نے ''مولانا'' نہ کہنے پر برا مانا، حالاں کہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے مقابل جو ''مولانا'' تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے؛ مگر حضرت تھانویؒ اہل علم میں سے تھے، وہ تو نام بھی کسی کا آتا تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے۔

امام مالک کی وسعتِ ظرفی

فقہاء میں امام مالکؒ اہل مدینہ کی روایت کردہ احادیث کے سلسلے میں ثقہ اور مستند سمجھے جاتے تھے، اس کے علاوہ وہ حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور فقہائے سبعہ (مراد ہے سعید بن مسیب، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد، خارجہ زید، ابو بکر بن عبد

(۱) حجۃ اللہ البالغہ، ص: ۲۳۵

الرحمن، سلیمان بن یسار، عبد اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود رحمہم اللہ اجمعین) کے اقوال کا بھی انہیں زیادہ علم تھا، امام مالکؒ اور آپ جیسے دیگر فقہاء کے ذریعہ ہی علم ’’روایت وفتویٰ‘‘ کی بنیاد پڑی۔ آپ نے حدیث وفتویٰ کی گراں قدر خدمات انجام دیں اور اپنی کتاب ’’الموطاء‘‘ تالیف کی جس میں اہل حجاز کی قوی روایات، صحابہ کرامؓ کے ثابت شدہ اقوال اور تابعینؒ کے مستند فتاویٰ جمع کر دیئے، آپ نے اپنی کتاب کو فقہی ابواب کے مطابق بڑی عمدہ ترتیب دی ہے جو آپ کی ۴۰ رسالہ کاوشوں کا ثمر ہے، تاریخ اسلام میں حدیث وفقہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے، امام علیہ رحمہ کے ۷۰ رمعاصر علمائے حجاز نے اس کی تائید وتوثیق کی، اس کے باوجود خلیفہ منصور نے جب اس کے چند نسخے تیار کروا کر دوسرے شہروں میں بھیجنے کا خیال ظاہر کیا تا کہ تمام لوگ صرف اس کے مطابق عمل کریں اور اختلافات کا خاتمہ ہو تو سب سے پہلے امام مالکؒ ہی نے اس تجویز کو رد کیا اور فرمایا ’’امیر المومنین! آپ ایسا نہ کریں، اس لئے کہ لوگوں تک اس سے پہلے سے اقوال اور احادیث اور روایات پہنچ چکی ہیں، ہر ایک نے اپنے تک پہنچنے والی روایت کو اپنا لیا ہے جس سے ان کے درمیان خود ہی اختلاف رونما ہو چکے ہیں اس لئے جو چیز انہوں نے اپنے لئے اختیار کر لی ہے اسی پر آپ انہیں عمل کرنے دیں‘‘ خلیفہ منصور ان کا جواب سن کر مطمئن ہو گئے اور کہا ’’ابو عبد اللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو مزید توفیق بخشے‘‘ (۱)

یہ کتنے جلیل القدر امام تھے جنہیں یہ بات ناگوار تھی کہ لوگوں کو صرف ان کی تالیف کردہ کتاب پر عمل کا پابند بنایا جائے حالانکہ اس کتاب میں انہوں نے احادیث اور اقوال کا وہ بہترین ذخیرہ جمع کر دیا ہے جو ان کے نزدیک مستند اور قابل اعتماد تھا اور جس کے بارے میں اہل مدینہ اور معاصر علماء کی اتنی بڑی جماعت کو کوئی اختلاف بھی نہ تھا، آج جہاں کچھ حدیث ایک عامی بھی یاد کر لیتا ہے تو سب کو اہلِ حدیث بنانے کو عبادت بلکہ جہاد اکبر سمجھ جاتا ہے۔

(۱) حجۃ اللہ البالغہ: ۳۰۷

مسلمانوں کے اتحاد کو بکھرنے نہ دیں

بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری کے وقت کو گوسالہ پرستی کا فتنہ پھوٹا اور ان کے تین فرق ہو گئے حضرت ہارونؑ نے سب کو دعوت حق دی، مگر ان میں سے کسی فرقہ سے کلی اجتناب اور بیزاری و علیحدگی کا حضرت موسیٰؑ کے آنے تک اعلان نہیں کیا، اس پر جب حضرت موسیٰؑ ناراض ہوئے تو انہوں نے یہی عذر پیش کیا کہ میں تشدد کرتا تو بنی اسرائیل کے ٹکڑے ہو جاتے ان میں تفرقہ پھیل جاتا۔" إِنِّي خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِ"(۱)

یعنی میں نے اس لیے کسی بھی فرقہ سے علیحدگی اور بیزاری کا شدت سے اظہار نہیں کیا کہ کہیں آپ واپس آ کر مجھے یہ الزام نہ دیں کہ تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور میری ہدایت کی پابندی نہیں کی۔

حضرت موسیٰؑ نے بھی ان کے عذر کو غلط قرار نہیں دیا، بل کہ صحیح تسلیم کر کے ان کے لیے دعاء و استغفار کیا، اس سے یہ ہدایت نکلتی ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ سے بچنے کے لیے وقتی طور پر اگر کسی برائی کے معاملے میں نرمی برتی جائے تو درست ہے" واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم"(۲)

حضرت امام مالک بن انسؒ فرماتے ہیں: علمی جھگڑے علم کے نور کو زائل کر دیتے ہیں۔" المراء یذھب بنور العلم"(۳)

قاضی ضیاءالدین سنامی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

☆ قاضی ضیاءالدین سنامیؒ کی وفات کے وقت حضرت نظام الدین ملاقات کے

---

(۱) طٰہٰ: ۹۴

(۲) معارف القرآن: ۶/ ۱۰۹

(۳) اوجز المسالک شرح موطا الامام مالک: ۱/ ۱۵

لئے تشریف لے گئے ،خادم نے قاضی صاحب کو نظام الدین اولیاءؒ کے تشریف لانے کی اطلاع دی،فرمایاان سے کہہ دو کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملنے کاوقت ہے اس وقت میں بدعتی سے ملنا نہیں چاہتا،آپؒ جواب میں کہلا بھیجا کہ میں ایسا بے ادب نہیں ہوں کہ بدعت میں ملوث ہو کر آپ کے پاس آؤں میں اس سے توبہ کر کے آیا ہوں ۔"أالتائب من الذنب كمن لا ذنب له" یہ جواب سن کر حضرت قاضی صاحب آبدیدہ ہو گئے،اور اپنا عمامہ خدام کو دیکر فرمایا کہ اس کو بچھا دو اور عرض کرو کہ اس پر پاؤں رکھتے ہوئے تشریف لائیں ،میں ان کے مقام سے واقف ہوں،ان میں ایک ہی کسر تھی جب وہ نہیں رہی تو اب وہ اس قابل ہیں کہ میرے عمامہ پر قدم رکھتے ہوئے تشریف لائیں ،خدام نے حکم کی تعمیل کی اور عماد زمین پر بچھا دیا،حضرتؒ نے وہ عمامہ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور فرمایا یہ دستار شریعت ہے اس پر میں قدم رکھوں میری کیا مجال ہے،اس کو تو میں سر پر رکھوں گا،چنانچہ سر پر رکھے ہوئے تشریف لائے،قاضی صاحب نے بڑی تعظیم وتکریم سے بٹھایا اور عرض کیا کہ حضرت اب میرا آخری وقت ہے توجہ فرمایئے کہ خاتمہ ایمان پر ہو،آپؒ یہ سن کر دیر تک متوجہ رہے اور رخصت ہو کر دہلیز تک پہنچے تھے کہ قاضی صاحب کاانتقال ہوگیا،حضرت نظام الدین اولیاء پر گریہ طاری ہوگیا اور فرمانے لگے کہ''افسوس آج شریعت کا ستون منہدم ہوگیا''اللہ اللہ ساری عمر تو قاضی صاحب آپ پر نکیر کرتے رہے اور آج قاضی صاحب کے وصال پر افسوس کرتے ہیں روتے ہیں فرماتے ہیں کہ شریعت کا ستون منہدم ہوگیا یہ تھے اللہ والے یہ عالم تھا ان کے اخلاص کا ان میں محبت تھی تو وہ لڑتے تھے تو اللہ کے لئے ۔(۱)

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا واقعہ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا دہلی میں قیام تھا،حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے،حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ کے دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن

(۱)ملفوظات حکیم الامت:۲۹/۲۹۸

امروہی صاحبؒ، حاجی امیر شاہ خاں صاحبؒ بھی وہاں موجود تھے، مولانا احمد حسن صاحبؒ نے اپنے ہمجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ ''بھئی''لال کنویں کی مسجد کے جو امام ہیں، ان کی قرأت بہت اچھی ہے، کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں تو شیخ الہند صاحبؒ نے غصے میں آ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، بے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت نانوتوی صاحبؒ کے کان پہنچے اگلے دن حضرت نانوتویؒ ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا،۔۔۔۔۔تو پوچھا کون ہیں؟

معلوم ہوا کہ یہ حضرت مولانا محمد قاسمی صاحبؒ ہیں اور وہ ان کے شاگرد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ محدث امروہی ان کے تلمیذ ہیں۔

امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لئے میرے پیچھے آ گئے، امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا: حضرت! میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج شرمندہ ہوں، آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالاں کہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا: کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپ کے اس جذبے کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے، کیوں؟

اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہینِ رسول کرتا ہوں، تو آپ کی غیرتِ ایمانی کا یہی تقاضا تھا، ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہیے تھی، مگر بہر حال تکفیر کی بنیاد توہین رسول ہے، اور توہین رسول جو مسلمان کرے گا تکفیر واجب ہوگی، دائرہ اسلام سے خارج ہوگا، تو فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرتِ ایمانی کی قدر ہے۔

ہاں! شکایت اس لیے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط، تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی ﷺ کی توہین کرے، اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں۔

"اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْکَ لَہٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ"

اب امام ان کے قدموں پر گرا پڑا۔ تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں "تواضع للہ" اور "ادب مع اللہ" اس درجہ پر جا چکا ہونا ہے کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا، استہزاء اور تمسخر تو بجائے کوخود ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بل کہ صحیح محمل پر اتار کر یہ کہتے ہیں کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے، البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہیے کہ واقع میں ہم توہین رسول کرتے ہیں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الہند کا عجیب واقعہ

☆ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ میں سیاسی اختلاف تھا، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہندؒ کے سیاسی نظریہ پر تھے، شیخ الہندؒ کے مالٹا سے واپسی کے بعد دیوبند کے قیام میں کسی نے کہا: اِس وقت "اشرف علی" بھی یہاں موجود ہے، حضرت اپنی زبان سے کچھ فرمادیں تاکہ اختلاف ختم ہو جائے، حضرتؒ نے فرمایا: وہ (اشرف علی) میرا لحاظ کرتا ہے، وہ میرے سامنے کچھ نہ بولے گا، میرے کہنے سے اس کو تنگی اور تکلیف ہوگی، اور کہنے سننے سے رائے نہیں بدلا کرتی، رائے واقعات سے بدلا کرتی ہے، جب وہ واقعات سمجھ لیں گے تو خود ہی رجوع کر لیں گے، ایک مرتبہ شیخ الہندؒ کی بیٹھک میں بعض لوگ تھانویؒ کے خلاف بول رہے تھے، وہ الفاظ حضرت نے سن لئے تو فرمایا: تم ایسے شخص کی شان میں یہ الفاظ کہہ رہے ہو جس کو میں اپنا بڑا سمجھتا ہوں' دہلی کے قیام میں مرض الموت میں اختلاف کی خبریں پہنچی تو فرمایا: لاؤ پھر میں ہی کچھ اپنی رائے سے ہٹ جاؤں یہ اختلاف تو اچھا نہیں معلوم ہوتا، کیا میرے پاس کوئی وحی آتی ہے؟ یہ محض میری رائے ہے، اسی طرح اس کی (اشرف علیؒ) کی بھی ایک رائے ہے، اللہ اکبر کیا بے نفسی کا مقام تھا، اکابر کے نام لیواؤں کے لئے

سبق کا مقام ہے۔(۱)

☆ پروفسر نادر علی خان صاحبؒ فرماتے ہیں: مولانا عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ میں موتیا اتر آیا، جس سے صاف نظر نہیں آرہا تھا، ایک موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جی ثالث کے جوا پنے سمجھ کر پہن لئے تو حضرت جی ثالث انعام الحسن صاحبؒ نے نیچے جھک کر مولانا کے جوتے سیدھے کرتے ہوئے فرمایا کہ: مولوی عمر تمھارے جوتے یہ ہیں۔

▪ مولانا عبدالحی صاحب کی وفات

مولانا عبدالحی صاحب مرض بواسیر میں مبتلا تھے، کوئی دوا مفید نہیں ہورہی تھی، روز بروز بیماری بڑھتی جارہی تھی، یہاں تک کہ نزع کی حالت ہوگئی، کسی وقت آپ بے ہوش ہوجاتے، کسی وقت ہوش میں آتے تھے، یہ حال سن کر سید صاحب آپ کے پاس تشریف لائے، جو مولانا کو ذرا ہوش آیا تو سید صاحب کو دیکھا اور پہچانا، آپ نے پوچھا: کیا حال ہے؟ فرمایا: نہایت تکلیف ہے، آپ میرے واسطے دعا کریں، اور میرے سینے پر اپنا قدم رکھ دیں کہ اس کی برکت سے اللہ تعالی اس مصیبت سے نجات دیں، آپ نے فرمایا: مولانا صاحب! آپ کے سینے میں قرآن وحدیث کا علم ہے، یہ مناسب نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم رکھوں، پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا ہاتھ رکھ دیا مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار ”اللہ الرفیق الاعلی“ اپنی زبان سے کہا اور انتقال فرمایا۔(۲)

ہم عصر کا احترام نہ کرنے پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں:

”اکابر دیوبند کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مخالف مسلک والوں سے بھی بد

---

(۱) اکابر کا مقام تواضع: ۱۵۴

(۲) سیرت سید احمد شہید۔ج ۲۔ص: ۶۱

اخلاق کا برتاؤ نہیں کرتے تھے، نہ ان کی تردید میں دل آزار اُسلوب کو پسند کرتے تھے اور نہ طعن آمیز القاب سے یاد کرنا پسند کرتے تھے، بل کہ جہاں تک ہوسکتا بداخلاقی کا جواب خوش خلقی سے دیتے اور مخالفین کی دینی ہمدردی وخیر خواہی کو پیشِ نظر رکھتے تھے۔''

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے خادمِ خاص حضرت امیر شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا نانوتوی صاحب ؒ خوردہ تشریف لائے وہاں ایک مجلس میں مولوی فضل رسول بدایونی کا تذکرہ چل گیا (چوں کہ وہ مخالف مسلک کے تھے اس لیے) میری زبان سے (طنز کے طور) بجائے فضل رسول ''فصلِ رسول'' نکل گیا، مولانا نے ناخوش ہو کر فرمایا کہ ''لوگ ان کو کیا کہتے ہیں؟''

میں نے کہا: ''فضل رسول'' آپ نے فرمایا: ''تم فصل رسول کیوں کہتے ہو؟'' حضرت تھانوی ؒ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یہ حضرات تھے جو ''لاتلمزوا انفسکم و لاتنابزوا بالالقاب'' کے پورے عامل تھے، حتیٰ کہ مخالفین کے معاملہ میں بھی۔''(۱)

حضرت سید اصغر حسین صاحب ؒ کا واقعہ

حضرت مولانا مفتی محمد عثمانی صاحب مدظلہ العالی اپنی کتاب ''اکابرِ دیوبند کیا تھے'' میں لکھتے ہیں کہ مشہور عالم دین بزرگ سے بعض سیاسی مسائل میں حضرت میاں صاحب ؒ (حضرت سید اصغر حسین صاحب ؒ) کو شدید اختلاف تھا جس کا اظہار ہمیشہ برملا فرماتے رہے، لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں اگر کسی سے کبھی کوئی نامناسب کلمہ نکل بھی جاتا بڑی سختی کے ساتھ متنبہ فرماتے۔ اختلاف بھی ''اختلاف أمتی رحمة'' کی تشریح پر تھا، اختلاف کی حدود سے سرِ مُو تجاوز ان کی فطرت ہی تھی۔

اِن مختلف الخیال بزرگ نے ایک مرتبہ امساکِ باراں کی شدت دیکھ کر نماز استسقاء

(۱) ارواحِ ثلاثہ: ۱۷۵

پڑھنے کا اعلان کیا، میاں صاحبؒ کو غالباً کشف کے ذریعہ معلوم ہو چکا تھا کہ ان ایام میں بارش نہیں ہوگی، لیکن اس کے باوجود والد صاحبؒ سے فرمایا: ''میاں! بارش تو ہونی نہیں، البتہ نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضروری ہے۔''

چنانچہ والد صاحب نے ان کی معیت میں نمازِ استسقاء ادا کی، بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی، ان بزرگ نے دوسرے روز کے لیے بھی نماز کے لیے بھی نماز کا اعلان فرمایا تو اس دن بھی وہی پہلے دن والی بات فرما کر نماز نماز ادا کرنے پہنچ گئے اور بغیر بارش ہوئے واپس آ گئے، تیسرے روز کے لیے پھر نماز کا اعلان ہوا تو میاں صاحب تیسرے دن بھی نماز کے لیے میدان میں پہنچ گئے اور اُن بزرگ سے کہا: ''اگر آپ اجازت دیں تو نماز میں پڑھا دوں۔''

ہر شخص حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ میاں صاحبؒ تو کبھی پنج وقتہ نماز لوگوں کے اصرار پر بھی نہیں پڑھاتے، آج انہوں نے خود نماز پڑھانے کی پیش کش کیسے کی؟

بہرکیف نمازِ استسقاء میاں صاحبؒ کی امامت میں شروع ہوئی، میاں صاحب کے عقیدت مندوں کے دل میں بار بار یہ خیلا پیدا ہو رہا تھا کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی، شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعہ معلوم کر کے یہ تبدیلی کی ہوگی، لیکن آج بھی دھوپ اسی شدت کے ساتھ چمکتی رہی اور بادل کا دور دور تک بھی نام ونشان نہیں تھا، مجبور ہو کر پورا مجمع شکستہ دل اور مغموم واپس ہوا۔

والد صاحب نے اس خلاف عافت عمل پر استفسار کیا: ''آپ تو کبھی نمازِ پنج گانہ میں بھی امامت نہیں فرماتے آج یہ کیا ماجرا تھا؟''

تو فرمایا: ''میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ عالم دین دو روز سے نماز پڑھا رہے ہیں لوگوں کو ان پر بدگمانی نہ ہو، میں بھی اس میں شریک ہو جاؤں؛ کیوں کہ مجھے اندازہ تھا کہ بارش اس وقت ہونا مقدر میں نہیں، کسی عالم یا مقدس ہستی کا اس میں کیا قصور ہے، اب اگر بدنامی ہونی ہے تو تنہا ایک عالم کی نہ ہو۔''(۱)

(۱) اکابر دیوبند کیا تھے، ۵۷۔۵۸

صحابہ کرام کے آپسی اختلاف پر حضرت عمرؓ کی تنبیہ

حضرت عمر بن خطابؓ ایک موقع پر بہت غصہ ہوئے اور یہ وہ موقع تھا، جب حضرت ابی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان ایک کپڑے میں نماز پڑھنے پر اختلاف ہوا۔

لہٰذا حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا: ''ایک کپڑے میں نماز پڑھنا اچھا اور مستحسن ہے'' جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: ''یہ تو اس وقت ہے جب کسی کے پاس کپڑے کم ہوں'' اتنے میں حضرت عمر بن خطابؓ غصے کی حالت میں نکلے اور فرمایا: افسوس! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں ایسے دو شخص باہم جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں (پھر فرمایا) صحیح بات تو ابی بن کعب کی ہے، مگر اجتہاد میں ابن مسعود نے بھی کوتاہی نہیں کی، لیکن آج کے بعد اگر میں نے کسی کو ایسے مسائل میں اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو اس کو بہت سخت سزا دوں گا۔

''وغضب عمر بن الخطاب من اختلاف أبی بن کعب وابن مسعودؓ فی الصلاة فی الثوب الواحد، اذقال أبی: الصلاة فی الثوب الواحد حسن جمیل ''وقال ابن مسعود: انما کان ذلک والثیاب قلیلة''، فخرج عمر مغضباً فقال: اختلف رجلان من أصحاب رسول الله ﷺ ممن ینظر الیه ویؤخذ عنه وقد صدق أبی، ولم یأل ابن مسعودؓ ولکنی لاأسمع أحدا یختلف فیه بعد مقامی هذا، الا فعلت علی به کذا و کذا''(۱)

(۱) بدعة التعصب المذهبی: ۲۰۱؛ بحوالہ تحفة الائمہ: ۵۳۶

دشمن سے نبرد آزمانہ ہوئے تو آپس میں دشمن بنیں گے

حدیث میں فرمایا ہے :**ذروۃ سنامه الجهاد** ’’یعنی اسلام میں سب سے اعلیٰ کام جہاد ہے؛ جہاد بالنفس سے غفلت ہوگئی، اگر اس جنگ کا رخ ذرا اس طرف سے ہٹا تو یہ جہاد کے بجائے فساد کہلاتی ہے، جس سے بچانے ہی کے لیے اللہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا، وہ کاٹنا جہاں سے لائنیں بدلتی ہیں، صرف یہ ہے کہ اس کا رخ شیطان اور شیطانی طاقتوں کی طرف ہے تو جہاد ہے ورنہ فساد۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے جہاد کے فرض ہونے کی ایک حکمت یہ بھی بیان فرمائی کہ قہر وغضب اور مدافعت کا مادہ جو انسانی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے، جب جہاد کے ذریعے اپنا صحیح مصرف پالیتا ہے تو آپس کی خانہ جنگی اور فساد سے خود بخود نجات ہو جاتی ہے، ورنہ اس کی مثال ایسی ہوتی ہے کہ جس چھت میں بارش کا پانی نکلنے کا راستہ پرنالوں کے ذریعے نہ بنایا جائے تو پھر یہ پانی چھت کو توڑ کر اندر آتا ہے۔(۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کا آپسی احترام

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہونے لگے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے گھوڑے کی رکاب پکڑ لی۔حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا :اے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچازاد بھائی! یوں نہ کریں تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا : ہمیں اپنے علماء سے اسی طرح حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لیتے ہوئے فرمایا: ہمیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ ایسا ہی کرنے کا حکم ہے، جبکہ دونوں میں وراثت کے مسائل میں اس قدر اختلاف تھا کہ رکن یمانی پر مباہلہ کی بات ہوتی تھی۔

(۱) تحفۃ الائمہ :۵۶۳

حضرت زید بن ثابت ۴۵ یا ۴۸ھ میں فوت ہوئے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس امت کا "حِبر" فوت ہوگیا، امید ہے اللہ تعالیٰ ان کا قائم مقام ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بنائے گا، ابن عباسؓ نے فرمایا: علم ایسے ہی اٹھ جاتا ہے، کہ علم کے پہاڑ وخزانے اٹھالئے جاتے ہیں۔(۱)

فارغین سے شیخ الہند کا خطاب

حضرت شیخ الہندؒ کے مفوظات کا مجموعہ "القول الجلیل" میں یہ مقولہ ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے "کہ ہمیں تو سب کچھ پڑھ کر پتہ چل گیا کہ ہم جاہلین ہیں" دیوبند میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ طلبہ کو "جاہلین جاہلین" کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے اور جب ان کی بخاری ختم ہوگئی تو از روز فرمایا کہ آج سے تم لوگ "جہالین" ہو گئے، اور وہ علم ہی کیا ہے جو انسان کے اپنے عیوب نہ بناسکے، علم کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ آدمی کو اپنے عیوب وذنوب کا پتہ چل جائے، آنکھیں کھل جائیں کہ میرے اندر کیا کیا عیب ہیں، ہمیں دوسرے علما کی غلطیاں دیکھنے سے زیادہ اپنی عیوب کی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے۔

امام سبکی رحمہ اللہ کا سبق آموز واقعہ

امام سبکی رحمہ اللہ نے ہی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ وہ گھر کی دہلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی دوران ایک کتا سامنے سے آیا، انہوں نے اس کتے کو دھتکارتے ہوئے کلب بن کلب کا لفظ استعمال کیا، یہ سن کر میرے والد نے گھر کے اندر سے مجھے ڈانٹا میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ کیا وہ کلب بن کلب یعنی کتا کا بچہ کتا نہیں ہے فرمایا لیکن یہ تو صحیح ہے کہ وہ کتا کا بچہ کتا ہے لیکن تمہارے لہجے میں جو حقارت تھی وہ صحیح نہیں ہے۔

جانوروں کی بات چھوڑ دیجئے، انسانوں کی بات کیجئے، اپنے ماتحتوں، زیردستوں اور

(۱) ابن سعد: ۲/ ۳۶۲

معاشی طور پر کمزور لوگوں سے ہمارا بولنے کا انداز کیسا ہوتا ہے کبھی ہم نے غور کیا ہے؟ اگر کسی ملازم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہم اس کی سات پشتوں تک کو دھنک ڈالتے ہیں، یاد رکھئے جو کچھ ہم بول رہے ہیں وہ سب محفوظ ہو رہا ہے اور کل قیامت کے دن فرد جرم پیش کر دی جائے گی اور اس وقت کی ندامت کسی کام نہ آئے گی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا"۔(۱)

(۲۴) سترعیوب کا اہتمام ہونا چاہئے

امام کو اس صفت میں بھی امتیازی درجہ حاصل ہونا چاہیے کہ وہ لوگوں کے عیوب پر پردہ ڈالے، جس طرح اسلاف مسلمان کو شرمندگی سے بچانے کے لیے قربانیاں دیتے تھے۔ اور خود اپنے او پر سہہ لیتے تھے، تاکہ مسلمان بھائی کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

"من غسّل ميتاً فكتم عليه، غفر الله له أربعين مرة"

جو شخص میت کو غسل دیتا ہے اور (اور اگر کوئی عیب پائے تو) تو اس کو چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس بڑے گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔ اور جو اپنے بھائی (کی میت) کے لیے قبر کھودتا ہے اور اس کو اس میں دفن کر دیتا ہے تو گویا اس نے (قیامت کے دن) دوبارہ زندہ اٹھائے جانے تک اس کو ایک مکان میں ٹھہرادیا یعنی اس کو اس قدر اجر ملتا ہے جتنا اس شخص کے لیے قیامت تک مکان دینے کا اجر ملتا۔"

سترِ عیوب کا سبق آموز واقعہ

امام ذہبیؒ نقل کرتے ہیں کہ امام کسائی اور یزیدیؒ ایک ہارون رشید کے یہاں جمع ہو گئے۔ دونوں علم قراءت کے امام ہیں، نماز کا وقت آیا تو امام کسائیؒ نے نماز پڑھائی۔ سورہ "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ" پڑھنی شروع کی، تو بھول گئے، نماز کے بعد امام یزیدیؒ

(۱) الأسراء: ۳۶

نے کہا : ''مقام عبرت ہے کہ کوفہ کے قاری کو'' قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ'' ہی میں بند لگ گیا۔''

پھر اتفاق سے ایک دن امام یزیدیؒ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے تو سورہ فاتحہ ہی بھول گئے، سلام پھیرنے کے بعد انہیں غلطی پر تنبہ ہوا تو یہ شعر پڑھا۔

احفظ لسانک لاتقول فتبتلیٰ   ان البلاء مو کل باالمنطق

اپنی زبان کو روکے رکھو دوسرے کے عیوب سے ورنہ خود ان میں مبتلا وان میں مبتلا ہو جاؤ گے، اس لیے کہ بلاء اور مصیبت بولنے پر آتی ہے۔'' یعنی دوسروں کے عیوب دیکھنے سے بچتے رہو، کسی کی کمی کو تاہی نظر آنے پر اس کو مجلس میں رسوا کرنے سے بچتے رہو، ورنہ یاد رکھو! کہ تم بھی اس طرح کے عیوب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

موجودہ دور میں ہماری اخلاقی برائیوں میں سے ایک برائی یہ بھی ہے کہ ہم لوگ ہمہ وقت دوسروں کے عیوب ونقائص اور اُن کی کمیوں اور کوتاہیوں کے ٹٹولنے کے درپے رہتے ہیں اور پھر جونہی کسی کی کوئی برائی یا عیب ہمارے ہاتھ لگتا ہے ہم پر سے کو ابنا کرا سے ہوا میں اُڑا دیتے ہیں اور دوسرے کی تضحیک واستہزاء سے اپنے نفس کو سکون مہیا کرتے ہیں، یہ انتہائی گھٹیا صفت ہے جو ہمارے معاشرے میں بڑی تیزی کے ساتھ سرایت کرتی جارہی ہے۔

زانی کے زنا کو چھپانے کا حکم ہے تو عالم کا عیب کیا؟

۱۔حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میری ایک بیٹی تھی جسے میں زمانۂ جاہلیت میں ایک دفعہ تو زندہ قبر میں دفن کر دیا تھا لیکن پھر مرنے سے پہلے اسے باہر نکال لیا تھا، پھر اُس نے ہمارے ساتھ اسلام کا زمانہ پایا اور مسلمان ہوگئی، پھر اُس سے ایسا گناہ سرزد ہوگیا جس پر شرعی سزا لازم آتی ہے، اِس پر اُس نے بڑی چھری سے خود کو ذبح کرنے کی کوشش کی، ہم لوگ موقع پر پہنچ گئے اور اسے بچالیا لیکن اُس کے گلے کی کچھ رگیں کٹ گئی تھیں، پھر ہم نے اُس کا

علاج کیا اور وہ ٹھیک ہوگئی، اس کے بعد اُس نے توبہ کی اور اُس کی دینی حالت بہت اچھی ہوگئی، اب ایک قوم کے لوگ اس کی شادی کا پیغام دے رہے ہیں، میں اُنہیں اس کی ساری بات بتادوں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ نے تو اس کا عیب چھپایا تھا، تم اسے ظاہر کرنا چاہتے ہو، اللہ کی قسم! اگر تم نے کسی کو اس لڑکی کی کوئی بات بتائی تو میں تمہیں ایسی سزا دوں گا جس سے تمام شہریوں کو عبرت ہوگی بلکہ اس کی شادی اس طرح کرو جس طرح ایک پاک دامن مسلمان عورت کی کی جاتی ہے۔(۱)

۲۔حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک لڑکی سے برا کام ہوگیا جس کی اسے شرعی سزا مل گئی، پھر اس کی قوم والے ہجرت کرکے آئے اور اُس لڑکی نے توبہ کرلی اور اس کی دینی حالت اچھی ہوگئی ہے، اس لڑکی کی شادی کا پیغام اس کے چچا کے پاس آیا تو اسے سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے؟ اس کی بات بتائے بغیر شادی کردے تو یہ بھی ٹھیک نہیں امانت داری کے خلاف ہے اور اگر بتادے تو یہ بھی ٹھیک نہیں کہ یہ سترِ مسلم (مسلمان کی پردہ پوشی) کے خلاف ہے، اس کے چچا نے یہ بات حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو بتائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (بالکل نہ بتاؤ اور) اس کی ایسے شادی کرو جیسے تم اپنی نیک بھلی لڑکیوں کی کرتے ہو۔(۲)

۳۔حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ! مجھے ایک بچہ ملا اور اُس کے ساتھ ایک مصری سفید کپڑا ملا جس میں سو دینار تھے، میں نے دونوں کو اٹھالیا (اور گھر لے آئی) اور اس بچے کے لئے دودھ پلانے والی عورت کا اُجرت پر انتظام کیا، اب اُس کے پاس چار عورتیں آتی ہیں اور وہ چاروں اسے چومتی ہیں، مجھے پتہ نہیں چلتا کہ ان چاروں میں سے کون اس بچے کی ماں ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب جب وہ عورتیں آئیں تو مجھے اطلاع

---

(۱) کنزالعمال، حدیث: ۸۶۰۵

(۲) کنزالعمال، حدیث: ۴۷۵۷

کر دینا (وہ عورتیں آئیں تو) اس عورت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع کر دی (حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت کے گھر گئے اور) اُن میں سے ایک عورت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم میں سے کون اس بچے کی ماں ہے؟'' اُس عورت نے کہا ''اللہ کی قسم! آپؓ نے (معلوم کرنے کا) اچھا انداز اختیار نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کے عیب پر پردہ ڈالا ہے آپ اُس کی پردہ داری ختم کرنا چاہتے ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے ٹھیک کہا ہے، پھر اُس پہلی عورت سے کہا آئندہ جب یہ عورتیں تمہارے پاس آئیں تو ان سے کچھ نہ پوچھنا اور ان کے بچے کے ساتھ اچھا سلوک کرتی رہنا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس تشریف لے گئے۔(۱)

باندی کی بدکاری کو چھپانے کا حکم تو امام کا عیب کیا؟

حضرت صالح بن کرز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری ایک باندی سے گناہ صادر ہوگیا، میں اسے لے کر حضرت حکم بن ایوب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا، میں وہاں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے اور بیٹھ گئے اور فرمایا ''اے صالح! یہ تمہارے ساتھ باندی کیوں ہے؟'' میں نے کہا ''میری باندی سے یہ گناہ صادر ہوگیا ہے، اب اِس کا معاملہ امام کے سامنے لے جانا چاہتا ہوں تا کہ وہ اسے شرعی سزا دے۔'' حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے نہ کرو اپنی باندی کو واپس لے جاؤ اور اللہ سے ڈرو اور اس کے عیب پر پردہ ڈالو! میں نے کہا نہیں میں ایسے نہیں کروں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ایسے نہ کرو اور میری بات مانو۔ وہ بار بار مجھ پر اصرار فرماتے رہے یہاں تک کہ میں باندی کو واپس گھر لے گیا۔(۲)

(۱) کنز العمال، حدیث: ۴۰۵۶۷

(۲) کنز العمال، حدیث: ۴۰۵۶۷

شرابی کا عیب چھپانے کا حکم تو حافظ کا عیب کیا؟

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے منشی حضرت دُخین ابو الہیثم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے کہا ہمارے چند پڑوسی شراب پیتے ہیں، میں اُن کو پکڑوانا چاہتا ہوں، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایسے نہ کرو بلکہ ان کو وعظ ونصیحت کرو اور ان کو ڈراؤ! میں نے کہا میں نے انہیں کو روکا تھا لیکن وہ رکے نہیں، اس لئے میں تو اب ان کے لئے پولیس کو بلانا چاہتا ہوں تاکہ وہ ان کو پکڑ لیں۔ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے کہا تمہارا ناس ہو! ایسے نہ کرو! کیوں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے کسی (مسلمان کے) عیب کو چھپایا تو گویا اس نے زندہ درگور لڑکی کو زندہ کیا۔(۱)

بُرے لوگوں کی فہرست میں پہلے اپنا نام لکھ لینا

حضرت بلال بن سعد اشعری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو خط میں لکھا کہ دمشق کے بدقماشوں کے نام لکھ کر میرے پاس بھیجو تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا دمشق کے بدقماشوں سے کیا تعلق؟ اور مجھے ان کا پتہ کہاں سے چلے گا؟ اس پر ان کے بیٹے بلال نے کہا کہ میں ان کے نام لکھ دیتا ہوں اور ان کے نام لکھ کر دے دیئے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہیں ان کا پتہ کہاں سے چلا ہے؟ تمہیں ان کا پتہ اس وجہ سے چلا ہے کہ تم بھی ان میں سے ہو! اس لئے ان کے ناموں کی فہرست اپنے نام سے شروع کرو! اور ان کے نام حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہ بھیجے!(۲)

---

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث: ۴۸۹۲

(۲) الادب المفرد، حدیث: ۱۲۹۰

فطری عیب چھپانا ہےتو اخلاقی عیب کا کیا حکم

حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک گھر میں تھے۔ ان کے ساتھ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اِتنے میں کسی کی ہوا خارج ہوگئی جس کی بدبو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محسوس کی تو فرمایا کہ میں تاکید کرتا ہوں کہ جس آدمی کی ہوا خارج ہوئی ہے وہ کھڑا ہوجائے اور جا کر وضو کرے، اس پر حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے امیر المؤمنینؓ! کیا تمام لوگ وضو نہ کرلیں؟ اِس سے مقصد بھی حاصل ہوجائے گا اور جس کی ہوا خارج ہوئی ہے اس کے عیب پر پردہ بھی پڑا رہے گا! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ آپ رحم فرمائے! آپ جاہلیت میں بھی بہت اچھے سردار تھے اور اسلام میں بھی بہت اچھے سردار ہیں (کہ پردہ پوشی کی کیسی اچھی اور عمدہ ترکیب آپ نے بتائی ہے)[1]

موجودہ دور کی ستم ظریفی

یہ بھی حقیقت ہے کہ جوں جوں ہم ڈیجیٹل دور میں داخل ہوتے جارہے ہیں اس دوڑ میں ہمدردی احساس، مروت اور لحاظ سب ختم ہورہا ہے، پہلے کبھی اگر کہیں دولوگوں میں لڑائی جھگڑا ہوتا تو تیسرا فریق ان میں صلح کرواتا تھا مگر آج کہیں لڑائی ہوتی ہےتو تیسرا فریق دونوں کی ویڈیو بنارہا ہوتا ہے،لوگ کسی مرتے ہوئے انسان کو بچانے کی کوشش کرنے کی بجائے اس کو وائرل کرنے کیلئے اور جعلی شہرت حاصل کرنے کے لیے ویڈیو بنانے اور اپ لوڈ کرنے میں لگ جاتے ہیں، اس حوالے سے آج ہم سب کو اپنی حالت دیکھ لینی چاہیے، کیا ہم وہ کام کررہے ہیں جس سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارے عیوب اور گناہوں کو چھپا لیں گے یا پھر ہم وہ کام کررہے ہیں جس سے انسان اپنے گھر بیٹھے رسوا ہوجاتا ہے، یہ بات ہم سب کے لیے لمحہ فکر ہے۔

---

(۱) کنز العمال، حدیث: ۸۶۰۸

یقیناً بندۂ مومن کا ایمانی و اخلاقی یہی وصف ہونا چاہئے کہ وہ دوسروں کے عیوب و نقائص کو نہ ٹٹولے اور ان کی کمی وکوتاہی کو آشکارا کرنے کی بجائے اپنے عیوب ونقائص کو ٹٹولے اور اُن کی اصلاح و ہدایت کی کوشش وفکر کرے اور دوسرے لوگوں کے عیوب و نقائص پر پردہ ڈالے اور چشم پوشی برتے کہ اس سے جہاں دوسرے مسلمانوں کی پردہ پوشی ہوگی اور ان کی عزت نفس کا سامان ہوگا تو وہیں اس عمدہ اور نیک صفت کی بدولت اللہ تعالیٰ اس شخص کی بھی دنیا و آخرت میں پردہ پوشی فرمائیں گے اور اس کی بھی عزت نفس کی حفاظت فرمائیں گے۔

ائمہ میں تلبیسِ ابلیس کی شکل کیا ہوتی ہے؟

ماہرین علماء نے تلبیساتِ ابلیس کو مختصراً اس طرح بتلایا ہے کہ ابلیس مخفی طور پر علماء کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ جیسا ذی علم تو میں نے کبھی دیکھا ہی نہیں میں اپنے سب جاننے والوں میں آپ کو سب سے زیادہ صاحب علم سمجھتا ہوں، شیطان کی یہ بات اگر اس عالم کے دل میں گھر کر جاتی ہے تو وہ تکبر وعجب کی وجہ سے ہلاکت تک پہنچ جاتا ہے، یا پھر شیطان دو اماموں کو اس طرح لڑواتا ہے کہ ''ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی کوتاہیوں کو پہاڑ بنا کر دکھاتا ہے۔ اور اپنے مسلک اور مشرب کے خلاف ذرہ برابر کوئی بات صادر ہوتی ہے تو میں آپ یہ کہتے ہیں کہ اس کا فرقہ الگ ہے یہ صوفی ہے، یا سلفی ہے یا تبلیغی ہے وغیرہ وغیرہ، اللہ ہمیں ان چیزوں سے محفوظ رکھے اور معاف فرمائے۔''(۱)

کسی امام کی غلطی عوام کے سامنے ظاہر نہ کریں

کسی بھی عالم کا عیب عوام کے مجمع میں ذکر نہ کیا جائے، اگر آپ اس عالم میں کوئی کمی پاتے ہیں تو اس کو تنہائی میں بتائیں، اگر بالمشافہ بات کرنے میں کسی قسم کی عار ہو تو تحریراً ان کو

(۱) تحاسد العلماء، تلبیس ابلیس، ۱۶۴

مطلع فرمادیں کہ بندہ کی رائے یہ ہے کہ آں جناب اس میں غور فرمالیں، اگر اس کے باوجود بھی وہ اپنی رائے پر مصر ہوں تو چھوڑ دیجئے۔

ہاں عوام کے سامنے آپ اپنی رائے لانا چاہتے ہیں یا آپ کو خطرہ ہے کہ یہ دین کا ایسا بنیادی اور اہم مسئلہ ہے جس میں اگر لوگوں نے ان کی اتباع کرلی تو ان کے دین کے لیے خطرہ ہے اور آپ اس مقام پر ہیں کہ لوگ آپ کی بات مانتے ہیں تو آپ رد بھی کرنا چاہیں تو اپنے اہل علم ساتھیوں سے مشورہ کرلیں کہ بندہ نے یوں لکھنے کا ارادہ کیا یا بیان میں کہنے کا ارادہ ہے۔

کہیں یہ کہنا اور لکھنا، حسد، حقد، تعصب اور عجب کی بنا پر تو نہیں ہے؟ اس تحریر کے انداز سے بیان میں کبر و عجب تو محسوس نہیں ہو رہا؟ اس لکھنے سے وہ سامنے والے شخص ہدایت پر آجائیں گے، یا اللہ نہ کرے ضد پر آ کر فتنہ مزید تو نہیں پھیلے گا؟

مشورہ واستخارہ کے بعد اس پر قلم وزبان چلائیں، اکابر علماء نے اس میں بڑی احتیاط فرمائی ہے اور جن علماء کرام سے احتیاط نہیں ہوتی تو اس کے نتائج تاریخِ اسلام میں بہت برے اور افسوس ناک واقع ہوئے ہیں۔

(۲۵) اپنے مسلک کی حقانیت پر محنت جاری رکھیں

ہندوستان میں اکثریت حنفی مسلک کی ہے، فارغین کی تعداد زیادہ ہے، مساجد میں ائمہ کرام بھی حنفی مسلک ہی کی ہیں، مگر جس قدر مسلک کی حفاظت اور اس کی حقانیت ثابت ہونی چاہئے ویسے نہ ہونے کی وجہ سے ہر آئے دن اپنی قوم گمرہ مسالک وفرقوں کا شکار بنتی جارہی ہے۔

حنفی مسلک پوری دنیا میں اس قدر عام ہونے کی وجوہات میں سے ایک اہم وجہ حنفی علما کی محنتیں ہیں، کوئی بھی شخصیت کتنی بھی عظیم کیوں نہ ہو؛ لیکن تاریخی طور پر اس کا نام اور کام جاری رہنے کے لیے ایسے افراد کی ضرورت ہوتی ہے جو اپنی ذات کی قربانی دے کر اپنے استاد

یا تحریک کے موسس کے کام کو آگے بڑھا سکیں۔

ایسے شاگردوں کا ملنا اور ایسے افراد کا تحریک سے جڑنا محض فضل ربانی اور عطائے ایزدی ہے۔ ورنہ تاریخ کی کتنی ہی نامور ہستیاں ایسی ہیں جو باوجود علم وفضل کا پہاڑ ہونے کے محض اس لیے صرف کتابوں میں دفن ہو کر رہ گئیں کہ ان کے بعد ان کے کام اور کاز کو آگے بڑھانے والے مخلص شاگرد دستیاب نہ ہوئے یا ان کے شاگردان کے علمی امانت کے لائق امین نہ بن سکے۔

حضرت لیث بن سعدؒ کا مسلک کیوں آگے نہ چلا؟

حضرت لیث بن سعدؒ علم حدیث وفقہ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں، مجتہد ہیں، مصر میں ان کا مذہب بھی ایک عرصے تک رائج رہا، ان کی فقاہت کی تعریف موافق ومخالف سبھی نے کی ہے، وہ امام مالکؒ کے ہم عصر تھے، ان دونوں میں بعض امور کے تعلق سے اختلاف بھی تھا، جس پر دونوں میں مشہور خط وکتابت بھی ہوئی جس کو پڑھ کر آج بھی آنکھوں میں ٹھنڈک اترتی ہے اور دل کو سکون ملتا ہے کہ ہمارے اسلاف اختلاف میں بھی کتنا مہذب اور شائستہ طریقہ کار اختیار کرتے تھے۔

لیث بن سعدؒ کے بارے میں امام شافعیؒ کہتے ہیں: ”الليث أفقه من مالك إلا أن أصحابه لم يقوموا به“(۱)

امام شافعیؒ کا اعتراف ہے کہ لیث امام مالکؒ سے زیادہ فقیہہ تھے، جب لیث بن سعدؒ مصری فقیہہ ہیں، پھر ان کو وہ مقام اور متبعین کی وہ کثرت کیوں نصیب نہ ہوئی جو امام مالکؒ کو نصیب ہوئی تو اس کا جواب امام شافعی یہ دیتے ہیں کہ ان کے شاگردان کے کام اور مشن کو لے کر کھڑے نہیں ہوئے، اس وجہ سے ان کا علم اور ان کی فقاہت عروج پذیر نہیں

(۱) طبقات الفقهاء: ۷۸، تاریخ دمشق لابن عساکر: ۵۰/ ۳۵۸، تہذیب الکمال فی اسماء الرجال: ۲۴/ ۲۷۵، سیر اعلام النبلاء: ۷/ ۲۱۶، الوافی بالوفیات: ۲۴/ ۳۱۲

ہوئی اور ان کا نام اور کام اور کارنامہ دوام حاصل نہ کرسکا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کی خصوصیت

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ایسے باصلاحیت مخلص اور محبت کرنے والے شاگردوں سے نوازا جنہوں نے اپنے استاد کے منہج کو اپنا منہج بنایا اور اپنے استاد کے علمی کارنامہ کو دنیا بھر میں عام کیا، انھوں نے اپنے استاد سے بجا طور پر علمی اختلاف بھی کیا، استاد کے دلائل اور نظریہ پر تنقید بھی کی؛ لیکن اسی کے ساتھ استاد کی ذات سے چمٹے رہے۔

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے؛ لیکن جو شاگرد ان سے بطور خاص وابستہ رہے وہ ہیں:

(۱) امام ابویوسفؒ، (۲) امام محمد بن الحسنؒ، (۳) امام زفرؒ، (۴) امام حسن بن زیادؒ۔

امام ابویوسفؒ کا کارنامہ

امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے جب دیکھا کہ اوزاعی نے امام ابوحنیفہ کے سیر کے مسائل پر تنقید کی ہے تو انھوں نے اس کا مدلل جواب لکھا جو ''الرد علی الاوزاعی'' کے نام سے مشہور ہے، اسی طرح انھوں نے اپنے استاد کی مرویات کو ''کتاب الآثار'' کے نام سے جمع کیا، اسی طرح اپنے سابق استاد ''ابن ابی لیلیٰ'' اور امام ابوحنیفہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلاف کو دلائل کے ساتھ واضح کیا اور اپنا رجحان بھی بتایا۔

امام محمدؒ کا کارنامہ

امام محمدؒ نے استاد کے مسلک اور منہج پر کتابیں لکھیں، امام محمد بن حسن الشیبانی کی کثیر کتب میں سے جو چھ کتابیں سب سے زیادہ مشہور ہیں انہیں کتب "ظاہر الروایۃ" کہا جاتا ہے وہ چھ کتابیں یہ ہیں:

۱۔ کتاب المبسوط ۲۔ الجامع الصغیر

۳۔الجامع الکبیر ۴۔السیر الصغیر
۵۔السیر الکبیر ۶۔الزیادات

ان کتب کو ظاہر الروایہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی سند ونسبت نہایت مضبوط ہے اس طور پر کہ یہ کتابیں امام موصوف رحمہ اللہ سے بطریق تواتر ثابت ہیں یا کم ازکم انہیں مشہور کا درجہ تو ضرور حاصل ہے۔

اہل عراق اور اہل مدینہ کے اختلافات پر ''الحجة علی أہل المدینه''لکھی اور اس کے علاوہ دیگر کتابیں لکھ کر استاد کے نام اور کام کو آگے بڑھایا۔

امام زفرؒ کا کارنامہ

امام زفرؒ نے اہل بصرہ کی اہل کوفہ سے عداوت کی وجہ سے امام ابوحنیفہ سے برگشتگی کو حکمت اور حسن تدبیر سے دور کیا اور اہل بصرہ کو بھی آپ کا محب ومطیع اور فرمانبردار بنادیا۔

امام ابن عبدالبرؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں:

"زفر بصرہ کے قاضی بنائے گئے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ اہل بصرہ اور ہمارے مابین حسد وعداوت پائی جاتی ہے۔

لہٰذا آپ کا سلامت بچ نکلنا دشوار ہے۔جب بصرہ میں قاضی مقرر ہو کر آئے تو اہل علم جمع ہو کر روزانہ آپ سے فقہی مسائل میں مناظرہ کیا کرتے تھے، جب ان میں قبولیت اور حسن ظن کا رجحان دیکھتے تو کہتے یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اہل بصرہ متعجب ہو کر پوچھتے کیا ابوحنیفہؒ ایسا کہہ سکتے ہیں، امام زفرؒ جواب دیتے : جی ہاں اور اس سے بھی زیادہ!

اس کے بعد تو معمول سا ہو گیا کہ جب بھی زفر اہل بصرہ کا رجحان تسلیم وانقیاد دیکھتے تو کہتے کہ یہ ابوحنیفہؒ کا قول ہے اس سے اہل بصرہ اور متعجب ہوتے چنانچہ امام زفرؒ کا اہل بصرہ سے یہی رویہ رہا یہاں تک کہ بغض وعداوت چھوڑ کر وہ امام صاحب کے معتقد ہو گئے، پہلے

برا بھلا کہتے تھے اب ثنا خوانی میں رطب اللسان رہنے لگے۔(۱)

اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ اور حسن بن زیادؒ کا کارنامہ

مغرب میں امام ابوحنیفہ کے مذہب اور مسلک کو پھیلانے والے اسد بن فراتؒ ہیں، اسد بن فراتؒ نے امام مالکؒ سے بھی تحصیل علم کیا تھا اور اسی کے ساتھ امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کے خرمن علم سے بھی خوشہ چینی کی تھی، ان کا رجحان احناف کی جانب زیادہ تھا؛ چنانچہ مغرب میں ان کی علمی وجاہت سے فقہ پھیلا۔(۲)

امام حسن بن زیادؒ نے مختلف موضوعات پر خصوصاً قضاء کے مختلف موضوعات پر کتابیں لکھ کر اس موضوع کے خس وخاشاک کو صاف کیا اور بعد والوں کے لیے راہ ہموار کی۔

پھر ان چراغوں سے نئے چراغ جلے اور ان چراغوں نے مزید چراغ جلائے اور پوری دنیا فقہ حنفی سے منور ہوگئی اور اس کی ضیاء پاشیوں نے پوری دنیا کو اپنے احاطہ میں لے لیا۔

فقہ حنفی کی ترویج میں ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا کارنامہ

بات صرف ان چاروں کی ہی نہیں ہے؛ بلکہ دیگر افراد کی بھی ہے جو فقہ حنفی سے جڑے رہے۔

مثلاً عبداللہ بن المبارکؒ کی ذات گرامی کو لے لیں، انھوں نے بھی فقہ حنفی کی خدمت کی ہے اور امام ابوحنیفہ کے مسائل پر مبنی کتاب لکھی ہے۔

اس سلسلے میں جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے امام ابوحنیفہ کے مسائل پر کتاب لکھی ہے؛ لیکن امام مالک کے مسائل پر کتاب نہیں لکھی تو عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا کہ

(۱) ''الانتقاء لابن عبدالبر''، ابن عبدالبرؒ کے اس بیان میں یہ بات غلط ہے کہ امام زفر بصرہ کے قاضی بنا کر بھیجے گئے تھے؛ بلکہ جب ان کو قاضی بنانے کا فرمان صادر ہوا تو انھوں نے اپنا گھر منہدم کر دیا اور روپوش ہو گئے۔ بصرہ وہ اپنے بھائی کے میراث کے سلسلہ میں گئے تھے، اہل بصرہ کو ان سے اتنی عقیدت ہوگئی کہ انھوں نے پھر ان کو بصرہ سے باہر جانے نہیں دیا۔ علامہ کوثری لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ (دیکھئے: لمحات النظر فی سیرۃ الامام زفر: ۲۵)

(۲) امام ابوحنیفہ مصنف ابوزہرہ: ۷۵۷

میں اس کو علم نہیں سمجھتا۔

"سَلَمَةَ بْنَ سُلَيْمَانَ يَقُولُ: قُلْتُ لِابْنِ الْمُبَارَكِ: وَضَعْتَ مِنْ رَأْيِ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَمْ تَضَعْ مِنْ رَأْيِ مَالِكٍ قَالَ: لَمْ أَرَهُ عِلْمًا" (۱)

اس حوالہ سے مقصود امام مالک کی تنقیصِ شان نہیں؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ فقہ حنفی کی خدمت کرنے والوں میں سے ایک عبداللہ بن المبارک ہیں۔

مسلک کب کمزور ہو جاتا ہے؟

جب ہم حنفی مسلک کو پوری گہرائی سے درسگاہ میں پڑھتے ہیں، مسجد کی امامت کے ذریعہ اس مسلک کی حقانیت بٹھانا ائمہ کرام کی ذمہ داری ہے، افسوس اس کام کو اپنا نہ سمجھنے کی وجہ سے خود ائمہ کے لئے زمین تنگ ہو رہی ہے۔

شیخ ابوزہرہ فقہ حنفی کی نشر واشاعت کے تحت لکھتے ہیں: "جب سیاسی قوت کمزور پڑ گئی تو وہ علماء کی ہی جد و جہد تھی جس نے مختلف امصار و بلاد میں فقہ حنفی کو زندہ رکھا، اس ضمن میں علماء کی کوشش ایک نہج پر قائم نہیں رہی؛ بلکہ رفتارِ زمانہ کے پیش نظر کبھی اس میں قوت رونما ہوئی اور کبھی کمزوری واقع ہوئی جن بلاد وامصار میں علماء اثر ورسوخ کے حامل تھے، وہاں یہ مذہب پھلا پھولا اور برگ وبار لایا؛ لیکن جہاں علماء کمزور تھے، وہاں مذہب بھی کمزور پڑ گیا"۔ (۲)

حنفی داعیانِ دین کی کوششیں اور کاوشیں

یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ سلطنت عباسیہ کے خلفاء حنفی مذہب سے ارادت اور عقیدت رکھتے تھے، سلطنت عباسیہ کے قاضی اور چیف جسٹس وغیرہ حنفی ہوا کرتے تھے، یہ حکومتیں کفر کی

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ: ۲/ ۱۱۰۷، بعض محدثین نے کچھ ایسے حوالے جات پیش کیے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں عبداللہ بن المبارک امام ابوحنیفہ سے متنفر ہو گئے تھے؛ لیکن یہ بات چند وجوہ کی بنیاد پر قابل اعتبار نہیں ہے۔

(۲) حیات حضرت امام ابوحنیفہ ص: ۷۵۶

سرزمین پر لشکر کشی کیا کرتی تھیں اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوکر ہزاروں افراد اسلام لے آتے تھے، ان نومسلموں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کی ذمہ داری قاضیوں کی ہوا کرتی تھی۔

یہ قاضی چونکہ خود بھی حنفی ہوتے تھے؛ لہٰذا ان کو مسائل فقہیہ کی تعلیم بھی فقہ حنفی کے مطابق دیا کرتے تھے، اس طرح رفتہ رفتہ تھوڑے ہی عرصہ میں فقہ حنفی نے ایک بڑی اور وسیع جگہ پیدا کرلی، بالخصوص نومسلین تمام کے تمام فقہ حنفی سے ہی وابستہ ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ان نومسلین قبائل میں سے آگے چل کر جنھوں نے سلطنت وحکومت کی باگ ڈور سنبھالی، جیسے کہ سلجوقی، مغل، آل عثمان وغیرہ، وہ سب کے سب بھی حنفی ہوئے۔

اس کے علاوہ بھی دیگر داعیانِ دین جنہوں نے انفرادی طور پر دعوت دین کا علم بلند کیا وہ بھی زیادہ تر حنفی تھے۔

آج ڈاکٹر ذاکرنائک صاحب یا دیگر غیر مقلد حضرات دعوتِ اسلام کا کام کرتے ہیں، لوگ اگر اسلام میں داخل ہوکر دین سیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں یہ احباب اپنے ہی مسلک کے مطابق دین کی تعلیم دیتے ہیں، جس کی وجہ غیر مقلدیت کو فروغ مل رہا ہے۔

مغل اور تُرک حکمران حنفی مسلک کے تھے

جب چنگیز خان کی قیادت میں تاتاریوں نے عالم اسلامی کو روند دیا تو اس وقت عالم اسلام زوال کا شکار تھا، اور ایسا لگتا تھا کہ اس کے دن پورے ہوچکے ہیں؛ لیکن خدا کی رحمت جوش میں آئی اور فاتحین نے مفتوحین کے مذہب کو قبول کرلیا۔

چنگیز خان کی حکومت اس کے بیٹوں میں تقسیم کردی گئی تھی، چنگیز کے بڑے بیٹے کی نسل جوجی خان میں سے برکہ خان نے اسلام قبول کیا، اس طرح کہ اس کو خود اسلام کی طرف رغبت ہوئی اور اس نے مسلم تاجروں سے اس کے حوالے سے پوچھا اور اسلام قبول کرلیا اور اپنے چھوٹے بھائی کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔

چنگیز خان کا پوتا قازان بن ارغوان امیر توزون کی تلقین سے ان کے ہاتھ پر مشرف بہ

اسلام ہوا، چنگیز خان کے خاندان کی تیسری شاخ جو بلاد متوسطہ پر قابض تھی، اس میں سے تیمور خان نے ایک مسلم داعی شیخ جمال الدین کاشغر کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ مغل اور ترک تمام کے تمام حنفی گزرے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے جن کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا وہ سب حنفی تھے، لہٰذا اس اثر سے انھوں نے بھی فقہیات میں حنفی مسلک کو اپنایا۔

اولیاءِ ہند حنفی مسلک کے تھے

اسی طرح ہم ہندوستان میں دیکھیں کہ حضرات صوفیاء کرام کے وجود باجود سے ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت ہوئی، صرف خواجہ اجمیری کے تعلق سے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ۹۰/لاکھ افراد حلقہ بگوش اسلام ان کی وجہ سے ہوئے، پھر ان کے خلفاء اور مریدین نے دور دراز کے مقامات پر جس طرح اسلام کو پھیلایا، وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

سیر الاولیاء کے مصنف حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلفاء کی کاوشوں کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر وشرک کی بستی تھی، اہل تمرد أنا ربکم الاعلیٰ کی صدا لگا رہے تھے، اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے کو سجدہ کرتے تھے، کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے، سب دین وشریعت سے غافل، خدا و پیغمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدین کے قدم مبارک کا یہاں پہنچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہوگئی، اور ان کی کوشش وتاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے، وہاں مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے، جو فضاء شرک کی صداؤں سے معمور تھی، وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی، اس ملک میں جس کو اسلام کی

(۱) بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص: ۳۳۱

دولت ملی اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے مشرف ہوگا، نہ صرف وہ بلکہ اس کی اولاد دراولاد نسل درنسل سب ان کے نامہ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرہ اسلام وسیع ہوتا رہے گا، قیامت تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سنجری کی روح کو پہنچتا رہے گا"۔(۱)

خواجہ معین الدین چشتی اجمیری نے جس طرح ہندوستان میں اسلام کی نشر واشاعت کی، اس کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

"سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت وتبلیغ اسلام پر پڑی تھی۔ اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں اس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے"۔(۲)

یہ سب صوفیائے کرام چونکہ حنفی تھے، لہٰذا نومسلم بھی فقہ حنفی سے ہی وابستہ ہوئے۔

کشمیر میں سید ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت

برصغیر ہندو پاک میں کس طرح اسلام پھیلا، اس پر پروفیسر آرنلڈ کی کتاب "پریچنگ آف اسلام" کا مطالعہ کیا جائے، ہم اس مختصر مضمون میں کچھ اشارے کردیتے ہین بالخصوص ہندوستان کے تعلق سے۔

کشمیر جو برہمنوں کا گڑھ تھا، اس کو سید علی ہمدانی نے اپنی دعوتی کوششوں سے اسلام کے مرکز میں تبدیل کردیا اور اس طرح تبدیل کیا کہ آبادی کا توازن ہی بالکل الٹ دیا، جہاں کبھی برہمن اکثریت میں تھے، اب وہ اقلیت میں آگئے، سید علی ہمدانی حنفی تھے، لہٰذا ظاہر سی بات ہے کہ ان کے اثر سے اسلام قبول کرنے والے بھی فقہ حنفی سے وابستہ ہوئے۔

---

(۱) سیر اولیاء ص ۴۷ بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت ص: ۲۸-۲۹

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت جلد سوم

پنجاب میں خواجہ بہاء الحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الحق ملتانی اور بابافرید پاک پٹن کی تعلیم سے اسلام قبول کیا،یہ دونوں بزرگ تیرہویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں، بابافرید گنج کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے کہ انھوں نے سولہ قوموں (برادریوں) کوتعلیم وتلقین سے مشرف بہ اسلام کیا۔ (پریچنگ آف اسلام)

بنگال وتملناڑو میں صوفیاء کی محنت

اس کے علاوہ تمل ناڈو کے بارے میں آتا ہے کہ وہاں نویں صدی میں ایک بزرگ مظہر نامی آکر بسے تھے اوران کے ساتھ ۹۰۰ مریدین تھے، انھوں نے وحشیوں کو زیربھی کیااوراپنے اخلاق وکردار سے ان کو اسلام کی جانب مائل بھی کیا، بنگال و بہار میں بھی اسلام کی شاعت صوفیاء کرام ہی کے زیر اثر ہوئی، اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ صوفیاء کرام میں سے تمام کے تمام حنفی تھے، لہٰذا ان کے وابستگان بھی فقہ حنفی سے وابستہ ہوئے۔

انڈونیشیااور ملیشیاء میں حنفی تاجروں کی محنت

انڈونیشیااور ملیشیاء میں حنفیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، جب کہ وہاں پر کوئی لشکرکشی نہیں ہوئی، وہاں تاجروں کے ذریعہ اسلام پھیلا، گمان غالب یہ ہے کہ یہ تاجر بھی حنفی ہوں گے اوران کے اثر سے اسلام قبول کرنے والوں نے فقہ حنفی کو اپنایا ہوگا۔

یہ اگرچہ انتہائی مختصر جائزہ ہے؛ لیکن اس سے اتنی بات ثابت ہو رہی ہے کہ صوفیاء کرام اور داعیان دین کا فقہ حنفی کی نشر واشاعت میں اہم کردار ہے۔

غیر مقلد برادروں کا طرفہ تماشا

دورحاضر میں یہ ایک طرفہ تماشا ہے کہ کچھ لوگ حنفیوں کی کثرتِ تعداد پر تو فوراًان آیتوں کی تلاوت شروع کردیتے ہیں، جن میں اکثریت کو گمراہ بتایا گیا ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ پورے تن من دھن سے اپنی جماعت کی تکثیر کی بھی کوشش کرتے ہیں اور اس کثرت کے حصول میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔

یہ بھی کسی لطیفہ سے کم نہیں ہے کہ ہمارے کچھ مہربان فقہ حنفی کی نشرواشاعت کے تمام اسباب وذرائع کو نگاہ میں رکھنے کے بجائے، بس ایک ہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ فقہ حنفی کے پھیلنے میں سلطنت وحکومت کا کام ہے، ان سے بس اتنا سا سوال ہے کہ چلو فقہ حنفی کے انتشار وشیوع میں تو سلطنت وحکومت کا ہاتھ ہے؛ لیکن آپ اپنی غیرمقلدیت کی توسیع واشاعت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ کی تمام تر اچھل کود کیا صرف پٹرول اور ریال کی مرہون منت نہیں ہے؟ وہ راز اب راز نہیں؛ بلکہ طشت از بام ہوکر شہرت عام سے فائز المرام ہوچکا ہے۔

جس طرح مستشرقین کا یہ عمومی الزام رہا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے؛ لیکن مستشرقین خود یہ بھول جاتے ہیں کہ عیسائیت کس طرح پھیلی ہے، اس کا جواب اکبر الہ آبادی نے بڑا ہی اچھا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

یہی کہتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام
یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے؟(۱)

نوٹ: فقہ حنفی کو پھیلانے سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ لوگوں کو اس کی تلقین کرتے تھے کہ فلاں مسلک چھوڑ دو اور حنفی بن جاؤ جیسا کہ آج کل غیر مقلدین کرتے ہیں کہ وہ مختلف حیلے بہانے سے لوگوں کو سلفی بناتے ہیں، بات یہ ہوتی تھی کہ لوگ مسائل پوچھنے آتے

(۱) ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 7- 8، جلد 99: رمضان شوال 1436 ہجری مطابق جولائی-اگست 2015ء

تھے وہ جواب دیتے ہیں یہ جوابات زیادہ تر فقہ حنفی سے ماخوذ ہوتے تھے اس طرح فقہ حنفی رواج پایا نہ کہ باقاعدہ اور دانستہ مسلک کی نشر واشاعت کی جاتی تھی۔

حاصل یہ کہ ہماری مسجدیں ہمارے مسلک گھول کر پلانے کے میدان ہیں، مگر دیکھا گیا کہ ایک عام نوجوان رفع یدین پر، آمین بالجہر پر حوالے پیش کر دیتا ہے، امام صاحب ٹر خا دیتے ہیں قائل و مائل نہیں کراپاتے، اس کے لئے دروس کا سلسلہ بہت مفید رہے گا۔

(۲۶) مخالف کے مسلک کو خیر خواہانہ انداز میں رد کرے

مسلکی تردید مقبول انداز میں کی جائے، محض حق کہہ دینا کما نہیں ہے؛ بلکہ حق کو حق طریقہ سے کہنا کمال ہے، قائل کرنا کمال نہیں ہے؛ بلکہ مائل کرنا کمال ہے، اس لئے مخالف چاہے جتنی بھی جہالت پر اتر آئے عالم اپنے علمی معیار سے نیچے نہیں اترے گا۔

علامہ البانی ؒ پر رد کا انداز

حجاز مقدس اور بلادِ عربیہ کے عالم اور مفتی مملکت نے کیسے پیارے اور میٹھے انداز سے اپنے نظریہ کے مخالف شیخ البانی ؒ پر رد لکھا ہے، فرمایا: ہمارے بھائی علامہ البانی سے اس مسئلہ میں فلاں فلاں دلیل کی وجہ سے غلطی واقع ہوگئی۔

"اخونا العلامة الالبانی اخطا فی هذه المسئلة بدليل كذا وكذا"

اور ایک جگہ فرماتے ہیں:

ہمارے بھائی شیخ البانی سے درخواست ہے کہ وہ اس مسئلہ پر دوبارہ نظر ثانی فرمالیں۔

"لعل اخانا الشيخ الالبانی ان يراجع المسالة" (۱)

(۱) تحاسد العلما: ۴۲۸

شیخ نجدی کا اندازِ تردید

عبداللہ بن محمد عبداللطیف نے جو''احساء'' کے علماء میں سے تھے شیخ عبدالوہاب نجدیؒ کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا جس کا نام تھا''سیف الجهاد لمدعی الاجتهاد''لیکن شیخ نے اس جواب کو کس قدر نرمی سے دیا، فرماتے ہیں :

میں تم سے محبت کرتا ہوں، اور آپ کے لیے نمازوں کے بعد دعا کرتا ہوں، اور میری تمنا ہے کہ آپ غور سے میری دعوت کا مطالعہ فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی فرمائے۔

کتنا ہی اچھا ہو جائے کہ آپ اس زمانے کے فاروق بن جائیں اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے آپ کے ذریعہ صحیح دین جو بدعت وشرک سے پاک ہو امت تک پہنچ جائے۔(۱)

مسلکی مسائل کو احترام سے مدلل کریں

مسجد درس گاہ ہے اور لوگوں کی علمی رہنمائی کا مؤثر ادارہ ہے، مثلاً کوئی آدمی کسی دوسرے مسلک کی مسجد میں چلا گیا اور وہاں کسی نے کوئی بات ذہن میں ڈال دی تو اس کی ٹھیک ٹھاک علمی رہنمائی کی جائے، مثال کے طور پر میں حنفی المسلک ہوں، میرے نمازی بھی حنفی المسلک ہیں، یہاں کوئی دوسرے مسلک کا آدمی آجائے، اونچی آواز میں آمین کہہ دے تو لوگ اس کو ڈانٹیں تو وہ دو چار حدیثیں سنا دیتا ہے، اب لوگ لامحالہ امام صاحب کی طرف رجوع کریں گے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔

امام صاحب کو اپنے مسلک کی علمی بنیاد انتہائی مضبوط رکھنی چاہیے، مسجد کے ساتھ ایک لائبریری کا انتظام بھی ہونا چاہیے، اس کو بٹھا کر فتنے سے بچانے کے لیے احترام نفس کے ساتھ پوری بات سمجھائیں سخت لہجے میں بات نہ کریں، مسلک کو مدلل کریں۔

---

(۱) تحاسد العلما مجدد القرآن، الثامن عشر محمد بن عبدالوہاب :۳۵۸

ہم امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعیؒ پچاسیوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں، مگر ادنیٰ درجہ کی بے ادبی قلب میں امام شافعیؒ کی نہیں آتی اور جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ واجب التعظیم ہیں ویسے ہی امام شافعیؒ بھی، دونوں ماہ تاب وآفتاب ہیں، دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے، کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجہ کی گستاخی دل میں آجائے۔

ہر تقریر وتحریر عدالت میں پیش کی جائے گی

مفتی اعظم شفیع عثمانی صاحبؒ نے اپنے فرزندار جمند شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو اس زریں اصول کی تلقین فرمائی تھی کہ ''یوں تو انسان کو اپنے ہر قول وفعل میں محتاط ہونا چاہیے، لیکن خاص طور پر جب دوسروں پر تنقید کا موقع ہو تو ایک ایک لفظ یہ سوچ کر لکھو کہ اسے عدالت میں ثابت کرنا پڑے گا اور کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کرے جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت کرنے کے لیے کافی مواد موجود نہ ہو۔

حضرت والد ماجد قدس سرہ کی اس نصیحت نے احقر کو جس قدر فائدہ پہنچایا اور اس کے جن بہتر ثمرات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا انہیں الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے''۔

مفتی شفیع صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

خاکسار تحریک (۱) کے بانی عنایت اللہ مشرقی صاحب نے ایک زمانے میں ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو متأثر کیا، ان کے عقائد ونظریات جمہورِ امت سے

(۱) ''خاکسار تحریک''، تقسیم ہند سے پہلے کی ایک نیم فوجی جماعت، جس کے بانی علامہ مشرقی عنایت اللہ خان تھے، یہ تنظیم ''بیلچہ پارٹی'' کے نام سے بھی مشہور تھی کیونکہ اس کے پیروکار کندھے پر بیلچہ رکھ کر چلتے تھے ان کا باقاعدہ خاکی یونیفارم تھا، ہر خاکسار کے لیے لازم تھا کہ وہ خاکی یونیفارم پہنے بلکہ نماز روزہ کی پابندی لازم تھی اس سلسلہ میں کوئی عذر قابل قبول نہ تھا غلطی کرنے والے خاکسار کو جسمانی سزا بھی دی جاتی تھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بہت معاملات میں مختلف فیہ تھے[۱]، اور بعض نظریات تو ایسے تھے کہ دائرہ اسلام میں ان کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی تھی۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ایماء پر حضرت والد صاحبؒ نے ان کے نظریات کی تردید میں ایک رسالہ تحریر فرمایا جو"مشرقی اور اسلام" کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ تو مختصر سا ہے؛ لیکن حضرت والد صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس کی ترتیب میں بڑی محنت اٹھائی، اول تو مشرقی صاحب کی تمام معروف تصانیف کا بہ نظر عائر مطالعہ کیا، پھر ان کے جن مقامات پر جمہور امت سے ناقابل برداشت انحراف نظر آیا ان کو قلم بند کیا، اور پھر مزید احتیاط یہ کی کہاں عبارتوں کو جمع کر کے مشرقی صاحب کے پاس بھیجا کہ ان عبارتوں سے آپ کی مراد وہی ہے جو ان سے ظاہر ہوتی ہے یا آپ کچھ اور کہنا چاہتے ہیں؟

ان کی طرف سے کوئی واضح جواب نہ آیا تو انہیں دوبارہ خط لکھا، اور یہ خط وکتابت کافی عرصے تک جاری رہا، یہاں تک کہ جب اس خط وکتابت کے نتیجے میں یقین ہوگیا کہ مراد وہی ہے جو ان کی عبارتوں سے ظاہر ہے تو پھر اس پر تردیداً تحریر فرمائی، یہ رسالہ پہلے مستقل شائع ہوا تھا اور اب"جواہر الفقہ" میں شامل ہے۔

---

(۱) (گذشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ) نذر محمد راشد اردو کے ایک عظیم شاعر تھے جو"ن م راشد" کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں، نذر محمد راشد 1910ء میں ضلع گوجرانوالا کے قصبے علی پور چٹھہ میں پیدا ہوئے، انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور سے تعلیم حاصل کی، ابتدا میں وہ علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک سے بہت متاثر رہے اور باقاعدہ وردی پہن کر اور بیلچہ ہاتھ میں لیے مارچ کیا کرتے، 1937ء میں اس خاسار تحریک کا حصہ بنے اور ڈیڑھ سال تک تحریک سے وابستہ رہے، مارچ 1940ء میں خاکساروں نے اندرون لاہور جلوس نکالا جو کہ فوجی پریڈ سے ملتا جلتا تھا جلوس بھاٹی دروازہ سے شروع ہوا حکومت نے اسے خلاف قانون قرار دے کر روکنے کی کوشش کی، ڈبی بازار کے پاس برطانوی پولیس آفیسر نے جلوس روکنے کا حکم جاری کیا جس سے خاکسار مشتعل ہو گئے انھوں نے پولیس پر حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں پولیس آفیسر مارا گیا پولیس نے گولی چلادی جس کے نتیجہ میں بہت سے خاکسار شہید ہوئے، کافی خون خرابے کے بعد حکومت نے اس کو کالعدم قرار دے کر پابندی لگا دی تھی، پاکستان بننے کے بعد یہ جماعت دوبارہ بحال ہوئی، اس جماعت کے کارکن خاکسار کہلاتے ہیں اور وہ عمومی طور پر خاکی رنگ کا لباس پہنتے ہیں، تقسیم سے پہلے یہ جماعت تقسیم ہند کے خلاف تھی لیکن بعد میں حمایتی بن گئی۔

حضرت شیخ الہندؒ کا سبق آموز واقعہ

ایک شخص نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ کی کسی کتاب کے جواب میں ایک مقالہ لکھا اور اس مقالے میں حضرت شیخ الہندؒ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا۔ ألعیاذ باللہ۔ حضرت والا کے ایک مخلص معتقد تھے، انہوں نے اس کے جواب میں فارسی میں دو شعر کہے، وہ اشعار ادبی اعتبار سے آج کل کے طنز کے مزاق کے لحاظ سے بہت اعلی درجے کے اشعار تھے، وہ اشعار یہ تھے۔

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب را نبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دروغے

”اگر تم نے مجھے کافر کہا تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیوں کہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا۔ تم نے مجھے کافر کہا، میں اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں، اس لیے کہ جھوٹ کا بدلہ جھوٹ ہی ہوسکتا ہے۔

یعنی تم نے مجھے کافر کہہ کر جھوٹ بولا، اس کے جواب میں میں تمہیں مسلمان کہہ کر جھوٹ بول رہا ہوں، مطلب یہ ہے کہ درحقیقت تم مسلمان نہیں ہو۔“

بہرحال یہ اشعار لکھ کر حضرت کے جو معتقد تھے وہ حضرت والا کی خدمت میں لائے، حضرت شیخ الہندؒ نے جب یہ اشعار سنے تو فرمایا کہ تم نے اشعار تو بہت غضب کے کہے اور بڑا چبھتا ہوا جواب دے دیا؛ لیکن میاں! تم نے لپیٹ کر اس کو کافر کہہ تو دیا جب کہ ہمارا یہ طریقہ نہیں ہے کہ دوسروں کو کافر کہیں، چنانچہ وہ اشعار نہیں بھیجے۔

پھر حضرت والا نے خود ان اشعار کی اصلاح فرمائی اور ایک شعر کا اضافہ اس طرح فرمایا :

مرا کافر اگر گفتی غمے نیست
چراغِ کذب رانبود فروغے
مسلمانت بخوانم در جوابش
دروغے را جزا باشد دورغے
اگر تو مؤمنی فبہا و الا
دروغے را جزا باشد دروغے

اگر تم نے مجھے کافر کہا تو مجھے کوئی غم نہیں ہے، کیوں کہ جھوٹ کا چراغ کبھی جلا نہیں کرتا، اس کے جواب میں تمہیں مسلمان کہتا ہوں ، اور کڑوی دوا کے مقابلے میں تمہیں شکر کھلاتا ہوں، اگر تم مؤمن ہو تو بہت اچھا ہے، اور اگر نہیں ہو تو پھر جھوٹ کی جزا جھوٹ ہی ہوری ہے۔"

اب دیکھئے: وہ مخالف جو آپ پر کفر کا فتویٰ لگا رہا ہے، جہنمی ہونے کا فتویٰ لگا رہا ہے، اس کے خلاف بھی طنز کا ایسا فقرہ کہنا بھی پسند نہیں فرمایا جو حدود سے نکلا ہوا تھا، اس لیے کہ یہ طنز تو یہاں دنیا میں رہ جائے گا، لیکن جو لفظ زبان سے نکل رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اس کے بارے میں جواب دینا ہوگا کہ فلاں کے حق میں یہ لفظ کس طرح ستعمال کیا تھا؟ لہٰذا طنز کا یہ طریقہ جو حدود سے نکل جائے کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں۔(۱)

آج افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایک ہی مسلک کے دو امام اپنی اپنی مسجد میں جمعہ کے بیان میں دوسرے عالم کا نام لے کر بے انتہا جہالت بکتے ہوئے بزعمِ خود بڑا علمی کام انجام دئے ہوتے ہیں، جزوی مسائل پر عوام کو دوسرے عالم کا مخالف بنا دیتے ہیں، عوامی جلسوں میں اپنے مخالف مسلک کے لوگوں کو ہی موضوع جلسہ اور تمسخر کا ذریعہ بنا کر تحقیر و توہین سے بھی باز نہیں آتے، پگڑیاں بڑی اونچی، شاید بہت عمدہ، پیٹ بہت بھاری، مگر زبان بہت گھٹیا استعمال کرتے ہیں۔

---

(۱) اصلاحی خطبات: ۸/۱۱۸

(۲۷) اپنے ہم عصر سے حسد نہ کریں

ہر مسجد کے لیے امام کی ضرورت ہے، ہر عالم خدمت دین میں ہی لگا ہے، سب کا مقصود اشاعتِ دین وحفاظتِ دین ہے، عقلمند شخص مقصود میں معاونت کرنے والے کو احسان مند سمجھتا ہے نہ کہ اس سے حسد کرتا ہے، دین کا جنازہ نکل رہا ہے، جنازہ کو کندھا دینے والے سے دشمنی کیسے کی جائے گی؟

اہل علم کے آپسی حسد کے وجوہات کیا ہیں؟

شیخ عبداللہ بن حسین الموجان اپنی کتاب ''تحاسد العلماء'' میں حسد کے اسباب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ : جب بیماری کا پتہ چلتا ہے تو اس کا علاج آسان ہوتا ہے جب سبب کا پتہ چلتا ہے تو تریاق سے اس کا مداوا ممکن ہوتا ہے۔علماء کے باہم حسد کے کئی اسباب ہیں جن میں اہم یہ ہیں :

ہم عصروں میں فخر ومسابقت۔''تنافس الأقران''

نفسانی خواہش،خودغرضی اور دنیو محبت۔''والھوی والغرض وحبّ الدنیا''

مسلک ومشرب کا اختلاف۔''والاختلاف المذھبی الفقھی''

عقیدے کا اختلاف۔''والاختلاف فی العقیدۃ''

حسد کی بنیاد حب جاہ ہے

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ فرماتے ہیں :

حسد کی بنیادی ہے جب دنیا اور حب جاہ،یعنی دینا کی محبت ، اور جاہ کی محبت ، اس لیے حسد کا علاج یہ ہے کہ آدمی اپنے دل سے دنیا اور جاہ کی محبت نکالنے کی فکر کرے ، اس لیے کہ تمام بیماریوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے، اور اس دنیا کی محبت کو دل سے نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ یہ دنیا کتنے دن کی ہے، کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی۔انسان کے لئے

نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

دنیا کی لذتیں، دنیا کی نعمتیں، اس کی دولتیں، اس کی شہرت، اس کی عزت، اور اس کی ناپائیداری پر انسان غور کرے، اور یہ سوچے کہ کسی بھی وقت آنکھ بند ہو جائے گی تو سارا قصہ ختم ہو جائے گا، اس کے بعد پھر انسان کے لیے نجات کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔(۱)

عالم عالم سے حسد کرتا ہے مگر عابد سے نہیں

شیخ عبداللہ بن حسین الموجانؒ فرماتے ہیں: ''جب لوگ کسی جگہ، بازار، مدرسہ یا کسی مسجد کے پڑوس میں ایک ساتھ رہتے ہوں، اور مختلف اغراض کے لیے ایک ساتھ کام کرتے ہوں تو پھر یہ لوگ آپس میں ضد، نفرت اور بغض کرنے لگتے ہیں اور پھر اس سے حسد کے باقی اسباب بھی جنم لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ عالم، عالم کے ساتھ حسد کرتا ہے کہ نہ کر عابد کے ساتھ، اور عابد عابد کے ساتھ حسد کرتا ہے نہ کہ عالم کے ساتھ، اور تاجر تاجر کے ساتھ حسد کرتا ہے، بل کہ موچی موچی کے ساتھ حسد کرتا ہے اور کپڑا فروش کے ساتھ حسد نہیں کرتا۔

(معلوم ہوا کہ) ان کے باہم حسد کرنے کی وجہ سے ایک جیسے پیشہ اختیار کرنے کے سوا اور کوئی نہیں ہے اس لیے (ہر) آدمی دوسرے لوگوں کی بہ نسبت اپنے حقیقی بھائی اور چچازاد بھائی سے زیادہ حسد کرتا ہے، اور عورت اپنی ساس، نند اور جیٹھانی کے بہ نسبت اپنی سوکن سے زیادہ کرتی ہے، موچی کپڑے فروش کے ساتھ حسد نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کا کام اور رخ الگ الگ ہے تو یہ دونوں ایک کے کام میں مداخلت کر کے نہیں لڑتے۔

جب کہ اس کے برخلاف ایک صاحب دولت کپڑا فروش کے کام میں دوسرا کپڑا فروش مداخلت کر کے رکاوٹ ڈالتا ہے، اسی وجہ سے غیر تربیت یافتہ علماء بھی باہم حسد کرتے ہیں کہ عالم چاہتا ہے کہ اس کا ایک علمی مقام ہو جس میں اس کے ساتھ کوئی بحث نہ کر سکے، اس

---

(۱) اصلاحی خطبات ۸۱ :۔۸۰

کے علاوہ کسی اور سے کوئی بات نقل نہ کی جائے اور نہ اس کے سوا کسی اور سے فتویٰ لیا جائے، لوگوں کا رجوع اسی کی طرف ہو، جب (یہ دیکھتا ہے کہ) لوگ کسی اور عالم کے ساتھ بیٹھے ہیں، اس طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس سے فتویٰ لیتے ہیں، تو یہ اس کے لئے جھگڑا اور حسد کا سبب بنتا ہے (کہ اس سے فتوے کیوں پوچھے جارہے ہیں) اور پھر یہیں سے علماء آپس میں حسد کرنے لگتے ہیں۔(۱)

محسودین کے حق میں دعا کرنا

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ فرماتے ہیں: ''بزرگوں نے لکھا ہے کہ جب دل میں دوسرے کی نعمت دیکھ کر حسد اور جلن پیدا ہو تو اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں پیدا ہو تو اس کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تنہائی میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے اس کے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ! یہ نعمت جو آپ کو عطا فرمائی ہے، اور زیادہ عطا فرما۔۔۔اور جس وقت وہ یہ دعا کرے گا، اس وقت دل پر آرے چلیں گے، اور یہ دعا کرنا دل پر بہت شاق اور گراں گزرے گا، لیکن زبردستی یہ دعا کرے کہ یا اللہ! اس کو اور ترقی عطا فرما، اس کی نعمت میں اور برکت عطا فرما، اور ساتھ ساتھ اپنے حق میں بھی دعا کرے کہ

یا اللہ! میرے دل میں اس کی نعمت کی وجہ سے جو کڑھن اور جلن پیدا ہورہی ہے اپنے فضل اور رحمت سے اس کو ختم فرما، خلاصہ یہ ہے کہ یہ تین کام کرے:

۱۔ اپنے دل میں کڑھن پیدا ہورہی ہے، اور اس کی نعمت کے زوال کا جو خیال آرہا ہے، اس کو دل سے برا سمجھے۔

۲۔ اس کے حق مین دعائے خیر کرے۔

۳۔ اپنے حق میں دعا کرے کہ یا اللہ! میرے دل سے اس کو ختم فرما، ان تین کاموں کے کرنے کے بعد بھی دل میں غیر اختیاری طور پر جو خیال آرہا ہے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

(۱) تحاسد العلماء، المبحث الاول: ۱۹۷

یہاں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

اگر دل میں خیال تو آرہا ہے،لیکن اس خیال کو برا سمجھتا ہے،اور نہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے،نہ اس کی تلافی کرتا ہےتو اس صورت میں وہ گناہ سے خالی نہیں۔(۱)

(۲۸)اپنا احتساب کرتے رہیں

عوام کو شیطان کے چیلے بہکاتے ہیں تو خواص کو خود شیطان بہکاتا ہے،ہمیشہ عوام کی ہی غلطی ہونا ضروری نہیں ہے،ہم سے بھی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں،خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلاء ہونے کے بجائے اپنا جائزہ لیتے رہیں،کہیں ایسا تو نہیں جیسا کہ مثل مشہور ہے''**جعجعة ولا طحين**''،چکی تو چلالی دیکھو کہ آٹا بھی ہے کہ نہیں،سال بھر خانۂ خدا میں محنت کی اس کا حاصل میری زندگی میں کیا ہوا،حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے فرمایا:''علم کا سب سے پہلا اوراہم تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا احتساب کرے،اپنے فرائض اوراپنی کوتاہیوں کو سمجھے اور ان کی ادائیگی کی فکر کرنے لگے،لیکن اگر اس کے بجائے وہ اپنے علم سے دوسروں ہی کے اعمال کا احتساب اوران کی کوتاہیوں کے شمار کا کام لیتا ہےتو پھر یہ علمی کبر وغرور ہے جو اہل علم کے لیے بڑا مہلک ہے۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں کہ''مولانا الیاسؒ نے آخری وقت تک (تبلیغی جماعت کے بارے میں) اپنی طرف سے اطمینان نہیں کیا اور نفس کے محاسبہ اورنگرانی سے غافل نہیں ہوئے،بل کہ جس قدر لوگوں کا رجوع بڑھتا رہا اپنی طرف سے زیادہ غیر مطمئن اور خائف ہوتے گئے اوراحتساب نفس کا کام بڑھاتے رہے،بعض اوقات اہل حق اوراہل بصیرت کو بڑی لجاجت سے اس طرف متوجہ فرماتے کہ وہ آپ پر نظر رکھیں اوراگر کہیں عجب وکبر کا شائبہ

---

(۱)اصلاحی خطبات:۸۳،۸۳/۵

نظر آئے تو متنبہ کریں۔''(۱)

اپنے علم پر ناز کرنے والوں سے گذارش

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں اگر کسی کو اپنے علم پر ناز ہو تو سن لے، حضور اکرم ﷺ کے برابر تو کسی کو علم عطا نہیں ہوا حق تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتے ہیں:

" وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا "(۲)

یعنی اگر ہم چاہیں تو آپ کو دیئے ہوئے علوم وفقہ سلب کرلیں پھر آپ کا کوئی کارساز بھی نہیں ہوسکتا۔

دیکھئے! کتنا ہولناک خطاب ہے، آپ ڈر گئے ہوں گے اس لیے آگے فرمایا "الا رحمۃ من ربک" بس رحمت خداوندی ہی ساتھ دے سکتی ہے اور کوئی ساتھ نہیں دے سکتا، اگلے کلمات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو بڑی خشیت ہوگئی تھی اس لیے آگے جملہ بڑھایا۔

"اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا" چوں کہ حق تعالیٰ کا فضل آپ کے شامل حال ہے، اس لیے بالفعل رحمت آپ کی دست گیر ہے، آپ کسی طرح کا اضطراب نہ کریں، ایسا ہوگا نہیں، محض اظہار قدرت اور تصحیح عقیدۂ اُمت کے لیے ایسا فرمایا ہے جب حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یہ گفتگو "تا بدیگراں چہ رسد۔" علم پر ناز کرنا حماقت ہے، کوئی خوبی ذاتی کمائی نہیں ہے، سب انہیں کی عطا ہے، اِن کو اپنی چیز سمجھنا کبر ہے اور کبر بہت سی گندیوں کی جڑ ہے، حسد اسی سے پیدا ہوتا ہے۔

---

(۱) مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت ۲۱۶ :

(۲) الاسراء :۸٦

(۲۹) اپنے فارغ اوقات کو بافیض بنائیں

حضرت جی یوسف صاحبؒ فرماتے تھے ''آدمی کے مصروفیت والے اوقات سے نقصان نہیں ہوتا، بلکہ فارغ وفرصت کے اوقات سے نقصان ہوتا ہے''فجر تا ظہر، ظہر تا عصر فرصت ہے، بقول قاری امیر الحسن صاحبؒ ''کام ہے آدھے گھنٹے کا مگر بندھا رہنا ۲۴ گھنٹے'' فارغ وقت بے کاری میں لگنے سے تدریجاً معصیت میں لگ جاتا ہے، علاقے کے بوڑھے وجوان کی دینی فکر، اپنے مطالعہ کی سطح بلند کرنا، آن لائن کا نظام بنالینا، ترکی میں دن بھر تھکے ہارے طلبہ رات عالمانہ شان کے ساتھ درسِ نظامی سیکھنے ائمہ کے پاس حلقے لگاتے ہیں، جس کے جتنے گھنٹے خالی ملیں ان کا نظام بنا کر دینی ذہن سازی و دینی تعلیم کی ترتیب بنائی جائے، ڈاکٹری اور انجینیرنگ کرنے والے احباب اپنے کام گھنٹوں کو تقسیم کر کے آن لائن عالم بننے تیار ہیں ''ای معہد'' پیر ذوالفقار صاحب دامت برکاتہم کا جس سے چودہ ہزار ڈاکٹر اور لایر (Lawyer) وغیرہ عالم حافظ بن رہے ہیں، صبح وشام دسیوں لوگ پڑھنے پڑھانے کا نظام قائم کر رکھے ہیں، بھٹکل چھوٹا سا علاقہ ہے، وہاں آن لائن کے ذریعہ مختلف ممالک کے چار ہزار بچے مختلف اوقات میں سولہ علما کرام کے ذریعہ چالیس فون کے ذریعہ تعلیم دے رہے ہیں، مکمل عالمیت نہ صحیح جزوقتی کورسس بھی ہوسکتے ہیں، آن لائن نظام مکمل صحبت کا بدل نہیں ہوسکتا مگر غیر مفید بھی نہیں ہے بالخصوص جبکہ لوگ پہلے سے ہی آن لائن ہوں، غیر شرعی سے شرعی کی طرف رخ بدلنا ہے، جب محرّمات وفضولیات کے لئے آن لائن ہیں تو تعلیمات کے لئے آن لائن ہونا کیا بُرا ہے؟۔

(۳۰) مقتدیوں کی دعا کی درخواست پر دعا کریں

مقتدی حضرات حالات میں گھرے ہوں اور دعا کی درخواست کریں تو اجتماعی اور انفرادی ان کے حق میں دعا کریں، جب اس کو پتہ چلے گا کہ امام صاحب نے میرا نام لیکر

مسجد میں دعا کی ہے تو خوشی سے پھولے نہ سمائے گا، اب آپ کے عیوب بھی ہنر لگیں گے، کسی کے مرض پر، کسی کی موت پر، طلبہ کے امتحانات کے موقع پر، شہر کے مشکل حالات میں دعا کرنا انسانیت کا بھی تقاضا ہے، بعض ایسے ائمہ بھی دیکھے گئے جو نہ فلسطین کے مظلوموں کے حق میں دعا کرنے تیار، نہ ملک میں ہونے والے مظالم پر دعا کے لئے تیار، نہ فسادات میں دعا کرنے تیار، نہ قنوتِ نازلہ پڑھنے تیار، افسوس! اگر اپنا کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو جہری دعا میں نام لے کر خود سے کر دیتے ہیں، امام کو اتنا تنگ نظر نہیں رہنا چاہئے۔

دعا کے متعلق آپ ﷺ کا عمل

آپ ﷺ صحابہ کو دعائیں دیتے تھے۔"أللهم فقه فی الدین وعلمه قرآن الحکیم"۔"أللهم أرشده"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک دفعہ اہل مدینہ (شدید) قحط سے دو چار ہو گئے، ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا : یا رسول اللہ! گھوڑے ہلاک ہو گئے، بکریاں مر گئیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمیں پانی مرحمت فرمائے، آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا لیکن ہوا چلنے لگی، بادل گھر کر جمع ہو گئے اور آسمان نے ایسا اپنا منہ کھولا کہ ہم برستی ہوئی بارش میں اپنے گھروں کو گئے اور متواتر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی، آئندہ جمعہ وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! گھر تباہ ہو رہے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اب اس بارش کو روک لے، تو آپ ﷺ اس شخص کی بات سن کر مسکرا پڑے اور اپنے سرِ اقدس کے اوپر بارش کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا : ''ہمیں چھوڑ کر ہمارے ارد گرد برسو۔'' تم اور ہم نے دیکھا کہ اسی وقت بادل مدینہ منورہ کے اوپر سے ہٹ کر یوں چاروں طرف چھٹ گئے گویا وہ تاج ہیں (یعنی تاج کی طرح دائرہ کی

شکل میں پھیل گئے)''ایک روایت میں ہے کہ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! بارش رک گئی، درخت سوکھ گئے اور جانور ہلاک ہو گئے۔'''' دوسری روایت میں ہے کہ کثرتِ بارش کے سبب لوگوں نے عرض کیا: راستے منقطع ہو گئے ہیں۔'''' ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ جس سمت میں ہاتھ سے اشارہ فرماتے تھے بادل پھٹ کر اسی طرف چلا جاتا تھا، بالآخر چاروں طرف بارش ہوتی رہی اور مدینہ کے درمیان میں ٹکی کی طرح رہ گیا اور ایک ماہ تک قنات نامی نالہ بہتا رہا۔

''عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: أَصَابَ أَهْلَ المدِينَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَبَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ جمعَةٍ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، هَلَكَتِ الْكُرَاعُ هَلَكَتِ الشَّاءُ فَادْعُ اللهَ يَسْقِينَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا قَالَ أَنَسٌ رضی اللہ عنہ: وَإِنَّ السَّمَاءَ لمثْلُ الزُّجَاجَةِ فَهَاجَتْ رِيحٌ أَنْشَأَتْ سَحَابًا ثُمَّ اجْتَمَعَ ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا فَخَرَجْنَا نَخُوضُ الماءَ حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الجمُعَةِ الْأُخْرَى فَقَامَ إِلَيْهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ فَادْعُ اللهَ يَحْبِسْهُ فَتَبَسَّمَ ثُمَّ قَالَ: حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ تَصَدَّعَ حَوْلَ المدِينَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيْلٌ. وَفِي رِوَايَةٍ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَحَطَ المطَرُ وَاحمرَّتِ الشَّجَرُ وَهَلَكَتِ الْبَهَائِمُ. وَفِي رِوَايَةٍ: وَانْقَطَعَتِ السُّبُلُ، وَفِي رَوَايَةٍ: فَمَا يُشِيرُ بِيَدِهِ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ السَّمَاءِ إِلاَّ تَفَرَّجَتْ حَتَّى صَارَتِ المدِينَةُ مِثْلَ الجوْبَةِ حَتَّى سَالَ الْوَادِي قَنَاةُ، شَهْرًا''(۱)

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام، حدیث: ۳۳۸۹

(۳۱) مظلوم کی حمایت کریں

مظلوم کی حمایت کرے، دنیا میں اسلام کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ ہونے سے بھی اہم یہ ہے کہ مذہبی کتاب قرآن مجید کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے والے کتنے ہیں؟ اپنے پیغمبر ﷺ کی تعلیمات کو سینے سے لگانے والے کتنے ہیں؟ مذہب چاہے کوئی بھی ہو اس کے ماننے والوں میں بنیادی کردار''انسانیت''ہونا چاہیے، اگر آدمی انسان نہیں بنتا ہے تو معاشرہ جنگل میں بدل جاتا ہے، ظلم کے بعد کوئی مذہب باقی نہیں رہتا، ہاں! عبادت گاہیں تو کھلی رہیں گی، روحانیت غائب ہوجائے گی، عبادت گاہوں اور اس کے اطراف کا امن وسکون برباد ہوجائے گا۔ اور انسان کو انسان بنانے میں بنیادی کردار مذہبِ اسلام کا ہے۔

☆ حضرت موسیٰ نے قبطی کو فیصلہ کن طمانچہ رسید کیا، اسرائیلی کی مدد فرمائی، شائد کسی کے دل میں اعتراض پیدا ہو کہ اسرائیلی چونکہ موسیٰ کی قوم سے تھا اس لیے مدد کرنا ضروری سمجھا، لیکن ہم عرض کرتے ہیں کہ انبیاء کا کردار قومیت کی بجائے انسانیت کے گرد گھومتا ہے ورنہ مدین کی دو کمزور عورتیں نہ تو قوم موسیٰ سے تعلق رکھتی تھیں اور نہ ہی دیگر چرواہوں کے مقابلے میں ان کی کوئی حیثیت تھی مگر کلیم اللہ کو دیکھیں کہ بھوکا، تھکا، پردیسی مسافر، بے لوث ہو کر جانوروں کو پانی پلانے کی خاطر کنویں سے بھاری ڈول کھینچ لاتا ہے۔

فرعون اور اس کے حواریوں کے سامنے پوری شدومد کے ساتھ اپنی قوم کا مقدمہ بھی لڑ رہے تھے، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں۔ ''فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ'' (طه :۴۷) کہہ کر نہ صرف یہ کہ قوم کی آزادی کی جنگ لڑی بلکہ '' وَلَا تُعَذِّبْهُمْ '' کا جملہ بول کر فرعونیوں کے ظالمانہ چہرے کو بے نقاب بھی کیا۔

☆ آپ ﷺ کے مکی دور میں ابو جہل اونٹ کی قیمت ادا نہ کیا، بائع شکایت لے کر آیا، آپ ﷺ جا کر قیمت دلوائے، بلکہ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں یہ بات بھی ملتی ہے کہ جانور نے آکر شکایت فرمائی تو آپ ﷺ نے مالک کو بلا کر اس کے ظلم سے نجات دلائی۔

☆ آپ ﷺ نے اعلان کر رکھا تھا اگر کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کے ذمہ قرض ہو تو اس قرضے کی ادائیگی میں خود کروں گا لیکن اگر کوئی فوت ہو جائے اور ورثے میں جائیداد مال ومتاع چھوڑ جائے تو میں اس سے کچھ بھی نہیں لوں گا۔

حلف الفضول؛ مظلوم کی مدد کا جاہلی معاہدہ

☆ عہدِ جاہلیت میں جب عرب میں ظلم و جور بہت بڑھ گیا، تو قریش کے چند قبائل عبداللہ بن جدعان التیمی کے مکان پر جمع ہوئے اور آپس میں عہد کیا کہ مکہ میں جو بھی مظلوم نظر آئے گا، خواہ مکہ میں رہنے والا ہو یا کہیں اور کا، یہ سب اس کی مدد اور حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں گے، اور اسے اس کا حق دلوا کر رہیں گے۔ اس اجتماع میں رسول کریم ﷺ بھی شریک تھے اور بعد میں شرف رِسالت سے مشرف ہونے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ "میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا، کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں، اور اگر (دورِ) اسلام میں مجھے اس عہد و پیمان کے لئے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔"(۱)

اس معاہدے کا پس منظر بھی ایک مظلوم کی حمایت اور مدد تھی، جیسا کہ تاریخ میں ذکر ہے کہ زبید کا ایک آدمی سامان لیکر مکہ آیا، عاص بن وائل نے اس سے سامان خریدا، لیکن اس کا حق روک لیا، اس نے حلیف قبائل عبدالدار مخزوم اور جمح، سہم اور عدی سے مدد کی درخواست کی، لیکن کوئی مدد کو نہ آیا، اس کے بعد اس نے جبل اِبی قبیس پر کھڑے ہو کر چند اشعار پڑھے جن میں اپنی مظلومیت بیان کی تھی، اس پر زبیر بن عبدالمطلب نے دوڑ دھوپ کی اور کہا کہ یہ شخص بے یار و مددگار کیوں ہے، ان کی کوشش سے بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد، بنی زہرہ اور بنی تیم اکٹھے ہوئے، پہلے معاہدہ کیا اور پھر زبیدی کو عاص بن وائل سے اس کا حق

(۱) ابن ہشام، جلد ا، ص: ۱۳۳

دلوایا۔(۱)

ایک جانب حلف الفضول کا غیر متعصبانہ معاہدہ ہے تو دوسری جانب رسول اکرم ﷺ کے علانیہ دعوتِ اسلام کے کچھ عرصے بعد ہی ابولہب کی سرکردگی میں پچیس (۲۵) سرداران قریش کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، جس نے ایک فیصلہ کن قرارداد منظور کی، یعنی یہ طے کیا کہ اسلام کی مخالفت، پیغمبر اسلام کی ایذارسانی اور اسلام کو ماننے والوں کو طرح طرح کے جور وستم اور ظلم وتشدد کا نشانہ بنانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے گی۔(۲)

اس قرارداد کے بعد مکی دور میں ظلم وستم کا نشانہ بننے والوں کی فہرست بہت طویل بھی ہے اور تکلیف دہ بھی! یہ سفر کمزور مظلوموں کی اذیت بھری داستانوں سے لبریز ہے، حتی کہ مظلوموں کا ایک گروہ اللہ کے حکم سے حمایت اور مدد کی تلاش میں مکہ سے نکل کھڑا ہوا، اور حبشہ کے بادشاہ کے ہاں پناہ لی، جو مظلوموں کا پشتیبان تھا۔

ایک مرتبہ حضرت حسین بن علیؓ اور ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے درمیان مال پر جھگڑا ہوگیا، جس سے ان کے تعلقات میں تلخی پیدا ہوگئی، ولید امیر معاویہؓ کی جانب سے مدینہ کا والی مقرر کیا گیا تھا، ولید اس معاملے میں اس وجہ سے ہٹ دھرمی کر رہا تھا کہ وہ اس وقت اقتدار میں تھا، حضرت حسینؓ نے اس سے کہا : تم مجھ سے انصاف کرو ورنہ میں تلوار اٹھاؤں گا اور مسجدِ رسول ﷺ (مسجدِ نبوی) میں بیٹھ جاؤ گا اور حلف الفضول والوں کو بلاؤں گا''۔

اور عبداللہ بن زبیرؓ الاسدی القرشی نے کہا: ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر مجھے بلایا گیا تو میں تلوار تھام کر پہنچوں گا، اور ان کے ساتھ کھڑا ہوں گا، پھر یا تو انہیں حق دلواؤں گا یا ان کے ساتھ ہی موت کو گلے لگا لوں گا''۔ یہ معاملہ المسور بن مخرمہ الزھری القرشی تک پہنچا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کہا، اور عبدالرحمن بن عثمانؓ التیمی القرشی نے بھی اسی عزم کا ارادہ کیا، مجبوراً ولید بن عتبہ کو حضرت حسینؓ کو انکا حق دے کر راضی کرنا پڑا، مظلوم کی حمایت کا ارادہ اور

(۱) الرحیق المختوم، ص: ۹۰

(۲) الرحیق المختوم، ص: ۱۲۳

اس کی پشت پر کھڑا ہو جانا بھی ظالم کے قدم لرزا دیتا ہے۔(۱)

قربان جاؤں! آپ ﷺ کیسے بے لوث لیڈر تھے معاہدے کے اصل روحِ رواں خود تھے لیکن معاہدے کے نام کی جو تختی بنی، سجی، اور لکھی گئی وہ (حلف الفضول) یعنی سرداروں کے نام کی تھی تاکہ اور کچھ نہیں تو نام کی خاطر ہی میرے ساتھ وابستہ رہیں اور اسی بہانے یہ معاہدہ قائم و دائم رہے۔

☆ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ ان "مستضعفین" کے حق میں نام لے کر دعا فرمایا کرتے تھے جو مکہ مکرمہ میں کفار کی قید میں رہ رہے تھے: یا اللہ! ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور (مکہ میں گھرے ہوئے) دوسرے بے بس مسلمانوں کو رہائی دلا۔

"اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ بْنَ الْوَلِيْدِ وَ سَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَعَيَّاشَ بْنَ أَبِي رَبِيْعَةَ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْن"(۲)

ایک چھوٹی بچی پر ظلم اور نبی کریم ﷺ کا عمل

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ایک یہودی نے ایک لڑکی کو اس کے چاندی کے زیور کے لالچ میں مار ڈالا تھا، اس نے لڑکی کو پتھر سے مارا پھر لڑکی نبی کریم ﷺ کے پاس لائی گئی تو اس کے جسم میں جان باقی تھی، آنحضرت ﷺ نے پوچھا کیا تمہیں فلاں نے مارا ہے؟ اس نے سر کے اشارہ سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ نے دوبارہ پوچھا، کیا تمہیں فلاں نے مارا ہے؟ اس مرتبہ بھی اس نے سر کے اشارے سے انکار کیا، آنحضرت ﷺ نے جب تیسری مرتبہ پوچھا تو اس نے سر کے اشارہ سے اقرار کیا، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے یہودی کو دو پتھروں میں کچل کر قتل کر دیا۔

"أَنَّ يَهُودِيًّا قَتَلَ جَارِيَةً عَلَى أَوْضَاحٍ لها فَقَتَلَهَا بِحَجَرٍ فَجِيءَ

---

(۱) الکامل فی التاریخ، ابن الاثیر، جلد ۲ص: ۴۲

(۲) بخاری، الأذان، باب یھوی بالتکبیر حین یسجد، حدیث : ۸۰۴، عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

بِهَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ وَبِهَا رَمَقٌ فَقَالَ أَقَتَلَكِ فُلَانٌ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا ثُمَّ سَأَلَهَا الثَّالِثَةَ فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ فَقَتَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ بِحَجَرَيْنِ"(۱)

ایک مسلمان عورت کی بے عزتی پر نبی کریم ﷺ کا عمل

ابن ہشام نے ابوعون سے روایت کی ہے کہ ایک عرب عورت بنوقینقاع کے بازار میں کچھ سامان لے کرآئی اور بیچ کر(کسی ضرورت کے لیے)ایک سنار کے پاس، جو یہودی تھا، بیٹھ گئی، یہودیوں نے اس کا چہرہ کھلوانا چاہا مگر اس نے انکار کر دیا، اس پر اس سنار نے چپکے سے اس کے کپڑے کا نچلا کنارا ایک طرف باندھ دیا اور اسے کچھ خبر نہ ہوئی، جب وہ اٹھی تو اس سے بے پردہ ہوگئی تو یہودیوں نے قہقہہ لگایا۔

اس پر اس عورت نے چیخ پکار مچائی جسے سن کر ایک مسلمان نے اس سنار پر حملہ کیا اور اسے مار ڈالا، جواباً یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا، اس کے بعد بھی مسلمان کے گھر والوں نے شور مچایا اور یہود کے خلاف مسلمانوں سے فریاد کی، نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے حکم نے بنی قینقاع کے یہودیوں گھیرا کیا اور مظلوموں کا بدلہ لیا گیا۔(۲)

مظلوم بلال رضی اللہ عنہ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یکجہتی

حضرت بلال ؓ امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے، امیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کے حوالے کر دیتا اور وہ انہیں مکہ کے پہاڑوں میں گھماتے اور کھینچتے پھرتے، یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا۔ پھر بھی اَحد اَحد کہتے رہتے۔ خود بھی انہیں باندھ کر ڈنڈے مارتا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا، کھانا پانی بھی نہ دیتا؛ بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا اور ان سب

(۱) بخاری، کتابُ الدِّیَاتِ، بابُ مَنْ أَقَادَ بِالْحَجَرِ، حدیث: ۶۸۷۹

(۲) ابن ہشام: ۲/۴۷، بحوالہ الرحیق المختوم: ۳۲۷

سے بڑھ کر یہ ظلم کرتا کہ جب دوپہر کی گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ کے پتھریلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا، پھر کہتا : واللہ! تو اسی طرح پڑا رہے گا یہاں تک کہ مر جائے یا محمد کے ساتھ کفر کرے اور لات وعزیٰ کی پوجا کرے، حضرت بلالؓ اس حالت میں بھی کہتے : اَحد، اَحد اور فرماتے : اگر مجھے کوئی ایسا کلمہ معلوم ہوتا جو تمہیں اس سے بھی زیادہ ناگوار ہوتا تو میں اسے کہتا، ایک روز یہی کاروائی جاری تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کا گزر ہوا، انہوں نے حضرت بلالؓ کو ایک کالے غلام کے بدلے اور کہا جاتا ہے کہ دوسو درہم (۵۳۵ گرام چاندی) یا دوسواسی درہم (ایک کلو سے زائد چاندی) کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا۔(۱)

☆ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لئے عمارت کی طرح ہے، جس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط کرتا ہے، پھر خود رسول اللہ ﷺ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر اس کو عملی مثال کے ذریعہ سمجھایا :

''المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً''۔(۲)

یہ رشتہ درد ومحبت کا رشتہ ہے، دنیا میں کہیں کسی مسلمان پر کوئی آزمائش آئے، ہر مسلمان کو اس پر تڑپ اُٹھنا چاہئے، ایک مسلمان کو کوئی زخم لگے تو دوسرا اپنے سینے پر اس کی کسک محسوس کرے، ایک مسلمان پر کوئی پتھر پھینکا جائے، تو دوسرے کو اپنے کلیجہ پر اس کی چوٹ محسوس ہو۔

ان واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ظالم اور مظلوم دونوں پر نظر رکھیں ظالم کو ظلم سے روکیں اور مظلوم کی حمایت کریں، مگر یہ کام بہت حکمتِ عملی سے کیا جائے۔

(۳۲) منصب امامت نبوت کی نیابت ومنصبِ صبر ہے

مولانا مفتی محمد اشرف صاحب فرماتے ہیں : امام پیشوا اور قائد کو کہتے ہیں، جو لوگوں کی

(۱) ابن ہشام: ۱/ ۳۱۷، ۳۱۸ بحوالہ الرحیق المختوم

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

قیادت کرے اور لوگ اس کی پیروی کریں، امام کا منصب ایک اونچا بل کہ بہت اونچا منصب ہے، یہ لحاظ سے منصب نبوت کی نیابت ہے، رحمت عالم ﷺ امام المسلمین بھی تھے اور امام الانبیاء بھی، اس عظیم منصب کے باوجود حق تعالیٰ شہ نے قرآن مجید میں خطاب کر کے آپ ﷺ کو فرمایا:

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِل لَّهُمْ"

تو آپ ویسا ہی صبر کیجئے جیسا اور ہمت والے پیغمبروں نے صبر کیا تھا اور ان لوگوں کے لیے انتقام الٰہی کی جلدی نہ کیجئے۔

لہٰذا امام کے لیے صبر کے سوا چارہ نہیں، اگر امام، امامت وقیادت کے منصب پر رہنا چاہتا ہے اور دنیا وآخرت میں بلند مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ رحمتِ عالم سیّد المرسلین ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے صبر سے کام لیں، خواہ مصائب اور تکالیف پر صبر کرنا پڑے یا مقتدیوں کی فضول لایعنی اور دل خراش باتوں پر صبر کرنا پڑے۔

نماز کی امامت سے دین کی امامت تک کی شرط کیا ہے؟

قرآن مجید کی ایک اور آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ پرانی امتوں میں ان ہی لوگوں کو امامت وقیادت کے منصب پر فائز کیا گیا جو صبر اور یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔

سورۃ السجدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا ۖ وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ"

ہم نے ان میں بہت سے ائمہ بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب کہ وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے:

"بالصبر و اليقين تنال الامامة فى الدين"(۱)

حضرت عبداللہ بن حکیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا : "اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بردباری اور نرمی امام کی بردباری اور نرمی سے زیادہ محبوب نہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی جہالت امام کی جہالت سے زیادہ مبغوض نہیں ہے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا : "انت ابو هريرة" آپؓ نے فرمایا : "نعم" پھر اس شخص نے کہا : "انت سارق الهرة" تم نے بلی چوری کی ہے۔

اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا : "اللهم اغفرلى و لاخى هذا" اے اللہ! میری اور میرے اس بھائی کی مغفرت فرما۔"

پھر فرمایا : "هكذا امرنا رسول الله ﷺ ان نستغفر لمن ظلمنا" اسی طرح ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا ہے کہ ہم اپنے ظالموں کے لئے مغفرت طلب کیا کریں۔"

حضرت علی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

بنو اُمیہ میں سے ایک شخص نے کسی فقیر کو کچھ روپے دے کر اس بات پر تیار کیا کہ بھرے مجمع میں جب زین العابدین درس دے کر فارغ ہوں تو ان کو گالیاں دینا۔

چناں چہ اس شخص نے جا کر ان کو بہت بری طرح گالیاں دیں وہ چپ ہوا تو زین العابدینؒ نے فرمایا : اے میرے بھائی: اگر میں ایسا ہی ہوں جیسا تم نے کہا تو پھر میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ میرے گناہوں کو معاف فرما دے، اور اگر میں ایسا نہیں ہوں جیسا تم نے کہا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے۔"

(۱) تفسیر ابن کثیر : ۱۰۴۹۔السجدۃ: ۲۴

جب اس شخص نے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ سے یہ جواب سنا تو روتے روتے زمین پر گر گیا۔

بزرگان دین کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی صدمہ آتا تو صبر کرتے، نوافل پڑھتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تھے اور یہی چیز اللہ تعالیٰ کے پاس باقی رہنے والی ہے۔

اب اگر ہم کو اس کا یقین ہو جائے کہ گالی سن کر یا نقصان اٹھا کر جو ذرا سی دیر میں ختم ہو جانے والا ہے ہم صبر کریں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کتنا بڑا درجہ ملنے والا ہے تو ہم بڑے بڑے نقصان پر بھی اس کا شکر ادا کریں اور صابر ہو جائیں۔(۱)

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا تحمل

حضرت فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان سے کوئی کہتا کہ فلاں شخص آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا تو حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میرا غصہ کرنا شیطان کے کاموں میں سے ہے'' پھر فرماتے: ''اللھم ان کاصادقافاغفر لی وان کان کاذباًفاغفر لہ'' اے اللہ! اگر وہ (اپنی بات میں) سچا ہے تو مغفرت فرما اور اگر وہ (اپنی بات میں) جھوٹا ہے تو اس کی مغفرت فرما''۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ صبر

☆ امام ابوحنیفہؒ سے ایک مرتبہ کسی مخلص نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ آپ کی شان میں بہت کچھ کہہ جاتے ہیں، مگر آپ سے ہم نے ان کے بارے میں مذمت کا کوئی لفظ بھی نہیں سنا۔ فرمانے لگے: ''ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ'' یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کا فضل ہے جس کو چاہتے ہیں نوازتے ہیں۔(۲)

۱

(۲) امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حیرت انگیز واقعات: ۷۵

عمر بن عبدالعزیزؒ کے سبق آموز واقعات

☆حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک بار منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو‘‘ یہ سن کر صرف اس قدر بولے: ’’تم جھوٹے گواہ ہو، میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کرتا‘‘(۱)

☆ایک بار کسی نے ان کو نامناسب کلمات کہے، لوگ بولے کہ آپ کیوں چپ ہیں؟ فرمایا: ’’تقویٰ نے منہ میں لگام لگا دی ہے۔‘‘(۲)

☆ایک بار کسی نے ایک آدمی کی نسبت ان سے کہا کہ یہ آپ کو گالی دیتا ہے، انہوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا، اس نے پھر کہا، اب بھی روگردانی کی۔ اس نے تیسرے بار کہا تو بولے: ’’عمر اس کو اس طرح ڈھیل دے رہا ہے کہ اس کو خبر تک نہیں ہوتی۔(۳)

☆ایک بار رات کو مسجد میں گئے، ایک شخص سو رہا تھا، اندھیرے میں اس کو ان کے پاؤں کی ٹھوکر لگ گئی تو اس نے چلا کر کہا: ’’کیا تم پاگل ہو؟‘‘ بولے: ’’نہیں‘‘ چپراسی نے اس گستاخی پر اس کو سزا دینی چاہی، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے روک دیا اور کہا: ’’اس نے مجھ سے صرف یہ پوچھا تھا کہ تم پاگل ہو میں نے جواب دیا کہ نہیں۔‘‘(۴)

ایک بار کسی شخص نے ان کو سخت بات کہی، بولے: ’’تو چاہتا ہے کہ حکومت کے اس غرور میں بھی تیرے ساتھ وہی سلوک کروں جو تو کل (قیامت کے دن) میرے ساتھ کرے گا۔‘‘ یہ کہہ کر اس کو معاف کر دیا۔(۵)

---

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: ۵۴

(۲) سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: ۵۴

(۳) سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: ۵۴

(۴) سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: ۵۴

(۵) سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ: ۵۰

مولانا یعقوب صاحبؒ کا واقعہ

حضرت مولانا محمد یعقوب مجدد صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی صاحبؒ نے میرے کہنے پر جمعہ کی نماز پڑھائی ''سورہ التین'' کے آخر میں بجائے ''فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ'' کے ''لهمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ'' پڑھ دیا۔ مقتدیوں میں ایک صاحب بڑے سادہ لوح اور جلد باز تھے، پوری طرح سے سلام بھی نہیں پھیرا تھا کہ پکار کر کہا: ''صاحبو! ٹھہر جاؤ نماز دوبارہ ہوگی۔'' مولانا نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ''دوبارہ نماز پڑھاؤ؟'' میں نے کہا: ''آپ ان باتوں کا کچھ خیال نہ کریں یہ بڑے بھولے آدمی ہیں۔'' شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ: ''مولانا ایسے جلیل القدر عالم اور علم الفقہ کے مصنف تھے، لیکن بے بسی اور تواضع کا یہ عالم تھا کہ یہ نہیں فرمایا کہ بھائی! میں بھی کچھ لکھا پڑھا ہوں نماز ہوگئی۔''(۱)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ ایک مرتبہ جمعہ کا وعظ فرمارہے تھے کہ اچانک ایک شخص اٹھا اور نہایت گستاخی کے انداز میں چیخا کہ: ''مولوی صاحب! آپ نے ڈاڑھی سکھوں کی طرح چھوڑی ہوئی ہے، اسے سنت کے مطابق کریں۔'' نمازی مجمع حیرت میں آگیا اور بہت سے حضرات اس شخص پر لپکنے لگے، مگر حضرت نے فوراً ڈانٹا اور فرمایا: خبردار! سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔'' سب خاموشی سے بیٹھ گئے تو حضرت نے بڑی نرمی اور متانت سے اس شخص سے فرمایا: ''بھائی جمعہ کے بعد تسلی سے مجھے سمجھا دینا یا مسئلہ سمجھ لینا۔'' پھر جمعہ کے بعد کچھ خاص لوگوں کی موجودگی میں حضرت نے اس شخص سے گفتگو فرمائی اور مسئلہ سمجھا دیا۔(۲)

---

(۱) پرانے چراغ، ۲/ ۲۲۲

(۲) مولانا احمد علی لاہوری کے حیرت انگیز واقعات ۲۶۷ :

☆ایک مرتبہ چند اصحاب حضرت مولانا احمد علیؒ کی خدمت میں حاضر تھے، اتفاق سے میں بھی اسی مجلس میں شریک تھا کہ ایک اپنے لڑکے کو لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا: ''حضور! اس بچے کے لیے تعویذ بنا دیں کبھی یہ لاہور سے چلے جانے کی دھمکی دیتا ہے اور کبھی خودکشی کی، شاید اسے سایہ ہے۔''

حضرتؒ نے فرمایا: ''اسے جسمانی مرض ہے، کسی حکیم یا ڈاکٹر کو دکھلائیے'' اور لڑکے سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''بیٹا! ایسے خیالات دل سے نکال۔''

اس پر وہ شخص بگڑ گیا اور کہنے لگا: ''ہم گیارہ بجے سے منتظر تھے کہ آپ سے تعویذ لیں گے اور آپ نے پرواہ تک نہیں کی۔'' حضرتؒ اسے غصے میں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''اگر کسی کا میرے ہاتھ سے بھلا ہو جائے تو میرا کیا نقصان ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ بچے کو جسمانی مرض ہے اور میں ڈاکٹر طبیب نہیں ہوں۔'' مگر وہ شخص اور زیادہ بگڑ گیا کہنے لگا: ''ہمیں آپ سے یہ امید نہ تھی۔'' ہم سب حیران تھے کہ حضرت کس طرح برداشت کر رہے ہیں، آخر حضرت نے بڑے تحمل سے فرمایا: ''اچھا! ہمارے پاس تو پھر دعا ہی ہے کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے صحت عطا فرمائے گا۔'' اس کے بعد بھی وہ شخص غصے سے ہی بات کرتا رہا، مگر حضرتؒ نے ایک بار بھی تلخ جواب نہیں دیا، آپؒ فرمایا کرتے تھے'' جو لوگ مجھے گالیاں دیتے ہیں ان کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے۔(۱)

مفتی محمود صاحب وزیر اعلیٰ کا واقعہ

قاری عبد العزیز صاحبؒ کہتے ہیں کہ جب مولانا مفتی محمودؒ صوبہ سرحد کے ویز اعلیٰ تھے تو میں نے ان سے وقت ملاقات طے کیا اور طے شدہ وقت کے مطابق صبح نو بجے ان کی جائے قیام پر پہنچ گیا اور چٹھی لکھ کر اپنی آمد کی اطلاع بھجوائی، لیکن ہوا یہ کہ دوپہر ہوئی، پھر شام ہوئی، پھر رات چھا گئی لیکن بلاوا نہ آیا، ادھر میرا غصہ بھی طوفان بن رہا تھا کہ:

---

(۱) مردِ مؤمن: ۱۷۵

؎ ’’دامن خود چاک یادامن یزداں چاک‘‘

آخر میں زبردستی آدمیوں کو پیچھے دھکیلتا ہوا اندر چلا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ کاغذوں اور فائلوں کے درمیان مصروف ہیں، آنکھیں سرخ ہورہی ہیں اور چہرے پر تھکاوٹ کے آثار ہیں، مفتی صاحبؒ کی مجھ پر نظر پڑی تو فرمایا : ’’آیئے جلالی صاحب کیسے آئے؟‘‘

میں یہ سن کر آتش فشاں بن گیا’’ آپ نے مجھے نو بجے کا وقت دیا اور رات کا ایک بج رہا ہے اور آپ کہتے ہیں کیسے آئے؟‘‘ میں نے خوب شور مچادیا اور پھر باہر نکل آیا،لوگوں نے مجھے گھیر لیا، سرکاری ملازم میری طرف بڑھنے لگے تو اچانک میں نے ایک ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا، یہ ہاتھ مولانا مفتی محمودؒ کا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ صرف سنانا ہی مردانگی نہیں، سنا کر سننا بھی مردانگی ہے، وہ مجھے دوبارہ کمرے میں لے گئے۔ معلوم ہوا کہ مفتی صاحبؒ کو میری آمد کی اطلاع ہی نہیں دی گئی، جو میں چٹھی لکھ کر بھیجتا وہ ان تک ہی نہ پہنچتی جس پر مفتی صاحبؒ نے اس ملازم کو بلوا کر ڈانٹ پلائی بل کہ اگلے روز اس کی ڈیوٹی بھی تبدیل کردی۔

مجھے اچھی طرح مطمئن کرنے کے بعد انہوں نے اپنی بات کہی کہ: ’’قاری صاحب! یہ دنیا کیا ہے؟ لوگ پاگلوں کی طرح اس کے پیچھے بھاگتے ہیں، جب مولوی میرے پاس دنیاوی کام لے کر آتا ہے تو میرا جی چاہتا ہے کہ اسے گولی ماردوں، یہ دنیا کی لعنت دنیا والوں کے پاس ہی رہنے دیں تو اچھا ہے، لیکن جب کوئی میرے پاس لوگوں کے مسائل لے کر آتا ہے تو مجھے خوشی ہوتی ہے، اگر آپ اپنے علاقے کے مسائل لے کر آئے ہیں تو سنائیے میں سنوں گا‘‘ میں نے کہا: ’’اب وقت نہیں صبح بات کرلیں گے‘‘ لیکن ان کا کہنا تھا : قیامت کی صبح تک زندگی کا کیا پتا، یہ کہہ کر انہوں نے میری سنی اور پھر احکامات جاری کیے۔(۱)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا واقعہ

شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو دشمنان اسلام گالیوں بھرے خطوط سے

(۱) بیس مردانِ حق : ۲/ ۴۹۵

نوازتے ،مگر آپ نے کبھی بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، بل کہ فرماتے تھے کہ: ’’عقیدت مندوں کی تعریف وتوصیف سے دل میں اگر اپنے بارے میں کچھ غلط فہی پیدا ہوگئی تھی تو وہ ’’بحمداللہ‘‘ اس سے صاف ہوگئی۔‘‘

حضرت کو ایک بار کسی نے بتلایا کہ ایک صاحب نے ایک آدمی سے آپ کے بارے میں سوال کیا کہ : مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ باقاعدہ مفتی ہیں؟‘‘

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا : ’’وہ نہ باقاعدہ مفتی ہیں نہ بے قاعدہ۔‘‘

یہ سن کر حضرت نے فرمایا : ’’ہاں! بھائی وہ سچ کہتے ہیں میں نہ باقاعدہ مفتی ہوں نہ بے قاعدہ۔‘‘(۱)

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کا واقعہ

مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ فرماتے ہیں: ’’ایک جمعہ میں نے مرزائیت کے خلاف تقریر کی، تقریر کے دوران تو کوئی نہ بولا، نماز کے بعد شور مچ گیا، جو نئے مرزائی بنے تھے، ان میں ایک ریٹائرڈ فوجی بھی تھا، میں نے انہیں سمجھانا چاہا تو فوجی مجھے کہتا ہے: ’’میں تیرے جیسوں کو سو جوتے مارتا ہوں اور ایک گنتا ہوں،‘‘ میں نے اسے کہا: ’’تو پہلے سو جوتے مارلے تاکہ غصہ ٹھنڈا ہو جائے پھر تو میری بات غور سے سنے گا۔‘‘ میری اس بات کا اس پر اتنا اثر ہوا کہ وہ بالکل ٹھنڈا ہوگیا، معافی مانگی اور بیٹھ گیا، میں نے سمجھایا ان کے اشکالات کے جوابات دیے تو تینوں مرزائی مسلمان ہو گئے۔(۲)

یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ علماء امت کس طرح خون کے گھونٹ پی کر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہیں اور غصہ دلانے والے اور جذبات برانگیختہ کرنے والے نادان لوگوں کی حرکتوں اور باتوں کو برداشت کرتے ہوئے صبر وتحمل کی عظیم صفات پر کس طرح عمل پیرا ہو کر

(۱) ماھنانہ سلوک واحسان کراچی بحوالہ صبر وتحمل کی روشن کی مثالیں ۱۴۹ :

(۲) ماہنامہ الخیر۔۔۔۔مناظر اسلام نمبر : ۴۴

اپنی دنیاوآخرت درست رکھتے ہیں۔

لہذا ائمہ مساجد کو بھی اپنے ان اکابرین کے نقش قدم پر چلنا چاہیے یہ بطور نمونہ چند واقعات ذکیے گئے ہیں ورنہ اس قسم کے واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں، جن کا احاطہ یہاں پر ممکن نہیں ہے۔

أولئك آبائي فجئني بمثلهم اذا جمعتنا يا جرير المجامع

امام کو بسا اوقات ان جان مقتدی یا بے ادب کمیٹی والوں کی طرف سے کوئی ناگوار بات سامنے آجائے تو اس پر بھی حضرت فضیل بن عیاض، زین العابدینؒ، حضرت ابو ہریرہؓ اور دیگر اکابرین کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے ان کے لیے دعا کریں اور فتنے کو دبانے کی کوشش کریں، ورنہ چھوٹی سی بات بہت بڑا انگارہ بن جاتی ہے۔(۱)

مقتدیوں سے جھگڑے کا نقصان

بسا اوقات کسی مقتدی کے منہ سے امام صاحب کے خلاف کوئی بات نکل جاتی ہے یا کسی نے امام صاحب کے کسی کام پر نکتہ چینی کی اور دوسرے آدمی نے اس پر نمک مسالہ لگا کر امام صاحب تک وہ بات پہنچا دی کہ فلاں صاحب آپ کے متعلق یہ کہہ رہے تھے، چناں چہ اس کے انداز پر امام صاحب کو غصہ آجاتا ہے اور پھر جمعے کا بیان سن کر آگ بگولہ ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نے جمعہ کے اجتماع میں میرے متعلق یہ کہہ دیا، اب وہ مقابلے پر آجاتا ہے یا تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیتا ہے یا امام صاحب کو نکالنے کی فکر کرتا ہے یا پھر ان کو تنگ کرنے کے لیے دن و رات پلاننگ کرتا ہے جس سے امام صاحب کی ایکسوئی ختم ہو جاتی ہے، مثلاً: ہمارے ایک ساتھی نے مسجد کے دروازے پر عید الاضحی کے دنوں میں کمیٹی کے کسی صاحب کے قربانی کے جانور بندھے ہوئے دیکھے، اس پر انہوں نے سمجھایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہیے، لیکن وہ صاحب نہیں مانے یا انہوں نے غفلت کی تو امام

(۱) تحفۃ الائمہ: ۶۷۲

صاحب نے جمعہ کے بیان میں منبر پر ڈانٹ دیا کہ یہ کمیٹی والے ایسے ہیں ویسے ہیں، مسجد کو اپنی جائیداد سمجھتے ہیں وغیرہ، نتیجہ یہ ہوا کہ کمیٹی والوں نے طیش میں آکر چند دنوں بعد ان کو منصب امامت سے معزول کرنے کا لیٹر بھیج دیا۔

اسی طرح محلے کے بچے کھیل رہے تھے اور دوسری طرف کچھ بڑی عمر کے لوگ بینچوں پر گپ شپ میں مصروف تھے، اتنے میں ایک بچے نے گیند پھینکی جو بینچوں پر بیٹھے ہوئے حضرات کو جا کر لگی تو انہوں غصے میں آکر کہا: ''تم امام صاحب کے پاس پڑھتے ہو، کیا امام صاحب تمہیں یہ تعلیم دیتے ہیں؟''

بچوں نے جا کر امام صاحب کو بتایا کہ فلاں حضرات آپ کے متعلق یہ کہہ رہے تھے، امام صاحب نے جا کر ان کو ڈانٹا کہ: ''تم لوگ یہاں بینچوں پر کیوں بیٹھتے ہو یہ تو بچوں کے کھیلنے کی جگہ ہے، یہاں بچے نہیں کھیلیں گے؟ تو کہاں کھیلیں گے؟ اگر آئندہ کبھی ان بچوں کو ایسی بات کی تو تمہاری خیر نہیں ہوگی۔''

نتیجہ یہ نکلا کہ محلے میں چہ می گوئیاں شروع ہوگئیں اور غیبتوں کا بازار گرم ہوا، نمازیوں میں دو فرقے ہوگئے، کچھ لوگ اس امام کے پیچھے نماز پڑھتے اور کچھ نہ پڑھتے اور جن لوگوں کی امام صاحب سے تلخ کلامی ہوئی تھی انہوں نے اپنے بچے کو مدرسہ سے نکال لیا، امام صاحب کی بھی ذہنی یک سوئی اور فرحت وانبساط جو دین کے کام کے لیے انتہائی ضروری تھا وہ ختم ہوگیا، یہ سب کچھ صبر نہ کرنے کی وجہ سے ہوا، اگر دونوں میں سے کوئی ایک صبر سے کام لیتا تو اس قسم کے حالات پیدا نہ ہوتے۔

لہذا امام صاحب کو صبر کرنا چاہیے، اگرچہ حق پر ہو اور کبھی بھی طیش میں نہیں آنا چاہیے اور اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل اختیار کیا جائے تو ان شاءاللہ کبھی بھی امام اور مقتدیوں کے درمیان لڑائی جھگڑا نہیں ہوا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا طرز عمل یہ تھا کہ جب خلیفۃ المسلمین بنائے گئے تو منبر پر تشریف فرمائے اور یہ اعلان فرمایا:

اگر میں اچھا کام کروں تو میری معاونت کرو اور اگر میں برا کام کروں تو میری اصلاح

کرو۔"ان أحسنت فأعينونی وان أسأت فقوّمونی"(۱)

(۳۳)عوام سے درگذر کا معاملہ کریں

امامت کے دوران بھی جو احوال عوام کی طرف سے پیش آئیں اُن پر صبر کے علاوہ عوام سے درگذر کا معاملہ بھی ضروری ہے، عوام میں کسی نہ کسی درجہ میں اہلِ علم کی قدر ہوتا ہے، سو میں سے دس فیصد بھی بمشکل ایسے ملیں گے جو اہلِ علم سے نفرت کرتے ہوں، بعض کی وجہ سے سب سے تنفر والا معاملہ نہ کریں، عفو کا سبق ہم نے زیادہ پڑھا ہے، آپ ﷺ نے عملاً کر کے دکھایا ہے، عوامی بدتمیزیوں سے خالی کوئی مسجد نہیں ملے گی۔

امامت میں ہر شخص سے واسطہ پڑتا ہے، پڑھا لکھا، جاہل، جوان، بوڑھے وغیرہ سے، اگر کبھی کسی مقتدی یا کمیٹی سے غلطی یا بدتمیزی ہو جائے تو معذور سمجھیں، اگر معافی مانگ لیں تو معاف کر دیں، بدلہ لینے کی چکر میں دشمن بن جاتے ہیں، وراثت نبوی ﷺ میں عفو و درگذر کی بھی صفت ملی ہے۔

☆ حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب جلال آبادیؒ فرماتے تھے کہ "ریشم کی طرح رہو، نرم بھی اور مضبوط بھی، اخلاق میں ریشم کی طرح نرمی ہو، اور اصول میں ریشم کی طرح مضبوطی ہو، اصول نہ چھوڑیں، شریعت نہ چھوڑیں، اور حکمت سے کام لیں"۔

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم　　　رزمِ حق و باطل میں فولاد ہے مؤمن

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

حضرت عیسیٰؑ یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گذرے تو یہودیوں نے ان کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کیے، انہیں گالیاں دیں اور برا بھلا کہا، لیکن حضرت عیسیٰؑ نے ان کے بارے میں کلمۂ خیر فرمایا اور انہیں دعائیں دیں۔

(۱) تاریخ الطبرانی: حدیث السقیفۃ: ۲۳۸/۲

حضرت عیسیٰ سے کسی نے فرمایا : حضرت ! عجیب بات ہے، آپ ان کو دعائیں رے رہے ہیں اور ان کے بارے میں کلمۂ خیر کہہ رہے ہیں، حالاں کہ وہ آپ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر رہے ہیں؟

فرمایا: ہر شخص وہی خرچ کرتا ہے اور منہ سے وہی نکالتا ہے جو اس کے پاس ہوتا ہے۔ ’’کل اناء یترشح بما فیه‘‘۔(۱)

حضرت احنف بن قیسؒ کا واقعہ

حضرت احنف بن قیسؒ اپنی بردباری اور حوصلے میں نہایت مشہور تھے، ان کو کبھی غصہ نہیں آیا، عربوں میں ان کی یہ صفت مشہور ومعروف تھی، ایک دن ان کے کچھ دوست اکٹھے ہوئے اور ان میں شرط لگ گئی کہ حضرت احنف بن قیسؒ کو لازماً غصہ دلایا جائے، انہوں نے ایک نوجوان کو تیار کیا، وہ حضرت احنف بن قیسؒ کے گھر گیا۔

حضرت احنف بن قیسؒ نے پوچھا: کیسے آئے ہو؟ نوجوان کہنے لگا : میں ایک کام سے آیا ہوں، حضرت احنف بن قیسؒ: بتاؤ کیا کام ہے؟ نوجوان: دراصل میں تمہاری ماں سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا میں شادی کا پیغام لے کر آیا ہوں۔

حضرت احنف بن قیسؒ نے اپنا سر اٹھایا اور نہایت اطمینان سے فرمایا: ’’تمہارا حسب ونسب نہایت معزز اور بہترین ہے اور ہمیں تمہارے ساتھ سسرالی رشتہ جوڑنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے، مگر بات یہ ہے کہ میری والدہ کی عمر بہت زیادہ ہو چکی ہے، وہ اب کم وپیش ستر سال کی ہے اور تم ایک خوب صورت نوجوان ہو، تمہیں تو ایک ایسی عورت چاہیے جو تمہاری ہم عمر ہو، محبت کرنے اور کروانے والی ہو، تمہارے بچوں کی ماں بن سکے اور تمہاری نسل بڑھا سکے، پھر نوجوان سے کہا: جن لوگوں نے تمہیں میرے پاس بھیجا ہے ان کو بتادو کہ تم

(۱) سنہرے اوراق :۳۷۱

مجھے مشتعل نہیں کر سکے۔‘‘(۱)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرت امام ابوحنیفہؒ ایک روز ظہر کی نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے، بالا خانے پر آپ کا گھر تھا، جا کر آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے، اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی،

آپ اندازہ کیجئے جو شخص ساری رات کا جاگا ہو اور سارا دن مصروف رہا ہو، اس وقت اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ ایسے میں کوئی آجائے تو کتنا ناگوار ہوتا ہے کہ یہ شخص بے وقت آگیا لیکن) امام صاحب اٹھے، زینے سے نیچے اترے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک صاحب کھڑے ہیں، امام صاحب نے اس سے پوچھا: ’’ کیسے آنا ہوا؟ ؟‘‘ ’اس نے کہا: ’’ایک مسئلہ معلوم کرنا ہے‘‘

دیکھئے! اول تو امام صاحب جب مسائل بتانے کے لئے بیٹھے تھے وہاں آ کر تو مسئلہ پوچھا نہیں، اب بے وقت پریشان کرنے کے لیے آگئے، لیکن امام صاحبؒ نے اس کو کچھ نہیں کہا بل کہ فرمایا: ’’اچھا بھائی! کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟‘‘ اس نے کہا: ’’میں کیا بتاؤں جب میں آرہا تھا تو اس وقت مجھے یاد تھا کہ کیا مسئلہ معلوم کرنا ہے؟‘‘ لیکن اب بھول گیا، یاد نہیں رہا کہ کیا مسئلہ پوچھنا تھا؟‘‘ امام صاحب نے فرمایا: ’’اچھا جب یاد آجائے تو پوچھ لینا۔‘‘ آپ نے اس کو برا بھلا نہیں کہا، نہ اس کو ڈانٹا ڈپٹا، بل کہ خاموش سے واپس اوپر چلے گئے۔

ابھی جا کر بستر پر لیٹے ہی تھے کہ دوبارہ دروازہ پر دستک ہوئی، آپ پھر اٹھ کر نیچے تشریف لائے اور دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا بات ہے؟‘‘ اس نے کہا: ’’ابھی تک تو یاد تھا مگر جب آپ آدھی سیڑھی تک پہنچے تو میں وہ مسئلہ بھول گیا۔‘‘ اگر ایک عام آدمی ہوتا تو اس وقت اس کے اشتعال کا کیا عالم ہوتا؟ مگر امام صاحب اپنے نفس کو مٹا چکے تھے، امام صاحب نے فرمایا: ’’اچھا بھائی! جب یاد آجائے تو پوچھ لینا۔‘‘ یہ کہہ

---

(۱) سنہرے اوراق: ۳۷۱

کر واپس چلے گئے اور جا کر بستر پر لیٹ گئے۔

ابھی لیٹے ہی تھے کہ تیسری مرتبہ پھر دروازے پر دستک ہوئی، آپ نیچے تشریف لائے، دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہی شخص کھڑا ہے اس نے کہا: ''حضرت! وہ مسئلہ یاد آگیا۔'' امام صاحب نے پوچھا: ''کیا مسئلہ ہے؟'' اس نے کہا: ''یہ مسئلہ معلوم کرنا ہے کہ انسان کی نجاست (پاخانہ) کا ذائقہ کڑوا ہوتا ہے یا میٹھا ہوتا ہے؟'' (العیاذ باللہ) حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''ہر چیز کا علم چکھ کر حاصل نہیں کیا جاسکتا، بل کہ بعض چیزوں کا علم عقل سے بھی حاصل کیا جاتا ہے اور عقل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تازہ نجاست پر مکھی بیٹھتی ہے خشک پر نہیں بیٹھی، اس سے پتہ چلا کہ دونوں میں فرق ہے ورنہ مکھی دونوں پر بیٹھتی۔''

جب امام صاحب نے یہ جواب دے دیا تو اس شخص نے کہا: ''امام صاحب! میں آپ کے سامنے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھے معاف کیجئے گا۔ میں نے آپ کو بہت ستایا لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا۔'' امام صاحب نے فرمایا: ''میں نے کیسے ہرا دیا؟'' اس شخص نے کہا ''ایک دوست سے میری بحث ہو رہی تھی، میرا کہنا تھا کہ حضرت سفیان ثوریؒ علما میں سے سب سے زیادہ بردبار ہیں اور وہ غصہ نہ کرنے والے بزرگ ہیں اور میرے دوست کا یہ کہنا تھا کہ سب سے بردبار اور غصہ نہ کرنے والے بزرگ امام ابوحنیفہؒ ہیں اور ہم دونوں کے درمیان بحث ہوگئی اور اب ہم نے جانچنے کے لیے یہ طریقہ سوچا تھا کہ میں اس وقت آپ کے گھر پر آؤں جو آپ کے آرام کا وقت ہوتا ہے اور اس طرح دو تین مرتبہ آپ کو اوپر نیچے دوڑاؤں اور پھر آپ سے ایسا سوال کروں اور دیکھو کہ آپ غصہ نہ ہوئے تو تم جیت گئے، لیکن آج آپ نے مجھے ہرا دیا اور واقعہ یہ ہے کہ میں نے روئے زمین پر ایسا حلیم انسان جس کو غصہ چھوڑ کر بھی نہ گذرا ہو آپ کے علاوہ کوئی دوسرا میں نے نہیں دیکھا۔''

اس سے اندازہ لگائیے کہ آپ کا کیا مقام تھا۔۔۔ اس پر ملائکہ کو رشک نہ آئے تو کس پر آئے۔۔۔ انہوں نے اپنے نفس کو بالکل ہی مٹا دیا تھا۔(۱)

(۱) اصلاحی خطبات: ۸/۲۷۳-۲۷۴

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عفو کا حیرت انگیز واقعہ

کسی بدنصیب نے غیظ وغضب اور شدتِ بغض وعداوت میں آ کر حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کو طمانچہ مارا تو حضرت امام اعظمؒ نے حد درجہ تلطف وانکساری سے فرمایا : ''بھائی! ۔۔۔ میں بھی تمہیں طمانچہ مار سکتا ہوں لیکن مارتا نہیں ۔۔۔۔ میں خلیفہ سے تمہاری شکایت کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا۔۔۔۔ اور قیامت کے روز تمہار ساتھ خصومت اور مقدمہ کر کے انصاف حاصل کر سکتا ہوں مگر یہ بھی نہیں کرتا بلکہ اگر مجھے قیامت کے روز رستگاری (نجات) حاصل ہوئی اور میری سفارش قبول ہوئی تو تو تیرے بغیر جنت میں قدم بھی نہ رکھوگا۔''(۱)

نرم مزاجی کو اختیار کریں

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''من یحرم الرفق یحرم الخیر کله''جونرم مزاج سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ ارشاد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصہ وغضب میں نہ رہیں، ''ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق سے یہ بات ملتی ہے کہ'' حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سے میں دائرہ اسلام میں داخل ہوا اُس وقت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے کبھی ملنے سے نہیں روکا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مجھے دیکھتے تو چہرہِ انور تبسم ریز ہو جاتا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذارش کی کہ میں جم کر گھوڑے پر سواری نہیں کر سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر مارا اور دعا فرمائی: اے اللہ! اِسے جما دے اور اِسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا دے۔

''عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه يُحَدِّثُ حِينَ تَخَلَّفَ عَنْ تَبُوْكَ، قَالَ: فَلَمَّا سَلَّمْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَهُوَ يَبْرُقُ وَجْهُهُ مِنَ السُّرُوْرِ، وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا سُرَّ اسْتَنَارَ

(۱) سیرت النعمان: ۱۲۹

وَ جْهُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ قِطْعَةُ قَمَرٍ، وَ كُنَّا نَعْرِفُ ذَالِكَ مِنْهُ''۔(۱)

جب حضور ﷺ کو یہ حکم تھا اور حضور ﷺ کا یہ عمل تھا تو جو امام ہے ان کو اس سلسلہ میں کتنا نرم مزاج ہونا چاہیے، اس لئے مقتدی حضرات کو کوئی بات سمجھانے کے لیے بہتر سے بہتر طرزِ تکلّم اور عمدہ اُسلوب اختیار کیا جائے، بعض اوقات انسان ضد کی وجہ سے اپنے فائدے کی بات بھی ٹھکرا دیتا ہے، سیدنا ابوبکرہ ؓ نماز کے لیے آئے۔ اس وقت آپ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور رکوع کی حالت میں تھے۔ ابوبکرہ ؓ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر دیا، پھر (حالت نماز ہی میں) چل کر صف میں شامل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے نماز مکمل کی تو فرمانے لگے: ''آپ لوگوں میں سے کس نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تھا اور پھر بعد میں صف میں آملا تھا؟'' أَيُّكُمُ الَّذِي رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى إِلَى الصَّفِّ'' ابوبکرہ ؓ کہنے لگے: میں نے۔ تو فرمایا: ''اللہ نیکی پر تمہاری حرص میں اضافہ فرمائے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔'' زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ''(۲) غلطی ہو بھی جائے تو اس کی اصلاح کے لیے اچھا طرزِ تکلّم اپنایا جائے۔

متقدیوں کی غلطیوں کو صبر سے سمجھائیں

آپ نے وہ واقعہ سنا ہوگا کہ ایک دیہاتی شخص نے مسجد نبوی میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ ؓ اس کو بھگانے لگے تو آپ ﷺ نے صحابہ روکا اور اس کو پہلے فارغ ہو جانے دو، جب وہ فارغ ہوا تو اس کے بعد اس کو سمجھایا کہ مسجد پیشاب کی جگہ نہیں ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بڑا ہوتا ہے اس کے اندر صبر کا ہونا ضروری ہے اور معاشرہ میں امام کو لوگ بڑا مانتے ہیں امام کو چاہیے کہ وہ صبر، تواضع تحمل، اعتدال اور

---

(۱) البخاري في الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: ۳۳۶۳، وأيضًا في كتاب المغازي، باب حديث كعب بن مالك ص، ۱۶۰۷/۴، الرقم: ۴۱۵۶،

(۲) سُنَنِ اَبِي داوٗد، كِتَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الصُّفُوفِ، بَابُ الرَّجُلِ يَرْكَعُ دُونَ الصَّفِّ، حديث: ۶۸۴

عفوو درگذر سے کام لے، ہرطرح کی آزمائشیں آئیں گی، اپنوں اور پرایوں کے حملے ہوں گے؛ مگر امام "والكاظمين الغيظ والعافين عن الناس "کا مصداق بن جائے، مسجد میں اعرابی پیشاب کر دیا، آپ ﷺ کا رویہ کیسا تھا؟

(۳۴) غیر مسلوں سے تعلق پیدا کریں

محلے کے غیر مسلموں سے اپنا تعلق مضبوط رکھے، ان کی زبان سیکھے، خیر خیریت، ہدیہ تحفہ، رمضان و بقر عید میں دعوت کا اہتمام کرے، نفرتیں ختم کرے کی محبتیں بڑھانے کی حتی الامکان کوشش کرے، بیمار ہو تو عیادت کرے، پانی دم کرکے دیدے، مسجد لائے، مسجد کے معمولات دکھائے جس شبیہ کو میڈیا کے ذریعہ بدنام کیا گیا اس شبیہ کی محبت دلوں میں پیدا کرے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم نے لکھا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ غیر مسلم حضرات کے ساتھ ہمیشہ باہمی احترام واکرام کا معاملہ فرماتے تھے، آپ نے متعدد غیر مسلم بادشاہوں اور سرداروں کو خطوط لکھے اور انھیں اسی لقب سے مخاطب کیا، جس لقب سے ان کی رعایا ان کا ذکر کیا کرتی تھی، جیسے روم کے بادشاہ ہرقل کے لئے "عظیم الروم" ایران کے بادشاہ کسریٰ کے لئے "عظیم الفارس "اور حبش کے بادشاہ نجاشی کے لئے "عظیم الحبش" (۱) عظیم سے مراد عظمت والی شخصیت، باعزت ہستی، ظاہر ہے کہ اس میں مخاطب کا احترام ہے، ابوجہل آپ کا بدترین دشمن تھا، اس نے آپ کو تکلیف پہنچانے اور برا بھلا کہنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی؛ چوں کہ اس کے اندر فیصلہ کرنے اور لوگوں کے معاملات کو حل کرنے کی خاص صلاحیت تھی؛ اس لئے اہل مکہ اس کو "ابوالحکم" کہتے تھے، آپ ﷺ نے بھی اس کو ابوالحکم کے لفظ ہی سے مخاطب فرمایا کرتے تھے (۲)

(۱) بخاری، حدیث نمبر ۱: کنز العمال، حدیث نمبر: ۱۱۳۰۲، نصب الرایہ: ۵۰۰/۴

(۲) سیرت ابن ہشام: ۳۸۹/۱

ابوسفیان ایمان نہیں لائے تھے اور وہ اہل مکہ کے سردار تھے، جب مکہ فتح ہوا اور حضور نے عمومی معافی کا اعلان فرمایا تو آپ نے کہا: جولوگ اپنے گھر میں داخل ہوجائیں، ان کے لئے امن ہے: ''من دخل داره فهو اٰمن،'' آپ کے اس ارشاد میں ابوسفیان کا گھر بھی داخل تھا؛ لیکن ابوسفیان کے اعزاز و اکرام کے لئے آپ ﷺ نے خصوصی طور پر اعلان فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے، اس کے لئے امن ہے: ''من دخل دار ابی سفیان فهو آمن'' (۱)

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوس میں ایک یہودی رہتا تھا یہودی نے اپنا مکان فروخت کرنا چاہا ایک آدمی نے پوچھا کتنے میں فروخت کروگے کہنے لگا کہ میں دو ہزار دینار میں فروخت کروں گا اس خریدار نے کہا کہ اس علاقے میں اس قسم کے مکان کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار دینار ہوتی ہے، یہودی کہنے لگا کہ ہاں ٹھیک ہے ایک ہزار دینار تو میرے مکان کی قیمت ہے اور ایک ہزار دینار عبداللہ بن مبارک کے پڑوس کی قیمت ہے ایک وقت تھا کہ مسلمانوں کے پڑوس میں جو مکان ہوتے تھے ان مکان کی قیمتیں ان کے اخلاق و کرار کی خوبیوں کی وجہ سے بڑھ جایا کرتی تھیں اور آج یہ وقت آچکا ہے کہ یورپ کے بعض علاقوں میں مسلمان مکان لینے جاتے ہیں تو انھیں کوئی مکان کرایہ پر بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔

قاری صدیق صاحبؒ کا سبق آموز واقعہ

باندھا کہ ایک گاؤں جو شہر سے کافی دور اور مدھیا پردیش کی سرحد سے قریب ہے، اس

(۱) مسلم، حدیث نمبر: ۱۷۸۰، تفصیل کے لئے حضرت کا مقالہ ''غیر مسلموں کے ساتھ پیغمبر اسلام ﷺ کا سلوک'' مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔

گاؤں میں غیر مسلم رئیس بیمار ہوا، بڑا علاج کیا، آرام نہ ملا کسی طرح قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ عربیہ ہتورا، بندیل کھنڈ کے متعلق علم ہوا، حضرت کو بلوایا، حضرت نے تعویذ دی، اللہ کے کرم سے صحت مل گئی، چونکہ گاؤں کے مسلمانوں کے واسطے سے بلوایا تھا، کہنے لگا: تم جو چاہو مجھ سے لے لو، گاؤں میں مسجد کی ضرورت تھی، گاؤں میں غیر مسلموں کی کثرت اور انکے اقتدار کی وجہ سے نہیں بن رہی تھی، لوگوں نے حضرت سے مشورہ کیا، حضرت نے کہا کہ ''اس سے کہیں کہ مسجد بنوا دے، لوگوں نے کہا تو کچھ سوچ کر ''ہاں'' کر دیا، اور کہا کہ کسی دن اپنے مولانا کو بلوا کر کام شروع کرلو، کسی موقع سے حضرت تشریف لے گئے، سنگ بنیاد کے وقت آپؒ نے خود اس کو بلوایا، وہ تامّل کے ساتھ آیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ہاتھ سے بنیاد کھدوائی، اور خود بھی کھو کر دعا فرمادی، اس نے کہا: آپ لوگ جو اس وقت کرتے ہیں وہ کرلو، پوچھا کیا مطلب؟ کہنے لگا: گائے ذبح کر کے اسکا گوشت وخون مسجد کی بنیاد میں ڈالا کرتے ہونا! جواب دیا گیا: نہیں! یہ سب تو ہمارے تصوّر میں بھی نہیں، پھر مسجد کی تعمیر کا مقصد وغیرہ سامنے آیا، اس پر وہ اپنے متعلقین پر بہت ناراض ہو کر برا بھلا کہا کہ تم لوگ جھوٹ بول کر مجھ سے اس قسم کی باتیں کرتے رہے، اسی وجہ سے میں مسجد کا مخالف تھا۔(۱)

فائدہ: معلوم ہوا کہ غیر مسلموں کی بیماری ومصیبت میں کچھ دم یا تعویذ وغیرہ بلاعوض دینا مفید ہوسکتا ہے، نیز مسجد کی سنگ بنیاد میں انہیں شریک کرنا بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا سبب ہے، مسجد کے سامنے دم کرانے کے لئے آنے والوں کی بھی قدر کرنی چاہئے۔

منشی جمال الدین ریاستِ بھوپال کے وزیر کا سبق آموز واقعہ

وزیر صاحب عالم بھی تھے، آپ کے یہاں کسی تقریب میں شرفا مدعو تھے، اہل محفل کو کھانا کھلایا جارہا تھا کہ ایک بھنگی آیا اور عرض کیا کہ: میاں سلام! میاں میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، وزیر صاحب سب کام چھوڑ کر اسے مسلمان کیا اور خادم کو حکم دیا کہ اس کو حمام میں

(۱) تذکرۃ الصدیق۔ مولانا عبید اللہ اسعدی ۳۷۸:

لے جاؤ اور ہمارے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنا کرلاؤ، پھر حکم دیا کہ دسترخوان پر بٹھاؤ، یہ دیکھ کر حاضرین کے تیور بدل گئے، منشی صاحب نے فرمایا: آپ صاحبان پریشان نہ ہوں، آپ کے ساتھ اس کو نہ کھلاؤں گا اس کے ساتھ میں کھاؤں گا، یہ اس قدر پاک ہوگیا کہ اس وقت تمام مجلس میں بھی کوئی ایسا پاک نہیں ہے، یہ ابھی مسلمان ہوا ہے، اس کے تمام گناہ معاف ہوچکے ہیں، اس کے ساتھ کھانے کی دولت میں نے اپنے لئے تجویز کی ہے، آپ حضرات کی قسمت ایسی کہاں... غرض اس نومسلم کے ساتھ اس وقت بیٹھ کر کھانا کھایا۔(۱)

برادرانِ وطن کی مہمان داری کا واقعہ

حضرت تھانوی نے فرمایا کہ مولوی محمود رامپوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں اور ایک ہندو تحصیل دیوبند میں کسی کام کو گئے، میں حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی کے یہاں مہمان ہوا، اور وہ ہندو بھی اپنے بھائیوں کے گھر کھا پی کر میرے پاس آگیا، کہ میں بھی یہیں سوؤں گا، اس کو ایک چارپائی دے دی گئی، جب سب سو گئے تو رات کو میں نے دیکھا کہ مولانا زنانہ میں سے تشریف لائے، میں لیٹا رہا، یہ سمجھا کہ اگر کوئی مشقت کا کام کریں گے تو اٹھ کر مدد کردوں گا، ورنہ خوامخواہ اپنے جاگنے کا اظہار کر کے پریشان کیوں کروں؟ میں نے دیکھا کہ مولانا اس ہندو کی طرف بڑھے، اور اس کی چارپائی پر بیٹھ گئے، اور اس کے پاؤں دبانے لگے، وہ خراٹے لے کر سوتا رہا، مولوی محمود صاحب اٹھے اور کہا حضرت آپ تکلیف نہ کریں، میں دبادوں گا، مولانا نے فرمایا کہ تم جا کر سوؤ، یہ میرا مہمان ہے، میں ہی اس خدمت کو انجام دوں گا، مجبوراً میں چپ ہوگیا، اور مولانا اس ہندو کے پاؤں دباتے رہے۔(۲)

عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے زمانہ میں دہلی کی جامع مسجد کے پاس ختم نبوت

(۱) ملفوظاتِ تھانویؒ

(۲) قصص الاکابر۔ص: ۲۰۴

پر جلسہ ہوا، آپ کا نام پورے ملک میں مشہور تھا، آپ کا دیدار کرنے ایک دلت خاندان کا عمر رسیدہ شخص بھی آکر سیڑھیوں کے پاس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھنے لگا، جلسہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ سیڑھیوں سے اترتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اتر کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چلنے لگے، مہمان خانہ لے جا کر اپنے ساتھ بٹھایا، پلیٹ میں کھانا ڈال کر پہلا لقمہ اپنے ہاتھ سے کھلایا، اس شخص سے رہا نہ گیا کہ میری قوم تو میرے ہاتھ کا لگا پانی نہیں پیتی، مجھے اپنی مندر میں آنے نہیں دیتی، اور یہاں مسلمانوں کا لیڈر مجھے اپنے ہاتھ سے کھلا رہا ہے، بعد عصر اپنی پوری فیملی کو لا کر کہنے لگا: شاہ جی! مجھے اور میری فیملی کو کلمہ پڑھا دیجئے، ایک لقمہ اور اظہارِ محبت اس کے اندرون میں انقلاب پیدا کر دیا۔

بایزید بسطامیؒ کے چراغ سے ہدایت

حضرت بایزید بسطامیؒ کا ایک پڑوسی غیر مسلم تھا، ایک مرتبہ وہ کہیں سَفر پر چلا گیا، اس کے بال بچے گھر ہی تھے، رات ہوئی تو حضرت بایزید بسطامیؒ کو غیر مسلم پڑوسی کے گھر سے بچے کے رونے کی آواز آئی، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے معلوم کیا کہ بچہ کیوں رَو رہا ہے، پتا چلا: پڑوسی کے گھر میں چراغ نہیں ہے، بچہ اندھیرے میں گھبراتا ہے، اس لئے رو رہا ہے، حضرت بایزید بسطامیؒ نے جلدی سے ایک چراغ میں تیل ڈالا اور غیر مسلم پڑوسی کے گھر بھجوا دیا، پھر جب تک پڑوسی سَفر سے واپس نہیں آیا، آپ روزانہ چراغ میں خُوب تیل ڈال کر اس کے گھر بھیج دیا کرتے، جب وہ غیر مسلم پڑوسی سَفَر سے لوٹا تو اس کی بیوی نے حضرت بایزید بسطامیؒ کے حُسنِ سلوک کا سارا واقعہ سُنا دیا، وہ غیر مسلم بولا: جس گھر میں بایزیدؒ کا چراغ آگیا، وہاں اندھیرا کیوں رہے؟ یہ کہہ کر وہ سب گھر والے مسلمان ہو گئے۔(۱)

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی نصیحت

حضرت مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ ملک کے موجودہ حالات کے

(۱) مرآۃ المناجیح: ۶/ ۵۷۳

تناظر میں یوں فرمایا: ''ہم نے اگر ہندوستان کی اصل آبادی کو نظر انداز کیا اور اسلام کا پیغام اس تک نہیں پہنچایا اور اپنے اخلاق و کردا سے ان کے دل نہیں جیتا تو (اللہ محفوظ رکھے) یہ ملک کسی بھی وقت اسپین بن سکتا ہے۔

اب مسلمانوں کو اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہئے کہ اگر سو فیصد مسلمان تہجد گذار بن جائیں اور ہر مسلمان کے ہاتھ میں تسبیح آجائے اور ہر مسلمان اشراق و چاشت کا پابند ہو جائے، لیکن ملک کی اکثریت دین سے نا موس ہے اور دلوں میں زہر لئے بیٹھی ہے اور سینے میں انگارے سلگ رہے ہیں، تو خدانخواستہ جس وقت اس ملک میں کوئی بھونچال آئے گا تو ہم اپنی عبادتوں اور نوافل کے ساتھ بے دخل کریئے جائیں گے، اس وقت نوافل تو نوافل جو بنیادی چیزیں ہیں وہ بھی نہیں رہیں گی، اس لئے وقت کا تقاضا ہیے کہ ہم اس آبادی کو اسلام سے مانوس کریں، اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچائیں، انہیں بتلائیں کہ اسلام کیا ہے، ہم اپنی طرز زندگی، طرز عمل، اخلاق وخوش معاملگی، دیانتداری اور میٹھے بول سے ملک کی اکثریت کو مانوس کرنے کی کوشش کریں۔

(۳۵) علاقائی زبان سیکھنے کا اہتمام کریں

امام سے صرف مصلیّ نہیں بلکہ سارے محلہ وبستی کے افراد کا رابطہ رہتا ہے، علاقائی زبان سیکھے بغیر اپنی بات کما حقہ نہ سمجھانے کی وجہ سے غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں، کویت سعودیہ جانے والی ہندو عورتیں معاش کے لئے عربی زبان سیکھ لیتی ہیں، ائمہ کرام کو علاقائی زبان سیکھنا کونسا مشکل ہے۔

اخبارات میں اسلام کے خلاف زہر افشانی

آج کوئی اخبار خواہ انگریزی ہو یا تلگو اسلام پر نفرت بھری تحریرات سے خالی نہیں ہے، مدارس سے فارغ ہونے والے ائمہ کرام اگر اپنے علاقے کے لوگوں کے شکوک وشبہات

دور نہیں کریں گے تو یہی لوگ جانی دشمن بن جائیں گے۔

"وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه ليبين لهم"(۱) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان میں۔

اللہ تعالی نے جو نبی جس قوم میں بھیجا اس پر اسی قوم کی زبان میں اپنا کلام نازل کیا، تاکہ وہ قوم اسے اچھی طرح سمجھے، اس کے پاس زبان سے ناواقفیت کا عذر نہ رہے، نیز اللہ تعالی نے محض معجزے کے طور پر بھی یہ گوارا نہ کیا کہ رسول تو بھیجے عرب میں، اور وہ کلام سنائے چینی یا جاپانی زبان میں، کرشمہ نمائی سے زیادہ تعلیم اسلام کی اشاعت میں زبان دانی کا لحاظ رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو دوسری زبان سکھنے کا حکم دیا

یہود کی سریانی زبان جاننے والا کوئی نہیں تھا، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کیا تم سریانی زبان جانتے ہو؟ میرے پاس کتابیں (خطوط اور رسائل) آتے ہیں، تو میں نے کہا کہ میں نہیں جانتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ تم اس زبان کو سیکھ لو، چنانچہ میں نے اسے سترہ دنوں میں سیکھ لیا۔

"قَالَ لِي رَسُولُ ﷺ :"تحسِنُ السُّرْيَانِيَّةَ ؟ إِنَّهَا تَأْتِينِي كُتُبٌ ، قَالَ :قُلْتُ :لَا. قَالَ :"فَتَعَلَّمْهَا" فَتَعَلَّمْتُهَا فِي سَبْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا"(۲)

امام اعمش رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس خطوط ورسائل آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواہش ہوتی کہ ان کو کوئی معتمد شخص پڑھے۔

---

(۱) قرآن ۴:۱۴

(۲) مسند احمد، حدیث: ۲۱۵۸۷

"کانت تاتیه کتب لا یشتھی ان یطلع علیھا الا من یثق به"(۱)

زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ یہود کی کتاب سیکھیں (تو میں سیکھنے کے بعد) نبی ﷺ کے خطوط لکھتے اور ان کے خطوط کو آپ کو پڑھ کر سناتے جب وہ آپ ﷺ کے پاس بھیجتے۔

دعوت دین کا فریضہ غیر عربی زبان میں انجام دیا جانا ماضی سے ہی شروع ہو چکا، حضرت ابوحمزہ رحمۃ اللہ علیہ ابن عباس اور لوگوں کے درمیان ترجمانی کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

"کنت اترجم بین ابن عباس و بین الناس"(۲)

حضرت سلمان فارسیؓ اور حبشی دونوں زبانوں کے ماہر تھے، فارسی تو آپ رضی اللہ عنہ کی مادری زبان تھی، ایک دفعہ اہل فارس نے ان سے سورۂ فاتحہ کے فارسی ترجمے کی خواہش کی، تو آپؓ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ کر کے آپ ﷺ کو سنایا، اس کی بعد اہل فارس نے اس ترجمہ کو پڑھنا شروع کیا۔

عبداللہ بن زبیرؓ کا کمال

عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس سینکڑوں غلام تھے، ان میں ہر ایک الگ الگ زبان میں بات کرتا تھا، اور عبداللہ بن زبیر ہر ایک کے ساتھ ان کی زبان میں بات کرتے۔(۳)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ غیر ملکی زبانوں کے سیکھنے میں کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔

دوسری زبانیں سیکھنا فرضِ کفایہ ہے

بوقتِ ضرورت زبانوں کو سیکھنا پوری امت پر فرضِ کفایہ ہے، احقاقِ کا کام ناقص ہی

(۱) مستدرک حاکم، حدیث: ۵۷۸۱

(۲) صحیح بخاری، حدیث: ۱۹۵/۷

(۳) مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ص: ۱۱۷، لاہور، ادارۂ اسلامیات، ۲۰۰۰ء۔

رہے گا، زبانیں سب اللہ کی ہیں ،اور افہام وتفہیم کا ذریعہ اور دعوتِ اسلام پھیلانے کا وسیلہ ہے، رسولؐ عربی تھے، قرآن کی زبان عربی ہے، تاکہ قریش اسے اچھی طرح سمجھ سکیں، لیکن آپؐ کی دعوت عالمی تھی۔''تَبَارَکَ الّذِی نَزّلَ الْفُرْقَانَ عَلَی عَبْدِہِ لِیَکُوْنَ لِلْعَالَمِیْنَ نَذِیْراً''۔(۱) جب اسلام کی دعوت عالمی دعوت ہے، تو ضروری ہے کہ ایسے لوگ موجود ہوں یہ دعوت دوسری قوموں تک ان کی زبان میں پہنچا سکیں۔

شیخ محمد بن صالح العثیمینؒ کا فتوی ہے کہ''غیر عربی زبان سیکھنا حرام نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات اس کا سیکھنا واجب ہوتا ہے، جب غیر عرب کو دعوتِ دین دینا ہو تو اسکی زبان سیکھے بغیر ممکن نہیں''(۲)

اردو زبان دین اسلام کی ترجمان ہے متعدد تفاسیر، احادیث کی شروحات، سیرت اور مختلف عنوانات پر اسلامی نقطہ نظر سے لکھا گیا لٹریچر اسی زبان میں ہے، مسلمانوں کی بڑی تعداد اسی زبان سے مستفید ہو رہی ہے مگر اب بعض مسلمان انگریزی، ہندی وتلگو زبان سے مانوس اور برادرانِ وطن کی اکثریت اردو سے ناواقف ہے۔

علاقی زبان علاقے کے فرد سے سیکھیں

مسلمانوں پر یہ بھی ضروری ہے کہ ہر نفع بخش علم کو سیکھے، وہ علم چاہے غیر مسلم کے پاس ہی کیوں نہ ہو، آپ ﷺ بدر کے مشرک قیدیوں کے علم سے فائدہ اٹھایا اور ان کی رہائی کی یہ شرط رکھی کہ وہ لوگ مسلم بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، انصاری صحابی حضرت زید بن ثابتؓ نے ان سے ہی علم حاصل کیا تھا، جو بعد میں کاتب وحی اور حضرت ابو بکرؓ کے دورِ خلافت میں مرتب قرآن بنے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: علم مؤمن کا گمشدہ سرمایا ہے، اسے حاصل کرو، اگرچہ مشرکین

(۱) الفرقان:۱
(۲) حکم تعلم اللغۃ الاجنبیۃ والتحدث بھا، للشیخ ابن عثیمین

کے ہاتھوں ہی کیوں نہ حاصل کرنا پڑے۔

"العلم ضالّة المؤمن، فخذوه ولو من أيد المشركين۔"(۱)

مراد مادی علوم ہیں، مسلمانوں نے ہر دور میں مادی علوم سے فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے یونان، فارس، روم، ہندوستان اور بطور خاص یونان سے طب، کیمیاء، علم فلک، ریاضی وغیرہ کا علم حاصل کیا۔

دوسری زبانیں نہ سیکھنے کا نقصان

اسلام کی نشر واشاعت میں زبان دانی کا اہم کردار رہا ہے، عہد صحابہؓ میں بھی لوگ جب جوق در جوق دامن اسلام سے وابسطہ ہونے لگے تو ترجمانی کے لیے زبانوں پر محنت ہوئی، اب متعدد زبانوں کے ماہرین کی مانگ بڑھ گئی ہے، ترجمہ کے شعبے قائم ہو گئے، دعوتی مراکز میں کثیر لسانی دعاۃ کی قدر کی جاتی ہے، دنیا گلوبل ولیج ہے، اپنی جگہ کسی بھی زبان میں اسلام کے خلاف لنک اپلوڈ کر دیں ساری دنیا کے اندر لمحوں میں ذہنی تکدر قائم ہو جاتا ہے، میڈیائی یلغار سے بچنے کے لیے زبانوں پر عبوریت ناگزیر امر ہے، یورپ اور امریکہ میں لاکھوں لوگ غلط فہمیوں کے جال سے نکل کر دامن اسلام میں داخل ہو چکے اور وہ خود بڑے پیمانے پر اسلام کی دعوت غیر مسلموں کے درمیان پہنچا رہے ہیں۔

غیر مسلموں کو اللہ کے دین کی طرف بلانے کی ضرورت آج بھی اسلام کے دورِ اول کی طرح ضروری ہے، دعوت تو ساری انسانیت کو دی جائے گی مگر جو انسان ہم سے قریب ہیں ان سے ابتداء، روابط قائم کرنا، خیالات کا تبادلہ، گفتگو ضروری ہے، برادرانِ وطن کا حق سب سے زیادہ ہے۔

دیگر اقوام کی محنت

بھارت دنیا کا واحد ملک ہے جہاں کل ۴۴۷/ زبانیں بولی جاتی ہیں، صدیوں کا موقعہ

(۱) مبارکپوری، قاضی اطہر، خیر القرون کی درسگاہیں، ص: ۱۱۷، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۰

ملنے کے بعد بھی یہاں کی نصف آبادی تک بھی اللہ کا پیغام نہ پہنچا سکنے کی وجہ زبان سے ناواقفیت بھی ہے، یا تو برادرانِ وطن کو اپنی زبان سکھاتے یا ان کی زبان سیکھتے اپنی بات پہنچانے کا فطری اصول یہی ہے، افسوس برادرانِ وطن تو دور اپنی نئی نسل کو اردو زبان سکھانے میں ناکام ہیں، دوسری طرف ہندو قوم پرست منصوبہ بندی سے اردو زبان کا خاتمہ کر رہی ہے، ملک کے تعلیمی وتدریسی نصاب سے اور مادری زبانوں کی فہرست سے اردو زبان کا ہٹا دیا جانا اسکا زندہ ثبوت ہے، اگر سیکھتی بھی ہے تو مسلمان لڑکیوں کو اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کی خاطر، جس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہیں، جبکہ بھارت کی اکثریت ہندی زبان بولتی لکھتی اور پڑھتی ہے، سرکاری سرپرستی میں تمام شہریوں پر لاگو کیا جا رہا ہے، اپنی زبان سکھانے اسے عام کرنے اسکالرشپ جاری کی جاتی ہے، حکومتی فنڈ مقرر کیا جاتا ہے، مغلوب قومیں تو دوسروں کی زبان سیکھنے پر مجبور ہیں، اس کے باوجود زندگی کے ہر شعبے میں اثر انداز ہونے کے لیے مذہبی زبان کو بھارتی زبان کی حیثیت سے پیش کیا جانے لگا ہے۔

اہل علم کی اکثریت اردو زبان سے ہی واقفیت رکھتی ہے، تقریر، تحریر، اسلامی کتب اردو زبان میں ہی ہیں، برادرانِ وطن سیکھنے کو اہمیت ہی نہیں دیا، یہ تاریخی غلطی شمار ہوگی، ہندوستان کی ان مقامی زبانوں کو سیکھنا اور ان میں تحریر وتقریر کی قابلیت بہم پہنچانا جو آئندہ تعلیم اور لٹریچر کی زبانیں بننے والی ہیں، وقت کا بہت بڑا چیلنج ہے، بلکہ اس بات کی انتہائی کوشش کرنا کہ ان زبانوں میں جلدی سے اسلام کا ضروری لٹریچر منتقل کر دیا جائے، جنوبی ہند میں تامل، تلنگی، کنڑی، ملایالم اور مرہٹی، مغربی ہند میں گجراتی، مشرقی ہند میں بنگلہ آگے چل کر مسلمان بچے درسگاہوں میں تعلیمی زبان اور درس گاہوں سے باہر سرکاری اور ملکی زبان سے اس قدر متاثر ہونگے کہ اردو سے ان کا تعلق برائے نام رہ جائے گا اور اگر ان زبانوں میں کافی اسلامی لٹریچر نہیں ملا تو وہ بالکل اکثریت کے رنگ میں رنگتے چلے جائیں گے۔

دعوتِ دین کے لیے علاقائی زبان سے واقفیت ہونا

دعوت ِدین انبیاء ورسل تک محدود نہیں بلکہ ہر زمان ومکان کے مسلمانوں اورعلماء پر اس کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، دعوت دین کے وسائل بے شمار ہیں، حالات ومقامات اورافراد کے اعتبار سے اس کی صورتیں جداگانہ ہیں، غیرمسلموں میں اور مغربی ملکوں میں دعوت کا طریقہ مسلم ملکوں کے طریقہ سے مختلف ہے اور ہر زمانہ میں مسلمانوں نے اس فریضہ کو انجام دیا ہے جس کے نتیجے میں ہر زمانہ میں مذہبِ اسلام پھلتا اور پھولتا رہا۔

اعدائے اسلام کا حکیمانہ جواب دینے، ان کی سازشوں کو ناکام کرنے، دینِ اسلام کا مکمل بصیرت کے ساتھ دفاع کرنے، مسموم ذہنوں کے تریاق فراہم کرنے، دروغ گوئی، جعلسازی وگمراہ کن وبے بنیاد پروپیگنڈوں کو ختم کرنے، عام باشندوں کے ذہن میں اسلام مسلمانوں کے بارے میں پیدا کئے جانے والے منفی جذبات کو مثبت جذبات میں بدلنے اور پوری دنیا میں اسلام ومسلمانوں کے بارے میں پھیلائی جارہی غلط تصویر کو بہتر بنانے اورغلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے جدید ذرائع ابلاغ اہم ترین وسائل میں سے ہے، سب بخوبی احساس ہونا چاہئے کہ دنیا میں دعوت دین کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہیاں ہوئیں اور ہورہی ہیں، اس فریضہ کو اس طرح انجام نہیں دیا گیا جس طرح دینا کو چاہئے تھا، علماء اسلام کا فریضہ ہے کہ وہ غیرمسلموں کو دین اسلام اور اسلامی تعلیمات سے روشناس کریں، پروپیگنڈوں کا جواب اقوام عالم کی زبان میں دیں۔

دشمن اپنی مذہبی بات تو کم ہی پیش کرتا ہے اور ان کے پاس پیش کرنے کی کوئی خاص چیز ہے بھی نہیں، مگر وہ اپنی دعوت عام کرنے کے لئے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش ضرور کرتا ہے، گرچہ اس شر سے خیر کا پہلو نکل رہا ہے کہ اس مہم کے نتیجے لوگ اسلام کے مطالعہ کی طرف راغب ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہورہے ہیں، دعوت میں کوتاہی کے بجائے پہلے سے زیادہ اس کے لئے سرگرم ہوں۔

اردو زبان میں لکھنا، بولنا،تقریر کرنا بلاشبہ اچھا عمل ہے، مگر ہم اپنی بات اپنوں کو ہی کہہ رہے ہیں جبکہ ہندی، تلگو، کنڑ، مراٹھا، کیرل، تامل، بنگالی، اسامی اور ہر خطے کا امام اس خطے کی زبان میں مہارت حاصل کر کے دین کی بات دوسروں تک اُن کی زبان میں پہنچا کر انہیں مطمئن کرنا وقت کی اہمت ضرورت ہے۔

علاقائی زبان میں خطاب کی کوشش کریں

مخاطب کو اس کی اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبان اجنبی لگتی ہے، زندہ قوموں کے یہاں متعدد زبانوں کو سیکھنے سکھانے کی بڑی اہمیت ہے، اگر اب بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو بڑی قربانیاں پیش کرنی ہونگی، منصوبہ بندی کے بغیر محنت نتیجہ خیز نہیں رہے گی، اردو زبان کے احیاء سے آگے مخاطب کی زبان میں دعوت دینا ضروری ہے۔

مساجد کے خطبوں سے لیکر عوامی پروگرام علاقائی زبان میں ہو، مسلمانوں کے ساتھ برادرانِ وطن بھی اسلام سے روشناس ہوسکیں، اسلامی لٹریچر کو علاقائی زبان میں منتقل کریں جس زبان میں تعلیم حاصل کی ہے اس زبان کو مخصوص لوگ ہی سمجھ پاتے ہیں، جنہوں نے علاقائی زبان کو اہتمام سے سیکھا وہ سماج کی زبان میں بولنے کے قابل بنے، انگریزی زبان سیکھ کر مغربی تہذیب میں ضم ہونا نہیں ہے ہندی زبان سیکھ کر ہندو تہذیب میں ضم ہو نا نہیں ہے، بلکہ ان کی تہذیب پر مدلل انداز میں تنقید اور ان کو حقیقی معبود سے متعارف کرانا ہے، البتہ دوسری قوموں کے دینی افکار لینے سے منع کیا ہے، ایک مرتبہ آپؐ نے حضرت عمرؓ کو یہودیوں کی دینی کتاب سے کچھ پڑھتے دیکھا، تو اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، کیوں کہ اللہ نے قرآن کے ذریعہ تمام تحریف شدہ کتاب سے مسلمانوں کو بے نیاز کر دیا ہے۔

سید نور اللہ قادری کرنولی صاحبؒ کی خدمت

مدرسہ سراج العلوم ولگوڑ کے بانی مولانا قاری سید نور اللہ قادری کرنولی صاحبؒ کو اللہ نے

یہ شرف بخشا کہ علاقائی زبان پر عبور کی وجہ سے گاؤں دیہات کے نو ر بھائیوں اور تلگو زبان کے مسلمانوں میں اللہ نے بہت کام لیا، بہشتی زیور، خدمات اہل شریعت، ریاض الصالحین، مناسک حج، انٹروڈکشن ٹو اسلام، رحمتِ عالم، تفسیر قادری، ارکانِ اربعہ، فضائل اعمال جیسے عظیم کتابوں کا تلگو میں ترجمہ کیا، اور خود ایک کتاب ''کلمہ طیبہ'' کے نام سے لکھی گئی کتابیں سوؤں لوگوں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنی ہے، کمال یہ ہے کہ کسی کتاب کا معاوضہ نہیں لیتے تھے، جبکہ ۸۴ رسال تک لکھنے کا معمول جاری رہا، زندگی میں تقریباً اسّی کتابیں لکھی ہیں، لکھا ہے کہ ''لاکھ کوشش کیا، نوجوان علماء کو آمادہ کیا کہ تلگو زبان سیکھ لیں، خادم بن کر سکھادوں گا، لیکن:

؎ کسے نمی پرسد کہ بھیّا کون ہے

زندگی بھر عید کی رات کسی نہ کسی دیہات میں گذارنے کا معمول تھا، رات میں دیہاتیوں کو عید، زکاۃ، وغیرہ کے احکام سکھا کر ہدیہ قبول کئے بغیر عید کی نماز پڑھا کر گھر چلے آتے۔

(۳۶) ائمہ کرام اپنا مستقل کتب خانہ رکھیں

لبنان ادیب ''میخائل نعیمہ'' نے بہت خوبصورت بات لکھی ہے:

''عندما تصبح المكتبة في البيت ضرورة كالطاولة و السرير و الكرسي و المطبخ عنده يمكن القول بأننا أصبحنا قوماً متحضرين''

''جب کتب خانہ گھر کی ضرورت بنے بالکل اسی طرح جس طرح میز، چارپائی، کرسی اور باورچی خانہ گھر کی ضرورت ہوتا ہے تو اس وقت ہمارے لیے یہ کہنا ممکن ہے کہ ہم تہذیب یافتہ قوم ہیں''۔

عالم جب کسی کتب خانہ میں جاتا ہے یا اس کے اپنے ذاتی کتب خانہ میں وقت بتاتا ہے تو ایسا لگتا ہے کہ ''اِدھر ابن قدامہ حنبلیؒ کی ''المغنی'' چہرہ تک رہی ہے۔ اُدھر ابن خزیمہ کی ''صحیح ابن خزیمہ'' محبت کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے، ایک طرف امام اہلِ سنت احمد بن حنبلؒ

کی ''مسند''، تحقیق وتخریج کے زیور سے سج دھج مثل عروس محوِ انتظار ہے اور دوسری طرف امام ابن حزمؒ کی ''المحلّی ''استقبال کر رہی ہے، شیخ الاسلام ابن قیم الجوزیؒ کی ''عدۃ الصابرین''اور'' شفاء العلیل ''، مسکرا رہی ہے اور طاق پر علامہ عبدالرحمن الجزیریؒ کی ''الفقہ علی المذاھب الاربعۃ'' دل لبھا رہی ہے، اُدھر کچھ دور ابونعیم اصفہانیؒ کی ''حلیۃ الاولیاء''اور'' تفسیر ابوسعود'' اور قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''فتح القدیر'' کے درمیان کچھ سرگوشی جاری ہے، بائیں جانب شیخ محمد علی الصابونی کی ''شرح ریاض الصالحین'' کچھ کہہ رہی ہے، علمائے دیوبند کی کتب احادیث میں کہیں ''فیض الباری، عمدۃ القاری، انعام الباری'' تو کہیں ''اوجزالمسالک'' تو کہیں ''بذل المجہود'' دل لبھا رہی ہے۔کہیں تفسیر مظہری تو کہیں بیان القرآن دل کو راحت رسانی کا سامان لئے کھڑی ہے۔سچ یہ ہے کہ دنیا ہی بدل جاتی ہے، اس گئی گذری دنیا میں اگر جنت کے باغیچوں میں وقت گذارنا ہو تو اپنا کتب خانہ بنانا ضروری ہے۔

امام احمد بن محمد المقریؒ کا شوقِ کتب

امام احمد بن محمد المقری جو زبردست محدث تھے آپ کو ایک کتاب سے حوالہ نقل کرنے کے لیے ۷۰/دن کا سفر کرنا پڑا۔خود فرماتے ہیں کہ وہ کتاب اس حالت میں تھی کہ ''ولو عرضت علی خبّاز بر غیف لم یقبلھا''اگر وہ کتاب کسی نان بائی کو دے کر ایک روٹی بھی خریدنا چاہتے تو شاید وہ اس پر بھی تیار نہ ہوتا۔(۱)

خطیب تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

خطیب تبریزی کو عربی زبان وقواعد پر غیر معمولی مہارت حاصل تھی، آپ کو ایک مرتبہ ابو منصور کی کتاب ''تہذیب اللغۃ'' کہیں سے مل گئی، آپ نے ارادہ کیا کہ اس کتاب کے مندرجات کو کسی ماہر زبان سے تحقیقی طور پر سمجھیں۔لوگوں نے ابوالعلاء المعری کا نام پیش کیا۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ للذہبی: ۳/ ۱۲۱

آپ نے کتاب تھیلے میں ڈالی، اس تھیلے کو بغل میں لٹکایا اور تبریز سے ''معرۃ'' کی جانب چل پڑے۔ آپ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ سواری کا انتظام کر سکتے۔

''فنفذ العرق من ظهره إليها فأثر فيها البلل، وهي ببعض الوقوف ببغداد، وإذ رآها من لا يعرف صورة الحال فيها ظن أنها غريقة، وليس بها سوى عرق الخطيب المذكور''

اس لیے دھوپ میں پیدل چلنے سے پسینہ آیا اور اس کا اثر تھیلے اور کتاب تک پہنچا، نتیجتاً کتاب پسینہ سے تر ہوگئی، اب اگر کوئی اس کتاب کو دیکھتا اور اسے صحیح صورت حال کا پتہ نہ ہوتا تو وہ یہی خیال کرتا کہ شاید پانی میں بھیگ گئی ہے حالانکہ اس پر صرف خطیب تبریزی کا پسینہ تھا۔(۱)

حضرت علی بن احمدؒ کا روح پرور واقعہ

حضرت علی بن احمد کے پاس ''الجمهرة فی علم اللغة'' کا ایک بہت ہی عمدہ نسخہ تھا، ایک مرتبہ غربت نے اسے بیچنے پر مجبور کر دیا، شریف مرتضیٰ ابوالقاسم نے ۶۰/دینار میں خرید لیا، جب اس کا ورق پلٹا تو اس پر ابوالحسن کے ہاتھ سے لکھے ہوئے اشعار نظر آئے جن کا ترجمہ یہ ہے: میں ۲۰/سال تک اس کتاب سے مانوس رہنے کے بعد آج اس کو بیچ رہا ہوں، اس کے چھوٹ جانے سے میرا غم بہت بڑھ گیا ہے۔ قرضوں کی وجہ سے اگر عمر قید بھی ہو جاتی تو پرواہ نہ تھی مگر یہ وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کبھی اس کو بیچنا پڑے گا لیکن کیا کروں، کمزوری، ناداری اور چھوٹے چھوٹے بچوں کی وجہ سے حالات نے یہ دن دکھائے، میں بہتے ہوئے آنسوؤں پر قابو نہ پاسکا اور کسی دل جلے غمزدہ کی طرح یوں کہا: ضرورت کبھی کبھی عمدہ چیزوں کو اپنے آقا سے جدا ہونے پر مجبور کر دیتی ہے حالانکہ وہ انہیں اپنے پاس سے الگ نہیں کرنا

---

(۱) وفیات الاعیان: ۶/ ۱۹۲

چاہتا۔(۱)

تھانویات کے مطالعہ کا اہتمام کریں

جہاں تک ہوسکے حضرت تھانویؒ اور علی میاں ندویؒ کی کتابیں دیگر کتابوں سے مستغنی کر دیتی ہیں، استاذِ محترم مولانا نور عالم خلیل امینی صاحبؒ ''حضرت تھانویؒ کی کتاب کا ایک صفحہ پڑھنے سے پاؤ عقل میں اضافہ ہوتا ہے''، مفتی تقی عثمانی صاحبؒ فرماتے ہیں ''میں اپنے سرہانے تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی نہ کوئی کتاب رکھ کر سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ پڑھ کر سوتا ہوں، ہمارے اکابرین رہبری ورہنمائی کے لئے کافی ہیں، حضرتِ اقدس مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں کہ ''میرے سبق میں ابن حجر، عینی، ابن ملین اور کرمانی کی نہیں؛ حضرت گنگوہی، شیخ الہند، علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ بلیاوی، مولانا فخر الدین اور شیخ زکریا علیہم الرحمہ کی باتیں زیادہ آئیں گی؛ کیوں کہ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ یہ لوگ علم وفضل میں متقدمین سے کچھ کم نہیں، اور متقدمین کی کتب پر ان کی گہری نظر تھی جن سے انتخاب کر کے انہوں نے مضبوط ترین آراء پیش کی ہیں! تو بجائے اس کے کہ میں خود انتخاب کروں؛ بہتر ہے کہ میں ان کے انتخاب پر اعتماد کروں۔(۲)

مگر افسوس کے فراغت کے بعد بہت کم مطالعہ کی توفیق ملتی ہے، اگر تراویح کا نظام نہ ہوتا تو قرآن غیر محفوظ اور جمعہ کے بیان کا نظام نہ ہوتا تو خطبات کی کتابیں بھی مطالعہ میں نہ آتیں، جتنا وقت موبائیل میں گذارا جاتا ہے اس سے نصف وقت بھی مطالعہ میں گذار لیں تو علمی رنگ میں رنگ جائیں گے۔

(۱) وفیات الاعیان: ۱/۷ ۳۳

(۲) درس بخاری: حضرتِ اقدس مولانا مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی دامت برکاتہم، مہتمم وشیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ۲ ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ، ۲۳/مئی، ۲۰۲۳ء، بروز منگل

ہمارے لئے بہت سبق آموز ہے تملناڑو کے اُس نائی کا جذبہ جو اپنے سیلون میں گاہکوں کے انتظار کے لئے ٹی وی اور اخبار کے بجائے کتب خانہ بنایا۔

دیوبند میں ایک شخص نے ہوٹل میں انتظار کرنے والوں کے لئے ہوٹل میں کتاب خانہ قائم کیا تھا۔

(۳۷)مختلف مکاتب فکر سے جوڑ پیدا کریں

امام مسجد میں موجود مختلف مکاتب فکر کو آپسی محبت وخیر خواہی کے جذبوں سے سرشار کرے، کسی کی مخالفت عدوات کے درجہ کی نہ ہو کسی کی تائید میں غلو نہ ہو، مسلکی اختلافات کو ہوا نہ دے، بلکہ پہلے انفرادی طور پر کبھی کبھار ذہن سازی کی کوشش کرے، ہمیشہ یا بار بار ان کے مسائل کو چھڑنے سے آدمی قریب ہونے کے بجائے دور ہوجاتا ہے بعض بزرگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی مجلسوں میں اختلافی مسائل کو نہ چھیڑا جائے، مختلف مکاتب فکر کو امت کے مفاد عامہ والے امور میں اشتراک پیدا کریں، انضمام کی اجازت نہیں ہے بلکہ اشتراک ہی بہتر ہے۔

دوسروں کو باطل پر ثابت کرنے میں متشدد نہ ہوں کہ دشنام طرازی اور دست وگریباں بلکہ بعض مقامات پر FIR تک نوبت پہنچ جاتی ہے، تہذیب، شائستگی، اورادب کو بالائے طاق رکھ ذاتیات پر حملہ نہ کریں، ایک صاحب نے لکھا کہ ان کے گاؤں کی ایک مسجد میں امام صاحب نماز شروع کرنے سے پہلے اعلان کرتے ہیں کہ'' آمین بالجہر کہنے والے اس مسجد سے چلے جائیں'' بجائے اس کے نماز کے بعد خیر خواہی سے بات کی جائے، بریلوی مسجد میں اگر دیوبندی چلا جائے تو مسجد کو دھو کر پاک کیا جاتا ہے، اگرچہ دھیرے دھیرے یہ تعصب کم ہوا، مگر یہ شدت مقلد اور غیر مقلد (سلفی یا اہل حدیث) کے مابین پیدا ہورہی ہے۔

ہماری توانائیاں کہاں صرف ہو رہی ہیں؟

ذیل میں حضرت مفتی اعظمؒ کی ایک دردمندانہ گزارش درج کی جارہی ہے، ائمہ کرام سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر خوب گڑ گڑا کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! حضرت مفتی اعظمؒ کے اس مضمون کو ہمارے دلوں کی گہرائی میں اتار دے اور عملی طور سے ہمیں عوام میں دین کے آنے کا ذریعہ بنادے اور ہماری مسجد کے آس پاس تمام گھروں میں پورا کا پورا دین زندہ فرمادے، فرمایا: ’’سیاسی اور اقتصادی میدان اور اعزاز ومنصب کی دوڑ میں بے اعتدالیوں کی روگ تھام تو سر دست ہمارے بس میں نہیں، لیکن خود دین ومذہب کے لیے کام معتدل کیے جاسکتے ہیں، اگر ہم اسلام کے بنیادی اصول کی حفاظت اور الحاد بے دینی کے سیلاب کی مدافعت کے اہم مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ لیں تو یہ وہ نقطۂ وحدت ہے کہ جس پر مسلمانوں کے سارے فرقے ساری جماعتیں جمع ہو کر کام کر سکتی ہیں اور اسی وقت اس سیلاب کے مقابلہ میں کوئی مؤثر انجام پاسکتا ہے۔

لیکن حالات کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ یہ مقصد اصلی ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے اس لیے ہماری ساری توانائی اور علم وتحقیق کا زور آپس کے اختلافی مسائل پر صرف ہوتا ہے، وہی ہمارے وعظوں، جلسوں، رسالوں اور اخباروں کا موضوع بحث بنتے ہیں، ہمارے اس عمل سے عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتی ہیں کہ دین اسلام صرف ان دو چیزوں کا نام ہے اور جس رخ کو انہوں نے اختیار کرلیا ہے اس کے خلاف کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت کو گمراہی اور اسلام دشمنی سے تعبیر کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہماری وہ طاقت جو کفر والحاد اور بے دینی اور معاشرہ میں بڑھتی ہوئی بے حیائی کے مقابلہ پر خرچ ہوتی ہے، آپس کی جنگ وجدل میں خرچ ہونے لگتی ہے۔

اسلام وایمان ہمیں جس محاذ پر لڑنے اور قربانی دینے کے لیے پکارتا ہے وہ محاذ دشمنوں

کی یلغار کے لیے خالی پڑا نظر آتا ہے، ہمارا معاشرہ برائیوں سے پُر ہے، اعمال واخلاق برباد ہیں، معاملات ومعاہدات میں فریب ہے، سود، قمار باز، شراب، خنزیر، بے حیائی، اور بدکاری ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر چھاگئے ہیں، سوال یہ ہے کہ انبیاؑ کے جائز وارث اور ملک وملت کے نگہبانوں کو آج بھی اپنے سے نظریاتی اختلاف رکھنے والوں پر جتنا غصہ آتا ہے، اس سے آدھا بھی ان خدا کے باغیوں پر کیوں نہیں آتا؟ اور آپس کے نظریاتی اختلاف کے وقت جس جوش ایمانی کا اظہار ہوتا ہے، وہ ایمان کے اس اہم محاذ پر کیوں ظاہر نہیں ہوتا؟

ہمارا زورِ زبان اور زورِ قلم جس شان سے اپنے اختلافی مسائل میں جہاد کرتا ہے اس کا کوئی حصہ سرحدات اور اصولِ ایمانی پر ہونے والی یلغار کے مقابلہ میں کیوں صرف نہیں ہوتا؟ مسلمانوں کو مرتد بنانے والی کوششوں کے بالمقابل ہم سب بنیان مرصوص کیوں نہیں بن جاتے؟

آخر ہم اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ بعثتِ انبیاء علیہم السلام اور نزولِ قرآن کا وہ مقصد عظیم جس نے دنیا میں انقلاب برپا کیا، اور جس نے غیروں کو اپنا بنایا جس نے اولادِ آدم کو بہیمیت سے نکال کر انسانیت سے سرفراز کیا اور جس نے ساری دنیا کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ کیا وہ صرف یہی مسائل تھے، جن میں ہم الجھ کر رہ گئے ہیں؟ اور کیا دوسروں کو ہدایت پر لانے کا طریق اور پیغمبرانہ دعوت کا یہی عنوان تھا جو آج ہم نے اختیار کر رکھا ہے؟ ''الم یأنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ تخشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِکْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الحقّ''(۱) کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ایمان والوں کے دل اللہ کے ذکر اور اس کے نازل کیے ہوئے حق کی طرف جھک جائیں۔''

آخر وہ کون سا وقت آئے گا، جب ہم اپنے نظریات اور نظام مسائل سے ذرا آگے بڑھ کر اصولِ اسلام کی حفاظت اور بگڑے ہوئے معاشرہ کی اصلاح کو اپنا اصلی فرض سمجھیں

(۱) الحدید: ۱٦

گے،ملک میں عیسائیت اورکمیونزم کے بڑھتے ہوئے سیلاب کی خبرلیں گے،قادیانیت کے ،انکارِ حدیث اورتحریفِ دین کے لیے قائم شدہ اداروں کا پیغمبرانہ دعوت واصلاح کے ذریعے مقابلہ کریں۔

اوراگرہم نے یہ نہ کیااورمحشر میں ہمارے ماویٰ اورملجارسول کریم ﷺ نے ہم سے یہ سوال فرمالیا کہ میری شریعت اورمیرے دین پر یہ حملے ہورہے تھے،اسلام کے نام پرکفر پھیلایاجارہاتھا،میری امت کومیرے دشمنوں کی امت بنانے کی کوشش مسلسل جاری تھی، قرآن وسنت کی کھلےطور پرتحریف کی جارہی تھی،خدااوررسول کی نافرمانی اعلانیہ کی جارہی تھی تم مدعیانِ علم کہاں تھے؟ تم نے اس کے مقابلہ پرکتنی محنت اورقربانی پیش کی؟ کتنے بھٹکے ہوئےلوگوں کوراستے پرلگایا،تو آج ہمیں سوچ لینا چاہیےکہ ہماراکیاجواب ہوگا؟(۱)

مصائب اورآفات کاایک بڑا سبب تنگ نظری ہے

حضرت مولانامحمداسلم شیخوپوری صاحبؒ فرماتے ہیں :اختلاف کاسب سے بڑا سبب کم ظرفی اورتنگ نظری ہے،سینے اوردل اتنے تنگ ہوچکے ہیں کہ کوئی گروہ بھی دورے گروہ کو برداشت کرنے کے لیے تیارنہیں،ہرگروہ نےقرآن پر،حدیث پر،خداپر،رسول پر،کعبے پر، جنت پرقبضہ جمارکھاہے،ہرگروہ یہ کہتاہےکہ:

خدااوررسول ہمارے ہیں۔
قرآن ہماراہے۔
حدیث ہماری ہے۔
مکہ مدینہ ہماراہے۔
صحابہ ہمارے ہیں۔
اولیاءہمارے ہیں۔

(۱)وحدتِ امت

جنت ہماری ہے۔
مغفرت اور شفاعت صرف ہمارے لیے ہے۔
تمہارے پاس کیا ہے؟ کنگلے کہیں کے!

اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو بریلوی بن جاؤ، دیوبندی بن جاؤ، اہلحدیث بن جاؤ، چشتی، نظامی اور قادری، سہروردی بن جاؤ، اس کے بغیر جنت میں جانا محال ہے، اسی قسم کی باتیں یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو کہتے تھے۔(۱)

اُمت کو مسلکی اختلافات سے زیادہ مذہبی اتحاد ضروری ہے

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب ؒ، سرپرست دارالعوام دیوبند وقف کو دارالعلوم زاہدان، ایران نے چند سال قبل آپ کو سالانہ تقریب ختم بخاری میں مدعو کیا تھا، پیرانِ سالی کے باوجود مولانا قاسمی دامت برکاتہم نے سفر کی مشقت برداشت کرتے ہوئے 2006ء کو زاہدان پہنچ گئے جہاں خواص اور عوام نے آپ سے استفادہ کیا۔ ”قابل تبلیغ چیز صرف دین ہے، لوگوں نے مذہب اور پھر مسلک کو قابل تبلیغ بنادیا جن میں انسانی عقل داخل ہے؛ اگر چہ یہ عقل بہت پاکیزہ و سالم ہی کیوں نہ ہو، بہرحال عقل عقل ہی ہوتی ہے، مذہب میں علمائے کرام میں اختلاف پیدا ہوا، یہ اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ مذہب کا درجہ دین سے نیچے ہے، جس بات میں اختلاف پیدا ہوجائے وہ قابل تبلیغ نہیں ہے، اسی لیے آپ کو حق ہے کہ دلائل کی بنیاد پر آپ حنفی، شافعی، حنبلی یا مالکی بن جائیں لیکن اس کا حق ہرگز آپ کو نہیں دیا جاسکتا کہ آپ لوگوں سے کہیں حنفی بن جاؤ! شافعی بن جاؤ! مذہب و مسلک کی تبلیغ کا کوئی حق کسی کو نہیں ہے، مسلک جسے آپ نے بنایا اور ظاہر ہے اس میں وہ گہرائی نہیں ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی ؒ کا تھا اس کی تبلیغ کیسے کی جاسکتی؟ ایسے مسلک کو دین کا قائم مقام بنایا جائے ظاہر ہے یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔

---

(۱) ندائے ممبر ومحراب: ۱/ ۲۰۹

مجھے یہ کہنے دیجئے کہ جس دور میں ہم رہ رہے ہیں علما انحطاط کی اس حد پر آ گئے ہیں کہ اپنے مسلک کی تبلیغ شروع کردیے، مسلک کو دین کا درجہ دیا گیا؛ گویا کہا گیا کہ لوگو تمہاری نجات ہمارے مسلک میں ہے، حالانکہ نجات مسلک پر موقوف نہیں ہے دین پر ہے، آج صورتحال یہ ہے کہ یہ امت جس کی کتاب ایک ہے، قبلہ ایک، پیغمبر ایک اور خدا ایک ہے یہ ملت ایک نہیں ہے! ہر طلوع ہونے والا سورج ملت اسلامیہ میں مزید تفریق کی خبر لیکر آتا ہے، یہ سب ہماری غلطیوں کی وجہ سے ہوا؛ ہم نے پہلے دین کا درجہ دیا مذہب کو پھر مسلک کو اس کا مقام دیا۔ آگے بڑھ کر ایک ایسا طبقہ بھی ہے جس نے مسلک سے نیچے اتر کر ''مشرب'' کی تبلیغ کر رہا ہے، کم از کم مذہب دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے لیکن مشرب محض ذوق کی بنیاد پر ہوتا ہے، ایک شخص ایک بزرگ کا متبع ہے تو وہ چاہے پوری دنیا اس فرد کی اتباع کریں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ انحطاط علمی کہاں تک آچکی ہے۔

آج علماء کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ محنت کریں کہ اس تفریق کو ختم کریں؛ میرے ناقص خیال میں اس تفریق وانتشار کی بنیاد یہ ہے کہ لوگوں اور علماء نے دین کی جگہ مذہب اور پھر مسلک و مشرب کو اہمیت دی اور ان کی تبلیغ کی، جس ملک میں آپ رہتے ہیں اور جس ملک سے میں آیا ہوں؟ وہاں بھی متعدد مسالک موجود ہوسکتے ہیں، اس کی وجہ وہی ہے جو آپ کی خدمت میں عرض کی گئی، امت کے اندر اتحاد قائم کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، یہ اتحاد کیسے حاصل ہوگا؟ اس کا حل یہ ہے کہ جو درجہ دین کا ہے وہ درجہ آپ دین کو دیدیں، مذہب اور مسلک کو بھی ان کے مناسب مقام دیدیں، قابل تبلیغ صرف دین ہے؛ دنیا کے سامنے آپ صرف دین کو پیش کریں، مذہب یا مسلک کا پیش کرنا آپ کا علمی واخلاقی انحطاط ہوگا، یہ غلط عمل شمار ہوگا۔

دور حاضر میں ذرائع کی کثرت ہے؛ ایسے ذرائع ابلاغ پیدا ہوئے ہیں جو ایک لمحے میں آپ کی بات پوری دنیا تک پہنچا سکتے ہیں، اگر کوئی گمراہی وضلالت کی بات ہو تو وہ پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے، اگر ہدایت کی بات کی جائے تو وہ بھی پوری دنیا میں پھیل جائے گی۔

آپ کا فرض بنتا ہے کہ اس تفریق کو ختم کرنے کیلیے محنت کریں اور وہ طریقہ اختیار کریں جو نبی کریم ﷺ، صحابہ کرام؟، تابعین اور تبع تابعین نے اختیار فرمایا۔

لہذا یاد رکھیں تبلیغ کیلئے صرف دین کا انتخاب کریں، افہام وتفہیم کیلیے مذہب ہے جبکہ حالات کے پیش نظر مسلک کام آتا ہے، مسلک ایسی کوئی چیز نہیں جس پر نجات موقوف ہو، نجات صرف دین پر ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، اس لیے کہ اس کے حفاظت میں اور آپ نہیں ہیں بلکہ اللہ نے خود اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے، مجھے اور آپ کو اللہ نے دین کا ''محافظ'' نہیں بنایا بلکہ'' خادم'' بنایا ہے۔ارشاد ہے :''انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون'' جب اس کی حفاظت اللہ کر رہا ہو تو کون مٹا سکتا ہے اس کو؟ آپ لوگوں کے خیالات، افکار، تہذیب اور کلچر کو پیش نظر رکھ کر دین کی تبلیغ کر دیں۔''(۱)

جسے حقیر جانا وہی محبوب نکلا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کبر اور خود رائی کا مرض آجکل تقریبا عام ہوگیا ہے خصوص لکھے پڑھوں میں، ایک شخص نے جو قاری مشہور تھے یہ استفتاء کیا تھا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے پیچھے میرے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں وہ اپنے دل میں سمجھتے تھے کہ سب سے زیادہ فاضل اور عامل میں ہوں حالانکہ یہ لوگ بزرگوں کے صحبت یافتہ اور حضرت مولانا کے مرید تھے میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر سلسلہ میں داخل ہو کر انکسار اور فنا کی شان نہ پیدا ہوئی جو اس طریق کی پہلی سیڑھی ہے تو وہ شخص بالکل محروم ہے اس قرات پر یاد آیا کہ ایک بار حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ اتفاقا رات کو کہیں سے آرہے تھے راستہ میں حضرت حبیب عجمی کا گھر آگیا وہ تہجد میں قرآن شریف پڑھ رہے تھے خیال ہوا کہ میں بھی ان کا اقتداء کرلوں گا مگر دیکھا کہ بعض حروف ان کے نزدیک صحیح نہ تھے اسی لئے ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھی حضرت حق جل شانہ کو خواب میں دیکھا عرض کیا کہ کوئی عمل ایسا ہے کہ وہ سب میں زیادتی آپ کو محبوب

(۱) مضامین ڈاٹ کام، اشاعت 28 مئی، 2018

ہو حکم ہوالصلوۃ خلف الحبیب العجمی یعنی ان کے پیچھے نماز پڑھنا کہ وہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ وہ غلطی مفسد صلوۃ تھی مفوت تحسین ہوگی۔(۱)

(۳۸) ہر دینی کام کرنے والے کو اپنا شریکِ کار سمجھیں

ہماری دینی جماعتیں جو تعلیم دین یا ارشاد و تلقین یا دعوت و تبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے لیے قائم ہیں اور اپنی اپنی جگہ مفید خدمات بھی انجام دے رہی ہیں ان میں بہت سے علماء و صلحاء اور مخلصین کام کر رہے ہیں اگر یہی متحد ہو کر تقسیمِ کار کے ذریعہ دین میں پیدا ہونے والے تمام رخنوں کے انسداد کی فکر اور مکانی حد تک باہم تعاون کرنے لگیں اور اقامت دین کے مشترکہ مقصد کی خاطر ہر جماعت دوسری کو اپنا دست و باز و سمجھنے اور دوسروں کے کام کی ایسی ہی قدر کریں جیسی اپنے کام کی کرتے ہیں تو یہ مختلف جماعتیں اپنے نظام میں الگ رہتے ہوئے بھی اسلام کی ایک عظیم الشان طاقت بن سکتی ہیں اور تقسیمِ عمل کے ذریعہ اکثر دینی ضرورتوں کو پورا کر سکتی ہے۔

مگر عموماً یہ ہو رہا ہے کہ ہر جماعت نے جو اپنے سعی و عمل کا ایک دائرہ نظام عمل بنایا ہے، عملی طور پر ایسا معمول ہوتا ہے کہ وہ خدمتِ دین کو اسی میں منحصر سمجھ رہے ہیں، گو زبان سے نہ کہیں دوسری جماعتوں سے اگر جماعتوں سے اگر جنگ و جدل بھی نہیں تو بے قدری ضرور دیکھی جاتی ہے، اس کے نتیجہ میں ان جماعتوں میں بھی ایک قسم کا تشدد پایا جاتا ہے۔

غور کرنے سے اس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصد سب کا اگر چہ دین کی اشاعت و حفاظت اور مسلمانوں کی علمی، عملی اخلاقی اصلاح ہی ہے لیکن اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے کسی نے ایک دارالعلوم قائم کر کے تعلیم دین کی اہم خدمات انجام دیں، کسی نے ایک تبلیغی جماعت بنا کر رشد و ہدایات کا فرض ادا کیا، کسی نے کوئی انجمن بنا کر احکام دین کی نشر و اشاعت کا تحریری انتظام کیا، کسی نے فتویٰ کے ذریعہ خلق خدا کو ضروری احکام بتانے

(۱) ملفوظات حکیم الامت، ملفوظ: ۳۵۰

کے لیے دارالافتاء قائم کیا، کسی نے اسلام کے مخالف ملحدانہ تلبیسات کے جواب کے لیے تصنیفات کا یا ہفتہ واری، ماہواری رسالہ اخبار کا سلسلہ جاری کیا، یہ سب کام اگر چہ صورت میں مختلف ہیں، مگر درحقیقت ایک ہی مقصد کے اجزاء ہیں، ان مختلف محاذوں پر جو مختلف جماعتیں کام کریں گی ۔ یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کا نظام عمل مختلف ہوگا، اس لیے ہر جماعت نے بجا طور پر سہولت کے لیے اپنے اپنے مزاج ومذاق اور ماحول کے مطابق ایک نظامِ عمل اوراس کے اصول وقواعد بنا رکھے ہیں، اور ہر جماعت ان کی پابندی ہے ۔

یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو منصوص اور قطعی اور قرآن وسنت سے ثابت ہے اس سے انحراف کرنا قرآن وسنت کی حدود سے نکلنا ہے، لیکن یہ اپنا بنایا ہوا نظام عمل اوراس کے تنظیمی اصول وقواعد نہ منصوص ہیں، نہ ان کا اتباع از روئے شرع ہر ایک کے لئے ضروری ہے، بل کہ جماعت کے ذمہ داروں نے سہولت عمل کے لئے ان کو اختیار کرلیا ہے، ان میں حسب ضرورت تبدیلیاں وہ خود بھی کرتے رہتے ہیں، اور حالات اور ماحول بدلنے پر اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام عمل بنالینا بھی کسی کے نزدیک ناجائز یا مکروہ نہیں ہوتا، مگر اس میں علمی غلو تقریباً ہر جماعت میں یہ پایا جاتا ہے کہ اپنے مجوزہ نظام عمل کو مقصد کا کتنا ہی عظیم کام کر رہا ہو اس کو اپنا بھائی اپنا شریک کار نہیں سمجھا جاتا، اور اگر کوئی شخص اس نظام عمل میں شریک تھا پھر کسی وجہ سے اس میں شریک نہ رہا تو عملاً اسے اصل مقصد اور دین سے منحرف سمجھ لیا جاتا ہے اوراس کے ساتھ وہی معاملہ کیا جاتا ہے جو دین سے انحراف کرنے والوں کے ساتھ ہونا چاہیے، اگر چہ وہ اصل مقصد یعنی اقامت دین کی خدمت پہلے سے بھی زیادہ کرنے لگے اس غلو کے نتیجہ میں وہی تخرب وتعصب اور گروبندی کی آفتیں اچھے خاصے دین دار لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہیں جو جاہلی عصبتیوں میں مبتلا لوگوں میں پائی جاتی ہیں ۔(۱)

---

(۱) وحدت امت : ۳۲۔۳۴

دعوت وتبلیغ کا بھی حسبِ موقع ساتھ دیں

موجودہ زمانہ میں تمام تر خدمت کے دین مظاہر کے باجود عوامی وعمومی خدمت دین کا دعوت وتبلیغ کا بدل نہیں ہے، جماعت میں آنے والے مدرسہ کے طلبہ کی طرح سیکھنے اور سکھانے کے قابل ہوتے ہیں، جیسی نوعیت ہو ویسا استعمال کیا جائے، خوبیاں دیکھے، خامیاں دیکھنے والا اپنے خاندان کو نہیں جوڑ سکتا، جبکہ خوبیاں دیکھنے والا پوری امت کو جوڑ لیتا ہے، ایک دن کئی خوبیوں کا مالک بن جاتا ہے، کم ظرفوں کو قیادت نہیں ملتی ہے، وسعتِ ظرفی والے ہی قیادت کرتے ہیں، بقول شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم بڑے کام بڑے ظرف والوں سے ہوتے ہیں، بڑے کام چھوٹے ظرف والوں سے نہیں ہوتے، مثبت انداز میں ذہن سازی کی جائے، دوریاں اصلاح کا طریقہ نہیں ہے، تعاون کا مزاج ہو، حق تعاون سے پھیلتا ہے، تعصّب سے نہیں پھیلتا۔

اللہ رب العزت نے تبلیغی جماعت سے عمومی ہدایت کا بہت بڑا کام لیا ہے، ابھی بھی اس میں خیر غالب ہے، اگر چہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے کئی خرابیاں در آئی ہیں، جس کی وجہ سے یہ طبقہ اپنے کو اصلاح سے مستغنی سمجھتا ہے، مسجد کا امام مسجد میں آنے والے ہر مسلک وجماعت کا امام ہوتا ہے، خیر پر مشتمل جماعت کا معتدل انداز میں ساتھ دینا مفید ہو یا ساتھ نہ دینا مضر ہو تو ساتھ دیا کرے، مگر کلیۃً ضم ہو جانا خود کو محدود کر دیتا ہے، دباؤ میں آکر نہی عن المنکر سے محروم ہو جاتا ہے، اپنا بنا کر اصلاح کی کوشش جاری رکھے، مسلمان جماعتوں کی کھلی مخالفت بھی مضر ہے۔

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ: ”جن مساجد میں تبلغی جماعت کے حلقے قائم ہیں، ان سے ربط وتعلق رکھا جائے، ان کی بھر پور اعانت وسرپرستی کی جائے اور نوجوانوں کو ترغیب دے کر تبلیغی جماعت سے وابستہ کرنے کی ہر ممکن سعی کی جائے“۔(۱)

---

(۱) ماہنامہ بینات، ربیع الاول، ۱۴۲۸ھ، اپریل ۲۰۰۷ء

مسلمانوں کی جماعت وہ جماعت ہے، جو اللہ کی طرف سے ایک خاص پیغام لے کر دنیا میں آئی ہے، اس پیغام کو قائم رکھنا، اس کو پھیلانا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا ویسے تو جماعت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے، لیکن ائمہ کرام پر یہ ذمہ داری عوام کے بہ نسبت کچھ زیادہ ہی عائد ہوتی ہے، کیوں کہ ائمہ کرام وارثین انبیاءؑ ہیں۔

لہذا اس حال میں ائمہ کرام کا فرض زیادہ بنتا ہے کہ وہ مصلحین امت بن کرامر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڈ کی ہڈی ہے، اس پر اسلام کی بنیاد، اسلام کی قوت و وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانا جہاں اہم کام ہے وہیں ایک اہم کام مسلمانوں کو کامل مسلمان بنانا، نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان اور قومی و مادی مسلمانوں کو دینی بنانا ہے، حق یہ ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن کی یہ ندا :یا یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ ااٰمِنُوْا ''اے مسلمانو! مسلمانوں۔

☆ یاد رہے کہ مکمل اور غالی تبلیغی بن جانا بھی اُمت کے حق میں بہت مضر ثابت ہوا ہے، نا قابل تلافی نقصانات جہاں عوام سے ہوئے ہیں وہیں غالی تبلیغی علماء سے بھی امت کو بہت نقصان پہنچا ہے، اس متعلق حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد کی تحریریں پڑھ لینا چاہئے، جو اشرف الجرائد میں مختلف مواقع سے شائع ہوئی ہیں۔

☆ لیکن دورہ تناوٴ والی کیفیت بھی بہتر معلوم نہیں ہوتی، داخلی خرابیاں قریب رہ کر ختم کی جاسکتی ہیں، ہمارے دوستوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ ''داخل نماز کالقمہ قبول ہوگا، خارجِ نماز کالقمہ قبول نہیں ہوگا، اگر لیں گے تو نماز ہی فاسد ہو جائے گی'' پہلے تو مروّجہ تبلیغ کو نماز پر قیاس کرنا ہی قلتِ علم کی دلیل ہے نیز اگر نمازی کا قبلہ بدل جائے تو خارج نماز کا بھی لقمہ قبول کرنا ہوگا ورنہ نماز باطل ہو جائے گی۔

☆ تبلیغ میں پائے جانے والے قابل اصلاح امور سے متعلق اپنی کتاب ''دعوت وتبلیغ

احکام ومسائل''کا مطالعہ مفید رہے گا، جو مفتی ابو بکر جابر صاحبؒ نے مرتب کی ہے،عاجزِ مرتب کو بھی اس پر کچھ کام کرنے کا موقع ملا،کتب خانہ فیصل دیوبند سے طبع ہے۔

مقتدیوں میں دعوتِ دین کا جذبہ پیدا کریں

ہر امام کو چاہیے کہ وہ اپنے مقتدیوں میں دعوت الی اللہ کا ایسا جذبہ پیدا کریں کہ ان میں سے ہر ایک داعی بن جائے،آخرت کا غم،درد اور امت کی فکر اور ان کی خیر خواہی کا جذبہ ان کے دل میں پیدا ہو جائے کہ ہم اور دوسرے لوگ جہنم سے کیسے بچ جائیں اور جنت میں کیسے جانے والے بن جائیں۔

لہٰذا ائمہ کرام کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر مسلمان کو یہ سمجھائیں کہ صرف اپنے اعمال صالحہ نجات کے لیے نجات کے لیے کافی نہیں ہوں گے،بل کہ سارے انسانوں کی فکر کرنی ہوگی، شیطان اکیلا جہنم میں نہیں جاتا،اپنے ساتھ سب کو لے جانے کی فکر وسعی کرتا ہے،اسی طرح ہم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ وہ دین کو زندہ کرنے کی محنت کرے،اس کے لیے فکر کرے، اس کے لیے دعا کرے۔

اپنے ذمہ سمجھے کہ میری ذمہ داری ہے کہ ایسی محنت اور کوشش کروں،جس سے ساری انسانیت جنت میں جانے والی بن جائے،ہر انسان کا تعلق اللہ سے ہو جائے،ہر انسان اپنے خالق ومالک کو پہچان کر اس کی مان کر زندگی گزارنے والا بن جائے،اور ہر ایک دوسروں کو دین پر لگانے والا بنے، ہر ایک دوسرے کی فکر کرنے والا بنے، ہر ایک دوسرے کے لیے دعا کرنے والا بنے۔

کتنے مقتدی ہیں، جو فجر کی نماز میں آتے ہیں، جن جن گھروں کے پاس سے گزرتے ہیں، راتوں کو کیا ان کو دعوت دے کر سوتے ہیں کہ فجر کی نماز جماعت سے پڑھنی ہے، صبح ان کو اٹھاتے ہوئے گزتے ہیں؟ یا ان کے گھروں سے گزرتے ہوئے دعا کر کے گزرتے ہیں کہ اے اللہ!اس گھر کے ہر بالغ فرد کو نمازی بنا دے،قضا نماز کے گناہ سے بچا دے۔

اگر یہ یقین ہوجائے کہ اس پڑوسی نے یا میرے ہی نوجوان بیٹے یا بیٹی نے فجر کی نماز قضا کی اور میں نے اس کے لیے کوئی کوشش نہ کی تو میں بھی پکڑا جاؤں گا۔

عوامی اصلاح کی کوشش ضرور جاری رکھیں

بعض مساجد ایسی جگہ واقع ہوتی ہیں، جہاں کوئی ہسپتال ۔۔۔۔ اسکول ۔۔۔۔ کالج ۔۔۔ سفارت خانہ ۔۔۔۔ حکومت کا کوئی اہم دفتر ۔۔۔۔ واقع ہوتا ہے۔

ایسی مساجد کے ائمہ کرام کے لیے آخرت کے اجر وثواب کمانے کا بہترین موقع ہوتا ہے، ائمہ کرام ان سے تعلق پیدا کرکے ان کو دین پر لانے کی فکر فرمالیں تو کئی گھرانوں میں دینی ماحول پیدا ہوسکتا ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ صرف جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں، ان کے دفاتر میں جاکر اگر ان سے مل جائے، ان سے تعلق پیدا کیا جائے، ان کو دین پر لانے کی کوشش کی جائے تو اللہ تعالیٰ کے بہت سے احکامات زندہ ہوجائیں، اور گناہوں والی زندگی سے لوگ بچ جائیں۔

ہم ائمہ کی جماعت کو اس ذمہ داری کا احساس ہوجائے، اور ہم سنجیدگی سے اس معاملہ پر غور کریں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ بے دینی کا ماحول مغلوب ہوتا جائے گا اور دین داری غالب آتی جائے گی، غور کرنے کی بات ہے کہ اعداءِ اسلام اپنے اپنے مراکز سے دن رات بے دینی پھیلانے کی محنت کرنے میں مصروف ومشغول ہوں، اور ہمارے مراکز یعنی مساجد صرف نمازوں کے وقت کھلیں، اور ان مراکز کے ذمہ دار حضرات ائمہ، علماء کرام اور قراء ان مراکز کو ۲۴ رگھنٹے آباد کرنے کی فکر فرمائیں۔

اسی کو عرب کے ایک جید عالم شیخ صالح بن غانم السدلان اپنی کتاب ''المسجد ودرہ فی التربية والتوجيه وعلاقته بالموسسات الدعوية فی المجتمع ''میں لکھتے ہیں۔

امام یہ بے قراری وبے چینی پیدا کرے کہ کم وبیش ڈھائی ہزار افراد پر مشتمل میرے

محلے کی آبادی ہے اور نماز صرف ڈھائی سو ہیں، اتنے بے نمازیوں کو نمازی کس طرح بنائیں، رات کو رو رو کر اللہ تعالیٰ سے مانگے دن کو لوگوں کے پیر پکڑ پکڑ کر ان کو مسجد میں لانے کی فکر کریں۔

حدیث کے امیر المؤمنین امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم (یہ میرے مقتدی شاگرد) اگر میرے پاس حدیث سیکھنے نہ آتے تو میں (حدیث سکھانے کے واسطے) ان کے گھروں میں جاتا۔(۱)

امام شافعیؒ اپنے شاگرد ربیع کو فرماتے تھے: اے ربیع! اگر میں اس بات کی طاقت رکھتا کہ علم کو کھانا بنا کر تمہیں کھلا دوں تو اس علم کو (حلوہ بنا کر) تمہیں کھلا دیتا۔"

ایسی طلب جب امام کے اندر ہوگی تو مقتدیوں کو ضرور فائدہ ہوگا، امام اپنے اندر اب غم اور فکر پیدا کرے کہ اس کے آس پاس رہنے والے سب گھروں کے اندر دین داری پیدا ہو جائے، ہر مقتدی دین سیکھنے اور سکھانے والا ہو۔(۲)

مسلمانوں کو اپنا فریضہ یاد لاتے رہیں

حضرت مولانا علی میاںؒ ندوی فرماتے ہیں: مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جہاں بھی اور جس ملک میں بھی ہوں وہاں وہ اولاً اپنے ہم وطنوں کو اللہ کی اس نعمت (دین حق) میں شریک کرنے کی کوشش کریں، جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے اور ان کو اس کی فکر بھی رہے، یہ سب سے زیادہ پیغمبروں کو رہا کرتی تھی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول اللہ ﷺ کو تسکین دی: "لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ أَلَّا یَکُونُوا مُؤْمِنِینَ"(۳)

ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے"

---

(۱) کتاب العلم لابن عبدالبر: ۱/ ۱۴۲

(۲) تحفۃ الأئمہ: ۶۴۷

(۳) سورہ الشعراء ۳:

نبی کریم ﷺ کو انسانیت سے جو ہمدری اور ان کی ہدایت کے لیے جو تڑپ تھی ، اس میں اس کا اظہار ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ جن لوگوں کو ان سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے، ان کے اندر یہ فکر زیادہ ہوتی ہے، تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں بھی رہیں وہاں ہدایت کو عام کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان فرمایا ہے، ان کو جو ہدایت دی ہے، ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے، اس روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں ۔(۱)

(۳۹) نہی عن المنکر سے ہرگز اعراض نہ کریں

غور کرنے کی بات ہے کہ آج زمین پر جتنے گناہ ہو رہے ہیں کیا ہم ائمہ مساجد کی جماعت ان گناہوں میں شریک نہیں ہے؟ ان گناہوں پر اگر خدانخوستہ عذاب الٰہی نازل ہوا تو کیا وہ ہمیں بھی اپنی گرفت میں لے لے گا، یا ہم اس عذاب سے بچ جائیں گے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :

”لَوْ لَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ-لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ“(۲)

کیوں نہیں منع کرتے ، ان کے درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے،، بہت ہی برے عمل ہیں، جو کررہے ہیں ۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں : اس آیت میں یہود کے مشائخ اور علماء کو اس پر سخت تنبیہ کی گئی کہ وہ ان لوگوں کو برے اعمال سے کیوں نہیں روکتے ، قرآن میں اس جگہ دو لفظ استعمال کیے گئے ہیں، ایک ”ربّٰنیون“ جس کا ترجمہ ہے اللہ والے، یعنی عابد، زاہد، جن کو ہمارے عرف میں درویش یا پیر یا مشائخ کہا جاتا ہے، اور دوسرا لفظ” احبار“ استعمال فرمایا، یہود کے علماء کو احبار کہا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ”امر بالمعروف“ اور

(۱) قرآنی افادات ۳۸۵ :

(۲) المائدة :۶۳

نہی عن المنکر“ کی اصل ذمہ داری ان دوطبقوں پر ہے،ایک مشائخ،دوسرے علماء۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ ”رَبّٰنیون“ سے مراد وہ علماء ہیں جوحکومت کی طرف سے مامور اور بااقتدار ہوں، اور”احبار“ سے مراد عام علماء ہیں، اس صورت میں جرائم سے روکنے کی ذمہ داری حکام اور علماء دونوں پر عائد ہو جاتی ہے، اور بعض دوسری آیات میں اس کی تصریح بھی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا”لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ“ یعنی ان مشائخ وعلماء کی یہ سخت بری عادت ہے کہ اپنا فرض منصبی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ چھوڑ بیٹھے،قوم کو ہلاکت کی طرف جاتا ہوا دیکھتے ہیں اور یہ ان کونہیں روکتے۔

علماء مفسرین نے فرمایا کہ پہلی آیت جس میں عوام کی غلط کاریوں کا ذکر تھا،اس کے آخر میں تو”لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعملونَ“ارشاد فرمایا گیا، اور دوسری آیت جس میں مشائخ وعلماء کی غلطی پر تنبیہ کی گئی ہے، اس کے آخر میں ”لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ“ کا لفظ ارشاد فرمایا گیا،وجہ یہ ہے کہ عربی لغت کے اعتبار سے لفظ”فعل“ تو ہر کام کو شامل ہے،خواہ بالقصد ہو یا بلاقصد، اور لفظ”عمل“ صرف اس کام کے لیے بولا جاتا ہے جو قصد وارادہ سے کیا جائے، اور لفظ”صنع“اور”صنعت“ کا ایسے کام کے لیے اطلاق کیا جاتا ہے،جس میں قصد واختیار بھی ہو اور اس کو بار بار بطور عادت اور مقصد کے درست کر کے کیا جائے،اس لیے عوام کی بدعملی کے نتیجہ میں صرف لفظ”عمل“اختیار فرمایا”لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعملونَ“اور خواص مشائخ وعلماء کی غلط کاری کے نتیجہ میں لفظ”صنع“اختیار فرمایا”لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ“اس میں اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے کہ ان علماء ومشائخ کی یہ غلط روش کہ یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ اگر ہم ان کو منع کریں گے تو یہ ہمارا کہنا سنیں گے اور باز آجائیں گے، پھر بھی ان لوگوں کے نذرانوں کے لالچ یا بداعتقاد ہوجانے کے خوف سے ان کے دلوں میں حمایت حق کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا،یہ ان بدکاروں کے اعمال بد سے بھی زیادہ اشد ہے۔

”لَمَّا وَقَعَتْ بَنُوْ إِسْرَائِيْلَ فِي المَعَاصِيْ نَهَتْهُمْ عُلَمَاؤُهُمْ فَلَمْ

يَنْتَهُوا. فَجَالَسُوهُمْ فِي مجالِسِهِمْ وَوَاكَلُوهُمْ وَشَارَبُوهُمْ فَضَرَبَ اللهُ قُلُوبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ وَلَعَنَهُمْ {عَلٰى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ o}(المائدة۵:۷۸) قَالَ :فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ :لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، حَتّٰى تَأْطُرُوْهُمْ عَلَى الحقِّ أَطْرًا''(۱)

جس کا حاصل یہ ہوا کہ جس قوم کے لوگ جرائم اور گناہوں میں مبتلا ہوں گے اور ان کے مشائخ وعلماء کو یہ بھی اندازہ ہو کہ ہم ان کو روکیں گے تو یہ باز آجائیں گے، ایسے حالات میں اگر یہ کسی لالچ یا خوف کی وجہ سے ان جرائم اور گناہوں کو نہیں روکتے تو ان کا جرم اصل مجرموں، بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ اشد ہے، اس لیے حضرت عبد اللہ بن عباس ؓ نے فرمایا: ''مشائخ وعلماء کے لیے پورے قرآن مجید میں اس آیت سے زیادہ سخت تنبیہ کہیں نہیں ہے''

اور امام تفسیر ضحاک نے فرمایا : ''میرے نزدیک مشائخ علماء کے لیے یہ آیت سب سے زیادہ خوفناک ہے''۔

وجہ یہ ہے کہ اس آیت کی رو سے ان کا جرم تمام چوروں، ڈاکوؤں اور ہر طرح کے بدکاروں کے جرم سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے (العیاذ باللہ) مگر یاد رہے کہ یہ شدت اور وعید اسی صورت میں ہے جب کہ مشائخ وعلماء کو اندازہ بھی ہو کہ ان کی بات سنی اور مانی جائے گی اور جس جگہ قرائن یا تجربہ سے یہ گمان غالب ہو کہ کوئی سنے گا نہیں، بل کہ اس کے مقابلہ میں ان کو ایذائیں دی جائیں گی تو وہاں حکم یہ ہے کہ ان کی ذمہ داری تو ساقط ہو جاتی ہے، لیکن افضل واعلیٰ پھر بھی یہی رہتا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے یہ حضرات اپنا فرض ادا کریں، اور اس میں کسی کی ملامت یا ایذاء کی فکر نہ کریں، جیسا کہ چند آیات میں پہلے اللہ

(۱)أبو داود في السنن، كتاب الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث:۴۳۳۶، الترمذي في السنن، كتاب تفسير القرآن، حديث:۳۰۴۶

تعالیٰ کے مقبول مجاہدین کی صفات میں گزر چکا ہے ۔ (ولا یخافون لومة لائم) یعنی یہ لوگ اللہ کے راستہ میں اورحق ظاہر کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی پروانہیں کرتے ۔(۱)

مومن دونوں کام کرنے کا مکلف ہے

"وَالمؤْمِنُوْنَ وَالمؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍم يَأْمُرُوْنَ بِالمعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ المنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ ط أُولٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللهُ ط اِنَّ اللهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ٥(التوبہ ۹: ۷۱)

اور اہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ومددگار ہیں، وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز قائم رکھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اطاعت بجالاتے ہیں، ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے ۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحت

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَأْمُرْ بِالمعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ المنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ط اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ٥(لقمان ۳۱: ۱۷)

اے میرے فرزند! تو نماز قائم رکھ اور نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کر اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر، بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں ۔

نصیحت سے سوراخ بند نہیں ہوگا روکنا پڑے گا

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خوب صورت مثال میں معاشرے کو ایک کشتی سے تشبیہ دیتے

(۱) معارف القرآن: ۳/ ۱۸۷، المائدۃ

ہوئے فرماتے ہیں، مفہوم : ''اگر کشتی میں سوار افراد میں سے کوئی یہ کہے کہ کشتی میں میرا بھی حق ہے لہٰذا میں اس میں سوراخ کرسکتا ہوں اور دوسرے مسافر اس کو اس کام سے نہ روکیں تو اس کا یہ کام سارے مسافروں کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔

اس لیے کہ کشتی کے غرق ہونے سے سب کے سب غرق اور ہلاک ہو جائیں گے اور اگر دوسرے افراد اس شخص کو اس کام سے روک دیں تو وہ خود بھی نجات پا جائے گا اور دوسرے مسافر بھی۔

''مَثَلُ المدْهِنِ فِي حُدُوْدِ اللهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اسْتَهَمُوْا سَفِيْنَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِي أَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِيْ أَعْلَاهَا. فكَانَ الَّذِي فِي أَسْفَلِهَا يَمُرُّوْنَ بالماءِ عَلَى الَّذِيْنَ فِي أَعْلَاهَا فَتَأَذَّوْا بِهِ. فَأَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِيْنَةِ. فَأَتَوْهُ فَقَالُوْا :مَالکَ؟ قَالَ :تَأَذَّيْتُمْ بِي وَلَا بدّلي مِنَ الماءِ. فَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى يَدَيْهِ أَنْجَوْهُ وَنَجَوْا أَنْفُسَهُمْ، وَإِنْ تَرَكُوْهُ هْلَكُوْهُ وَهْلَكُوْا أَنْفُسَهُمْ''(۱)

نہی عن المنکر نہ کرنے پر دنیا میں سزا

گناہوں سے روکنے کی کوشش نہ کرنے پر آخرت کی سزا تو الگ رہی، اس کے علاوہ دنیا میں بھی سخت سزا ہوگی، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کا مفہوم ہے: ''جو شخص کسی قوم میں ہو اور وہاں گناہ کے کام ہو رہے ہوں وہ گناہ کرنے والوں کو گناہ سے روکنے کی طاقت رکھتا ہو، (پھر بھی) نہ روکے تو اللہ تعالیٰ (گناہ سے روکنے میں غفلت کرنے والوں کو) مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

''مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيْهِمْ بِالمعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ

(۱) صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب القرعۃ فی المشکلات، حدیث: ۲۳۶۱

عَلٰی أَنْ یُغَیِّرُوْا عَلَیْہِ فَلَا یَغَیِّرُوْا إِلاَّ أَصَابَہُمُ اللہُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ یَمُوْتُوا"(۱)

اب دنیا میں آنے والے عذاب عمومی بھی ہوسکتے ہیں، جیسے زلزلہ، طوفان، قحط سالی، خشک سالی، مہنگائی، آپس کے لڑائی جھگڑے، قومیت، وطنیت کے نام پر قتال، ظالم حکمرانوں کا مسلط ہونا وغیرہ، اسی طرح خصوصی نوعیت کے مختلف عذاب بھی ہوسکتے ہیں، جیسے ذاتی اور خاندانی دشمنی، اولاد کا نافرمان ہونا، نت نئے بیماریاں، بھوک، افلاس، تنگ دستی وغیرہ، یہ سب اجتماعی انفرادی گناہوں کا وبال ہے۔

نہی عن المنکر، لوگوں کی گمراہیوں اور نفسانی خواہشات سے ایک ٹکر ہے، لہٰذا خود بخود کچھ لوگ اس کے مقابل کھڑے ہوجاتے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد فرماتے ہیں: ''نہی عن المنکر فاسقوں کی ناک زمین پر رگڑنے کے برابر ہے''۔

نہی عن المنکر کی عدم موجودگی میں اسلامی معاشرہ کی کوئی ضمانت نہیں ہے اور ہر روز سامری جیسا کوئی فنکار سونے کا ایک گوسالہ بنا کر آسانی کے ساتھ ہماری نوجوان نسل کو ثقافتی یلغار کا شکار بنا سکتا ہے۔

نہی عن المنکر نہ کرنے پر گناہ گاروں کی بستی الٹ دی گئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، مفہوم: ''اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ فلاں شہر کو الٹ دو (عذاب میں اس بستی کو الٹ پلٹ دو) اس کے باشندوں سمیت، جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: باری تعالیٰ! بے شک اس میں تیرا فلاں بندہ ہے جس نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی؟ تو ارشاد باری تعالیٰ ہُوا کہ اس شہر کو الٹ دو، اس نیک بندے پر اور ان لوگوں پر، کیوں کہ میری خاطر (میری نافرمانیوں اور کھلے عام گناہوں کو دیکھ کر) کبھی اس کے چہرے کا رنگ بھی نہیں بدلا۔

(۱) أبو داود في السنن، کتاب الملاحم، باب الأمر والنہي، حدیث: ۴۳۳۹

"أَوْحَى اللهُ إِلَى جِبْرِيْلَ أَنْ أَقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَ كَذَا بِهْلِهَا. قَالَ: فَقَالَ: يَا رَبِّ، إِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ. قَالَ :فَقَالَ :أَقْلِبْهَا عَلَيْهِمْ، فَإِنَّ وَجْهَهُ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ"(۱)

عمر بن عبد العزیزؒ کا واقعہ

عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے ایک شخص کو دیکھا جو بائیں ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا انہوں نے اس شخص سے فرمایا، دیکھو جب بات کرو تو بائیں ہاتھ سے اشارہ نہ کرو، داہنے ہاتھ سے اشارہ کرو، اس پر وہ شخص کہنے لگا، میں نے آج تک ایسا تعجب خیز واقعہ نہیں دیکھا آج ایک شخص نے اپنے سب سے محبوب اور چہیتے کو قبر میں اتارا ہے (اسی دن ان کے چہیتے بیٹے جو علم وفضل میں بھی بڑا درجہ رکھتے تھے، کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کو دفن کر کے جناب عمر بن عبد العزیز واپس آرہے تھے) اور پھر اس کو میری فکر ہے کہ میں داہنے ہاتھ سے اشارہ کر رہا ہوں یا بائیں ہاتھ سے، حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ جب اللہ نے کسی شئے کو اپنے لئے پسند کر لیا ہے تو تو اس کے ذکر کو چھوڑ دو، یہ سن کر اس شخص نے کہا کہ اللہ آپ کو بہتر بدلہ دے، عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ فرمایا نہیں بلکہ اللہ اسلام کو میری جانب سے بہتر بدلہ دے"۔(۲)

☆ یہ بات سچ ہے کہ" جس طرح کپڑے دھونے والے کے ہاتھ خود بخود پاک ہو جاتے ہیں اسی طرح لوگوں کو نیک کاموں کی طرف دعوت دینے والا بھی فطری طور پر کوشش کرتا ہے کہ وہ خود بھی نیک کاموں پر عمل کرے، جس کی وہ دوسروں کو تلقین کرتا ہے"، مگر کپڑے دھونے سے ہاتھ کا کینسر نہیں جاتا، منکر جو مرض کی شکل میں پیوست ہو چکا

(۱) البیہقی فی شعب الایمان، حدیث: ۷۵۹۵

(۲) حلیۃ الاولیاء: ۵/ ۳۲۶، کتاب الزھد از امام احمد بن حنبل: ۳۰۰

ہے اسکا علاج کرنا پڑتا ہے۔

☆ یہ بھی سچ ہے کہ ’’اندھیر بھگانے کے لئے لاٹھی چلانے کی ضرورت نہیں ؛ بلکہ اپنی طاقت کا دیا جلا دینا کافی ہے‘‘، مگر دیا جلانے سے اندھیرا تو چلا جائے گا مگر اندھیرے میں بسے سانپ بچھو نہیں مریں گے، انہیں اُس چراغ کی روشنی میں مارنا پڑے گا، سماج میں منکرات سانپ بچھو کی طرح پنپ رہے ہیں۔

(۴۰) اپنی غلطی تسلیم کرلیں

امامت میں بعض حضرات مخلص ہوتے ہیں اور بعض معاند ہوتے ہیں، دونوں مختلف موقعوں پر امام کو غلطی سے آگاہ کرتے ہیں، خواہ مخلص کہے یا معاند اگر غلطی ہو تو تسلیم کرلینا اپنے مخلص ومتواضع ہونے کے ساتھ مخاطب کی ہدایت کا بھی ذریعہ بنے گا، نبی کریم ﷺ نے نماز پڑھائی اور دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا۔ ایک صحابی جن کا لقب ذو الیدین تھا، انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: یا تو آپ بھول گئے ہیں یا پھر نماز میں کمی ہوگئی ہے؟‘‘ أَنَسِيتَ أَمْ قُصِرَتِ الصَّلَاةُ‘‘؟ آپ ﷺ نے اسے کچھ کہنے کی بجائے یہ اظہار فرمایا: لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ‘‘ ’’نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کمی ہوئی ہے۔‘‘ پھر آپ ﷺ نے عمومی رائے لیتے ہوئے پوچھا: أَكَمَا قَالَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ ‘‘ ’’کیا بات اسی طرح ہے جس طرح ذُوالیدین کہہ رہے ہیں؟‘‘ صحابہ نے جواب دیا: جی ہاں! تو پھر آپ ﷺ آگے ہوئے اور جو حصہ رہ گیا تھا وہ پڑھایا، پھر سلام پھیرا۔ پھر دو سجدۂ سہو کیے اور سلام پھیر دیا۔‘‘(۱)

شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرّس دارالعلوم دیوبند کو درس کے وقت طلبہ اپنے سوالات کی پرچوں پر لکھ کر پیش کرتے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ جواب عنایت فرماتے، ایک

(۱) صحيح البخاري، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ تَشْبِيكِ الأَصَابِعِ فِي المَسْجِدِ وَغَيْرِهِ، حديث: ۴۸۲

بار پرچی آئی کہ ’’حضرت! آپ ٹخنے سے نیچے پاجامہ کیوں پہنتے ہیں؟ یہ تو از روئے شرع حرام اور ممنوع ہے؟

حضرت نے پرچی مجمع میں سنائی اور فوراً کھڑے ہو کر اپنے پائنچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: حضور! کون کہتا ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پہنتا ہوں، دیکھئے! میرا پاجامہ کہاں ٹخنوں سے نیچے ہے، ہوسکتا ہے کہ کبھی غیر شعوری طور پر نیچے ہو جاتا ہو، پھر بھی میں کافی احتیاط رکھتا ہوں، بھلا میں اس کی جرأت کیسے کرسکتا ہوں جب کہ حدیث میں اس کی صریح ممانعت آئی ہے، جبکہ ہندوستان میں حضرت سید احمد شہیدؒ کا مثنی اگر کوئی تھا تو وہ مولانا مدنی قدس سرّہ تھے۔(۱)

مفکر اسلام علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

بنگلہ دیشی نژاد دارالعلوم دیوبند کے قدیم فاضل مفتی روح الامین بانی ومہتمم دارالقرآن والسنہ نیویارک نے ایک واقعہ سنایا کہ: ’’اسّی کی دہائی ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں ختم نبوت کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد ہوا، جس میں وقت کی عظیم شخصیات نے شرکت کی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ بھی شریک سیمینار تھے، انہوں نے دوران گفتگو یہ جملہ فرمایا کہ نبوت میں جب ’’کرائسس، Kraishish‘‘ پیدا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اگلے نبی کو مبعوث فرماتا ہے، حضرت کی تقریر کے بعد حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوریؒ کھڑے ہوئے اور مولانا علی میاں ندوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ نبوت کے لیے ’’کرائسس، Kraishish‘‘ کی اصطلاح استعمال کرنا ہرگز جائز نہیں ہے، نبوت کبھی ’’کرائسس‘‘، کا شکار نہیں ہوسکتی، آپ کو چاہیے کہ آپ علی الاعلان رجوع فرمائیں، واضح رہے کہ مفتی صاحب اس وقت اپنی عمر کی چوتھی دہائی میں ہوں گے، نیز ان کا حضرت مفکر اسلام سے تعلق بھی عقیدت مندانہ تھا، مولانا علی میاں ندوی کا بھی یہ بڑا پن تھا کہ وہ فوراً کھڑے

(۱) مولانا علی میاں ندویؒ بحوالہ: سب کے لئے :۲۳

ہوے اور اپنے جملے سے رجوع کیااور ساتھ میں مفتی صاحب کاشکریہ بھی ادا کیا،اور دارالعلوم دیوبند کوعظیم الشان خراج تحسین بھی پیش کیا۔(۱)

غلطی تسلیم کرنے کا سبق آموز واقعہ

عبیداللہ بن حسن عنبریؒ دوسری ہجری کے اکابرعلماء میں سے ہیں، وہ حضرت بصری کے قاضی بھی رہے، یہ اوران کے شاگرد عبدالرحمن بن مہدیؒ ایک جنازہ میں شریک ہوئے، اس دوران لوگوں نے حضرت عبید اللہؒ سے ایک مسئلہ پوچھا توانہوں نے اس کا جواب درست نہیں دیا،شاگرد نے کہا: ''حضرت!شاید آپ سے غلطی ہوگئی،صحیح جواب یہ ہونا چاہیے''

بڑے علماء اپنی غلطی کی اصلاح سے نہیں شرماتے اور وہ بڑے ہوتے بھی اسی لیے ہیں ،بڑاہونا یہ نہیں کہ غلطی معلوم ہونے کے بعد بھی اسی پر ڈٹا رہا جائے،یہ بڑائی نہیں، ہٹ دھرمی کہلاتی ہے۔

حضرت عبید اللہؒ نے فرمایا: صحیح مسئلہ کیا ہے؟ شاگرد نے بتادیا اپنے شاگرد کے صحیح جواب سننے کے بعد بہت ہی کارآمد جملہ ارشادفرمایا: آپ چھوٹے ہیں لیکن بات آپ ہی کی درست ہے،میں بھی آپ ہی کے جواب کی طرف رجوع کرتا ہوں اس لیے کہ باطل میں ''سر'' اور ''رئیس'' بننے سے مجھے حق میں ''دم'' اور ''تابع'' بننا زیادہ محبوب ہے۔(۲)

تفسیر روح البنان میں ہے کہ'' تکبر اورنخوت ایک ایسی بری خصلت ہے جوعلوم ربانیہ کے لیے حجاب بن جاتی ہے ہے کیوں کہ علوم ربانیہ صرف اس کی رحمت سے حاصل ہوتے ہیں اور رحمتِ خداوندی تواضع سے متوجہ ہوتی ہے یہی تواضع ہمارے اکابر میں موجود تھی جب ہی تو اللہ نے ان کوفہم سلیم اورعلوم الٰیہ سے نوازا تھا۔

(۱) ازقلم: مفتی یاسر ندیم صاحب

(۲)حلیۃ الاولیاء :۱۲۸۵۵

غلطی نکالنے بھیجہ (دماغ) اور تسلیم کرنے کلیجہ چاہئے

آج کل بعض ائمہ کرام بطورخاص نئے فضلاء کو جب کسی قابلِ اصلاح نماز کی غلطی پر متنبہ کیاجاتا ہے تو غلطی تسلیم کرنے پرآمادہ نہیں ہوتے اوراسے مخالفت پر محمول کرتے ہوئے کبیدہ خاطر ہوجاتے ہیں، حالاں کہ کوئی ایسی غلطی بتلائی جائے جونماز میں فساد یا کراہت کی باعث ہوتو اسے بخوشی تسلیم کرتے ہوئے اصلاح کرنے والے کاشکرادا کرناچاہئے اور اسے اپنامحسن سمجھنا چاہئے کہ نماز کی امامت جہاں امام پر بڑی بھاری ذمہ داری ہوتی ہے غلطی پرمتنبہ کرنے والے اسے بڑے نقصان سے بچالیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاارشاد ہے: نیک بخت وہ ہےجو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ ”السعید من وعظ بغیرہ“حضرت عمر فاروقؓ کوکسی لغزش پرمتنبہ کرنے والےکو دعادیا کرتے تھےکہ: اللہ اس شخص پررحم فرمائے جومیرے عیوب سے مجھے باخبر کردے۔”رحم اللہ عبداأھدی الیّ عیوبی“۔

داؤدطائیؒ لوگوں سے ملے جلے بغیرگوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھے،کسی نے اس کی جہ دریافت کی تو فرمایا: ایسےلوگوں کے ساتھ رہنے کا کافائدہ جومجھ سے میرے عیوب چھپائیں۔(۱)

(۴۱) معاملات کی صفائی کااہتمام رکھیں

آدمی کے دنیداری ونیکی کی پہچان پیشانی پرسجدے کےنشانات،نصف ساق پرازار، چہرہ پرگھنی داڑھی دیکھ کردین داری کی گواہی دینا جھوٹی گواہی دینایاناواقفیت پرگواہی دینا شمارہوگا یہی وجہ سےکہ امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سےمنقول ہےکہ

”لاتغرنک صلوۃ احد ولاصیامہ من شاء صلی ومن شاء

---

(۱) احیاءعلوم الدین :۹۴۶

صامه ولكن لا دين لمن لا امانة له"(۱)

کسی شخص کی نماز روزے سے دھوکہ نہ کھاؤ، جو چاہے جتنی نماز پڑھے، جتنا چاہے روزے رکھے، لیکن اس شخص کا دین ہی نہیں جس کے پاس امانت کا لحاظ نہ ہو۔

حضرت حسینؓ کا دستور العمل تھا کہ آپ اکثر اپنے ہاتھ سے سودا خرید کر بازار سے لایا کرتے تھے، ایک دن سبزی فروش سے سبزی خرید کر دونوں پلڑوں میں وزن کرایا، سبزی فروش نے بطور اعتراض کہا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا ''تیرا حق میری جانب اور میرا حق تیری جانب نہ آجائے۔'' میں تجھ کو بھی پاک کرتا ہوں اور خود بھی پاک ہوتا ہوں۔ کیوں کہ دوسروں کا حق عالم بقا میں بڑی خرابی پیدا کرتا ہے۔(۲)

ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس کسی کی گواہی دی تو آپؓ نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ گواہ باعتبار سیرت و کردار سے کیسا آدمی ہے، اس سے کہا کہ اپنے کسی جاننے والے کو لے کر آؤ، چنانچہ وہ ایک شخص کو لے کر آیا جس نے اس کی تعریف کی، حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تم اسے کیسے جانتے ہو؟ کیا تم اس کے پڑوس میں رہتے ہو جو اس کے یہاں آنے جانے والوں کی پہچان رکھتے ہو؟ اس شخص نے کہا: نہیں، پھر آپؓ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی سفر کیا ہے کہ سفر میں اچھے اخلاق کا علم ہو جاتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپؓ نے پوچھا کہ کیا تم نے اس کے ساتھ درہم و دینار کا معاملہ کیا ہے جس کے ذریعہ انسان کے تقویٰ کا علم ہو جاتا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، پھر آپؓ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تم نے اسے مسجد میں کھڑا دیکھا ہوگا کہ وہ قرآن پاک کو آہستہ آہستہ پڑھتا ہے اور کبھی اپنے سر کو جھکاتا ہے اور کبھی بلند کرتا ہے یعنی رکوع و سجود میں مشغول ہے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں، پھر آپؓ نے فرمایا کہ جاؤ تم اسے نہیں پہچانتے۔(۳)

---

(۱) المهذب فی اختصار السنن الكبير للبيقى، : ۲۴۵۲

(۲) مخزن اخلاق : ۳۰۸

(۳) (احیاء علوم الدین از امام غزالیؒ (اردو ترجمہ مصباح السالکین) جلد: ۲، صفحات: ۲۰۱-۲۰۲)۔

عوام الناس کے لئے محلہ کاامام نمونہ وآئیڈیل رہتا ہے جب لوگ اپنے امام کو معاملات میں خرابی دیکھتے ہیں تو اس سے عوام بدظن ہو جاتی ہے بلکہ اگر امام معاملات کی صفائی پر کسی موقعہ پر بیان کرتا ہوتو لوگ اس کو ہی برا بھلا کہے گے اگر چہ لوگ سامنے نہ کہے ہو ،اس لئے امام کو چاہیے کہ وہ اپنے معاملات کو صاف وشفاف رکھے،معاملات کی کوتاہی ہمیشہ کی بدنامی ہے،اور حق گویائی پر تالا لگادینے کے مترادف ہے۔

گھر کا سایہ بھی گوارا نہیں

حافظ ذکی الدین عبدالعظیم المنذری جن کی کتاب الترغیب والترہیب بہت مشہور ومعروف ہے ان کے حالات میں یہ واقعہ ملتا ہے:

’’میں نے ایک مرتبہ اپنے والد سے سنا وہ حافظ دمیاطی کے واسطہ سے نقل کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ وہ (حافظ منذری) حمام سے نکلے،گرمی اتنی سخت تھی کہ قدم بڑھانے کی ہمت نہ رہی چنانچہ راستے میں ہی ایک دکان کے قریب لیٹ گئے،حافظ دمیاطی نے عرض کیا،آپ یہاں دھوپ میں کیوں لیٹے ہیں میں آپ کو دکان کے چبوترے پر لے چلتا ہوں وہاں آرام سے بیٹھئے۔(دکان اس وقت بند تھی) شیخ منذری نے فرمایا حالانکہ ان کو گرمی سے سخت تکلیف ہو رہی تھی ،دکان کی مالک کی اجازت کے بغیر میں کیسے چبوترے پر بیٹھ جاؤں،اور بالآخر نہیں بیٹھے۔(۱)

ہمارے معاشرے میں اشتہار بازی ،جو سال کے بارہ مہینوں کی جاتی ہے،کوئی بھی موقع ہوکوئی بھی تقریب یا تشہیر ہوآپ کی دیوار پر بغیر آپ کی اجازت کے پوسٹر چپکا دیئے جائیں گےاور اگر آپ نے اعتراض کیا کہ اس سے دیوار خراب ہوتی ہے تو بجائے اس کے کہ خود شرمندہ ہوں الٹا آپ اس کو شرمندہ کریں گے۔

---

(۱) طبقات الشافعیۃ الکبری شیخ تاج الدین ابن السبکی: ۵/۱۰۹

فرض چٹ سنت گھٹ

مشہور محقق وعالم دین علامہ یوسف القرضاوی ؒ نے اپنی کتاب ''الاسلام بین الجمود والتطرف''، میں ایک واقعہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنے دوست کے یہاں مہمان ہوا، ملک کی آب وہوا ٹھنڈی تھی، میں چاہا کہ کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھالیا جائے تا کہ فرش کی ٹھنڈک سے حفاظت ہوسکے، میرے دوست کو پتہ چلا تو اس نے کہا بالکل نہیں، کھانا فرش ہی پر کھایا جائے گا، کرسی پر کھانا سنت کے خلاف ہے، اسکے اصرار پر میں نے نیچے بیٹھ کر کھانا کھالیا، بعد میں دوست کے متعلق معلوم ہوا کہ جس نے نہ موسم کی نزاکت کا خیال رکھا اور نہ مہمان کی چاہت کا کہ اور سنت پر سختی سے عمل کروایا لیکن اس سے متعلق ساتھیوں نے اطلاع دی کہ اس پر بہت سوں کا قرض ہے اور قرض خواہوں کو ٹالتا رہتا ہے، میں نے سوچا کہ جس شخص کی زندگی میں سنتوں کا اتنا اہتمام ہو مگر قرض کی ادائیگی کی کوئی فکر نہیں، حالانکہ قرض کی ادائیگی کا تو اور بھی اہتمام ہونا چاہیے اس لیے کہ وہ واجب ہے جس کا درجہ سنت سے بڑھا ہوا ہے۔(۱)

بزرگان دین کا عمل

حضرت تھانوی ؒ کے ایک مرید نے جن کو حضرت نے خلافت سے نوازا تھا، ایک مرتبہ وہ ملاقات کے لئے بذریعہ ٹرین حضرت تھانوی ؒ کے پاس حاضر ہوئے اپنے ساتھ اپنے لڑکے کو بھی لائے، حضرت نے پوچھا اس بچے کی عمر کیا ہے؟ انہوں نے کہا تیرہ سال ہے، حضرت پوچھا کہ آپ نے اس کی ٹکٹ آدھی لی تھی یا پوری؟ انہوں نے جواب دیا کہ آدھی لی تھی، حضرت نے فرمایا کہ بچے کی عمر بارہ سال سے زیادہ ہو تو پورا ٹکٹ لگتا ہے، مرید نے جواب دیا کہ حضرت یہ بچہ دیکھنے میں بارہ سال لگتا ہے، حضرت تھانوی ؒ یہ سن کر غصہ ہو گئے اور فرمایا کہ لگتا ہے آپ کو تصوف وطریقت کا علم ہی نہیں، آپ کو ابھی تک اس بات

---

(۱) سفرۃ الواعظین: ۱۴۲

احساس ہی نہیں کہ آپ نے بچے کو جو سفر کرایا ہے وہ حرام ہے، قانون یہ ہے کہ بارہ سال سے زائد عمر کے بچے کا پورا ٹکٹ لگتا ہے اور آپ نے آدھا ٹکٹ لے کر ریلوے کے آدھے پیسے غصب کر لیے اور انہیں دھوکا دیا ہے، چنانچہ حضرت تھانویؒ نے ان سے اجازت واپس لے لی۔(۱)

حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ اگر مجھے اپنے مریدین میں سے کسی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ اس نے اپنے معاملات، نوافل اور اوراد وظائف پورے نہیں کیے تو اس کی وجہ سے رنج ہوتا ہے اور اس مرید سے کہہ دیتا ہوں کہ ان کو پورا کرلو، لیکن اگر کسی مرید کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس نے روپے پیسے کے معاملات میں گڑبڑ کی ہے تو مجھے اس مرید سے نفرت ہو جاتی ہے۔(۲)

معاملہ کی صفائی پر ایک حیرت انگیز واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ : تم سے پہلے (زمانہ کے) لوگوں میں سے ایک شخص نے ایک دوسرے شخص سے زمین خریدی تھی، اس نے اپنی اس خرید کردہ زمین میں ایک ایسا گھڑا پایا جو سونے بھرا ہوا تھا، اس نے زمین بیچنے والے سے کہا کہ : تم اپنا یہ سونا لے لو؛ کیونکہ میں نے تو صرف زمین خریدی تھی، یہ سونا میں نے نہیں خریدا تھا، بیچنے والے نے کہا کہ : میں نے تمہارے ہاتھ صرف زمین ہی نہیں بیچی تھی؛ بلکہ ہر وہ چیز بیچ دی تھی جو اس زمین میں ہے؛ اس لئے یہ سونا بھی تمہارا ہے اسے تم ہی رکھو؛ مگر خریدار اس پر تیار نہ ہوا؛ یہاں تک کہ دونوں اپنا معاملہ ایک شخص حاکم وثالث کے پاس لے گئے، اس حاکم نے واقعہ کو تفصیل سے سن کر ان دونوں سے پوچھا کہ : تم دونوں کے ہاں اولاد ہے کیا؟ ان میں سے ایک نے تو کہا کہ : میرے ہاں لڑکا ہے اور دوسرا نے کہا کہ :

---

(۱) اصلاحی خطبات :۹/۷۸

(۲) اسلام اور جدید معاشی مسائل :۱/۲۶۱

میرے ہاں لڑکی ہے، حاکم نے یہ سن کر کہا کہ اس لڑکے کا نکاح لڑکی سے کردو اور اس سونے کو ان دونوں پر خرچ کرو اور پھر جو کچھ بچے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردو۔

"قال:أنكحوا الغلام الجارية وأنفقوا على أنفسهما منه وتصدقا"(۱)

یہ واقعہ حضرت داودؑ کے زمانہ کا ہے جیسا کہ بعض علما نے کہا ہے کہ ان دونوں نے جس شخص کو اپنا حاکم وثالث بنایا تھا وہ حضرت داودؑ تھےؑ چنانچہ حضرت داودؑ نے صدورِ فیصلہ میں کمال ذہانت وذکاوت کا ثبوت دیا اور ایسا معتدل ومعقول فیصلہ دیا جو نبوت ہی کا خاصہ ہوسکتا ہے۔

(۴۲) بچوں کے لیے دینی اخلاقی تربیتی نظام بنائیں

ہر قوم ونسل میں بچوں کی ایک خاص اہمیت ہوتی ہے، کیوں کہ یہی بچے بڑے ہوکر اس قوم کی باگ ڈور سنبھالتے ہیں، لہذا سمجھ دار قومیں اپنی نئی نسل پر خاص توجہ دیتی ہے، ہمیں نئی نسل پر خاص توجہ دینی ہوگی، کیوں کہ جو چیز بچے کے خالی ذہن پر بچپن سے نقش کردی جاتی ہے وہ بڑھاپے تک ذہن میں رہتی ہے، اگر بچپن میں ان معصوم پھولوں کی تربیت صحیح دینی اخلاقی ماحول میں ہوگی تو وہ بڑے ہوکر جب مختلف عہدوں پر فائز ہوں گے تو پھر ہر ادارہ ان کی برکت سے پاکیزہ اسلامی ماحول اور اخلاق کا بہترین نمونہ پیش کرے گا، ہر شعبے کے اندر کام کو صحیح طور پر انجام دیا جانے لگے گا اور پھر ساری دنیا کے لوگوں کے سامنے اسلام کی صحیح شکل آسکے گی اور اسے اپنے لیے قبول کرنا آسان ہوجائے گا۔

جس طرح چمن کی آبیاری میں چمن کا مالی نازک نازک کونپلوں اور کومل کلیوں کی نگہداشت پر زیادہ توجہ دیتا ہے اسی طرح سمجھ دار قومیں اپنی نئی نسل کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دیتی ہیں، اگر ان نرم ونازک کونپلوں کو ایمان وعمل، سیرت وکردار اور اخلاق وگفتار کے

(۱) صحیح البخاری، باب حدیث الغار، حدیث: ۳۴۷۲

صحیح رخ پر ڈال دیا جائے تو آگے چل کر یہ ایسا تناور درخت بن جاتی ہیں جن پر ایمان سوز ہواؤں کے جھکڑ اور ماحول کی اخلاقی آلودگی اثر انداز نہیں ہوسکتی، اگر ہماری نئی نسل میں بچپن ہی سے قرون اول کے مسلمان بچوں جیسی صفات مثلاً اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت، مکمل اتباع، سچ بولنے کی عادت، بڑوں کا ادب اور دین پھیلانے کا جذبہ پیدا ہوگیا تو کسی بھی شعبے میں مادّی اشیاء کی چکاچوند یا مصنوعی کشش ان کے کردار کو متزلزل نہ کرسکے گی۔

اس سلسلے میں مساجد کے ائمہ کرام کی خدمت میں نہایت ہی ادب سے عرض ہے کہ ہر سال گرمیوں کی آمد پر عصری تعلیم گاہوں (اسکول وکالج) میں سالانہ تعطیل ہوتی ہے اور یہ تعطیل تقریباً دوماہ کی ہوتی ہے، ان دوماہ میں بچوں کے فارغ اوقات کو کسی اچھے مصرف میں لگادیں، کیوں کہ محلہ کے بچے، نوجوان، مرد اور عورتیں ہماری رعیت میں داخل ہیں، اس کے بارے میں مسئول ہوسکتے ہیں، اس لئے ہمیں رعیت کی تعلیم وتربیت کا کوئی موقع ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے، ہرلمحہ اور ہر موقع پر فکر ہو کہ میرے محلّہ کے ہر شخص کی تربیت ہوجائے، اس کے لیے جو چند تجربے ہمیں ہوئے اور جن مواقع سے فائدہ اٹھایا جاسکا وہ آپ کی خدمت میں پیش کررہے ہیں۔

آپ بھی اپنی مساجد میں حسبِ موقع اور حسبِ حال ایسے اسباق شروع کریں تو انشاء اللہ آپ کے محلّہ کے ہر ایک بچے کو فائدہ ہوگا، اور یہ بچے کئی لغویات، فضولیات اور معاصی سے بچ کر اللہ تعالیٰ مقرب بندوں میں شامل ہوسکتے ہیں، بچے گھروں میں پابند تو رہ نہیں سکتے لازماً باہر نکلیں گے جس کے نتیجے میں ان کے بے دینی اور آلودگی کے ماحول سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہے کیوں کہ بچے یا تو ویڈیو کی دکانوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں، یا فٹ پاتھ اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر اور گیند بلا ہاتھ میں لے کر پڑسیوں اور راہ گیروں کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

مولانا سعید احمد خان صاحبؒ کا ارشاد

حضرت مولانا سعید احمد خان صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ اپنے ماحول پر محنت نہیں کروگے تو تمہاری اولاد بھی محفوظ نہیں رہ سکے گی، ہمارے بچے بھی محلّہ کے بچوں کے ساتھ ویسے ہی زبان بولنے لگ جائیں گے جو محلّہ کے آوارہ بچے بولتے ہیں، ان ہی کا لباس پسند کریں گے، ان ہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا پسند کریں گے'' لہٰذا ہمیں اپنے بچوں اور محلہ کے بچوں کی دین داری کی فکر کرنی ہوگی۔

دورِ حاضر کا مشکل ترین کام بچوں کی تربیت

حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب مدظلہ العالی بچوں کی اصلاح کے لیے لکھی گئی کتاب'' ذوق وشوق'' کی تقریظ میں لکھتے ہیں: ''اس دور کا مشکل ترین کام اپنے بچوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت کرنا کرہے، ظاہر ہے کہ بچے کھانے پینے کی چیز نہیں جنہیں خراب ہونے سے بچانے کے لیے فریج میں رکھا جائے یا دیگر انتظامات کیے جائیں، بچے فقط سونے چاندی کی طرح بھی نہیں کہ انہیں تجوری میں بند کر کے خطرات سے محفوظ کر دیا جائے۔

یہ امر ضروری ہے کہ بچوں کو تحصیل علم وتجربے کی خاطر گھروں میں باہر نکال کر درس گاہوں میں بھیجا جائے، ان کی جسمانی نشو ونما کے لیے انہیں باغات اور میدانوں میں بھیجا جائے، سماجی ضرورت کی خاطر ان کا رشتہ داروں اور احباب سے ملنا جلنا ابتداء ہی سے ہوتا رہے، ان کی ذہنی ترقی کے لیے ان کے ذاتی دوستوں کا وجود ضروری ہے، مگر یہ ضرورتیں ایسی ہیں جن کو پورا کرنے کے دوران بچوں کے بگڑے جانے کا پورا پورا اندیشہ باقی رہتا ہے، کیوں کہ درس گاہوں میں، باغات میں اور سماجی تقریبات میں یہ بچے اپنے ہم عمر بچوں کے ساتھ گھلتے ملتے ہیں اور برائی وباء کی مانند پھیلتی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ اپنی کم عمری اور ناسمجھی کے باعث یہ بچے'' اچھوں اور'' بروں'' میں تمیز بھی نہیں کر سکتے، لہٰذا والدین کے

ساری تربیتی کوششوں پر پانی بھر جانے کا امکان بہرحال موجود رہتا ہے۔

اس ساری صورتِ حال کے باعث سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کیا کریں؟ اس سوال کا آسان اور قابل عمل جواب یہ ہے کہ اپنے بچوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے حضور الحاح وزاری کے ساتھ دعا کرنے کے علاوہ عملی نمونہ اپنی سیرت وکرادار سے پیش کیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے بچوں پر اچھے اثرات پڑتے ہوں اور برے اثرات سے ان کی حفاظت ہوتی ہو اور بس! بظاہر قانونِ خداوندی یہی ہے کہ جو کچھ انسان کے بس میں ہو وہ کرڈالے تو کچھ انسان کے بس میں نہیں ہوتا اس کا انتظام اللہ فرمادیتے ہیں؛ لیکن یہ انتظام بقدر جذبہ وکاوش ہوا کرتا ہے، جتنی کوشش انسان کی ہوگی اور جتنا اخلاص انسان کے اندر ہوگا ،اللہ تعالیٰ کی مدد بھی اسی کے بقدر آئے گی۔(۱)

بچے جب کچھ عرصہ اپنے مذہبی مرکز (مسجد) سے جڑے رہیں گے تو ان کا دینی شعور برقرار و بیدار رہے گا، ورنہ خدانخواستہ وہ غیروں کی تعلیم وتربیت کا اثر لے کر ہمارے درمیان ان کے نمائندہ کا کرادار ادا کریں گے اور دین سے بے زاری آہستہ آہستہ ان کا شعار بن جائے گی۔(۲)

☆ بچوں کی تربیت کے لئے تربیتی کہانیاں سنانے کا اہتمام کریں۔

☆ بچوں کو نماز کا پابند بنانے مسجد میں ان سے محبت سے پیش آنے کی ترغیب دیں۔

☆ بچوں کے ساتھ تھوڑی دیر کھیل لیا کریں۔

☆ مختلف قسم کے مسابقے کروائیں، جیسے مسابقۃ القرآن، مسابقۃ الحدیث، مسابقۃ التفسیر، مسابقۃ التاریخ وغیرہ مخصوص سوالات کو ئیز کی شکل میں تیار کریں، ان کا امتحان لے کر انعام دیں، آندھرا پردیش کے گنٹور ضلع کے علماء اس متعلق بہت بہترین کام انجام دیتے ہیں، بھٹکل کے علما بھی اس متعلق قابل تقلید ہیں۔

(۱) ذوق وشوق حصہ اول ''کہانی کہانی''،۲۰۱

(۲) تحفۃ الأئمہ: ۶۴۴

(۴۳) مکتب کو اہمیت دیں

مدارس کا مقصد اور مکاتب کی بائے بسم اللہ وتائے تمت، ۳؍چیزیں ہیں: خدمت دین، خدمت دین اور خدمت دین۔ قابل مبارک باد ہیں وہ جن کے ہاتھوں میں قاعدہ، پارۂ عم، قرآن مجید، تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر وزیور، دینی تعلیم کا رسالہ اور اسلامی تعلیم ہے، ورنہ باہر کسی کے ساتھ میں لکڑی، لوہا، سبزی، کپڑا، دودھ، جانور اور پیشاب پانی وغیرہ ہوتا ہے، واقعتاً کم تنخواہوں پر خدمت دین سے وابستگی بڑا اجہاد وقربانی ہے، اُس زمانے کا نام ''زمانۂ جاہلیت'' تھا، وہ اس بات پر فخر کرتے تھے کہ میں اُس باپ کا بیٹا ہوں جس نے کبھی کما کر نہیں کھایا، جس نے سو (۱۰۰) زنا کیے اور سو قتل کیے، سب سے پہلی وحی میں ۲؍بار قراءت ۲؍مرتبہ تعلیم اور ایک بار قلم کا ذکر ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اسلام؛ تعلیمی مذہب ہے، کا سب سے بڑا داعی اسلام ہی ہے۔

''قو اانفسکم واھلیکم نارا'' (۱) مدینہ منورہ میں اس وقت کوئی آگ کا واقعہ پیش آیا تھا، جس سے بچنے کی تلقین ہو، بلکہ جہنم کی آگ سے ''تعلیم وتربیت کے ذریعے'' بچانا مراد ہے، ایک دو مرتبہ ڈرانا، اور قولی انذار کافی نہیں؛ بلکہ آخری حد تک، جس طرح بچے کو آگ سے بچاتے ہیں، اس طرح ڈرانا ضروری ہے۔

تعلیم سے سوچ بدلتی ہے، یہ ہیرے کا کاروبار ہے، ہیرے کے بڑے صندوق وکارٹون نہیں ہوتے، چھوٹی ڈبی و پڑیا ہوتی ہے۔ یہ ہیرے بنانے کا کارخانہ ہے، پتھر لاؤ، ہیرے لے جاؤ، اور وباء بیماری جب پھیلتی ہے تب حکومت دو قسم کے پروگرام بناتی ہے: بیماروں کا علاج (۲) تندرستوں کا تحفظ، یہ مکتب دوسری قسم کا پروگرام ہے، حفظ ما تقدم یہاں ایمان واخلاق کا آکسیجن (Oxygen) چلایا جاتا ہے۔

پہلے دن کی اذان واقامت اثر رکھتی ہے، جیسے پہلے دن کی دوا اور انجکشن اثر رکھتا ہے،

(۱) التحریم :۸

جس بچے کو مکتب کی تعلیم نہ ملی وہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیم ہے، مکتب ایمانی زندگی کی بنیاد اور ہے یہاں توحید کے گھونٹ پلائے جاتے ہیں، روٹی، کپڑا، مکان، ہر شخص کی ضرورت ہے، بجلی، پانی، روڈ، دواخانہ اور اسکول ہر گاؤں کی ضرورت ہے، ڈاکٹر، وکیل اور انجینئر ہر قوم کی ضرورت ہے، اسی طرح مکتب، مدرسہ، مسجد، ڈاڑھی، ٹوپی، برقع، دین، حافظ، قاری، عالم مفتی اور قاضی ہر مسلمان کی ضرورت ہے، ضابطہ ہے کہ جو چیز جتنی ضروری ہو اتنی ہی سستی اور عام دستیاب ہوتی ہے، جیسے ہوا، پانی، روشنی اور آکسیجن عام ہیں؛ اسی طرح امام، مدرس، مدرسے کی تعلیم، قرآن مجید اور دینی تعلیم بھی عام دستیاب ہیں۔

مکاتب کا مقصد

ہمارے مکاتب کا پہلے نمبر کا کام ''ماتعبدون من بعدی'' کا جواب سکھانا ہے، یعنی توحید اور حفاظت من الشرک ہے۔ مکتب کی تعلیم نہ ملی تو بچہ شیرینی جگہ پرشاد اور دعا کی جگہ آشرواد بولے گا، نیز رمضان سے زیادہ ''دیوالی'' اور عید کے بجائے ''تہوار'' کو پہچانے گا، صحیح عقائد کا بہترین طریقہ سوال و جواب ہے، مثلاً: یہ زمین کس نے بنائی؟ یہ آسمان، یہ آنکھ، ناک، کان، ہاتھ پاؤں کس نے دیے؟ یہ روٹی، پانی، کپڑا، مکان کس نے دیا؟ چاند، سورج، دریا، پہاڑ کس نے پیدا کیے؟ ہمارے نبی کون؟ اسی طرح نبی کی حیثیت بتلاؤ! سورج گہن پر کہو: ''اللہ چاہتے ہیں تب نور شمس سلب کر لیتے ہیں''۔ نیز سوالوں کے جواب دینے کا سلیقہ سکھاؤ۔ مثلاً: ''بڑی تو اللہ کی ذات، ہاں! بھائی بہنوں میں میری عمر زیادہ ہے''۔

آج ''دیوتی دیوتا، سوریہ نمسکار، یوگا، وندے ماترم، گیتا وغیرہ'' کو اسکول کے نصاب تعلیم کا جزء بنایا جا رہا ہے اور ہمارے بچے ان کے نہج پر ہیں، نئی تعلیمی پالیسی بہت خطرناک ہو سکتی ہے، اب پرائیویٹ اسکول میں بھی نصاب لازم ہوگا، جس میں ہندوتو'' کی تلقین، مضمون کے طور پر'' گیتا'' لازمی ہوگی، پرارتھنا میں وندے ماترم، یوگا، سوریہ نمسکار اور سرسوتی دیوتی وغیرہ کی تعظیم کرائی جائے گی۔ فقط اسکول کا اسٹانڈرڈ، رزلٹ اور تعلیمی معیار مت دیکھو!

بلکہ دین وایمان کی حفاظت اور اخلاقیات کا تحفظ پہلے نمبر پر ہے، ساتھ ہی دینی تعلیم ہے، ہم جاہل رہ سکتے ہیں، امّی رہ سکتے ہیں، فاقہ برداشت کرسکتے ہیں، مزدوری کرکے زندگی گزار سکتے ہیں، لیکن ایمان کو آنچ آنے نہیں دیں گے انشاء اللہ۔(۱)

☆ مکاتب کی اہمیت وضرورت سے متعلق بہت مفید کتاب ''مکاتب اہمیت و ضرورت'' کتاب کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

☆ مکاتب کو منظم ومؤثر بنانے سے متعلق بہترین کتاب ''منظّم مکاتب'' کا مطالعہ ضرور کرلینا چاہئے۔

(۴۴) سیاست سے واقف رہیں

نبی اکرم ﷺ کا لقب امام الانبیاء ہے اور رحمت عالم ﷺ اور نبی کریم ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ ﷺ کی سیرت یہ بتاتی ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام عالم کی فکر میں رہا کرتے تھے اور جو امام اپنے محلہ یا اپنے گاؤں کا امام ہو اس کو کم از کم اپنے صوبہ یا اپنے ملک کی سیاست سے تو واقف رہیں، امام محمدؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو عالم اپنے معاشرہ سے واقف نہیں وہ عالم نہیں ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ امام کو چاہیے کہ وہ سیاست سے تعلق رکھے، موجودہ سیاست کو سمجھے، سیاسی تعاون کو جلد قبول نہ کرے، متہم نہ بنے، نہ سیاست کو اپنا دوست بنائے نہ دشمن بنائے بلکہ اتنا تعلق رکھیں کہ امت کا نفع وامت کا نقصان پیش نظر رہیں مگر دوریاں بھی نقصان دہ ہیں، مسجد کو کسی پارٹی کے سپورٹ کے لیے استعمال نہ کرے، سیاسی موقعوں پر مناسب رہبری کرے، سیاسی موقعوں پر صحیح رہبری نہ ہونے کی وجہ سے مسلم ووٹ بکھر جاتے ہیں، خود امام بھی موجودہ سیاست سے لاعلم رہتا ہے۔

آج سے تیس چالیس سال پہلے جب علمائے دیوبند سیاست سے وابستہ تھے، ہر مسجد کا امام اور خطیب سیاسی شعور رکھتا تھا، جس دن ہم نے پسپائی اختیار کی ہے، مسجدوں کا انتظام

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب: ۵۲

مقامی کمیٹیوں کے سپرد کر دیا ہے جس میں ایک بریلوی ہوتا ہے، ایک غیر مقلد ہوتا ہے، ایک جماعت اسلامی کا، یوں مختلف خیالات کے لوگوں کا ملغوبہ سا ہوتا ہے اور آپ جانتے ہیں کہ نتیجہ تو بہر حال اقل اور ارذل کے تابع ہوتا ہے۔

اگر کوئی عالم اُمت مسلمہ کے کسی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے اخلاص اور بے غرضی کے ساتھ اربابِ حکومت تک پہنچتا ہے تو وہ اس میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ ایسے لوگوں سے امت کو نفع پہنچتا ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی بہترین مثال امام ابو یوسفؒ اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ ہیں، امام ابو یوسفؒ نے عہدِ عباسی میں عہدۂ قضا قبول فرمایا اور اسلامی تاریخ کے پہلے قاضی القضاۃ بنے؛ لیکن انھوں نے ہمیشہ اس عہدہ کو اسلام کے فروغ، مسلمانوں کی خیر خواہی اور حکومت کی اصلاح کے لئے استعمال کیا، انھوں نے حکمت و مصلحت کے ساتھ اربابِ اقتدار کو دین سے جوڑے رکھا، اسی طرح مجدد الف ثانیؒ کے زہد و تقویٰ اور علم و فضل سے مشہور مغل بادشاہ جہانگیر متأثر ہوا، مگر انھوں نے اس تعلق کو کسی عہدہ کے حصول کے لئے استعمال نہیں کیا؛ بلکہ اکبر کے دور میں جو الحاد سلطنت کا جز بن گیا تھا اور اسلامی شعائر کو تہہ و بالا کرنے کی جو سازش کی گئی تھی، اپنے اثر کے ذریعہ اس کا سد باب فرمایا، نہ کبھی کوئی عہدہ قبول فرمایا اور نہ کوئی مادی سہولت حاصل کی۔

موجودہ سیاست سے تعلق مناسب نہیں

مگر عملاً موجودہ سیاست سے وابستگی باعثِ خیر نہیں ہے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر منصب قضاء کے لیے خلیفہ منصور نے جبر کیا، لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ نہیں لیا کیوں کہ اس وقت محنت کا جو میدان حاصل تھا منصبِ قضاء سے یہ میدان جو دائمی نافع ہے چلے جائے گا، اس کے بجائے پیچھے سے اس وقت کے جو علماء سیاست میں تھے آپ ان کا تعاون کرتے رہے۔ عام طور پر علماء حق کے تعلقات ان کی حق پسندی کی وجہ سے حکومتوں سے خراب ہی رہے، سعید بن جبیرؒ حجاج بن یوسف کے حکم پر اس طرح ذبح کر دیئے گئے جیسے جانور کو ذبح

کیا جاتا ہے؛لیکن ثابت قدمی میں کوئی فرق نہیں آیا،امام ابوحنیفہؒ نے عباسیوں کے اصرار کے باوجود عہدۂ قضا قبول نہیں کیا، اس ثابت قدمی پر کوڑے بھی کھائے اور آخر کار جام شہادت بھی نوش کیا،امام احمد بن حنبلؒ ایسی آزمائش سے گذرے،جس کی مثال کم ملے گی کہ ان کی پیٹھ کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا، جو زخم سے محفوظ ہو اور جس پر کوڑے نہ برسائے گئے ہوں، امام بخاریؒ ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہوتے رہے اور آخر اس حال میں ان کی وفات ہوئی کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ کردی گئی تھی ،سفیان ثوریؒ نے ارباب اقتدار کی قربت سے بچنے کے لئے اپنے او پر جنون کی سی کیفیت طاری کرلی تھی،سلف صالحین کا حال یہ تھا کہ وہ اربابِ اقتدار کی قربت کو ایسی نظر سے دیکھتے تھے کہ گویا یہ آگ ہے جو ان کے دین وایمان کو خاکستر کردے گی۔

نظام الدین اولیاء کی زندگی اور سیاست

اسی لئے اسلاف کا ایک بڑا طبقہ دوری میں ہی خدمت دین کے مواقع پاتا تھا،شیخ نظام الدین اولیاءؒ کی مقبولیت اور محبوبیت اپنی بلندی پر ہے کہ جلال الدین خلجی (جو خود بھی دیندار بادشاہ تھا) نے بارہا شیخ سے ملاقات کی خواہش کی؛ یہاں تک کہ امیر خسرو کو اس کے لئے واسطہ بھی بنایا؛لیکن آپ کبھی بادشاہ سے ملاقات پر راضی نہیں ہوئے، نہ خود بادشاہ کے یہاں گئے اور نہ بادشاہ کو اپنے دولت خانہ پر باریابی کی اجازت دی ، جلال الدین خلجی کے بعد علاء الدین خلجی بادشاہ ہوئے، انھوں نے بھی حاضری کی اجازت چاہی؛ لیکن آپ کا جواب تھا کہ آنے کی حاجت نہیں ہے، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعاء بہت مؤثر ہوتی ہے، ایک بار جب سلطان نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازہ سے آئے تو میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔(۱)

---

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت : ۳/ ۸۴

اساتذۂ دیوبند اور سیاست

مفتی شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ : اکابر علماء دیوبند کا طریقہ یہی رہا ہے کہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہنے کی حالت میں انہوں نے عملی سیاست میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن جب حضرت شیخ الہند آزادیٔ ہند کے سلسلے میں تحریکات خلافت میں مؤثر حصہ لینے لگے تو دارالعلوم دیوبند سے الگ ہو گئے۔

فرمایا کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے ایک مرتبہ اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا: ''ارباب اقتدار اس غلط فہمی کو ذہن سے نکال دیں کہ ''ملا'' اقتدار چاہتا ہے، میں واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہم کبھی اقتدار میں آنا نہیں چاہتے ،لیکن اربابِ اقتدار کو تھوڑا سا ''ملاّ'' بنانا ضرور چاہتے ہیں۔''(۱)

موجودہ حکمرانوں سے قربت کا نقصان

اس کے برخلاف جن لوگوں نے اربابِ اقتدار کی قربت اختیار کی، انھوں نے زیادہ تر دین واُمت کو نقصان پہنچایا، ہندوستان کا مشہور بادشاہ اکبر علماء کا بڑا معتقد تھا؛ لیکن مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری اور صدر الصدور ملا عبد النبی کی باہمی کشاکش اور حرص وجاہ کی طلب نے بادشاہ کی نظر میں ان کا مقام گرادیا تھا؛ یہاں تک کہ ان حضرات نے بادشاہ کی خوشنودی کے لئے حج کے ساقط ہونے کا فتوی دے دیا، زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلہ کو جائز قرار دے دیا، اور ان کے آبائی قبرستان سے سونے سے بھرے ہوئے صندوق برآمد ہوئے ، جو انھوں نے اپنی دولت کو چھپانے کے لئے دفن کر رکھے تھے، ان حضرات کی آپسی لڑائی کے نتیجہ میں ملا مبارک اور ان کے بیٹے فیضی اور ابوالفضل دربارِ اکبری میں شامل ہوئے، جو علم وقابلیت کے اعتبار سے نادرۂ روزگار لوگ تھے ؛لیکن دولت کی حرص اور اقتدار کی قربت

(۱) مجالس مفتی اعظم : ۶۲۴

نے انھیں اس مقام پر پہنچا دیا کہ انھوں نے اکبر کو گمراہ کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور ان کی مدد سے شعائر اسلام کی ایسی اہانت کی گئی کہ ہندوستان کی تاریخ میں شاید کسی غیر مسلم سے بھی ایسا نہ ہوا ہو۔

علماء چوں کہ دین کے شارح بھی ہیں اور اُمت کے داعی و مصلح بھی؛ اس لئے اگر ان کا کردار بے داغ نہ رہ پائے تو یہ اُمت کے لئے سب سے زیادہ نقصان کا باعث ہے، ماضی قریب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم کے واسطہ سے اربابِ مدارس کے لئے جو بنیادی اُصول مقرر فرمایا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ''حکومت سے کوئی تعاون قبول نہیں کیا جائے گا'' یادش بخیر! ہم لوگوں کی طالب علمی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کے لئے سابق وزیر اعظم محترمہ اندرا گاندھی نے سالانہ ایک لاکھ روپیئے کی پیشکش کی تھی اور دارالعلوم کا سالانہ بجٹ بھی اس کے قریب قریب تھا؛ لیکن دارالعلوم کے مہتمم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے یہ کہہ کر معذرت فرما دی کہ ہمارے بزرگوں نے اس سے منع کیا ہے، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی جنگ آزادی کے سورماؤں میں سے تھے اور اسی جدو جہد میں انھیں مالٹا میں قید و بند کی زندگی بھی گذارنی پڑی؛ لیکن جب ملک کے آزاد ہونے کے بعد انھیں اعلیٰ ترین سرکاری اعزاز پیش کیا گیا تو انھوں نے اسے قبول کرنے سے معذرت کر دی، مقصد یہ تھا کہ علماء و مشائخ اور دینی ادارے حکومتوں کے احسان سے سبکبار رہیں۔ (شمع فروزاں)

ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز واقعہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''میں اپنے وطن رائے بریلی میں تھا کہ ایک دن ۲۰ / یا ۲۱ جنوری ۱۹۹۲ء کو ڈپٹی کمشنر کا ایک چپڑاسی عشاء کے قریب پہنچا کہ وزیر اعظم نرسمہا راؤ آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں، آپ یہاں آنے کی تکلیف گوارا کریں اور ان سے بات کرلیں، رات کا وقت تھا اور مجھے کچھ عذر ''لنگ'' بھی تھا، میں نے کہا کہ میں کل ۹ بجے آسکوں گا

اس وقت معذور ہوں، اگلے دن وہاں سے کوئی پیام نہیں آیا، اس کے دو تین دن بعد ۲۴/جنوری ۱۹۹۲ء کو میرا کانپور جانا ہوا جہاں ہندی کے ایک نئے نکلنے والے اخبار کی افتتاحی جلسہ میں شریک ہونا اور اسکا افتتاح کرنا تھا، جلسہ دن میں شہر کے ایک ہال میں ہوا، اور رات کا کھانا اخبار کے دفتر اور پریس میں تھا، وہاں اچانک شہر کے پولیس افسر کا آدمی پہنچا کہ پرائم منسٹر صاحب آپ سے ٹیلیفون پر بات کرنا چاہتے ہیں، آپ یہاں زحمت فرمائیں، ہمارے میزبان نے کہا کہ ''کہہ دیجئے کہ یہاں STD ٹیلیفون ہے یہیں بات ہوسکتی ہے، چنانچہ ٹیلیفون پر یہ کہہ دیا گیا، چند منٹ کے بعد ان کا ٹیلیفون آیا، انہوں نے فرمایا کہ ''حکومت آپ کو 'پدم بھوشن' کا اعزازی خطاب دینا چاہتی ہے آپ اس کو قبول کرلیں، حکومت کی اس میں کوئی سیاسی غرض نہیں ہے، آپؒ نے جواب میں فرمایا کہ ''مجھے اس سے معاف رکھا جائے، یہ میرے اصول اور روایات کے خلاف ہے، انہوں نے ایک دو بار تہذیب واحترام کے ساتھ دہرایا لیکن میرا جواب وہی رہا، آخر میں وہ خاموش ہوئے اور ٹیلیفون کا یہ سلسلہ منقطع ہوگیا۔

اس سے قبل چندر شیکھر جی نے بھی اپنے زمانہ وزارت عظمی میں ایک خط کے ذریعہ اس کی پیش کش کی تھی، راقم نے خط ہی کے ذریعہ معذرت کردی تھی جس کو انہوں نے قبول کرلیا تھا۔(۱)

غور کریں! دو دو پرائم منسٹر کی دعوت پر بھی اپنے کو محفوظ رکھا، یہ استغناء، خلوص اور سیاسی دھول سے دوری کی علامت ہے، اور نہ لینے سے کوئی نقصان نہیں ہوا، محبوب الاغنیاء نہیں بلکہ محبوب الاولیاء بننے کی کوشش کریں۔

(۴۵) صاحب نسبت بزرگوں سے تعلق رکھیں

صحابی نبی اکرم ﷺ کے صحبت سے بنے ہے اور اب دنیا میں سب عہدوں ومنصوبوں

(۱) حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی اکابر ومشاہیر امت کی نظر میں: ۱۵۳

پر فائز ہو سکتے ہیں لیکن صحابیت کے عہدے ومنصب پر فائز نہیں ہو سکتے کیونکہ نبی نہیں تو صحبت نہیں صحبت نہیں تو صحابی نہیں تو معلوم ہوا اللہ والوں کی صحبت کا بدل نہیں ہوسکتا اور جو امام بزرگوں سے تعلق وصحبت رکھتا ہے عوام بھی اس کو بزرگ سمجھتی ہے اگر چہ وہ نہ ہو، جس کی وجہ وہ بھی امام سے اپنا تعلق پیدا کرتی ہے اور اس کی مشورہ سے پر عمل پیرا ہوتی ہے (اگر چہ اس کو مقصد نہیں بنانا ہے) لہٰذا امام صاحب دل سے اپنا تعلق مضبوط صاحب نسبت بزرگوں سے رکھے، اصلاحی تعلق وہ ہے جس سے اپنی اصلاح ہو، اور شیخ کے علم میں بھی ہو کہ آپ کا تعلق مجھ سے (یعنی شیخ سے) ہے، (اس لئے کہ آج کل کسی سے پوچھے کہ آپ کا کن سے تعلق ہے وہ کہتا ہے فلاں سے، ان بزرگ کے سامنے نام لیا جائے تو کہتے ہیں معلوم نہیں) مسلسل رابطہ میں رہے، اطلاع احوال واتباع احکام کا اہتمام ضروری ہے، فراغت کے بعد اپنی کوتاہیوں پر تنبیہ عوام کرے تو شاید کبھی یہ گوارا نہیں ہوگا، شیخ ومرشد کے بغیر منزل تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

☆ اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرات بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں سے افضل ہیں: صحبت اہل اللہ کے متعلق علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ایک موقع سے ختم بخاری پر فارغین میں سے ایک طالب علم کو مخاطب کر کے فرمایا: آج بخاری شریف ختم ہوگئی، آج تم عالم ہو گئے، مگر ''بخاری شریف'' کی روح تب حاصل ہوگی جب چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہو گے، جب تمہیں درد بھرا دل عطا ہوگا، اپنے علم پر عمل نصیب ہوگا اور علم کی حلاوت ملے گی، اور جب تم سے جو علم نکلے گا جادو بیانی کے ساتھ نکلے گا، پھر جوش میں فرمایا کہ اللہ والوں کی جوتیوں کی خاک کے ذرات بادشاہوں کے تاجوں کے موتیوں سے افضل ہیں۔

؎ نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت کی دلیل

☆اہلِ علم کے لئے صحبت ِ اہل اللہ کی اہمیت کی عجیب دلیل: علم بے شک سر آنکھوں پر ہے مگر صحبت کی قیمت بہت اہم ہے، اسکی دلیل غارِحرا سے ہیکہ اسی غارِحرا میں نبوت عطا ہوئی، نبوت کا آفتاب غار حرا سے طلوع ہوا، اور جس ویرانے میں اللہ مل جائے آہ! اس ویرانے کو کیا سمجھتے ہو، جس پر حکیم اختر صاحبؒ کا یہ شعر ہے۔

ے خلوت غارِحرا سے ہے طلوع خورشید کیا سمجھتے ہوتم اے دوستو ویرانوں کو

اس غارِحرا میں ایک آیت نازل ہوئی "اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ" اس وقت جو ایمان لائے ان کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے ان کو "اَلسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ" قرار دیا گیا، اور جو تیس پارے نازل ہونے کے بعد ایمان لائے ان کو متأخرین قرار دیا گیا، مقبول تو وہ بھی ہیں لیکن درجہ میں ان سے پیچھے ہیں جو "اِقْرَأ" نازل ہوتے ہی ایمان لائے، جبکہ تیس پاروں کا علم زیادہ ہے نہ کہ پانچ آیات کا، وجہ اسکی یہ ہے کہ جو پہلے ایمان لائے ان کو نبی کی صحبت زیادہ ملی، اس لیے ان کا درجہ ان سے بڑھ گیا جو تیس پاروں کے بعد ایمان لائے۔

تصوف کا ضروری علم فرض کا درجہ رکھتا ہے

☆ حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ " منجیاتِ قلبیہ کی تحصیل اور مہلکاتِ قلبیہ کا ازالہ واجب ہے اور تجربہ سے اس کا طریق حضرات کاملین مکمّلین کی صحبت اور ان کی تعلیم پر عمل کرنا ثابت ہوا ہے، اس لیے بحکم مُقَدَّمَۃُ الْوَاجِبِ وَاجِبٌ" یہ بھی ضروری ہے اور ترکِ واجب میں والدین وغیرہ کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامُ: لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الخَالِقِ۔

☆ امداد الاحکام میں ہیں: جس طرح ہر مرد وعورت پر اپنے اپنے حالات ومشاغل کی حد تک ان کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے، اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت

ومہارت پیدا کرنا، اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں، بلکہ فرض کفایہ ہے، اسی طرح جو اخلاقِ حمیدہ کسی میں موجود نہیں انہیں حاصل کرنا اور جو رذائل اس کے نفس میں چھپے ہوئے ہیں ان سے بچنا، تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے اس کا علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور پورے علمِ تصوف میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کرسکے یہ فرضِ کفایہ ہے۔

صحبت اِہل اللہ کی ضرورت پر ایک عجیب تمثیل

☆حکیم اختر صاحبؒ اہلِ علم کے لئے صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت پر فرماتے ہیں کہ ''مان لو! کسی چراغ کا ظرف دس لاکھ ریال کا ہو اور اس میں تیل بھی ایک لاکھ ریال کا ہو اور اس کی بتی بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی پیرس سے منگائی گئی ہو۔لیکن یاد رکھو! روشن نہیں ہوسکتا جب تک کسی جلتے ہوئے چراغ سے متصل نہ ہوگا، اسی طرح خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو، علم کا سمندر ہو لیکن جب تک کسی اللہ والے، صاحب نسبت سے متصل نہیں ہوگا نہ خود روشن ہوگا نہ دوسروں کو روشن کرسکے گا، نہ نسبتِ لازمہ ملے گی نہ نسبتِ متعدّیہ ملے گی، اس کے علم وعمل میں فاصلے ہوں گے''۔اللہ والوں کی صحبت سے ان شاء اللہ تعالیٰ! کتنا ہی نالائق، کمینہ نفس ہو ولی اللہ بن جائے گا، ولی اللہ کی صحبت سے انسان ولی بن جاتا ہے، آج ہم کو رونا یہی ہے کہ نیک صحبتیں کم ہوگئیں اس وجہ سے ہمارے اندر بے دینی پھیلی جارہی ہے ورنہ بڑے بڑے شرابی اللہ والوں کی صحبت سے ولی اللہ بن گئے۔

کیا صحبتِ شیخ کے بغیر بھی تزکیہ ممکن ہے؟

☆حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک عالم صاحب نے کہا : تزکیۂ نفس کی فرضیت تو تسلیم ہے لیکن مزکّی کی کیا ضرورت ہے؟ خود کتاب پڑھ کے اپنا تزکیہ کرلیں گے، حضرت نے فرمایا: مولوی صاحب! تزکیہ فعل لازم ہے یا فعل متعدی؟ کیا فعل مِتعدی بھی فعل لازم کی طرح اپنے فاعل پر تمام ہوجاتا ہے؟ یا مفعول کی ضرورت

ہوتی ہے؟

☆ صحابہ کرامؓ کو بھی اپنے نفوس کے تزکیہ کے لیے مزّکی نبی کریم ﷺ کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "یُزَکِّیۡھِمۡ" ہمارا نبی ان کا تزکیہ کرتے ہیں، اگر صرف تلاوتِ قرآن وتدریس بخاری سے اصلاح ہوجاتی تو نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے کیوں پیدا کیا؟ اور تزکیہ کی نسبت نبی کی طرف کیوں کی گئی؟ ''وَیُزَکِّیۡھِمۡ'' آدمی آدمی بناتا ہے، کتابُ اللہ کے لیے رجالُ اللہ پیدا کیے جاتے ہیں۔

(۴۶) اپنے گھر کو خواتین کے لئے مکتب بنائیں

امام اپنے گھر کو محلہ کی خواتین اور لڑکیوں کے لیے دینی مرکز بنائے، اپنی گھر کی خواتین کو محلے کی خواتین کے لیے نمونہ بنائے، گھر کا مکتب، ہفتہ واری اجتماع، درس قرآن وغیرہ کے نام سے خواتین کی اصلاح وتربیت کا نظام اپنے گھر سے شروع کرے، شرعی پردہ، پاکی صفائی، بچوں کی تربیت، خاوند کی خدمت، صلہ رحمی وغیرہ امور محلے کی خواتین امام صاحب کے گھر سے سیکھنے والی بنیں۔

کام کا میدان پہلے اپنے گھر والی کو بنائیں، عجیب بات ہے کہ نابالغ بچوں پر توجہ دینے تیار مگر بالغین و بالغات پر توجہ دینے تیار نہیں جن کے مکلف ہوئے کئی سال ہو گئے، دس سال سے جو گھر والی میرے نکاح میں ہے مگر آج تک اس کا قرآن نہیں سن سکے، اتنی طویل صحبت ان کے علم وعمل کی ترقی کا ذریعہ نہیں بن سکی، نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی زوجات اور خواص کی زوجات میں دینی لحاظ سے زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا ہے، کیا عورت کا وجود محض گھر کو صاف کرنا، کھانا پکانا اور بچے سنبھالنا تک ہی محدود رہ جائے گا؟ محض توالد وتناسل کا ایک آلہ سمجھا جائے گا؟ مولوی کے پاس کوئی خاتون اسکی دولت دیکھ کر تو نہیں آتی، وہ تو اسکا دین دیکھ کر آتی ہے، مولوی سے بہتر شوہر مل سکتا تھا، مگر اس کی قربانی پر ہم نے کتنا دین منتقل کیا؟ بالغات کے مکتب کے قیام کے لئے ہر جگہ معلّمہ موجود نہ ملنے کی شکایت ہوتی ہے، مسجد کا

معلّم اپنے گھر میں معلّمہ کیوں نہیں بنا سکتا؟ ہر بہن کو نکاح اور شادی کے وقت قرآن کریم دیا جاتا ہے لیکن حال یہ ہے کہ سسرال میں آنے کے بعد سسر، ساس، نند، دیور، جیٹھ اور شوہر وجملہ اہل خانہ کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں تا کہ حالات ساز گار رہیں، مگر قرآن کی طرف توجہ جیسی ہونی ہے نہیں کی جاتی، عام طور پر خوش حال لوگ یا عصری تعلیم یافتہ لوگ حافظ قرآن بنانا توہین سمجھتے ہیں اور وقت ضائع کرنا تصور کرتے ہیں، گھر والی میں دین نہ ہونے کی وجہ سے اہل علم کے گھرانوں میں بھی علمی روشہ ضائع ہو جاتا ہے، جس قوم نے قرآن مجید کی بدولت دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کی ہو آج وہی قوم قرآن سے اتنی غافل ہے، سچ کہا ہے علامہ اقبالؒ نے۔

وہ زمانہ میں معزز تھے مسلمان ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

جن گھرانوں میں گھر والی صاحبِ قرآن بن جائے وہ سارے سماج کی عورتوں کو بدل سکتی ہے، مرد پڑھا تو فرد پڑھا، عورت پڑھی تو سارا خاندان پڑھا، مرد خواہ مولوی ہو اس کے دین میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے اگر گھر والی میں علمی تدّین نہ ہو۔

گھر کو دین کا مرکز بنانے والے صحابہ کرام

صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے مسجد میں قرآن اور دینی احکام سیکھتے اور گھر والیوں کو سناتے، دین گھر میں گھر والے سے منتقل کیا گیا، صحابیات کے گھر دینی مدارس ہوتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی قرآنی تعلیمات اور آیات کی تفسیر پردہ کے پیچھے سے سیکھ کر جاتے تھے۔

☆ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تعلیم قرآن کے لئے گھر میں ایک مدرسہ کھول لیا تھا اور ان کے مدرسہ سے فارغ ہو کر بعض لوگ قرآن کے بڑے عالم اور فن قرأت کے امام بنے، مدینہ کے امام حضرت شیبہ بن اوضاع رحمۃ اللہ علیہ اور مدینہ کے سب سے بڑے قاری نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کے فیض یافتہ تھے۔

☆ایک دفعہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا چند عورتوں کے سامنے ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' کی تفسیر بیان فرمارہی تھیں اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے اور بڑے غور سے اپنی لختِ جگر کی تفسیر سنتے رہے، جب ان کی تفسیر ختم ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: جانِ پدر! تمہاری تفسیر سنا اور مجھے بہت خوشی ہوئی کہ تم کلام الٰہی کے مطالب اتنے عمدہ طریقہ سے بیان کرسکتی ہو۔(۱)

☆حضرت جمیلہ بنتِ سعد رضی اللہ عنہا قرآن کا باقاعدہ درس دیا کرتی تھیں، یہاں تک کہ ایک صحابی رسول ﷺ حضرت داوَد بن حصین رضی اللہ عنہ ان سے قرآن پاک کا درس لیتے تھے۔(۲) اکابر علماء، اور اہلِ علم کی زوجات کی خدمات کیسے یادگار ہیں، عباسی خلیفہ ہارون رشید (م ۱۹۳ھ) کی بیوی زبیدہ بنت جعفر (م ۲۱۶ھ) کو رفاہی کاموں کی انجام دہی کے معاملے میں بہت شہرت حاصل ہے، اسے قرآن مجید کی تعلیم سے بہت دل چسپی تھی۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ اس نے اپنی سو (۱۰۰) باندیوں کو اس کے لیے فارغ کر رکھا تھا، ''اس کی سو سے زیادہ باندیاں تھیں، جو زیادہ تر وقت قرآنِ کریم کی تلاوت اور حفظ میں مشغول رہتی تھیں، ان میں سے ہر ایک قرآن کے دسویں حصہ کی تلاوت کرتی تھی۔ محل میں ان کی آواز شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے مثل سنائی دیتی تھی۔

''كان لها ماءة جارية يحفظن القرآن، ولكل واحدة وِرد عُشر القرآن، وكان يسمع في قصرها كدويّ النحل من قراءة القرآن''(۳)

☆زمرّد خاتون (۵۵۷ھ)، جو دمشق کے حکمراں الملک دقّاق کی بہن تھیں، انھوں

(۱) تذکار صحابیات: ۹۴۹

(۲) تذکرہ صحابیات: ۲۴۲

(۳) وفیات الأعیان: ۳/۳

نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا، جو"المدرسۃ الخاتونیۃ البرانیۃ" کے نام سے معروف تھا۔(۱)

☆ عائشہ ہانم (بارہویں صدی ہجری) نے ۱۱۵۴ھ میں ایک مسافر خانہ تعمیر کرایا تھا جس کو"سبیل عائشہ ہانم" کہا جاتا تھا۔ اس کے اوپری حصہ میں انھوں نے قرآن کی تعلیم کے لیے ایک مکتب قائم کیا تھا اور ان دونوں کے مصارف کے لیے بہت سی جائیدادیں وقف کر دی تھیں اور اپنے ورثاء کو ان کا متولّی بنا دیا تھا۔(۲)

☆ یمن کے سلطان الملک المظفر کی بیوی مریم نے زبید میں"المدرسۃ المجاھدیۃ" قائم کیا، اس میں یتیم اور غریب بچوں اور دیگر طالب علموں کو داخل کیا، اس میں امام، مؤذن اور معلّم کو رکھا اور اس کے مصارف کے لیے وقف کا معقول نظم کیا۔(۳)

اپنے قریب کے اکابرین میں حضرت مفتی سعید صاحب ؒ پالنپوری نے اپنی گھر والی کو حافظہ بنایا، اسکے بعد پتہ نہیں چلا کہ دس بچے اور بہوں پوتے وغیرہ کیسے حافظ بن گئے، کیونکہ اب گھر والی مدرّسہ بن گئی تھی، صبح سے گھر پر مدرسہ شروع ہوجاتا، رات میں زائد سالن بن جاتا، صبح اسی سے ناشتہ ہوجاتا تھا، حضرت شاہ جمال الرحمن صاحب دامت برکاتہم بڑھاپہ کی وجہ سے تراویح نہیں سناسکتے؛ مگر اپنا قرآن اپنی اہلیہ کو سناتے ہیں، اپنے بچوں کا قرآن سنتے ہیں، ہم میں سے بھی بہت سے اہلِ علم شادی کے بعد اپنی گھر والی کو عالمہ حافظہ بنائے ہوں گے، ان کے لئے خدمت کے میدان کھولیں، اور اپنے گھر کو خواتین و بالغات کا مدرسہ بنائیں، کیا آج ہم علما و ائمہ کی خواتین میں ایسے مثالی نمونے موجود ہیں؟ سو میں دس فیصد بھی مل جائیں تو غنیمت ہے، علما و ائمہ کی گھر والیاں بھی عوام کے فضائل والے بیانات پر اکتفاء کر لیتی ہیں، انہیں نہ شاہ ولی اللہ ؒ معلوم، نہ نانوتوی معلوم، نہ تھانویؒ معلوم، نہ ازواج مطہرات معلوم، نہ نبی کی سیرت معلوم۔ توجہ دینی اور تبدیلی لانی چاہیئے۔

---

(۱) الزرکلی، الاعلام: ۳/۴۹

(۲) عمر رضا کحالۃ، اعلام النساء: ۳/۱۹۴

(۳) عمر رضا کحالۃ، اعلام النساء، ۵/۴۰، مضامین ڈاٹ کام، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام صاحب ندوی، 28 فروری، 2018

منشی جمال الدین ریاستِ بھوپال کے وزیر کا سبق آموز واقعہ

آپ بھوپال ریاست کے وزیر تھے، عالم بھی تھے، رئیسہ بھوپال نے آپ سے نکاح کرلیا تھا، ایک مرتبہ مسجد میں لوگوں نے ان کو نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پر کھڑا کر دیا، ایک مسافر ولایتی مولوی بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر مصلّے پر سے کھینچ لیا کہ ’’تمھاری بیوی پردے میں نہیں رہتی تم کو نماز پڑھانے کا حق نہیں... جب کوئی آگے نہیں بڑھا تو انہوں نے خود ہی نماز پڑھادی، وزیر صاحب نماز کے بعد سیدھے رئیسہ کے پاس پہنچے، وہ اجلاس میں تھی، وزیر صاحب نے سب کے سامنے ان کو مخاطب کرکے کہا کہ بی بی! تمھارے پردہ نہ کرنے کی وجہ سے یہ واقعہ پیش آیا ہے، یا تم اس وقت وعدہ کروکہ پردہ کروں گی، اگر وعدہ نہیں کرتی ہو تو تین طلاق! آخر مجمع میں رئیسہ نے پردہ کرنے کا وعدہ ہی نہیں بلکہ پردہ بھی کرلیا۔(۱)

(۴۷) خواتین کو وعظ وتقریر سنانے کا نظام مضبوط کریں

ج ہم غور کرتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ جتنی محنت ہم مردوں کی اصلاح ،تعلیم وتربیت کے لئے کرتے ہیں، جتنے مدارس، مکاتب، خانقاہیں، اصلاحی مجالس، جلسے وغیرہ سے مردوں کے لئے مواقع فراہم کررکھے ہیں، اُس کا عشرِ عشیر بھی خواتین کے لئے ہم نے نہیں کیا، خواتین کے حق میں ستر فیصد غفلت برتی جارہی ہے، کتابیں مردوں سے متعلق زیادہ، تقاریر مردوں کے متعلق، اولاد کی تعلیم میں لڑکوں کی تعلیم کو زیادہ اہمیت دی گئی، لڑکیوں کی مضبوط دینی تعلیم، ہفتہ واری اصلاح کا نظام اِن بگڑے اور سسکتے ہوئے ارتداد کے ماحول میں بھی نہیں کرپائے۔

دوسری طرف دنیا منظم سازش کے تحت اِن پر اسلام مخالف محنتیں کررہی ہے، حتی کہ

(۱) ملفوظات تھانویؒ

ہماری بیٹیوں کو اسلام کا مخالف بنادیا، آزادی کے سبز باغ کے نام پر خواتین کی روحانیت ونسوانیت کا جنازہ نکال دیا، لڑکیوں اورخواتین میں اسلام کا پاس ولحاظ تیزی سے ختم ہوتے جارہا ہے، اُن کی دین بیزاری کی وجہ سے شوہر اور بچوں پر ہونے والی محنت بھی نتیجہ خیز نہیں ہو پارہی ہے، جس گھر کی ماں، بیٹی، بہن اور بیوی بے حیا وملحد بن جائے وہاں اسلام پسند لڑکوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، نیک بہنوں اور پاکیز ماؤں کے بغیر سماج جنت کی راہ پر نہیں چل سکتا ہے۔

مسلم لڑکیاں تیزی سے غیر مسلم لڑکوں کے چنگل میں گرفتار ہو کر دولتِ ایمان سے محروم ہورہی ہیں، افسوس صد افسوس! جس وقت یہ تحریر لکھی جارہی تھی اُنہیں دنوں میں ملک میں ایک گستاخ رسول کی گستاخی کی وجہ سے ملک کے مسلمان بے چین تھے کہ دوسری طرف سے یہ شرمناک منظر دیکھا گیا کہ شہر مظفر نگر سے ۴۴ رمسلمان لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ زنا کرتے ہوئے پکڑے جاتے ہیں اور پوری دنیا نقاب والی لڑکیوں کو دیکھ شرمسار رہ جاتی ہے، جبکہ یہ وہی مہینہ تھا اکٹوبر ۲۰۲۴ء جس میں غزّ اور فلسطین کے مظالم کو مکمل ایک سال ہو چکا تھا، فلسطین کی انسانیت تڑپ رہی تھی، معصوم بچے سسک رہے تھے، بے قصوروں کو زندہ جلایا جارہا تھا وہی ملک کی بیٹیاں غیروں کا بستر گرم کررہی تھیں۔

جدید تعلیم یافتہ لڑکیوں میں غیر مسلم لڑکوں کے ساتھ زندگی گذارنے کا رجحان بڑھتے جارہا ہے، ہر آئے دن کسی مسلم بیٹی کی جلی کٹی لاش کی تصویر عام ہوتی ہے تو دوسرے ہے صفحہ پر پھر کسی فاطمہ یا عائشہ کے غیر مسلم کے ساتھ بھاگنے، کورٹ میریج کرنے کی تصویر بھی نظر آتی ہے، اِس حال میں بھی اُن کی فکر نہ کرنا مجرمانہ غفلت ہوگی۔

اس لئے ائمہ کرام جمعہ کی خطابت، درس قرآن ودرس حدیث میں خواتین کو شریک کرنے کی کوشش کریں یا ان کے لئے مخصوص دن طے کر کے ہفتہ واری خطاب ودرس قرآن کی ترتیب مضبوط کریں۔

(۴۸)اپنی ظاہری زندگی بھی باحیثیت بنائیں

ہم جس دور میں زندگی گذار رہے ہیں یہ وہ زمانہ جس کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ’’ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ایمان اسی وقت محفوظ رہیگا جب لوگوں کے پاس مال ہو‘‘ اگر امام اندورونی اعتبار سے بھی مالدار نہیں رہا تب بھی امام کو چاہیے کہ وہ ظاہری اعتبار سے پرتکلف زندگی گذارے اور نہ بے حیثیت بن کر، کپڑوں کی صفائی ،وضع قطع موثر ،امام ظاہراً بھی مقتداء بنائے جانے کے قابل رہے۔

الغرض ہماری جتنی بھی جماعتیں ہیں،فکری ہیں،مذہبی ہیں،سیاسی ہیں،سماجی ہیں،تبلیغی ہیں،سب کا احترام کرو،سب کا ادب کرو اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کو حاضر ناظر کر کے اپنے اکابر کے مشن کو آگے بڑھانے کی کوشش کریں،مسائل بہت ہیں، ذمہ داری کا دائرہ متعین ہے،لیکن حل ایک ہی ہے کہ ہر امام اور ہر خطیب ’’انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء‘‘ اور ’’العلماء ورثۃ الانبیاء‘‘ کانمونہ بن جائے۔

بقول علامہ یوسف بنوری ؒ ’’خلاصہ یہ ہے کہ اگر مساجد میں ان اصولوں کی رعایت رکھی جانے لگے،توان بالغ نمازیوں کے لیے جو اپنی مصروفیات کی وجہ سے باقاعدہ مدارس میں پڑھ نہیں سکتے ،اسی طرح ان کاروباری پیشہ وار افراد کے لیے بھی جو بازاروں میں کاروبار میں مصروف رہتے ہیں، نیز اس ملازمت پیشہ وار طبقے کے لیے جو حکومتی اداروں میں ملازمت کے باعث فرصت نہیں پاتے ،یہی مساجد دینی درسگاہیں ثابت ہوں گی،نوجوانانِ امت جن کا دین دار طبقے اور دینی تعلیمی اداروں سے تعلق ٹوٹ چکا ہے،ان کو دین اسلام کی روح سکھانے اور سمجھانے کے لیے یہ ایک بہترین طریقہ کار ہوگا‘‘۔

زندگی کا معیار کیسا رکھنا چاہیے

حضرت مفتی رشید احمد صاحب ؒ فرماتے ہیں: ’’ضرورت پوری ہوجانے کے بعد اپنی

زندگی کا معیار کیسے رکھے، اس قانون یہ ہے کہ اپنے مصارف (خرچہ جات) آمدن کے تحت رکھے، اس لیے کہ آمدن (یعنی تنخواہ وغیر) تو غیر اختیاری ہے اور مصارف پر ضابطہ رکھنا اپنے اختیار میں ہے، ایسا نہ ہو کہ آمدنی ہے نہیں اور خرچ زیادہ کرنے لگے پھر کسی سے بھیک مانگنا پڑے یا قرض لینا پڑے۔لہذا جتنی آمدن کی ہو اپنے مصارف کو اس کے نیچے رکھے، زندگی کا معیار اونچا کرنے کے لیے آمدن کی ہوس بڑھا کر کوئی ناجائز طریقہ اختیار نہ کرے (۱)

انفاق فی سبیل اللہ سے الگ اپنے رہنے سہنے، کھانے پینے اور زندگی گزارنے میں اس کا لحاظ رکھے کہ کہیں دنیا کی ہوس پیدا نہ ہو جائے، آمدن بڑھانے سے ہوس ختم نہیں ہوتی بل کہ اور زیادہ بڑھتی ہے۔

مشہور عرب شاعر متنبی نے خوب کہا ہے :

ماقضی احد منها لبانته ولن انتهی ارب الاالی ارب

نہ کسی نے اس دنیا کی ساری خواہشوں کو حاصل کیا اور نہ ایسا ہے کہ اس کی ایک ضرورت پوری ہونے کے بعد دوسری ضرورت سامنے نہ آجائے۔"

حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے حضرت سعد بن مالکؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : بہترین ذکر خفی ہے، اور بہترین رزق وہ ہے جو انسان کے لیے کافی ہو جائے۔"خیر الذکر الخفی، و خیر الرزق مایکفی"(۲)

☆لقمان حکیم کی نصیحت

بیٹا! حلال کماؤ، غریب نہ رہو فقیری میں فقر کے علاوہ چار باتوں کی پریشانی اٹھانی پڑے گی :

[۱] غریبی میں دین برباد کر دینے والے کام کرنے کی نوبت آجاتی ہے۔

---

(۱) علماء کا مقام :۲۸

(۲) مسند احمد :۱۴۸

[۲] غم اور ٹینشن کی وجہ سے عقل کمزور پڑ جاتی ہے۔
[۳] خود داری چلی جاتی ہے، لوگوں کی طرف للچائی نگاہیں اٹھنی شروع ہو جاتی ہیں۔
[۴] لوگ تمھیں کوئی حیثیت نہیں دیتے۔"استخفاف الناس به"(۱)

☆ سعید ابن المسیبؒ اجل تابعی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے داماد کمایا ہوا مال وفات پر چھوڑ جانے لگے تو فرمایا: اے اللہ! تو جانتا ہے میرا مال جمع کرنا محض دین، حسب ونسب کی حفاظت کے لیے تھا، جو شخص اپنی عزت بچانے اور قرضہ ادا کرنے کے لیے بھی مال جمع نہ کرے وہ اچھا انسان کہلانے کے قابل نہیں ہے۔

"لا خير فيمن لا يجمع المال فيقضي دينه ويكف به وجهه"

(۱) احیاء علوم الدین، فی فضل الکسب والحث علیہ: ۲/ ۶۲

ائمہ کرام ان کاموں سے اجتناب کریں

تنخواہ کی کمی کی وجہ سے امامت نہ چھوڑیں

چونکہ یہاں ائمہ کرام مخاطب ہیں اس لئے اپنی ذمہ داری اور صفات سے متعلق گفتگو ہوگی، کمیٹیوں سے خطاب کے وقت ان کی صفات سے متعلق گفتگو ہوگی، بعض مساجد میں تنخواہیں بالکل ناگفتہ بہ ہوتے ہیں، تنخواہ اتنی کم ہوتی ہے کہ کم تنخواہ کی وجہ سے امام کی نہیں بلکہ کمیٹی کی عزت جاتی ہے، مگر امام تنخواہ کی بنیاد پر امامت نہ چھوڑے، تنخواہ ہی سب کچھ نہیں ہے، قوم کی خدمت، انکے ایمان کی حفاظت کا موقع بڑی سعادت ہے، گذارے کے لئے مناسب تجارت کا نظم شروع کریں:

☆ شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کو ریاست بہاول پور کے صدر کونسل مولانا سر رحیم بخش نے ماہانہ تین سو کی تنخواہ پر دار العلوم میں مدرّس کی حیثیت سے بلانا چاہا، آپؒ ''اوجز المسالک'' کی مصروفیت کا بہانہ کر کے عذر کر دیا جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں میں مقروض تھے، اور والد محترم حضرت یحیٰ صاحبؒ کا بھی انتقال ہو چکا تھا، والد کے قرضوں کا بھی بار تھا، جبکہ تنخواہ صرف پندرہ روپے تھی، گراں قدر پیشکش کو قبول کرنے کے سارے شرعی عذر موجود تھے۔

اس کے بعد ''دائرۃ المعارف حیدرآباد'' سے بیہقی کے اسماء الرجال پر تحقیق کے لئے ملازمت کی پیشکش ہوئی، تنخواہ آٹھ سو روپیہ ماہانہ تھی، پھر مدرسہ ''عالیہ چاٹ گام بنگال'' سے شیخ الحدیث کا عہدہ پیش کیا گیا، تنخواہ بارہ سو روپیہ طے کی گئی، آپؒ نے جواباً لکھا ''ناکارہ اس کا اہل نہیں'' اللہ نے عالمی کام کیسا لیا وہ سب جانتے ہیں، ''وجوب اعفاء اللحیۃ'' رسالہ مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز بن باز نے مطالعہ کروایا (چونکہ آپؒ نابینا تھے) تو آپؒ سے اجازت لے کر لاکھوں کی تعداد میں عرب سے چھپوایا، جس سے داڑھی سے متعلق عرب میں پائی جانے والی بے راہ روی میں کافی اعتدال آیا۔(۱)

---

(۱) ذکرِ ذکریا: ۸۱۔۱۹۰

مسجد کو بنیاد بنا کر انقلابی کام انجام دیں محنت کا میدان مادی دنیا کی وجہ سے ہاتھ جانے نہ دیں۔

حضرت جی الیاس صاحبؒ کے استاذ کا سبق آموز واقعہ

قاری صدیق صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ''مفتی محمود حسن صاحبؒ سے سنا ہے کہ کاندھلہ میں ایک صاحب کو ان کے استاذ نے پڑھانے کے لئے بھیجا اور ہدایت کر دی کہ وہاں کسی سے کسی قسم کا سوال نہ کرنا، اللہ کے واسطے پڑھانا، تمھارے مقدر کا جو کچھ ہوگا ملتا رہے گا، چنانچہ ان کی ہدایت کے مطابق ایک مسجد میں انہوں نے کام شروع کر دیا، کچھ دن بعد مسجد والوں نے ان کو ستانا شروع کیا اور کہا تم مسجد میں تعلیم نہیں دے سکتے، انہوں نے فرمایا: بھائیوں! سن لو! امامت مجھے نہیں چاہئے، تمھارا کھانا، مجھے نہیں چاہئے، تنخواہ تم سے مانگتا نہیں، تم مسجد سے نکالتے ہو میں کسی درخت کے نیچے جا کر لڑکوں کو پڑھاؤں گا، اور تم اگر چاہو کہ بستی چھوڑ دوں یہ ہرگز نہ ہوگا، کیونکہ جس نے بیٹھایا ہے، اس نے تاکید کر دی ہے کہ وہاں سے نکلنا نہیں، انہیں کا قصہ ہے کہ ایک شاگرد بھاگ گیا، اس کی تلاش میں نکلے، معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے ملتان چلا گیا ہے، وہاں کا سفر کیا، اور اس کو لا کر پڑھایا، آخر میں بستی والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، معافی مانگی، اور کہا کہ آپ مسجد میں چل کر تعلیم دیں، فرمایا: بہت اچھا! جب نکالا تھا وہاں سے ہم نکل آئے، اور اب بلاتے ہو تو ہم چلتے ہیں، حضرت مفتی صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اس علاقے میں ان سے بہت فیض پہنچا، حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ نے بھی ان کی شاگردی اختیار کی ہے، جن کے فیض سے دنیا سیراب ہو رہی ہے۔(۱)

ڈاکٹر ذاکر حسین گورنر بہار وصدر جمہوریہ ہند کا واقعہ

ڈاکٹر، گورنر، وصدر جمہوریہ اور جامعہ ملیہ کے ۲۵ر سال شیخ الجامعہ مگر قناعت پسندی کا یہ

(۱) آداب المعلمین: ۱۳

عالم تھا کہ مولانا عبد الماجد دریابادی کولکھا'' آئے اور میرے ساتھ قیام کیجئے کہ راج بھون درویشوں کے ہی رہنے کی جگہ ہے،'' کیونکہ سرکاری رقم میں کبھی خیانت سے کام نہیں لیا تھا، جامعہ ملیہ دہلی کے شیخ الجامعہ ۲۵ سال رہے اور صرف ۱۵۰ ار روپے ماہانہ لیتے رہے، جبکہ دوسری جگہوں سے ہزار روپیہ ماہانہ اور دیگر سہولیات کی پیشکش کوٹھکرادیا۔

اس وقت کے سیاسی لیڈروں کی قناعت آج کے عہدے داروں میں تلاش کرنا تو محال ہے مگر قوم کے رہنما شمار ہونے والوں میں آجائے تو کیا کہنے!(۱)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا ایک ایمان افروز واقعہ

یہ غالباً 1941ء کی بات ہے سردی کی رات سات بجے از ہر شاہ قیصر مرحوم اور جمیل مھدی صاحب، لاہور جانے کے لئے دیوبند کے اسٹیشن پر پہنچے تو وہاں مولانا (عبید اللہ) سندھی کو پلیٹ فارم پر کھڑے ہوئے تھے، دونوں نے سلام کیا تو وہ اس طرح خالی نظروں سے دیکھنے لگے، جیسے پہچانتے تک نہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نیاز اجنبیت سے انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ یہ بھی آگے بڑھ گئے، اِدھر اُدھر دھیان بٹانے کی کوشش کی لیکن آزردگی دور نہیں ہوئی، چورنظروں سے دیکھا تو آپؒ پلیٹ فارم کے اِس سرے سے اُس سرے تک ٹہل رہے تھے، یہاں تک کہ ٹرین کے قریب ترین اسٹیشن سے چھوٹنے کے بعد کی گھنٹی بج گئی، گھنٹی کی آواز سنتے ہی آپؒ پلیٹ فارم کے باہر چلے گئے، دو تین منٹ بعد واپس چلے آئے، اور سیدھے انہیں حضرات کی طرف آئے اور پوچھا، کہاں جارہے ہو؟ میری آزردگی اس وقت تک باقی تھی، میں نے بے رخی سے کہا : لاہور جارہے ہیں، کتنے پیسے ہیں تمہارے پاس؟ ۲۵ روپیہ ہیں، فرمایا: ایک ٹکٹ لاہور کا اور لے آؤ! میں بھاگ کر ٹکٹ لے آیا تو انھوں نے یہ تک نہیں پوچھا کہ ٹکٹ لے آئے یا نہیں، بلکہ اب وہ بدستور مخدوم اور یہ خادم بنے رہے، یہ بستر اٹھاؤ! اِسے یہاں رکھو! یہاں بیٹھو! چلتا رہا، ریل چل پڑی تو آپؒ نے

(۱) سب کے لئے، ابن غوری

بڑی گہری نظر سے انہیں دیکھ کر فرمایا: بُرا مان گئے تم؟ پھر فرمانے لگے کہ مجھے لاہور جانا تھا، لیکن میرے پاس پیسے نہیں تھے، اِتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ ایک آنہ دے کر ٹانگہ میں اسٹیشن آجاتا لیکن لاہور تو مجھے جانا تھا، میں نے خطوط لکھ دیئے تھے کہ میں اِسی ریل سے آرہا ہوں اس لئے میں نے بستر کندھے پر رکھا اور اسٹیشن آگیا، انقلابیوں کا کوئی کام پیسے کی وجہ سے نہیں رُکتا، ان حضرات کے سامنے سوال ہی نہیں تھا کہ پیسے ہیں یا نہیں ہیں، یہ بات طے شدہ تھی کہ اِس گاڑی سے جانا ہے، اس لئے میں اسٹیشن پر چلا آیا، اور اس تلاش میں رہا کہ کوئی جانکار ملے تو اس سے ٹکٹ منگوالوں، لیکن پلیٹ فارم کے اِس سرے سے اُس سرے تک ڈھونڈھنے کے باوجود کوئی واقف کار نظر نہیں آیا یہاں تک کہ گھنٹی بج گئی تو میں پلیٹ فارم سے باہر جا کر بھی دیکھ آیا، کوئی نہ ملا تو مجبوراً تم سے ہی ٹکٹ لانے کو کہا، کافی دیر تک پس وپیش میں رہا کہ تم سے کہوں یا نہ کہوں، اور یہ بھی سوچتا تھا کہ تمھارے پاس پیسے ہوں گے بھی یا نہیں ہوں گے، اِس بے سروسامانی کی بات وہ کر رہا ہے، جو ہندوستان کی جلاوطن حکومت کا وزیر داخلہ رہ چکا ہے، جو افغانستان میں وزیر خارجہ اور ترکی میں افغانستان کا سفیر تھا، اور جو روس میں اشتراکی لیڈروں کا ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہ چکا تھا لیکن اب وہ کہہ رہا تھا کہ: اس نے بستر کندھے پر رکھا اور اسٹیشن آگیا کیونکہ اصل مسئلہ لاہور پہنچنے کا تھا یہ کوئی بات ہی نہ تھی کہ پیسے ہیں یا نہیں ہیں۔

ان حضرات کی اصل حیرانی تو اس وقت شروع ہوئی جب سہارنپور کا اسٹیشن گزرتے ہی ہر اسٹیشن پر ملاقاتی ملنے شروع ہوئے، اور چھوٹے سے چھوٹے اسٹیشن پر بھی ایک ہجوم پہلے سے منتظر دکھائی دیا، جو مولانا سندھی کا نعرہ بھی لگا دیتا، اسی میل ملاقات کے درمیان ''انبالہ'' کا اسٹیشن آیا تو وہاں غیر معولی مجمع تھا، اور اس مجمع میں سب سے ممتاز شخصیت ''نواب غلام بیگ نیرنگ'' نے مولانا سے مصافحہ کرتے ہوئے ایک پتلا لفافہ آپؒ کے ہاتھ میں دیا، آپؒ نے اُسے بائیں ہاتھ دوسری اور تیسری انگلی کے درمیان پکڑ لیا، ہر اسٹیشن پر لوگ آپؒ سے ملنے اور استقبال کرنے کے لئے آتے رہے، صبح سویرے لاہور اسٹیشن آیا تو اتنا ہجوم تھا کہ بیسیوں

آدمی ہمارے اور ان کے درمیان حائل ہو گئے، یہاں تک کہ خود آپؒ نے ہی اِدھر اُدھر دیکھ کر فرمایا: دولڑکے ہمارے ساتھ تھے کہاں ہیں؟ جی ہم یہاں ہیں! از ہرشاہ قیصر مرحوم نے کہا، اس آواز پر آپؒ متوجہ ہوئے، یہ دونوں قریب پہنچے تو آپؒ نے وہ لفافہ جمیل مہدی صاحب کی طرف بڑھایا، دیکھو اس میں کیا ہے؟ میں نے دیکھ کر کہا اس میں نوٹ ہیں، سو (100) سو(100) روپے کے پانچ نوٹ ہیں، رکھو! یہ گھبرا کر کہنے لگے، یہ آپ رکھئے، یہ بہت زیادہ ہیں، اُس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جلال آگیا: ''بچہ ہے! کئی آدمیوں نے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی، بچہ نہیں! کوڑمغز ہے، بے ادب سارے راستے سمجھا تا آیا ہوں کہ بڑوں کا حکم بے چون و چرا مان لینا چاہئے، ساری تعلیم بیکار گئی، پہلا ہی اثر حکم عدولی کی صورت میں ظاہر ہوا'' یہ دم بخود کھڑے رہ گئے، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ انقلاب زندہ باد، مولانا سندھی زندہ باد کے نعروں کی گونج میں رخصت ہو گئے، اور زندگی بھر کے لئے سبق دے گئے۔

''انقلابیوں کا کوئی کام پیسے کی وجہ سے نہیں رکتا، اصل کام یہ ہے کہ منزل تک رسائی ہے، لاہور اس طرح پہنچے کہ تانگہ کے لئے بھی ایک آنہ نہیں تھا، لیکن سارے راستے بادشاہوں کی طرح استقبال ہوا، راستہ میں پیسہ ملا تو اس آدمی نے یہ تک نہیں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں سو(100) سو(100) کے نوٹ ہیں یا ردی کاغذ ہیں، اور جب معلوم ہوا تو اس خطیر رقم کو ردی کاغذوں کے پرزوں کی طرح اس لڑکے کے ہاتھ میں دے کر رخصت ہو گئے، جس نے اس کے لئے پانچ روپیہ کا لاہور تک کا ٹکٹ خریدلیا تھا، جس زمانہ میں یہ واقعہ یہ واقعہ پیش آیا تھا، اُس زمانہ میں سو(100) کے نوٹ کی اتنی بڑی قیمت تھی کہ اس کے بھنانے والے کو دستخط کرنے پڑتے تھے، بس وہ دن ہے اور آج کا دن، روپیہ پیسے کی پرواہ کبھی نہیں ہوئی، جو کام چاہا کرلیا جتنا بڑا کام چاہا اس میں ہاتھ ڈال دیا کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آیا کہ پیسہ کہاں سے آئے گا۔ (۱)

(۱) افکاروعزائم از: جمیل مہدی

اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

حضرت علامہ یوسف قرضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں مفکر اسلام حضرت الشیخ ابوالحسن علی الندویؒ سے زیادہ زاہد اور دنیا سے بے رغبت انسان نہیں دیکھا، دنیا ان کی جوتیوں میں پڑی تھی، مگر وہ اسے نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارانہ کرتے، شیخ قرضاویؒ نے علامہ ندویؒ پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ''الشیخ الندوي کما عرفته'' ہے۔ اس میں انہوں نے شیخ ندوی کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ اپنی مساعی جمیلہ کے بدلے میں کبھی معاوضہ نہیں لیتے تھے، حالانکہ اس وقت کے دیگر علماء اسے قبول کیا کرتے، اس حوالہ سے شیخ قرضاوی نے کئی واقعات بھی لکھے ہیں، وہ لکھتے ہیں :

(۱) ایک مرتبہ انہیں وزٹنگ پروفیسر کے طور پر جامع دمشق بلایا گیا، اس وقت شریعہ فیکلٹی کے سربراہ عظیم داعی اور فقی الدتور مصطفی السباعیؒ تھے، شیخ ندویؒ نے کئی اہم ترین لیکچر دیئے، جن کی تیاری میں لازماً انہیں کئی دن محنت کرنا پڑی ہوگی، یہ لیکچر وہاں کے اساتذہ و طلبہ ششدر رہ گئے، ان کا موضوع ''التجدید والمجددون في تاریخ الإسلام'' (روشن خیال اور روشن خیالی، اسلامی تاریخ کے آئینے میں) اس کے بعد انہوں نے ''رجال الفکر والدعوة في الإسلام'' کے عنوان پر وقیع وعمیق لیکچرز دیئے، جامعہ دمشق کے دستور کے مطابق، جب شیخ ندوی رخصت ہونے لگے تو بھاری معاوضہ ان کی خدمت میں پیش کیا گیا، ان کے ساتھ شریک دیگر پروفیسرز اور علماء کو بھی یہ معاوضہ دیا گیا، مگر شیخ ندوی نے یہ معاوضہ لینے سے انکار کر کے سب کو حیران کر دیا، شیخ قرضاویؒ فرماتے ہیں کہ پہلے تو وہ معاوضہ لیتے نہیں تھے، اگر کوئی مجبور کرتا تو قبول کر کے تنگدست طلبہ میں تقسیم فرماتے، چنانچہ یہاں جامعہ دمشق میں بھی ایسا ہی ہوا، یہ پیسے غریب طلبہ کو دے دیئے۔

(۲) جب انہیں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا، ۳۰ لاکھ ریال کا یہ ایوارڈ انہوں نے ہندوستان کے غریب طلبہ اور محتاج علماء میں تقسیم کر دیا۔

(۳) ''تاریخ اسلام'' پر'' دارالسلام برونائی'' کی حکومت کا عطا کردہ ایوارڈ بھی غریبوں کی نذر فرمادیا۔

(۴) یو-اے-ای-حکومت نے انہیں ''جائزة دبي للقرآن الكريم'' کے ایوارڈ سے نوازا، جس کی قیمت ۱۰/لاکھ درہم تھی، اس میں سے ایک روپیہ اپنی جیب میں نہیں ڈالا۔

(۵) نامور مؤرخ وادیب محمد المجذوب اپنی کتاب ''علماء ومفکرون عرفتهم'' میں لکھتے ہیں کہ الشیخ الندویؒ رابطة العالم الإسلامي کے بانی ارکان میں سے تھے، مگر اس ادارے سے کبھی ایک پیسہ بھی نہیں لیا، حالانکہ باقی ارکان تنخواہ وصولتے ہیں، شیخ اپنے خرچہ پر رابطہ کے سالانہ اجلاسوں میں شرکت کیلئے تشریف لاتے، مگر سفری اخراجات بھی قبول نہ کرتے۔

(۶) شیخ اِبراہیم عمر سکران نے اپنی کتاب ''الماجریات'' میں لکھا ہے کہ شیخ ندویؒ الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة (مدینہ یونیورسٹی) کی شوریٰ کے مستقل رکن تھے، لیکن پوری زندگی جامعہ سے ایک پائی بھی قبول نہیں کی، جب مدینہ حاضری ہوتی تو اپنی جیب سے ہوٹل بک کراتے، جامعہ کے امور نمٹاتے، پھر رات گزارنے ہوٹل تشریف لے جاتے، حالانکہ عرب ان پر ریال نچھاور کرنے کو سعادت سمجھتے تھے، وہ کسی اور ہی سیارے کے انسان تھے، مال و دولت کی ان کے یہاں سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ تھی، واضح رہے کہ جو مقام ومرتبہ شیخ علی ندویؒ کو عرب دنیا میں حاصل تھا، اس کی مثال برصغیر کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ رحمه الله تعالىٰ رحمة واسعة۔(۱)

(۲) سرکاری امداد سے تنخواہ نہ لیں

۱۔ اکابرواسلافِ امت نے مدارس ومساجد کو ہمیشہ حکومتی سایہ سے دور رکھا ہے، کبھی

(۱) بحوالہ: الجزیرہ، ضیاء چترالی

مدد طلب کرنا تو دور اگر امداد کی پیش کش آتی تو اسے قبول بھی نہ کرتے تھے، بنیادی نکتہ کی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ ''جو حکومت بابری مسجد تاریخی شواہد کے باوجود مسلمانوں کے حوالے کرنے تیار نہیں، یوپی وغیرہ کے سینکڑوں مسجدوں پر بلڈوزر چلا کر قطب شاہی اور مغلوں زمانہ کی مساجد کو تمام تر شواہد کے بعد بھی ڈھا دیتی ہے، گیان واپی مسجد کو بابری مسجد کی طرح ہڑپنا چاہتی ہے، (آگے کیا ہوگا واللہ اعلم) کیا وہ حکومت مساجد کے ائمہ کرام کو تنخواہ ایسے ہی دیدے گی، کوئی مکاری پس پشت نہیں کرے گی؟ یقیناً اگر اس معاملہ میں دانشمندی نہیں برتی گئی تو دین کے یہ قلعہ بھی ختم ہو جائیں گے۔

۲۔ یوپی اور آسام کے سات سو مدارس پر تالے لگ گئے، صرف اس وجہ سے کہ ''مدارس کا یہ تعاون اقلیتوں کے ترقیاتی فنڈ سے دیا جارہا ہے، آپ کا پیسہ آپ کو ہی دیا جارہا ہے، دوسرے مذاہب کے لوگوں کو بھی دیا گیا'' وغیرہ کے حربہ سنا کر جب ان مدارس نے خود کو مدرسہ بورڈ سے ضم کرلیا تو پیسہ دینے کے چند ماہ بعد، حسابات دیکھنے آگئے، پھر نصاب دیکھنے آگئے، پھر امتحان لینے کے لئے سرکاری سوالنامہ آگیا، بالآخر مدرسین کی ناکامی کا الزام لگا کر کہ حکومت سے پیسہ لیکر صحیح کام نہیں کیا مدارس پر تالے لگا دئے گے، کیا اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مدارس پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے کیسے مدارس کے حق میں مہربان بن گئے؟ مگر افسوس پیسہ بینے کو اندھا اور عقلمند کو پاگل کر دیتا ہے۔

اسی طرح جب مساجد کو فنڈ دیا جانے لگے گا تو یہاں کے حسابات، جمعہ کے بیانات، مسجد کے مکتب وغیرہ پر گرفت شروع ہو جائے گی، الیکشن کے موقع پر مسجد سیاست کے لئے استعمال کی جائے گی، نتیجہ یہ کہ بچا کچا خدمت کا میدان بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔

۳۔ ائمہ کرام پر صرف مسجد کی امامت کی ذمہ داری نہیں ہے، بلکہ امامت کے ساتھ قوم کی نسل کی تعلیم وتربیت، اصلاح بین المسلمین، غیر مسلموں میں دعوت وتبلیغ، مسلمانوں کی دینی قیادت، وغیرہ، مگر جب سرکاری دادودہش کے مرہون منت ہو جائیں گے تو کیا ان فرائض کی انجام دہی میں رکاوٹ یا آخری درجہ میں مخلصانہ جذبہ باقی رہے گا؟ سچی بات یہ ہے

کہ یہ ایک زرین دامِ فریب ہے،جس کے ذریعہ مساجد میں مداخلت کی راہ نکالی جائے گی، اورموجودہ دینی ،فکری،علمی آزادی کوسلب کرکے مذہبی کردار کوختم کردیا جائے گا۔

کیا ہمیں نہیں دکھتا کہ مسلم ممالک میں ائمہ کرام مسلم حکمرانوں سے مشاہرہ لینے کے باجود انہیں اپنے خطبات میں آزادی کا اختیار نہیں دیا جاتا ہے، دیا گیا کاغذ ہی طالبِ علم کی طرح پڑھ کرسنانا ہوگا،تو کیا خیال ہے اگرغیر مسلم حکمرانوں کی طرف سے خطبات دئے جانے لگیں تو کیا عالم ہوگا؟۔سچ ہے کہ ہندوستان میں اغیار کی حکومت اوران کے غلبہ کے باوجود جس قدر خدمتِ دین میں آزادی ہے اس سے کئی درجہ کم مسلم ممالک میں ہے۔

۴۔علم دین کے حصول کا مقصد صرف اورصرف رضائے الٰہی ہے، جب مسجد کی امامت سرکاری نوکری کا درجہ حاصل کرلے تو جوآج طالبِ علم نبوت ہیں وہ فارغ ہونے سے قبل ہی نوکریوں (مسجد میں سرکاری امامت) کی تلاش شروع کردیں گے،اورکس قدروعید ہے غیراللہ کے لئے علم حاصل کرنے پر۔

۵۔مساجد عوامی چندہ سے چلنے کے باوجود آج بھی عوام کے دل میں ائمہ کرام کی بہت قدر ہے، مگر جب ان کی نظر میں امام ایک سرکاری ملازم کی حیثیت حاصل کرلے گا تو اس دن امر بالمعروف ونہی عن المنکر کتنا مشکل ہوجائے گا،مثلاً قضائت سرکاری عہدہ نہیں ہے مگر حکومتی بو باس اس میں آگئی تو عوام قاضی کو کیسی عزت دیتی ہے سماج کا جائزہ لے لیں۔

۶۔کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ مسلمانوں کو پانچ پرسنٹ تنشیشن دینے تیار نہیں، مسلمانوں کے بچوں کو اسکالرشپ دینے تیار نہیں، اسکولوں وکالجوں سے پڑھے لکھے آوارہ پھرنے والوں کو جاب دینے تیار نہیں، ایسی کیسی خیرخواہی کہ مدارس میں پڑھنے والوں اورمساجد میں خدمت انجام دینے والوں پر پیار آگیا۔

۷۔مساجد میں ائمہ کرام کی تقرری علم وتقوی کے بجائے رشتہ داری ،رشوت،اورسفارش کی بنیاد پر ہوگی ۔سرکاری امداد نہ لینے میں بظاہر لگتا ہے کہ مالی نقصان ہے درحقیقت اپنے مذہب کی حفاظت ہے۔

”وَ عَسَى أَنْ تكْرَهُوا شَيئاً وَ هُوَ خَيرٌ لَكُم وَ عَسى أَنْ تحبُّوا شيئاً وهُوَ شرٌّ لَكُموَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ“(۱)

۸۔حکومت اگر چھ چھ ماہ کی تنخواہ کسی سرکاری کاروائی کی وجہ سے روک لے یا سالانہ اضافہ نہ کرے،تو مساجدائمہ کمیٹی یا امام کونسل تشکیل پائے گی ، پھر سڑکوں پر دھرنا یا احتجاج کریں گے،آخری درجہ میں مسجد کی خدمت میں کوتاہی ومن مانی تو ضرور کریں گے،ظاہر ہے دونوں صورتوں میں منصبِ امامت کے تقدّس کے سراسر خلاف بات ہے۔

۹۔ائمہ کرام نہ چاہتے ہوئے،اسلام کے بجائے حکومت کی ترجمانی کرنا پڑے گا، بوقتِ ضرورت شرعی رہنمائی کے بجائے حکومتی ہدایات کو ہی شریعت کادرجہ دیدیا جائے گا۔

۱۰۔ائمہ کرام کی حیثیت مذہبی قیادت کے بجائے سرکاری ملازم کی ہوجائے گی،جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ عوام سے ائمہ کرام کا تعلق بالکل منقطع ہوجائے گا،آج کسی نہ کسی درجہ میں عوامی کی دینی خیرخواہی جس قدر بھی پائی جاتی ہے وہ جانبین کے قدرے تعلق کی وجہ سے ہے،جب عوام ائمہ کرام کی عزت نہیں کرے گی ،مالی تعاون نہیں کرے گی،تو ائمہ کرام میں کب تک ایک طرفہ تعلق باقی رہے گا؟ جبکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ عوام کی اصلاح کے لئے علماء وعوام کا موجودہ تعلق ہی ناکافی ہے تو آئندہ کا منظر کس قدر تباہی کا باعث بنے گا۔

۱۱۔مسجد کی امامت سرکاری نوکری کی حیثیت لے لی گی تو،مداس کے فارغین کو مسجد میں تقرری کے لئے دنیاداروں اور آفسروں کی دفتر کی چکر کاٹتے رہنا پڑے گا، جیسے آج کل قاضی بننے کے لئے چکر کاٹے جارہے ہیں،درمیان میں رشوت خوروں کی جیب بھی گرم کرنا پڑے گا،رشوت سے حاصل کی جانے کے بعد امامت میں کس قدر خلوص باقی رہے گا؟۔

۱۲۔مساجد جب تک عوامی سرپرستی ومالی خدمات سے چلتے رہیں گے اس وقت تک ان میں روحانیت باقی رہے گی،جب سرکاری مداخلت شروع ہوجائے گی تو مادیت کا غلبہ شروع ہوجائے گا،اس طرح کے مفاسد شروع ہوجائیں گے تو وہی دن ہوگا جس کی پیشن گوئی

(۱) سورۃ البقرۃ آیۃ:۲۱۶

آپ ﷺ نے فرمائی تھی کہ ’’مساجد بھری ہوں گی سب ہدایت سے خالی ہوں گی‘‘، پھر تو مسجد صرف درودیوار کا نام رہ جائے گا۔

۱۳۔آج جب کہ اوقاف کے ذریعہ یا میناریٹیس کے فنڈ کے ذریعہ ائمہ کرام کو جزوی امداد کی جارہی ہے تو ہی بہت سی مساجد کی کمیٹیوں کا اصلی چہرہ سامنے آگیا کہ کئی ماہ کی تنخواہ دینے تیار نہ ہوئے، کہیں مسجد سے ملنے والی تنخواہ کو کم کردیا، کہیں ائمہ کرام اور کمیٹیوں میں جھگڑا ہوگیا، کہ تنخواہ کی رقم کمیٹی نے تعمیر میں خرچ کردی، اور جواب دیا کہ ’’تم کو مسجد سے تنخواہ تو دی جارہی ہے پھر کیوں سوال کرتے ہو؟ رہنا ہو رہو یا جانا ہو چلے جاؤ، تم جیسے بہت سے امام مل جائیں گے‘‘، کیا یہ برتاؤ نہیں دیکھا گیا، تو کیا حال ہوگا جب مساجد کلی طور پر حکومتی تعاون پر چلنے لگیں؟ ۔سچ یہ ہے کہ عوام مسجد کا تعاون خلوص وعظمت سے کرتی ہے جبکہ حکومت نوکر سمجھ کر دیتی ہے۔آج جبکہ دین محمدی کی دیواریں یکے بعد دیگر گرتی جارہی ہیں، بنیادیں بکھرتی جارہی ہیں، گرے ہوئے شعبہ کو اٹھانے، کمزور شعبہ کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے علما وائمہ کا یہی ایک طبقہ ہے جس سے قوم کو امید ہے کہ ہر فتنہ کا مقابلہ کرے گا، مگر جب یہی طبقہ مادی فتنہ کا شکار ہوجائے، آٹے کا نمک ہی خراب ہوجائے، بیمار امت کا طبیب ہی مریض ہوجائے تو پھر قوم کا کیا حال ہوگا؟ کیا وراثین انبیاء اور رہبر قوم کو یہی دن دیکھنے کو باقی رہ گئے تھے؟

(۳) عوام سے بے جا بے تکلفی نہ ہو

عوام سے بہت زیادہ بے تکلف نہ ہوں، کرونا وائرس نے سمجھا دیا distance mainta کرو، فاصلے باقی رکھو، بہت سے ہمارے نوجوان ائمہ حضرات نوجوانوں سے ایسی کر لیتے ہیں، جوان کے حق میں نقصاندہ ہوتی ہے، کونسا فلم چل رہا ہے؟ کتنے وکٹ گرے، کتنے رن بنے، دنیوی تذکرے، بے تکلفانہ طور پر ہیرو وہیروئن کی باتیں شروع ہو جاتی ہیں، بعد میں نوجوانوں کے دل سے اس امام کی عظمت ختم ہوجاتی ہے، ہمارے امام

صاحب کو سب معلوم ہے کون ہیرو ہے؟ کونسی فلم کیسی ہے،مولانا طارق جمیل صاحب دامت برکاتہم کا کوئی کلپ سن کر عامر خان سے ملاقات کا،اس سے فلمی دنیا کے بارے میں بات کرنے کا،ہم بھی نقل کرنے لگ گئے،مولانا طارق جمیل صاحب کی عامر خان سے ملنے پر یہ باتیں ہوئی ،اپنے محلے کے جوانوں سے نہیں ہوئی ، اورآپ نے بھی ایک مقام پر پہنچنے کے بعد ایسی باتیں کی ہیں،ہمارااورآپ کاوہ مقام نہیں ہے،اورنہ بات کرنے کا مقصد دعوت دینا ہے،ہر چیز میں اپنے بڑوں کی نقالی تو نہیں کی جاسکتی،ایسی بے تکلفی جس سے وقار مجروح ہو،گناہ کی طرف خیالات لے جائے مناسب نہیں؛ بلکہ بہت نقصاندہ ہے۔

(۴) آپسی تنازعات میں فریق نہ بنیں

آپسی تنازعات میں کسی کے فریق نہ بنیں،مصلیوں کے خاندانی جھگڑے، پراپرٹیوں کے جھگڑے،میاں بیوی کے جھگڑے آئیں تو آپ کسی ایک کا سپورٹ نہیں کریں گے،حکم شرعی ماننے کی ترغیب وذہن سازی کریں گے، جب تک حکم نہ بنایا جائے گا آپ فیصلہ نہیں کریں گے، جب تک دخیل نہ بنایا جائے گا دخل نہیں دیں گے،اورجانبین کی بات سنے بغیر فیصلہ کسی فریق کے حق میں نہیں کریں گے،اورجب تک دونوں فریق کی بات پوری نہ سن لیں اور سنتے وقت آپ اُسی حیثیت سے سنیں جس طرح قاضی کی حیثیت سے ہوتی ہے، حضرت مولانا خالدسیف اللہ رحمانی صاحب کے family ڈاکٹر اوران کے بھائی کا جائیدا property کے سلسلے میں جھگڑا ہوگیا،یہ حضرت سے وقت لے کرگھر پر فیصلے کے لیے آئے، حضرت نے دونوں کی بات سننے کے بعد اپنے فیملی ڈاکٹر کے خلاف فیصلہ فرمایا،کیونکہ حق ان کے بھائی کی جانب side تھا،فیصلہ کے بعد جب وہ لوگ جانے لگے تو حضرت نے فرمایا: معاف کرنا اِس وقت آپ کو پانی بھی نہیں پلاسکتا چونکہ میں قاضی اورمفتی کی حیثیت سے ہوں،دوسرے وقت آئیے میں آپ کو کھانا کھلاؤں گا،آپ کا میرا گہرا تعلق ہے،آپ میرے family ڈاکٹر ہیں؛ لیکن اس وقت میں کسی فریق کے ساتھ وہ ہمدردی نہیں دکھا سکتا، جو

دوسرے فریق کے لیے شرعی طور پر مجروح ہو۔

قاری امیر الحسن صاحبؒ کے پاس ایک امام صاحب کا مسئلہ آیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ فریق کیوں بنے؟ رفیق کیوں نہیں بنے؟

(۵) ائمہ کرام کا کمیٹیوں کے ساتھ بہتر سلوک

۱۔ committee سے الجھنے کی ہرگز غلطی نہ کریں Committee کو سمجھیں، وہ منتظم مسجد ہیں، وہ .management ادارہ ہے، آپ جس ادارے میں پڑھاتے ہیں اس کے احسانات اور خوبیوں کا اعتراف ضروری ہے، مناسب تعریف کر دیں، صاحب دل آدمی بھی کیوں نہ ہو مگر تعریف سے متاثر ہوتا ہے، ان کے احسانات کو گنائیں، ان کی برائیوں کو نہ اچھالیں، جیسی اچھی committee ہم دیکھنا چاہتے ہیں اگر ہم کمیٹی میں ہوں تو ویسے اچھے نہ بن سکیں، اگر بن سکتے ہیں تو فی الحال جس عہدے پر ہیں وہاں اچھے بن کر دکھائیں۔

۲۔ کمیٹیوں کو ہنگامی پروگرام میں آگے آگے رکھیں، یہ لوگ عہدے کے طالب ہوتے ہیں، جہاں عہدہ ملا تو خوش ہو جاتے ہیں، اس لئے اعزازی کاموں میں کمیٹی کے احباب کو مقدم کریں، جیسے جلسہ کی صدارت، زیرِ انتظام کمیٹی، بذریعہ معاونت فلاں مختلف موقع پر ان کی خدمات کو سراہنا وغیرہ، اسلام میں بھوکوں کھانا کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا سنت ہے، بعض لوگ عہدے اور تعریف کے بھوکے اور ''سلام'' کے پیاسے ہوتے ہیں، انہیں تعریف کے چند لقمے اور ''سلام'' کے چند گھونٹ پلا دینا چاہئے، جس سے ان کی بھوک اور پیاس مٹ جائے۔

۳۔ کمیٹی کے افراد کی اکابرین سے ملاقات کروانا، اکابر کو مسجد لا کر ان سے ملانے کے بجائے انہیں اکابرین کی خدمت میں لے جانا، ان کے ذریعہ نصائح، دعائیہ کلمات، خدمات کا اعتراف وغیرہ ہونے سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اکابرین سے مصارفِ مسجد کی ترجیحات کا علم نصیب ہوتا ہے، کہ مسجد کے پیسہ کس کام پر زیادہ خرچ کرنا ضروری ہے۔

۴۔ کمیٹی کے احباب سے بھی کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو جائے تو مجمع میں، جمعہ میں

مخاطب کرنے کے بجائے تنہائی میں سمجھائیں،بالواسطہ سمجھائیں،ان کی حیثیت عرفی کالحاظ رکھیں،عزتِ نفس کو مجروح کردینے والا جملہ یا موقع تلاش نہ کریں،دل کو چھلنی کردینے والی زبان سے مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

۵۔کمیٹی کے سامنے تنخواہ کی تحقیر نہ کریں،کہ تم تنخواہ دیتے ہی کتنی ہو کہ بات کرنے چلے ہو، وغیرہ،جب متعنہ تنخواہ پر خدمت کے لئے راضی ہو چکے تو اجارہ کا معاملہ مکمل ہوگیا،پھر اجیر کو بار بار چھینٹے مارنے کی اجازت کہاں سے ہوگی؟۔

۶۔کسی نماز کی غیر حاضری کرنا ہو تو پیشگی اطلاع کردیں،تاکہ بروقت وہ انتظام کرسکیں یا خود ہی انتظام کرجائیں،بعض مرتبہ اطلاع ایسے وقت ہوتی ہے کہ متبادل ملنا دشوار ہوجاتا ہے،جیسے ایک خطیب صاحب اپنے جمعہ میں نہ آنے کی اطلاع 12:45 پر کرنے کی عادت بنالی،خواہ کتنی ہی باریکیوں نہ سمجھائیں،کیا یہ مناسب حرکت ہے؟ پندرہ منٹ میں کون متبادل ملے گیں؟۔

دلوں میں اعتماد پیدا کریں

انتظامیہ ومقتدیوں کے دلوں میں علم وعمل بٹھانے کی ضرورت ہے،آپ کی عملی زندگی اتباع سنت والی ہو تو وہ عمل کو سنت پر محمول کریں گے،خود صغریٰ کبریٰ ملاکر جواب دیں گے،مسجد میں کان پر موبائل ہو تو وہ تاویل کریں گے کہ کسی کو کوئی مسئلہ بتارہے ہوں گے؟ اگر سنت نہیں پڑھی تو سمجھ لیں گے کہ سنت گھر پر پڑھ کر آئے ہوں گے؟۔

اچھا دکھنے سے زیادہ اچھا بننے کی فکر کریں

آج مشکل یہ ہے کہ لوگ اچھے بننا کم چاہتے ہیں مگر اچھے دکھنا زیاد چاہتے ہیں،یہ بھی تو اچھا پن یہ ہے کہ برے آدمی کو بھی لے کر چلیں،کسی بھی مسجد کی committee اللہ والوں کی نہیں ہے،وہ سب خلفاء راشدین نہیں ہیں،تو پھر کیسے توقع رکھیں گے کہ ان سے کوئی غلطی

نہیں ہوتی، جب وہ عوام کی committee ہے اور وہ بھی جاہل قسم کے لوگ ہیں ان سے زیادہ اچھی توقع رکھنے کی ضرورت نہیں، جو کچھ بھی ہو رہا ہے غنیمت ہے، ان کے بعد ان سے برے ہی آئیں گے، کیونکہ زمانہ تنزلی کا شکار ہے، اور ہر کام وفرد میں تنزلی ہے، غیروں کی طرف سے کچھ بھی cases ہو تو سنبھال لیتے ہیں، میری ذمہ داری ہے کہ یہاں اپنے اخلاق سے اپنی محنت سے اپنا (ground) میدان بنالوں کہ بعد میں یہ کمیٹی مجھ سے پوچھ کے چلے، ساس بہو جیسا معاملہ نہ ہو، بہو تھی تو ساس بُری لگی اا ور ساس بنی تو بہو بُری لگی، اچھی کمیٹی بنانے کے لیے اچھے امام بن کر دکھائیں، اس کے لیے غیر متعلق اور غیر ضروری امور میں نہ پڑیں، committee کے لوگ داڑھی نکالتے ہیں Committee کے لوگ شراب پیتے ہیں Committee کے لوگ سود کھاتے ہیں، تو سب کے لیے جو بیان ہے وہ committee کے لیے بھی ہے، مینجمنٹ سے کسی بھی طریقے سے الجھیں گے تو محنت کا میدان تنگ ہو جائے گا یا بالکل ختم ہو جائے گا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی امامت میں مروان کے فیصلہ ہوتے تھے۔

ضابطہ کے بڑے کا احترام کریں

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ضابطے کے جو بڑے ہیں وہ حقیقت میں بڑے ہوں یا نہ ہوں ان کا احترام کریں، آپ لوگ پڑھے ہیں کہ ہیں آل اور اہل دونوں میں فرق ہے، آل کا لفظ وہ شرافت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اہل کا لفظ سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، شرافت میں آلِ رسول بھی کہا جاتا ہے آلِ فرعون بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ آلِ رسول اخروی لحاظ سے شرافت میں ہے، آل فرعون دنیاوی لحاظ سے، اسی طرح کمیٹی کو دنیاوی لحاظ سے مقام حاصل ہے اسکا احترام کریں، committee کو اللہ نے ظاہری طور پر جو منصب دیا ہے، اگر آپ public میں انہیں شرمندہ کردیں گے تو وہ برداشت نہیں کر پائیں گے۔

Committee کی جو جو خدمتیں ہوتی ہیں وقتاً فوقتاً اس کو سراہتے رہیں، ماشاء اللہ

پہلے مسجد میں وضو خانہ صحیح نہ تھا، اب ٹھیک ہے، وغیرہ، اگر committee آپ کو تنخواہ وقت پر نہ دے تو پریشانی ہے، تنخواہ بڑھا دے تو کتنی بار شکریہ ادا ہوا؟ ہمارا فریضہ شرعی ہو، ناشکری کرنا یا مسجد کے management کی غلطیوں کو عوام میں اچھالنا شرعی ہے؟ اپنی ذمہ داری کو شرعی حدود میں رکھیں۔

انتظامیہ کو ان کا مقام دینا چاہئے، ''کبر و کبر ائکم'' انتظامیہ کی اطاعت نہ کرنے سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے، استغناء اور تکبر میں بہت فرق ہے، نفس کی نگرانی جتنی ہونا ہے اتنی ہم سے نہیں ہو پاتی ہے، ظاہری آداب کی رعایت میں ہی عافیت ہے۔

ابوالحسن خرقانیؒ کا واقعہ

ایک مرتبہ ابوالحسن خرقانیؒ کے مرید خانقاہ کی صفائی کر رہے تھے، دھول اور گرد اڑ رہا تھا، ایک مرید آپ کے بالوں کو کنگھی کر رہا تھا، اتنے میں سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ حضرت کی خانقاہ میں آئے، حضرت اس حالت میں سر جھکائے بیٹھے ہیں، مرید آ کر عرض کی حضرت! بادشاہ سلامت سلطان محمود غزنوی خانقاہ میں تشریف لائے ہیں، آپؒ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ''نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر''۔ اچھا بادشاہ وہ ہے جو فقیروں کے پاس چل کر آئے اور برا فقیر وہ ہے جو بادشاہوں کے دروازے پر جائے، کہا: آنے دو! سلطان آ کر ملاقات کی، ہدیہ دیا تو آپؒ نے قبول نہیں فرمایا: دوبارہ عرض کی دوبارہ انکار کر دیا، جب اس نے اصرار کیا تو آپؒ نے ایک مرید سے کہا کہ خشک روٹی لاؤ، وہ لایا آپؒ نے بادشاہ سے کہا کہ اسے کھاؤ جب اس نے ایک لقمہ توڑا اور منہ کے اندر ڈالا تو منہ میں چلا گیا لیکن حلق سے نہیں اتر رہا تھا، گلے میں پھنس گیا، آپؒ نے پوچھا کیا بات ہے؟ سلطان نے کہا کہ گلے سے نہیں اتر رہا ہے، آپؒ نے فرمایا اسی طرح آپ کی تھیلی میرے گلے میں پھنسی ہوئی ہے وہ نیچے نہیں اتر سکتی، سلطان محمود غزنوی آپ رحمہ اللہ کی محفل میں بیٹھے، محفل کے اثرات مرتب ہونا شروع ہوئے دل سے نخوت، عجب، کبر اور بڑائی مٹنے

لگی اور دل میں عاجزی انکساری پیدا ہونے لگی صحبت ولی کا اثر ظاہر ہوا، جب واپس ہونے لگے تو خواجہ ابو الحسن خرقانی رحمہ اللہ نے اٹھ کر رخصت کیا کسی نے پوچھا کہ جب آئے تو نہیں اٹھے جب گئے تو آپ اٹھے؟ فرمایا جب وہ آیا تو خود کو بادشاہ سمجھ کر آیا دل سے تکبر چھلک رہا تھا (دنیا کی عظمت لے کر آئے تھے) اور جب رخصت ہونے لگا تو عاجزی پیدا ہو چکی تھی (دین کی عظمت پیدا ہو چکی ہے)۔

مگر ہم اس قدر تربیت پائے ہوئے نہیں ہیں کہ باطن کو جھانک کر اس کے مطابق معاملہ کریں، اس لئے ظاہری ضوابط کی پابندی ہو جائے تو ہی بہتر ہے۔

کمیٹی کی بات ماننے کا حکم

کمیٹیوں کی جائز امور میں اطاعت کرنی چاہئے، جب حاکم وقت ظالم بھی ہو تو جائز امور میں اطاعت لازم ہے، یہی حکم کمیٹی کا ہے، کمیٹیوں کو اکابر کی صحبت میں لے جاتے رہنا چاہئے، اکابر کی توجہات اور دعا سے بہت سے مسائل آسانی سے حل ہو جاتے ہیں، اُن سے جڑ کر کام کرنے میں سہولت ہوتی جو ہمارے اکابر سے جڑ گیا، ہم کو اس وقت تک کمیٹی کے ساتھ رہنے میں عافیت ہوتی جب تک وہ حق پر اور اکابر کے ساتھ ہیں۔

دراصل امام اور کمیٹی کے آپسی تعلق کی دو جہتیں ہیں: ایک مقام ومرتبہ، دوسرا انتظام، کمیٹی انتظامی لحاظ سے امام سے فوقیت رکھتی ہے اور امام مقام ومرتبہ کے لحاظ سے عظمت کا حامل ہے، اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ ''جس طرح اسمبلی کے اجلاس میں وزیر اعظم اور دیگر ارکانِ حکومت بھی نیچے بیٹھے ہوتے ہیں، جبکہ اسپیکر پوری اسمبلی کے اجلاس کو سنبھالتا ہے، دورانِ اجلاس وزیر اعظم بھی اسپیکر کا ماتحت ہوتا ہے، مگر جہاں ملکی امور کا تعلقات ہو تو اس میں وزیر اعظم خود مختار ہوتا ہے، اسپیکر کو بھی وزیرِ اعظم کی سننی پڑتی ہے، اسی طرح مسجد میں نماز باجماعت اور تعلیمی امور کے موقع پر امام قوم سے آگے ہوتا ہے مصلی ومتولی بھی پیچھے کھڑے رہتے ہیں، لیکن انتظامی امور میں متولی وصدر امام کے تابع نہیں رہتے ہیں'' ائمہ کرام کی

مثال وزیراعظم کی ہے، صدر کی مثال اسپیکر کی ہے، ہر شخص اپنے اپنے حدود میں رہ کر کام کرلیں تو حتی الامکان جھگڑے نہیں ہوں گے۔

مسجد کے انتظامی معاملات میں دخل نہ دیں جب تک کہ دخیل بنایا نہ جائے، اسی میں ہمارے لئے عافیت ہے، کوئی ایسا کام نہ ہو جس سے انتظامیہ کو اپنے عہدے کا خوف لاحق ہو جائے۔

اتنی بات طے کرلیں کہ ہم جس ذمہ داری میں قدم رکھ رہے ہیں، قدم رکھنے سے پہلے اپنی اہلیت اور ذمہ داروں کی عادت کو پہچان لیں، کہ میرے مزاج وعادت اور صلاحیت کے ساتھ کیا کمیٹی سے نبھ سکتا ہوں یا نہیں؟ بلا سوچے سمجھے شکایتوں کا بازار گرم نہ کریں، اور نہ ہی اپنے کو ذلت کے موڑ پہ لے آئیں۔

انتظامی امور میں دخل نہ دیں

نائب امام مقرر کرنے کی ذمہ داری کمیٹی کی ہے اگر کمیٹی نہ ہو تو مسجد کے مصلیوں کو تقدم حاصل ہے، تنخواہ دار امام کو کمیٹی ومقتدیوں کی رائے کے خلاف نائب مقرر کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔(۱) لہٰذا نائب امام یا مؤذن کی تقرری میں امام دخل نہ دے، رائے لی جائے تو رائے دیدے، اگر رائے نہ لی جائے تو کمیٹی کی مخالفت نہ کرے کہ میں پچیس سال سے امام ہوں، میری مرضی کے بغیر کوئی نائب یا مؤذن کیسے مقرر ہو سکتا ہے، یہ انتشار اور فتنہ پروری شمار ہوگی۔

(۶) ہوٹل بازی سے اجتناب کریں

ائمہ حضرات ہوٹل بازی نہ کریں، عام لوگ فجر کی نماز ہوتے ہی ہوٹل پر کھڑے ہو کر چائے پیتے نظر آتے ہیں، امام صاحب بھی ان کے ساتھ سڑک پر کھڑے چائے پینے لگیں تو

(۱) مستفاد: کفایت المفتی: ۳/ ۸۳

وقار مجروح ہوتا ہے، اگر چہ بازار میں کھانا ہلکے پن کی نشانی ہے (حدیث لفظاً موضوع ہے معنیً صحیح ہے، البتہ اتنی بات طے ہے کہ) فقہاء نے اس آدمی کی گواہی کو رد کر دیا ہے جو بازار میں کھاتا ہے۔ ''فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص شدید مجبوری کے بغیر بازار میں لوگوں کے سامنے کھانا کھاتا ہے تو اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔'' ولاتقبل شهادة من يفعل الأفعال المستحقرة كالبول على الطريق والأكل عليها، كذا في الهداية ، وكذا من يأكل في السوق بين الناس، كذا في السراج الوهاج''(۱)

امام بھی عوام کے برابر ہوٹلوں میں کھا رہے، یہ ہلکے پن کی بات ہے، کوشش تو ہو کہ ہوٹل کے اشیاء بلا ضرورت استعمال ہی نہ کریں، اس سے روحانیت بہت متاثر ہو جاتی ہے، اگر ضرورت ہو تو گھر پر منگوا کر، مسجد میں منگوا کر کھائیں، لیکن ہوٹل پر نظر نہ آئیں، ایک شہر میں امام صاحب کے بارے میں کہ لوگوں کے دل میں ان کی عقیدت کے وجوہات میں سے اہم وجہ یہ ہے تھی کہ جب سے وہ امام بنے ہیں اس وقت سے آج تک امام صاحب کو تقریبا چالیس سال ہو گئے کبھی کوئی شخص ہوٹل میں نہیں دیکھا، ہوٹل بازی سے عوام کا مزاج بھی بگڑ جاتا ہے، ہوٹل میں گانے اور قوالی یا گالیوں کی آواز آتی رہتی ہے، چائے اور ناشتہ کا انتظار کرتے ہوئے غیبتیں اور ہنسی مذاق ہو جاتا ہے، انتظار میں وقت بھی برباد ہوتا ہے۔

جن علما کی زبانوں پر اسلاف واکابر اور تحقیقات کے تذکرے ہونے تھے، اب ان کی زبانیں وہ سب بھلا چکیں، پکوڑے والے کی تعریف میں رطب السان ہیں کہیں پوری، پکوڑی، کچوری، سموسے کی تعریف ہے۔

ہوٹلوں کے کھانے کیسے ہوتے ہیں؟

دکاندار دنیا کی گندی اور غلیظ ترین چیز اس پوری، کچوری اور پکوڑی میں ملاتا ہے، بعض نالائق دکاندار اپنی مصنوعات میں گائے، بیل، بھینس اور گھوڑے وغیرہ کا گوبر اور لید ملاتے

(۱) الفتاوی الہندیۃ: ۳/ ۴۶۸

ہیں، اور ہاتھ کی اتنی صفائی دکھاتے ہیں کہ آپ کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلتا کہ کیا کمال کرگیا ہے، بعض دکانداروں گائے کا پیشاب ضرور ملاتے ہیں اب یہ بھی سنا و دیکھا جارہا کہ گوبر بھی ملانے لگے۔

ہمارے بڑے پہلے سے ہی بازار کی بنی چیزیں کھانے سے منع کرتے رہے ہیں اور اب تو تمام ڈاکٹر بھی بازاری چیزیں کھانے سے منع کررہے ہیں۔

''آج کل بازار میں ملنے والے زیادہ تر کھانے مضر صحت ہوتے ہیں اس کا واضح ثبوت فوڈ اتھارٹی کے حالیہ چھاپے ہیں جو معروف ہوٹلوں پر مارے گئے اور پتہ چلا کہ یہاں نہ صفائی کا بہتر بندوبست ہے اور نہ ہی معیاری کھانے مہیا کئے جاتے ہیں اس کے علاوہ کئی کئی دنوں کی باسی اشیاء کو کھانوں میں استعمال کیا جاتا ہے کھانوں کو مزیدار بنانے کے لئے ایسی اشیاء کا استعمال کیا جاتا ہے جو انسانی صحت کے لئے مضر ہیں''۔

بازاری کھانے کی نحوست

حضرت خواجہ معصوم سرہندی بچے تھے، ان کے والد حضرت مجدد الف ثانی مسجد کے اندر اپنے مریدین کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے، خواجہ صاحب نے مسجد کے باہر کھیلتے کھیلتے اچانک کچھ نمازیوں کے جوتے سلیقہ سے دائیں جانب رکھے، بعض کے جوتے بائیں جانب سلیقہ سے رکھ دئے۔

مجدد صاحب جب مسجد سے نکلنے لگے تو سلیقے سے رکھے جوتوں پر نظر پڑی، بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جلدی سے ان جوتوں چپلوں کو آپس میں ملا دو، مریدین نے فوری تعمیل کی، لوگوں کو تجسس ہوا کہ معاملہ کیا ہے، کیونکہ بچے نے تو بظاہر ایک نیک کام کیا تھا بعد میں کسی موقع پر فرمایا کہ معصوم میاں نے جو جوتے چپل دائیں جانب رکھے تھے وہ جنتی لوگ تھے اور جن کے جوتے بائیں طرف رکھے تھے وہ اصحاب الشمال یعنی جہنمی لوگوں کے تھے اسی لئے میں فوراً آپس میں ملوا دیا۔

پھر ایک خط اپنے مرشد حضرت خواجہ باقی باللہ کو دہلی لکھا اور روداد بتا کر مشورے کے طالب ہوئے، حضرت خواجہ باقی باللہ نے بچے کو اپنے پاس بلالیا۔ کچھ دن اپنے پاس رکھا اور جب یقین ہوگیا کہ معصوم میاں کی پرانی کیفیت کشف ختم ہوگئی ہے تو واپس سرہند بھیج دیا۔

جب معصوم میاں سرہند پہنچے تو مجدد صاحب نے دیکھا کہ واقعی قوت کشفیہ ختم ہو چکی ہے، بڑا تعجب ہوا اور پھر جب کبھی مجدد صاحب نے اپنے مرشد گرامی سے پوچھا کہ حضرت آپ نے اس بچہ کی قوت کشفیہ کو ختم کرنے کے لئے کیا عمل کیا تھا؟

فرمایا: کچھ بھی نہیں بس جب بھی کھانا کھلایا تو بازار سے کھانا منگوا کر کھلایا کیونکہ یہ نحوست صرف بازاری کھانے میں ہوتی ہے کہ اس سے کشف وکرامات کی قوتیں سلب ہوجاتی ہیں۔

حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہ کا ارشاد ہے کہ جو لوگ بازاری کھانا کھانے کے عادی ہو چکے ہیں میرا جی چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں کی پٹائی کردوں۔

بہرحال اب آپ کی مرضی ہے کہ بازاری چیزیں کھا کر اپنی بہترین صحت کے ساتھ بدترین دشمنی کریں، اپنی روحانی قوتوں کا جنازہ نکالیں یا گھریلو چیزیں کھا کر روحانی قوتوں میں اضافہ کریں۔ وماعلینا الا البلاغ (۱)

(۷) رسومات والی تقریب میں شرکت نہ کریں

کتنا ہی مخالف ماحول کیوں نہ ہو بدعات کی محفل میں شرکت نہ کریں، عالم حق پرست کی شرکت اس بدعت کو پختہ کردیتی ہے، شرکت کے بعد نکیر کرنا دشوار ہوجاتا ہے، نیز رسومات والی تقریب میں ہرگز شریک نہ ہوں، یہ حکم شرعی بھی ہے، اخلاقی بھی، اخلاقی گراوٹ کی بات بھی۔ ''لستن کأحدمن النساء'' ازواج النبی ﷺ عام عورتوں کی طرح نہیں ہیں، اسی طرح وارثین انبیاء عام انسانوں کی طرح نہیں ہیں، کوئی بھی تقریب تحقیق کے بعد قبول کریں، آپ کا شریک ہوجانا حجت کے درجے میں سمجھا جاتا ہے کہ جب یہ سب حضرات آتے

(۱) بقلم: ناصر الدین مظاہری

ہیں تو ہمارا آنا کیا برا ہے؟ منکرات والی دعوت کو صاف انکار کر دیں، اگر وہ کمیٹی کا فرد بھی ہو اپنے شرعی اصول وضوابط پر کار بند رہیں، جب ہم دوسروں کی منکرات والی دعوت کو صاف بند کر دیں تو کمیٹی کا فرد بھی دعوت دینے کی جرأت نہیں کرے گا، پہلے ہی سے ذہن سازی کر لینا چاہئے، مسجد میں نکاح پڑھانے کی اہمیت پر کتنی ذہن سازی ہوئی، منکر پیدا ہونے سے پہلے مثبت طریقہ سے محنت کی جائے، یہ ہماری ذمہ داریوں میں سے ہے۔

رسومات والی تقریب میں شرکت کا شرعی حکم

ایسی تقریبات جو فی نفسہ تو جائز ہوں، لیکن ان میں غیر شرعی امور (مثلاً مخلوط اجتماع، بے پردگی، موسیقی وغیرہ) کا ارتکاب کیا جار ہا ہو ان میں شرکت کا حکم یہ ہے کہ اگر پہلے سے یہ بات معلوم ہو کہ تقریب میں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہوگا تو اس صورت میں ہر گز اس تقریب میں شرکت کے لیے نہیں جانا چاہیے، البتہ اگر مدعو شخص کوئی عالم ومقتدا ہو اور اسے امید ہو کہ وہ اس تقریب میں جا کر معصیت کے ارتکاب کو روک سکتا ہے تو اسے جانا چاہیے؛ تاکہ اس کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی گناہ سے بچ جائیں۔ اور اگر پہلے سے معلوم نہ ہو کہ وہاں کسی معصیت کا ارتکاب ہو رہا ہے، بلکہ وہاں جا کر معلوم ہو تو اندر جانے سے پہلے معلوم ہو جائے تو واپس لوٹ آئے، اندر نہ جائے، البتہ اگر اندر جا کر اس معصیت کو بند کرنے پر قادر ہو تو اندر جا کر اس معصیت کو بند کروا دے۔

اور اگر اندر داخل ہونے کے بعد معصیت کے ارتکاب کا علم ہو اور معصیت کو بند کرنے پر قدرت بھی نہ ہو تو مدعو شخص اگر عالم ومقتدا ہو تو وہ وہاں نہ بیٹھے، بلکہ اٹھ کر واپس چلا جائے، کیوں کہ اس کے وہاں بیٹھنے میں علم اور دین کا استخفاف (اہانت اور توہین) ہے، البتہ اگر مدعو شخص عام آدمی ہو تو وہاں بیٹھ کر کھانا کھانے کی گنجائش ہے۔ لیکن ایسی تقریبات جو بدعت اور کفار کی مشابہت ہونے کی وجہ سے فی نفسہ ناجائز ہوں (مثلاً تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ) تو ان میں بالکل بھی شرکت نہیں کرنی چاہیے، نہ عالم ومقتدا کو اور نہ ہی عام آدمی کو۔

چوں کہ صلہ رحمی اور قطع رحمی شرعی اصطلاحات ہیں، اس لیے صلہ رحمی وہ ہوگی جو شریعت کی نظر میں صلہ رحمی ہو اور قطع رحمی بھی وہی کہلائے گی جو شریعت کی نظر میں قطع رحمی ہو، لہٰذا اگر کوئی شخص شرعی حکم کے پیش نظر اس طرح کی کسی تقریب یا رسوم میں شرکت نہ کرے تو اسے قطع رحمی نہیں کہا جائے گا اور نہ ہی اسے قطع رحمی کا گناہ ملے گا، بلکہ ایمان کا تقاضہ ہونے کی وجہ سے اسے اس پر ثواب بھی ملے گا۔ (۱)

(۸) اپنی ذمہ داری میں کوتاہی نہ کریں

امامت صرف ذمہ داری کا نام نہیں بلکہ احساس ذمہ داری کا نام ہے، جو امامت اپنی احساس ذمہ داری کے ساتھ خدمت انجام دیتا ہے وہ پائے دار امام رہتا ہے اس لئے ائمہ حضرات کو چاہیے کہ جہری ہو یا سرّی نمازوں میں ہرگز کوتاہی نہ کریں، فجر کی نماز کی شکایت بالعموم ائمہ حضرات کے متعلق مساجد میں سنی جاتی ہے، معمولی بہانوں سے غیر حاضر یا دیر حاضر ہونا الٹا کمیٹی یا مصلیوں پر غصّہ کرنا شرعاً بھی درست نہیں ہے، درحقیقت امام پورے محلہ پوری بستی بلکہ پوری قوم کا پیشوا ہوتا ہے، پیشوا کی کوتاہی قوم کے حق میں بہت نقصاندہ ہوتی ہے حضرت بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے چار واقعات زندگی میں بڑے عجیب لگے، اس میں ایک واقعہ یہ ہے کہ ’’ایک مرتبہ دس بارہ سال کی بچی آرہی تھی اس کی بات نے مجھے حیران کر

---

(۱) ”رجل دعي إلى وليمة أو طعام وهناك لعب أو غناء جملة الكلام فيه أن هذا في الأصل لا يخلو من أحد وجهين: إما أن يكون عالماً أن هناك ذاك، وإما إن لم يكن عالماً به، فإن كان عالماً فإن كان من غالب رأيه أنه يمكنه التغيير يجيب؛ لأن إجابة الدعوى مسنونة قال النبي عليه الصلاة والسلام: إذا دعي أحدكم إلى وليمة فليأتها، وتغيير المنكر مفروض فكان في الإجابة إقامة الفرض ومراعاة السنة، وإن كان في غالب رأيه أنه لا يمكنه التغيير لا بأس بالإجابة؛ لما ذكرنا أن إجابة الدعوة مسنونة ولا تترك السنة لمعصية توجد من الغير، ألا ترى أنه لا يترك تشييع الجنازة وشهود المأتم وإن كان هناك معصية من النياحة وشق الجيوب ونحو ذلك؟ كذا ههنا۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۵ /۱۲۸، بحوالہ: دارالافتاء : جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتوی نمبر: 143909201200)

دیا' بارش ہوئی تھی' میں مسجد جارہا تھا اور وہ بازار سے کوئی چیز لے کر آرہی تھی جب ذرا میرے قریب آئی تو میں نے کہا کہ بچی ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا' کہیں پھسل نہ جانا تو جب میں نے یہ کہا تو اس نے آگے سے یہ جواب دیا' حضرت میں پھنس گئی تو مجھے نقصان ہوگا' آپ ذرا سنبھل کر قدم اٹھانا اگر آپ پھسل گئے تو پھر قوم کا کیا بنے گا؟ کہنے لگے کہ اس لڑکی کی بات مجھے آج تک یاد ہے اس لڑکی نے کہا تھا کہ آپ سنبھل کر قدم اٹھانا، آپ پھسل گئے تو پھر قوم کا کیا بنے گا؟ حاصل یہ کہ امامت کا منصب حضرت نبی اکرم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت کا منصب ہے اپنے کسی قول وعمل سے اس منصب جلیل کی پامالی کا سبب ہرگز نہ بنے۔

(۹) ذاتی دشمن پیدا نہ کریں

ہر مسجد میں کوئی نہ کوئی انگلیاں کرنے والا رہتا ہے، ہرگز یہ توقع نہ رکھیں کہ ہماری مسجد میں کوئی بھی ایسا شریف بندہ نہیں ہے، ہر جگہ کوئی نہ کوئی انگلی کرنے والا رہتا، اس سے الجھنا نہیں چاہئے، ذاتی طور پر اس سے تعلقات استوار کریں، اس کے دوست کو پکڑ کے اس کی ذہن سازی کریں، ہم الجھنے کے چکر میں نہ رہیں ہم اس سے الجھیں گے تو ہمارے خلاف ایک محاذ شروع کر لیتا ہے، ایک سے دو، دو سے چار، چار سے پانچ لوگوں کی پوری ایک ٹیم بنالیتا ہے، اب ہر ایک کو ایک ایک عیب کی تلاش میں لگا دیتا ہے، امام کیا کیا کر رہے ہیں نوٹ کرتے رہو، بعد میں ہر خوبی کو عیب بنا کر بیان کیا جائے گا۔

(۱۰) تعویذات کو اپنا مشغلہ نہ بنائیں

امام تعویذ گنڈے کا کام نہ کرے، اگر یہ کرنا شروع کرلیں گے تو چند دن کے بعد حق بولنے کا جذبہ ختم ہو جائے گا، تعویذات کی فیلڈ میں جھوٹ بہت زیادہ ہے، کیسے کہہ سکتے ہیں فلاں کے اوپر جادو ہے اور فلاں نے کروایا ہے، کیا دلیل ہے؟ یہ فن ظنیات میں سے ہے، یقینیات میں سے نہیں ہے، جنات کے خبر دینے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جنات کی گواہی

معتبر نہیں، عامل جو بھی بول رہے ہیں وہ سب وہم وگمان ہے، اگر کوئی مجبور شخص ہو تو اس کو قرآنی آیات دم کر کے دیدیں، حضرت تھانویؒ کے اعمال قرآنی میں سے وظیفے دے دیں، وظیفے فرض نماز کے بعد پڑھنے کی تاکید کریں، اللہ تعالی اس کی برکت سے شفا دیدیں گے، اگر کوئی جان پہچان میں ایسا بااعتماد عامل ہو جو حرص ولالچ کے بغیر صحیح علاج کرتا ہو تو اس کا حوالہ دیدیں، اور ہر بار اعتماد حاصل کر کے دیں، جس کا حوالہ دیں وہ آئندہ بھی مخلص ہونا ضروری نہیں ہے، لیکن خود عامل نہ بنیں، جو عامل بن گیا وہ عوام کی نظر میں دنیا پرست شمار ہو گیا، لوگ اس سے دینی وعلمی فائدہ اٹھانا چھوڑ دیں گے، لوگ ان سے مسائل نہیں پوچھیں گے؛ بلکہ مسائل بیان کریں تو اعتماد بھی نہیں کریں گے، علاوہ ازیں رہتے رہتے اپنا دین بھی برباد ہو جاتا ہے، یہ راستہ پُرخطر ہے، بہت کم عامل مخلص پائے گئے ہیں۔

تعویذات کا نقصان

تعویذات کی وجہ سے آدمی عالم اور مفتی کی شریعت سننے تیار نہیں، بس عامل کا وظیفہ جپ رہے ہیں، فرض میں کوتاہی ہوتی ہے، حرام وشرک سے توبہ نہیں؛ مگر وظائف جاری ہیں، اس میں ہماری طفل تسلی کا بھی اس میں دخل ہے، آج مسلمان فرائض کا اہتمام نہیں کرتا، حرام سے اجتناب نہیں کرتا، بلکہ پریشانی آنے پر عامل پر جتنا یقین کرتا ہے اس کا نصف بھی خدا وشریعت پر یقین نہیں کرتا، شریعت کا کوئی حکم ماننے تیار نہیں، عالم صاحب کی ایک بھی نہیں سنے گا، عامل صاحب کی ہر بات سنے گا، پیر پڑے گا، دسیوں تعویذ لٹکائے گا، ہزاروں تسبیح جپے گا، خود بتائیں! حرام کمائی پیٹ میں جانے کے بعد آپ کی تعویذ اثر کرے گی؟ بیوی پر ظلم، پڑوسی پر ظلم، والدین کا نافرمان، وراثت میں لوٹ مار، کے بعد کوئی وظیفہ اثر کرے گا؟ آخر کیوں فرض سے ہٹا کر فرضی امور میں مبتلاء رکھا جائے، اعمال سے ہٹا کر وظائف میں مبتلاء رکھا جائے۔

اگر غیر مسلم سادو وغیرہ کے پاس جانے سے بچانے کی غرض سے دینا پڑے تو نمازوں

کے بعد پڑھنے کی تاکید کر کے وظائف دیں۔

حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: عملیات سے نہیں بلکہ اپنے عمل صالح سے نفع پہنچائیں، حضرت قاری امیر الحسن صاحبؒ فرماتے تھے" عاملین کو نہیں کاملین کو تلاش کریں"، اکابر نے عملیات کو شریعت تک رسائی کا ذریعہ بنایا تھا، عملیات کو مقصود نہیں بنایا تھا۔

عملیات اور اعمال کے اثرات کا فرق

عملیات کے بجائے اعمال میں پختگی ہو تو چھوٹا ساذکر بھی بہت اثر کر جاتا ہے،" امام احمدؒ ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھے تھے، اس اثناء میں خلیفہ متوکل کی طرف سے ایک آدمی آیا اور ان سے کہنے لگا: امیر المومنین کے گھر میں ایک لڑکی ہے، جس پر جن کا اثر ہے تو انہوں نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے کہ آپ اس کے لیے عافیت کی دعا کریں۔

امام احمدؒ نے اس کو لکڑی کے بنے ہوئے جوتے دے دیے اور اس سے فرمایا کہ یہ جوتے امیر المومنین کے گھر لے جاؤ اور اس لڑکی کے سرہانے بیٹھ کر جن سے کہو: " کہ تجھے احمد کہتا ہے دو چیزوں میں سے ایک چیز پسند کرلو، یا اس لڑکی کو تکلیف دینا چھوڑ دے اور نکل ہو جاؤ! ورنہ دوسری صورت میں میرے جوتے کھانے کے لیے تیار ہو جاؤ" یقول لک احمد ایما احب الیک تخرج من هذه الجارية أو أصفع الآخر بهذه النعل" تو وہ آدمی جوتے لے کر لڑکی کے پاس چلا گیا اور اس کے سرہانے بیٹھ کر جن سے اسی طرح مخاطب ہوا جس طرح امام احمدؒ نے فرمایا تھا، تو جن نے لڑکی کی زبان میں کہا کہ" میں احمد کی بات مانتا اور ان کی فرمابرداری کرتا ہوں۔ "السمع و الطاعة" اگر وہ ہمیں حکم دیں کہ اس پورے عراق سے نکل جاؤ تو ہم عراق سے بھی نکل جائیں گے، اس لئے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرتے ہے، پھر اس نے اس لڑکی کو تکلیف دینا چھوڑ دیا اور نکل گیا، لڑکی ٹھیک ہو گئی اور اس کی شادی ہوئی اولاد بھی ہوئی۔

جب امام احمدؒ کا انتقال ہوا تو وہ جن پھر لوٹ کر لڑکی کو تکلیف دینے لگا، امیر المؤمنین متوکل نے امام احمدؒ کے شاگردوں میں سے حضرت ابو بکر مروزی کو بلایا تو وہ ہی جوتے لے کر حاضر ہوئے اور جن سے کہا: ''نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں اس جوتے سے ماروں گا'' تو جن نے کہا: ''نہ میں تیری بات مانوں گا اور نہ میں نکلوں گا، جہاں تک احمد بن حنبلؒ کی بات ماننے کا تعلق ہے، انہوں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو ہمیں بھی ان کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا۔(۱)

پریشان حال مقتدیوں کی آمد اور جنات وجادو سے بچنے کی تدبیر

بہت سے لوگ ائمہ حضرات کے پاس اپنی مختلف پریشانیاں لے کر آتے ہیں، چوں کہ ہمارے معاشرے میں چند دونوں تک بیمار رہنے کی بنا کر پر فوراً کوئی صاحب صاحبہ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر اثرات ہیں ۔۔۔۔کسی نے جادو کروادیا ہے ۔۔۔۔اور جب آدمی کے ذہن میں پر ایک چیز سوار ہوتی ہے تو باہر کی دنیا میں اس کو وہی چیزیں نظر آتی ہیں مثلاً ایسے ڈرپوک و بزدل شخص کو گندے انڈے، یا تازہ گوشت اچانک گھر کے باہر نظر آگیا تو وہ یقینی طور پر سمجھتا ہے کہ ہاں اب تو مجھ پر جادو ہو چکا ہے ۔۔۔۔ یا جنات ہیں ۔۔۔۔ یا سلفی، بھوت ۔۔۔۔۔وغیرہ ہے۔

ائمہ حضرات خود بھی اور ایسے آنے والے مریضوں کو بہادر بنائیں ایمان مضبوط کروائیں کہ جن، جادو یہ سب مخلوق ہے، مؤمن مخلوقات سے نہیں ڈرا کرتا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنگل کے درندے، سانپ، بچھو وغیرہ موذی جانور سے بھی نہ ڈرے، فتح افریقہ کے بعد عقبہ بن نافعؒ جنگل کے جانوروں کو خطاب کر رہے ہیں۔

اے سانپ اور درندو! ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں اس لیے تم یہاں سے چلے جاؤ اس کے بعد تم میں سے جس کو بھی پائیں گے قتل کر دیں گے۔''

(۱) تحفۃ الائمہ: ۱۳۶، بحوالہ: طبقاتِ حنابلہ: ۱/ ۲۳۳

لوگوں نے حیرت ناک منظر دیکھا کہ شیر، بھیڑیئے اور سانپ اپنے بچوں کو اٹھائے غول درغول بھاگے جا رہے ہیں، یہ دیکھ کر دشمن کی قوم ''بربر'' کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔(۱)

یہ دراصل وہم کا جادو ہے

ائمہ حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ ''آسیب کا علاج'' فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحبؒ کا وعظ مطالعہ ضرور کریں۔

حضرتؒ اس وعظ میں فرماتے ہیں: درحقیقت یہ آج کے مسلمان پر نافرمانی کا وبال ہے، جنات کے وجود کا انکار نہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی انسان پر ان کا تسلط ہو مگر وہ تو شاذ و نادر ہزاروں لاکھوں میں کسی پر ہو تو ہو یہ گھر گھر جن کہا سے آ گئے؟ یہ نافرنیوں کا وبال ہے، جسے اپنے اور جنات کا شک گزرے اسے چاہیے کہ نافرنیوں کو چھوڑ دے تو بہ استغفار کرے۔(۲)

---

(۱) ''عَن يحيى بن عَبْد الرَّحمن بن حَاطِب قَالَ: لما افْتتح عقبَة بن نَافِع أفريقية وقف عَلى القيروان فَقَالَ: يَا أهل الْوَادي، إِنَّا حالُّون إن شَاءَ الله فاظعَنوا، ثَلَاث مَرَّات. قَالَ: فما رَأينَا حجرا وَلَا شَجرا إِلَّا يخرج من تحتهُ دَابَّة حَتَّى يهبطن بطن الْوَادي، ثمَّ قَالَ: انزلوا بِسم اللهَّ'' جب حضرت عقبہ بن نافع رحمہ اللہ تعالی نے افریقا فتح کیا تو انہوں نے قیروان میں ٹھہرنے کا ارادہ کیا (تو انہوں نے) آواز لگائی: اے بستی میں بسنے والوں! آج ان شاء اللہ ہم یہاں ٹھہریں گے تم یہاں سے کہیں اور کوچ کر جاؤ، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ہر ہر درخت اور پتھر کے نیچے سے جانداروں کو نکلتے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ وہ وادی کی نشیبی زمین کی طرف اتر گئے، پھر انہوں نے کہا: اللہ کا نام لے کر پڑاؤ ڈال لو۔(تاریخ خلیفۃ بن خیاط، مؤسسۃ الرسالۃ - بیروت ۱۳۹۷ھ، تحقیق: أکرم ضیاء العمری، غزو أفریقیۃ...، ۲۱۰)

حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ'' میں اس واقعہ کی سند کو حسن کا درجہ دیا ہے: ''وروى خليفةُ بإسناد حسن أنّ عقبة لما افتتح إفريقية وقف على القيروان فقال...: إلخ'' (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، الحافظ ابن حجر، دار الکتب العلمیۃ - بیروت، الأولی، ۱۴۱۵ھ، ترجمۃ عقبۃ بن نافع بن عبد القیس: ۵/۵۰) لہذا واقعہ کی صحت کے پیش نظر اس کو ذکر کرنا درست ہے۔

(۲) آسیب کا علاج: ۳۶

دوسری جگہ حضرتؒ فرماتے ہیں :

ایک بات بہت عجیب ہے کہ ان عاملوں کو کسی بھی نوعیت کی تکلیف بتائیں کوئی جسمانی مرض ہو۔۔۔معاشی پریشانی ہو۔۔۔۔کوئی گھریلو ناچاقی ہو۔۔۔۔کچھ بھی ہو ان کی تشخیص ہر ایک کے بارے میں یہی ہوگی کہ کسی نے سلفی کر دیا ہے۔۔۔۔ بندش لگا دی ہے ۔۔۔۔اور اتنے اتنے جن ہیں۔ مجھے ان لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جو ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے دانش قسم کے لوگ عاملوں کے سامنے ایسے احمق بن جاتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہہ دیں ان کی طرف سے ''آمنا و صدقنا''اللہ کے بندو! کبھی ان بدعمل عاملوں کا امتحان بھی لے کر دیکھو۔(۱)

اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا چھوڑ دیں

جھگڑے ہوتے ہیں تو لوگ ان کے حل کے لیے تگ و دو کرتے ہیں زیادہ تر پیروں فقیروں کے پاس بھاگتے ہیں۔۔۔آپ پیروں کے آستانوں پر چلے جائیں آدھے سے زیادہ مرد وخواتین خاندانی جھگڑوں کو ختم کرانے کے لئے تعویذ و وظیفہ لینے آئے ہوں گے، ہماری سادگی کی بھی انتہاء ہے کہ ہم قرآنی آیات کے ورد کرنے، اور تعویذ لینے، وظیفے پڑھنے اور چلہ کاٹنے کے لیے طرح طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں، اگر کوئی پیر صاحب کہہ دیں کہ چالیس دن تک روزانہ آدھی رات کے بعد تم قبرستان جا کر فلاں وظیفہ پڑھو گے تو اولاد ہوگی تو اس کے لئے فوراً تیار ہو جائیں گے، لیکن اگر کوئی یہ کہہ دے کہ پانچ وقت کی نماز پڑھو ۔۔۔۔اپنے مالی کی زکوۃ دو۔۔۔۔تقویٰ اور پاکیزگی اختیار کرو۔۔۔۔۔حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرو۔۔۔جو مانگنا ہے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے دو رکعت پڑ کر مانگو تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔

آج کا انسان جب گھریلو پریشانیوں سے تنگ آتا ہے تو پیروں فقیروں کے پاس

---

(۱) آسیب کا علاج

بھاگتا ہے کہ وہ کوئی وظیفہ بتائیں، آپ خود بتائیے۔۔۔؟ آپ اہل علم ہیں پیر بتائے کہ روز ایک لاکھ مرتبہ ''یا عزیز '' پڑھنا ہے تو کیا اس طرح پڑھ لینے سے مسئلے کا حل ہو جائے گا؟ جب کہ گھر میں ٹی وی چل رہا ہے، عورتیں بے پردہ ہیں، حرام کی کمائی ڈھڑا دھڑ پیٹ کا ایندھن بن رہی ہے، منگنی اور شادی کی دعوت میں وہ بے حیائی جو اللہ کے غضب کو دعوت دے تو کیا وظیفے سے مسئلہ حل ہو جائے گا؟

صدقہ کا عادی بنائیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ کیا کرو! اس سے بلائیں اور بیماریاں دور ہوتی ہیں ۔(۱) لیکن ہمارے بھولے بھالے مسلمان کا عمل یہ ہے کہ وہ یتیموں مسکینوں اور غریبوں کو تو اپنے دروازے سے دھکے دے کر بھگا تا ہے جب کہ ایک تعویذ حاصل کرنے لیے عاملوں کی تجوریاں بھرنے تیار رہتا ہے یہ مسلمان کی سادگی نہیں کہ وہ قرآن کی آیتوں کو گھول کر پی گیا ،تعویذ بنا کر گلے کا ہار بنالیا، نئی دکان بنائی یا مکان تعمیر کیا تو برکت کے لئے سپارے پڑھوالیے، گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوگیا تو سورۂ یٰسین کا ورد کرالیا لیکن اگر کچھ نہ کرسکا تو قرآن کے پیغام پر غور وفکر نہ کرسکا۔(۲)

(۱۱) مجموعوں میں موبائل کا بے تحاشہ استعمال نہ کریں

عام مجموعوں میں موبائل کا استعمال نہ کریں .public place موبائل use نہ کریں، اس سے عوام کے دل میں بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے، فلاں صاحب ہمیشہ موبائل میں رہتے ہیں، کیا کرتے رہتے ہیں؟ کیا دیکھتے رہتے ہیں؟۔

اسی طرح موجودہ زمانے میں ایرفون کا استعمال سے بھی گریز کریں جو صحت کے اعتبار

---

(۱) ترمذی حدیث: ۶۶۴

(۲) بشکریہ ''خواتین اسلام'' (۷۰) جمادی اولیٰ ۱۴۲۵ھ

سے نقصاندہ اور شکوک وشبہات پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، حضرت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ: آج کے نوفارغ کالج کے طلبہ سے زیادہ موبائل میں لگے رہتے ہیں، اپنا واقعہ سنایا کہ دُبئی سے ایک نوجوان کے سوال پر واٹس ایپ میسیج سے رات بارہ بجے جواب دیا تو وہ شخص صبح فجر بعد دیکھا، جبکہ ایک عالم کو جواب دیا تو رات کے دو بجے فوراً دیکھ لیا، پتہ چلا کہ پڑھی لکھی عوام موبائل کے استعمال میں وقت کا لحاظ کرتی ہے، جبکہ اہلِ علم بے تحاشہ استعمال کرتے ہیں، پہلے تہجد پڑھنے والے سالک بھی عین تہجد کے وقت موبائل میں مصروف نظر آتے ہیں، مشائخ بیعت کے وقت جو توبہ کے کلمات پڑھاتے ہیں ان میں موبائل کے بے جا استعمال کے ترک سے بھی توبہ کے کلمات پڑھوانا پڑتا ہے۔

مسجد میں آنے سے پہلے ہی اپنا موبائل بند کردیں، جماعت خانے میں آنے تک موبائل کان سے لگا ہونا امام کی شان کے خلاف ہے۔

☆ بعض ائمہ کرام ومؤذنیں رات بھر فلم؛ بلکہ نامناسب اور گندے فلم دیکھ صبح مصلی پر نماز پڑھانے آجاتے ہیں، کس قدر افسوس کی بات ہے۔

☆ بعض ائمہ کرام فون کے ذریعہ گیم کھیلنے کے شوقین ہوتے ہیں، جس میں ضیاع وقت کے علاوہ تشبہ بالفساق بھی ہے۔

☆ بعض ائمہ کرام فون کے ذریعہ گانے سننے کے بھی عادی ہوجاتے ہیں۔

☆ بعض شارٹس دیکھنے کے شوقین ہیں، جن سے بدنظری کا گناہ عام ہورہا ہے۔

☆ فون کی وجہ سے بعض ائمہ کے ناجائز تعلقات کے واقعات بھی سامنے آئے ہیں۔

یہ سب ایسی باتیں ہیں جو اِس طبقہ سے تو امید نہیں کی جاسکتی تھی، مگر افسوس یہ شعبہ بھی محفوظ نہ رہ سکا۔

(۱۲) اپنے مصلی پر ہر کسی کو آگے نہ بڑھائیں

اپنے اہل علم دوستوں کی آمد پر انہیں مصلے پر نہ کھڑائیں یہ کہ کوئی بزرگ شخصیت ہو جس

سے نمازی بھی مانوس ہوں، ہر دوست وملاقاتی کے لئے مصلی چھوڑ دینے سے کمیٹی اور مقتدی دونوں بدک جاتے ہیں، کیونکہ انہیں آپ کے طریقۂ نماز سے انسیت ہو چکی ہو، مقتدی اپنے امام کے پیچھے دلجمعی محسوس کرتے ہیں، اپنے امام کے تعدیل ارکان سے واقف ہوتے ہیں، بعض مرتبہ نیا دوست نماز کے بعد جہراً دعا نہیں کرتا، جبکہ وہاں دعا کا معمول ہے، کبھی جہراً دعا کر دیتا ہے جبکہ وہاں معمول نہیں ہے، اسی طرح فاتحہ کہنے میں سابقہ پڑ جاتا ہے، اس لئے اپنے مقتدیوں کو کسی اجنبی کے حوالے نہ کریں۔

(۱۳) امامت سے معزولی پر غم نہ کریں

امام تو پیشوا ہوتا ہے اگر کبھی شرعی آداب کی پاسداری نہ کرنے کی وجہ سے معزول ہونا پڑے تو غم اور مسجد والوں کے خلاف الزامات سے بھرا خط یا مضمون لکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ دے، اگر ائمہ کرام ہنگامہ کریں گے تو مقتدیوں کو شرعی آداب سے کون روشناس کرائے گا؟ لہٰذا اگر امام کو معزول کرنے کا شرعی جواز موجود ہو تو ایسے امام یا خطیب کو فارغ کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے، اور اگر بلا وجہ نکال دیا جائے تو اللہ کا نظام ہے کہ بے قصور معزول کو پہلے سے بہتر جگہ مرحمت فرما دیتے ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ قوم کی امامت کراتے تھے تو (ایک دن) انھوں نے قبلے کی طرف تھوک دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں دیکھ رہے تھے، جب وہ نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازیوں سے فرمایا لَا يُصَلِّ لَكُم ''یہ (آئندہ) تمھیں نماز نہ پڑھائے'' پھر جب اس نے (اگلی) نماز پڑھانے کا ارادہ کیا تو نمازیوں نے انھیں منع کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے متعلق بتایا، امام صاحب نے (براہِ راست) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ''ہاں میں نے ہی یہ کہا تھا۔''(۱)

(۱) سنن أبي داود، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابٌ فِي كَرَاهِيَةِ الْبُزَاقِ فِي الْمَسْجِدِ، حدیث: ۴۸۱

معزولی پر بے وضو نمازیں پڑھانے کی خبر دینا

اگر کسی امام کو مقتدی بغیر شرعی غلطی کے امامت سے معزول کردیں اور امام غصے میں مقتدیوں سے یہ کہدے مجھے نکالتے ہو ٹھیک ہے مگر اپنی اپنی نمازوں کو دہرالینا کیونکہ میں نے سب نمازیں بغیر وضو پڑھائی ہے تو کیا مقتدیوں کو اب اپنی اپنی نمازوں کو دہرانا ضروری ہے؟ اگرچہ امام نے بغیر وضو نہ پڑھائی ہو۔

واقعی اگر امام نے غصہ میں کہا اور یہ حقیقت نہیں ہے تو نماز کے اعادہ کی حاجت نہیں لیکن اس کی تحقیق امام سے کی جائے کہ کیا واقعتا تم نے بے وضو نماز پڑھائی؟ اگر واقعی بے وضو نماز پڑھائی ہے تو نماز کا اعادہ ضروری ہے، کیونکہ نماز کے لئے طہارت ضروری ہے اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں؛ بلکہ جان بوجھ کر بے طہارت نماز ادا کرنے کو علماء کفر لکھتے ہیں اور کیوں نہ ہو کہ اس بے وضو یا بے غسل نماز پڑھنے والے نے عبادت کی بے ادبی اور توہین کی، نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جنت کی کنجی نماز ہے اور نماز کی کنجی طہارت، اور اگر امام نے غصے میں جھوٹ بات کہی ہے تو امام پر توبہ لازم ہے نماز کا اعادہ نہیں۔(۱)

---

(۱) امام مسلمان نہیں تھا، بغیر وضو کے نمازیں کے نماز پڑھاتا رہا) تو ایسی صورت میں چوں کہ امام بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا رہا یا باوضو ظاہر کرتا رہا اور مقتدی بھی امام کو مسلمان سمجھ کر یا اسے باوضو سمجھ کر اس کی دونوں حالتوں (یعنی کفر اور حدث) کے علم کے بغیر اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے، تو مقتدیوں پر اس عرصہ میں پڑھی جانے والی نمازوں کا اعادہ نہیں ہے، اس کا وبال نماز پڑھانے والے (امام) پر ہوگا۔ البتہ اگر علم ہونے کے بعد بھی کوئی نماز اس کی اقتدا میں پڑھی ہے تو اس کا اعادہ لازم ہوگا۔" (ويكره) تنزيهًا (إمامة عبد) ولو معتقًا، قهستاني. عن الخلاصة، ولعله لما قدمناه من تقدم الحر الأصلي، إذ الكراهة تنزيهية فتنبه (وأعرابي) ومثله تركمان وأكراد وعامي (وفاسق وأعمى) ونحوه الأعشى نهر (إلا أن يكون) أي غير الفاسق (أعلم القوم) فهو أولى (ومبتدع) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ... (وإن) أنكر بعض ما علم من الدين ضرورة (كفر بها) كقوله :إن الله تعالى جسم كالأجسام وإنكاره صحبة الصديق (فلا يصح الاقتداء به أصلًا) فليحفظ" (الدر المختار وحاشية ابن عابدين ، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۱/ ۵۵۹)

معزولی کے بعد بھی امامت پر جمے رہنا

امام مسجد کو متولی اور کمیٹی کے ممبران نے امام کی بعض نامناسب حرکات کی وجہ سے برخاست کر دیا، لیکن امام صاحب کا اپنے حامیوں کے بل پر امامت پر مُصر رہنا درست نہیں ہے، ایسے امام کی امامت مکروہ ہے، متولی کو اپنی ذاتی عداوت یا اَنا کی بنا پر معزول نہ کرنا چاہئے ورنہ سخت پکڑ ہوگی۔

خلاصۂ کلام

☆امام لایعنی گفتگو مذاق میں بھی نہ کریں۔
☆نماز مختصر مگر تعدیل ارکان کے ساتھ پڑھائیں۔
☆ہمیشہ اپنی خطاؤں پر نادم رہیں ☆اپنے کو مقتدی سے افضل و برتر نہ سمجھیں۔
☆ذاتی معاملہ کے لئے ضد نہ کریں ☆کسی عامی کی برائی پر برانگیختہ نہ ہوں۔
☆لباس پاک صاف اور خوراک مشتبہ مال سے پاک صاف رکھیں۔
☆وضع قطع اور چال چلن سے غرور کی جھلک پیدا نہ ہو۔
☆عوام کو اتہام کا موقع نہ دیں ☆کسی کی لگائی بجھائی کا شکار نہ ہوں۔
☆عوام کے رازوں کی حفاظت کریں ☆ کینہ کا مرض ہمارے اطراف بھی نہ بھٹکے۔
☆مسجد کا مال مالِ وقف ہے، جو زہر کے حکم میں ہے کبھی اپنی ذات کے لئے استعمال نہ کریں۔
☆عیب جو، فریب دہ، مغلوب الغضب، نفس پرست، اور فتنہ پرداز جیسے لوگوں سے نہ خود اجتناب کریں بلکہ اپنے اندر اس کا ذرہ بھی پیدا نہ ہونے پائے۔
☆کسی مادح کی مدح اور کسی ذام کی مذمت ہماری کیفیت میں تبدیلی کا ذریعہ نہ بنے۔

☆ دعا میں اپنی ذات کی تخصیص کرنے کی خیانت نہ کریں۔

☆ علم دوست احباب کو اپنے قریب رکھیں خواہ وہ غریب ہو کہ امیر۔

☆ ایسی جگہ امامت نہ کریں جہاں نماز کے باہر کی زندگی تنگ کر دی جاتی ہو۔

☆ اپنی امامت پر اختلاف ہو جائے تو مصلیوں کی آپسی مصالحت تک امامت قبول نہ کریں چونکہ ہم کسی ایک طبقہ کے امام نہیں ہیں۔

☆ جھگڑا، لعن طعن، لعنت وملامت، بازاری زبان تہمت کی جگہ سے صد فیصد بچیں۔

☆ عوام سے امید وتوقع نہ لگائیں ☆ عوامی تکالیف پر صبر وتحمل سے کام لیں۔

☆ امامت کی خاطر جھگڑے کی نوبت آنے نہ دیں، بلکہ اپنے سے افضل کو مقدم رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے ضرورت کے وقت اپنی اہلیت کی کمی کا احساس رکھتے ہوئے امامت کریں۔

☆ ہمیشہ عفوو درگذر سے کام لیں، خواہ اس میں اپنی ہار محسوس ہو۔

☆ طہارت ونماز کے مسائل سے واقفیت واستحضار رہے، اس کے لئے تعلیم الاسلام کا مطالعہ مفید رہے گا، لباس میں صفائی اور سلیقہ مندی رہے بالخصوص جب فجر کی نماز میں تو صاف پتہ چل رہا ہوتا ہے کہ امام صاحب رضائی سے نکل کر آئے ہیں۔

☆ ایک جوڑا عمدہ وسفید ہو تو بہتر ہے جسے نماز کے لیئے مخصوص کرلیں، امام صاحب وضو کرکے آئے تو تازہ تازہ پانی گر رہا ہے پاوں گیلے ہیں اور مصلے پر آگئے، بالکل جائز ہے، مگر تاثر کیا ہوگا عوام پر؟

☆ تجوید لہجہ عمدہ کرنے کی کوشش ہو، نیز پختہ مکمل حافظ ہو یا مطلوبہ مقدار کا حافظ تو ضرور ہو۔

☆ زہد وتواضع، دنیا سے بے رغبتی، یہ امام کے لیئے اس لئے ضروری ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”وازهد فيما عند الناس يحبك الناس“ معلوم ہوا جنکی لوگوں کے مال پر نظر ہو لوگ اسکو پسند نہیں کرتے، یہ نہ سوچیں کہ کھائیں گے کہاں سے، تواضع میں بھی اعتدال

ہو اتنی عاجزی نہ ہو کہ وقار ہی ختم ہو جائے، شاعر کہتا ہے:

نہ اتنے میٹھے بنو کہ لوگ تمہیں نگل جائیں نہ اتنے کڑوے کہ لوگ تھوک دیں

☆ وقت کی پابندی بلکہ وقت سے پہلے موجودگی، مجلس منتظمہ کمیٹی ذمہ دار کی بات مان کر چلنا، ہم کیا کہتے ہیں؟ ''میں امام ہوں غلام تو نہیں'' سچ ہے کہ ہم غلام نہیں ہیں مگر امام تو ہیں، کسی انتظام کے ماتحت تو ہیں ناں! یہ آیت ہمیں رہبری کرتی ہے کہ '' اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم''۔

☆ مسجد میں امامت کی ذمہ داری کے دوران کسی بھی مالی سرگرمی میں شریک نہ ہونا ،مقتدیوں سے ادھار وھدیہ وغیرہ لینا، ادھار سے مراد قرض ہے ''القرض مقراض المحبۃ''

☆ وقار واستغنا ہے لیکن تکبر ورعونت سے بچیں، تھوڑا سا وقار واستغنا کا رخ بدلے تو وہ تکبر ورعونت کی طرف چلا جاتا ہے، پھر لوگ کہتے ہیں امام صاحب کی تو گردن ہی سیدھی نہیں ہوتی پھر تمام علماء پر لوگ یہی فتوی لگاتے ہیں۔

☆ اتباع سنت کا اہتمام، گناہ کبیرہ سے بچنے کا اہتمام، مثلا جیب میں اسمارٹ فون ہے اور کسی مصلی کو مذاقی کلپ دکھادیا تو وہ ہنسے گا ضرور مگر کہے گا کہ ''اسکے دل میں یہ بات بیٹھ جائے گی کہ یہ بھی گندہ ہی ہے'' ہنسی مذاق نہ ہو، تمسخر نہ اڑائیں، امام کا رعب ہونا چاہیئے۔ ''من کثر مزاحہ زالت ہیبتہ''

☆ لوگوں سے بے تکلفی جسکو گھٹیا الفاظ میں کہیں یاریاں دوستیاں، برے دوست آپ کا تعارف بن جاتے ہیں، دعوت کی نسبت سے قریب کرنا بہت خوش آئند بات مگر اس کا رنگ ہم پر نہ چڑھنے پائے۔

☆ مقتدیوں کے گھر میں کھانا وغیرہ کھانے سے احتیاط کریں، بھرپور کوشش ہو کہ کھلائیں ضرور مگر کھائیں اپنا۔

☆ مختلف مکاتب فکر کے مقتدیوں پر تنقید نہ ہو، بدعات وخرافات سے پرہیز، مثلاً کتنے رن ہو گئے؟ کتنے آوٹ ہو گئے؟ جبکہ عشاء کی نماز بھی پڑھانی ہے۔

☆مختلف مسالک کے لیئے رواداری، دیگر راہنماوں اور مشائخ کا احترام، راہنماوں میں سیاسی غیر سیاسی سب داخل ہیں، کسی پر تنقید نہ ہو۔حکومت یا سیاست کے امور پر بحث نہ کرنا، نہ موافقت میں، نہ مخالفت میں، ورنہ جو موافق ہو گا حکومت کا، وہ آپکے پیچھے نماز نہیں پڑھے گا، ہاں! شعور بیداری ضروری ہے۔

☆ہر نماز کے بعد مصلے پر کچھ دیر بیٹھنا، ورنہ مقتدیوں سے تعلق نہیں بنے گا، یومیہ درس قرآن درس حدیث کی ترتیب بنائیں، مختصر ہو سب کو پتہ ہو کہ امام صاحب پانچ منٹ میں ختم کر دیتے ہیں، بس مطالعہ کر کے آئیں۔

مسنون امامت کے شرعی اصول

(۱) ضروری مسائل سے واقفیت رہے

نماز کے شرائط وارکان، باہر واندر کے فرائض، واجبات اور مفسدات کا بخوبی علم حاصل کرلے، پھر وقتاً فوقتاً اُن کا استحضار ومطالعہ بھی ہو، نیز وقت کے ساتھ نئے مسائل بھی پیدا ہوتے ہیں، ان کو بھی حاصل کرے۔

خصوصاً واجبات نماز سے واقفیت حاصل کرے، اگر امام کو نماز کے واجبات کا علم نہیں ہوگا تو سجدہ سہو میں گڑبڑ ہوگی، ایک امام صاحب کو پوچھا کہ سجدۂ سہو کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا: سجدے میں دو ہی تسبیح پڑھی، تیسری رہ گئی، ایک جگہ ایک صاحب نے سجدۂ سہو کیا، وجہ پوچھنے پر بتایا کہ قاعدہ میں ریح خارج ہوگئی تھی۔ ''لاحول ولا قوۃ''

منصب امامت کے مسائل وآداب سے واقفیت ضروری ہے، اس لیے عالم امام ہو یا دین کی ضروریات سے واقف ہو، تو قرات کا مسئلہ بھی حل ہوگا اور مسائل نماز کا مسئلہ بھی حل ہوگا، لوازماتِ شریعہ میں سے ایک بات یہ ہے کہ جو امامت کررہا ہے وہ فقہی مسائل سے فرائض سے، واجبات سے، مفسدات سے مکروہات سے سب سے مسائل واقف ہونا ضروری ہے۔

(۲) کتبِ مسائل کا مطالعہ رہے

نماز اور امامت کے مسائل کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہے، خصوصاً فتاویٰ پر نظر رہے، فتاویٰ میں پیش آمدہ واقعے کا ذکر ہوتا ہے، اسے اچھی طرح پڑھے، ضرورت ہے کہ کسی معتمد اور تجربہ کار امام کو اپنا مشیر بنالیں، مسجد ونماز کے ہر چھوٹے بڑے مسئلے میں اسی امام سے رجوع ہو، نیز اس کے علاوہ ہر قسم کے مسائل کے لیے کسی مفتی صاحب سے بھی رابطہ رہے، ہمیشہ خود کو ناقص سمجھے، اگر کامل سمجھا تو ترقی نہیں ہوگی۔

عموماً امام حافظ ہوتے ہیں، ان کو چاہیے کہ خطبے کی مشق کریں، کسی کو سنادیں، اسی طرح

کتابی تعلیم پر دو مرتبہ نظر کرلیں، ہو سکے تو سنادیں، اور مشکل الفاظ کو آسان بنادیں۔(۱)

(۳) امامت کے لیے اہلیت شرط ہے

بندے اور خالق کے درمیان فرائض میں واسطہ امام ہوا کرتا ہے، واسطہ جس قدر قوی وتوانا ہوگا اسی کے بقدر اس پر سہارا بھی دیا جاسکتا ہے، جو منصب جتنا اہم ہوتا ہے اسی کے بقدر اس کا پاس ولحاظ بھی کرنا چاہئے، روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے علماء تمہارے امام ہوں اس لئے کہ ائمہ حضرات تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ترجمان ہوتے ہیں۔(۲)

امامت کی صلاحیت نہ ہو اس سے احتراز کرنے ہی میں عافیت ہے، اگر صلاحیت ہے تو ان اوصاف کا حامل ہونا ضروری ہے جو ایک امام کے لئے مطلوب ہیں، اگر مطلوبہ صفات سے خالی ہے تو ان صفات کو پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، مساجد کی امامت کے لئے بھی ایسے ہی افراد کا انتخاب ہو جو اس کی صلاحیت رکھتے ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب نااہل کو کوئی منصب سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو''۔(۳)

امامت ایک ایسا منصب ہے کہ صحابہ کرامؓ اس سے گھبرایا کرتے تھے، حضرت حذیفہؓ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی اس کے بعد کہنے لگے کہ تم لوگ اپنا امام تلاش کرلو، آئندہ میں نماز نہیں پڑھاؤں گا، امام غزالیؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرامؓ چار چیزوں سے ڈرتے تھے جن میں امامت اور فتوی بھی ہے۔(۴)

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذہ مکاتب :۳۰
(۲) طبرانی کبیر :۷۷۷
(۳) صحیح بخاری :۵۹، باب من سئل علما
(۴) تبلیغ دین ص:۱۲۱

امامت کے شرائط

امام مسلمان ہو، بالغ ہو، دیوانہ نہ ہو، نشے میں نہ ہو، نماز کا طریقہ جانتا ہو، نماز کی تمام شرائط وضووغیرہ اس نے پوری کررکھی ہوں، کسی ایسے مرض میں مبتلا نہ ہو جس کی وجہ سے اس کا وضوقائم نہ رہتا ہو، رکوع وسجدے پر قادر ہوتا کہ تندرست لوگوں کی امامت کرسکے، گونگا، تتلا، ہکلا نہ ہو، کچھ ایسے اوصاف ہیں جس کے بغیر نماز مکروہ ہوتی ہیں، وہ یہ ہیں: صالح ہو، یعنی کبیرہ گناہوں میں مبتلا نہ ہو، فاسد عقیدہ والا نہ ہو، نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو، قرآن کریم کی تلاوت صحیح طریقے سے کرسکتا ہو، کسی ایسی جسمانی عیب میں مبتلا نہ ہو، جس کی وجہ سے پاکیزگی مشکوک ہو، یا لوگوں کو بیماری سے گھن ہو، نیز فرماتے ہیں : ان کے علاوہ چونکہ امام مسجد اپنے محلے کا دینی مرکز اور ایک طرح مربی بھی ہوتا ہے؛ اس لئے بہتر یہ ہے کہ مندرجہ ذیل مزید اوصاف بھی پائے جاتے ہوں، حاضرین میں علم وتلاوت کے اعتبار سے سب سے بلند ہو، خوش اخلاق شریف النسب ہو، باوقار وجیہ ہو، صفائی ستھرائی تقوی اور طہارت کا خیال رکھتا ہو، مستغنی طبیعت رکھنے والا ہو اور سیر چشم ہو۔(۱)

امام شادی شدہ ہو تو بہتر ہے، صاحب نسبت یا سچا سالک ہو تو بہت فائدہ مند ہے۔

امامت کے ساتھ دیگر ذمہ داریاں

ویسے امام اپنے منصب کے لحاظ سے صرف نماز پڑھانے کا مکلف ہوتا ہے، البتہ اگر جمعہ کا بیان، مسجد کا مکتب وغیرہ بھی امامت کے ساتھ قبول کرلے تو وہ بھی ذمہ داری میں شامل ہوجائے گا، مگر امام ایسے کاموں کے لئے تیار نہ ہو جو اسکی حیثیتِ امامت کے خلاف ہو جیسے امامت کے ساتھ مسجد کا پانی گرم کرنا، اپنے کھانے کے لئے توشہ محلے کے مکانات سے لے آنا، وضوخانہ صاف کرنا، بیت الخلاء صاف کرنا وغیرہ، یہ جہاں منصبِ امامت کے

(۱) فتاوی عثمانی: ۱/ ۴۱۵، بحوالہ: ماہنامہ دارالعلوم، شمارہ 1، جلد : ۹۸، ربیع الاول ۱۴۳۵ ہجری مطابق جنوری ۲۰۱۴ء

خلاف ہے وہیں اس کی توہین وتحقیر بھی ہے،اپنی عزت خود کریں ،بے توقیری والے کام قبول کرنا معصیت میں معاون بننا ہے۔

(۴) طہارت میں غفلت وکوتاہی نہ کریں

پیشاب کے بعد استبراء یعنی پیشاب کے قطرات کے بند ہوجانے کا اطمینان حاصل کرنا لازم اور ضروری ہے، قطرات کے تقاطر کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے۔(۱) ان قطروں کے بدن یا کپڑے پر لگ جانے کے بعد انہیں پاک کیے بغیر نماز صحیح ہوتی ،بعض ائمہ کو دیکھا گیا کہ صرف پانچ منٹ میں استنجاء اور وضو دونوں سے فارغ ہو کر جائے امامت پر کھڑے ہوجاتے ہیں جو بالکل نا قابل اِطمینان ہے،لہذا کچھ قدم چل کر یا کھانس کر یا بائیں پہلو پر لیٹ کر یا کسی اور قابلِ اطمینان طریقے سے پیشاب کے قطرات کو ختم کرنا چاہیے۔(۲) استبرا کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ بائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی کو عضو مخصوص کے نیچے اور ابہام (انگوٹھے) کو عضو مخصوص کے اوپر رکھ کر تین نیچے طرف حلقۂ دبر سے عضو مخصوص کے سرے تک انہیں پھیرا جائے اور تین مرتبہ نچوڑ جائے،اس سے اچھی طرح استبراء ہوجاتا ہے۔(۳)

وضو نہایت اطمینان کے ساتھ اس طور پر کرنا چاہیے کہ اعضاء اربعہ میں سے کسی عضو کا کوئی حصہ خشک نہ رہ جائے،بعض ائمہ اس میں غفلت سے کام لیتے ہیں اور کہنیوں تک پانی پہنچانے کے بجائے صرف تر ہاتھ پھیر دیتے ہیں جس سے وضو صحیح نہیں ہوتا کیوں کہ اس صورت میں یا تو کوئی حصہ خشک رہ جاتا ہے یا بجائے غسل کے صرف مسح ہوتا ہے حالاں کہ صحتِ وضو کے لئے سر کے علاوہ باقی اعضاء کا غسل ضروری ہے،مسح ناکافی ہے۔(۴)

---

(۱) مراقی الفلاح مع الطحطاوی :۴۳۹

(۲) نورالایضاح :۲۹

(۳) الفقہ الاسلامی وأدلتہ الوھبہ الزحیلی :۱/۱۹۴

(۴) مراقی مع الطحطاوی :۵۷

اگر فرائض کے ساتھ سنن ومستحبات کو بھی بجالا کر و جو کیا جائے تو ایسی غلطی بآسانی تدارک ہوسکتا ہے۔

(۴) صفوں کی نگرانی کریں

مصلیٰ پر پہنچتے ہی امام صاحب کو دیکھنا چاہیے کہ صفیں درست اور مرتب ہیں یا نہیں، وہ شریعت کے قوانین پر پوری اترتی ہیں یا نہیں!! یوں تو مقتدی کا فریضہ ہے ہی کہ وہ شرعی ہیئت کے ساتھ کھڑا ہو، مگر امام کا بھی فریضہ ہے کہ وہ نگرانی کرے۔

حضور ﷺ بذاتِ خود صفوں کو درست اور برابر فرماتے اور اِدھر اُدھر سے مطمئن ہو کر تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے: ''جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو سیدھا کرتے۔ جب ہم سیدھے ہو جاتے تو آپ ﷺ نماز کے لیے تکبیر کہتے۔

''كان رسول الله ﷺ يسوي يعني صفوفنا إذا قمنا للصلاة، فإذا استوينا كبر''...(۱)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم صفوں میں سیدھے ہو جاؤ اور خوب مل جاؤ۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۔ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے ساتھ والے کے کندھے سے کندھا اور پاؤں سے پاؤں چپکا لیتا تھا۔ اگر آپ (آج) اس طرح کرنے لگیں تو دیکھیں گے کہ لوگ (اس طرح بدکیں گے جیسے وہ) سرکش خچر ہوں۔''

''اعتدلوا فى صفوفكم وتراصوا، فإني أراكم من وراء ظهري''، قال أنس :لقد رأيت أحدنا يلزق منكبه بمنكب

(۱) ابوداؤد، حدیث: ۶۶۵

صاحبه و قدمه بقدمه و لو ذهبت تفعل ذلك لترى أحدكم كانه بغل شموس (۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ماز میں صف کو قائم رکھا کرو کیونکہ صف کو قائم کرنا نماز کا حسن ہے۔

"أقيموا الصف فى الصلاة، فإن إقامة الصف من حسن الصلاة"۔(۲)

حضرت فاروق اعظمؓ کا اہتمامِ صفوف

صحابہ کرامؓ نے اپنے زمانہ میں صفوف کے اہتمام کو باقی رکھا، چناں چہ حضرت عمر فاروقؓ کا دستور تھا کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کی دیکھ بھال کر لیتے اور صفوں کی درستگی کے بعد نماز شروع کرتے۔

بل کہ آپ نے ایک مستقل آدمی اس کام کے لیے مقرر کر دیا تھا جو صف میں گھوم کر دیکھتا اور آ کر دیکھتا اور آ کر درستگی کی خبر دیتا۔

ابوعثمان نہدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: "میں ان لوگوں میں سے تھا جنہیں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ صفیں سیدھی کرانے کے لیے اپنے آگے کھڑا کرتے تھے۔

"كنت فيمن يقيم عمر بن الخطاب قدامه لإقامة الصف"(۳)

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے: "آپؓ اس وقت تک لوگوں کو نماز پڑھانا شروع نہ کرتے جب تک ان کی صفیں درست نہ ہو جاتیں، اس کام کے

---

(۱) مصنف ابن أبى شيبه :۳۵۰/۱، الفوائد للمخلص :۲/۱۰/نقلا عن الصحيحة للالباني : ۳۱، السنن لسعيد بن منصور نقلا عن فتح الباري لابن حجر :۲۱۱/۲، وسنده صحيح)

(۲) صحیح بخاری، حدیث :۷۲۲

(۳) مصنف ابن أبی شيب: ۳۵۱/۱، وسنده صحيح

لیے آپ نے کئی آدمیوں کی ڈیوٹی لگا رکھی تھی۔

"لم يكن يكبر بالصلاة للناس حتي تعدل الصفوف، ويؤكل بذلك رجالا" (۱)

مقتدیوں کی صفیں درست کرنے کو اپنی ذمہ داری نہ سمجھنا

ویسے تو نمازیوں کو خود ہی صفوں کی درستگی کا اہتمام کرنا چاہیے تاہم امام کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ تکبیر کے بعد صفوں کی درستگی تو جہ دلائے۔(۲) حضور ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین اس کا خاص اہتمام فرماتے تھے، چناں چہ حضرت عمر فاروق ؓ نے اقامتِ صفوف کے لیے چند افراد کو مامور فرمایا تھا جب تک وہ صفوں کی درستگی نہ کرلیتے آپ نماز شروع نہ فرماتے، نیز حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا خاص منقول ہے، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو فرمایا کرتے تھے: اے اے فلاں آگے ہو، اے فلاں پیچھے ہو۔(۳) لیکن آج کل نہ مقتدی حضرات اسکی جانب توجہ دیتے ہیں اور نہ ہی ائمہ انہیں متوجہ کرتے ہیں بایں وجہ ائمہ حضرات کو اپنی اس ذمہ داری کے بارے میں باہوش اور احساس رہنے کی ضرورت ہے۔(۴)

(۵) تکبیراتِ تحریمہ وتکبیرات انتقالیہ

تکبیر تحریمہ نماز شروع کرنے کے لیے فرض ہے اس لیے پوری تکبیر تحریمہ کا صحیح ہونا ضروری ہے ورنہ نماز شروع ہی نہ ہوگی۔

---

(۱) جزء ابي الجهم: ۲۱، سنده صحيح

(۲) درمع الشامی: ۲/۳۱۰

(۳) ترمذی

(۴) امورِ مہمہ برائے ائمہ، مولانا محمد ادریس پٹیل فلاحی صاحب

اللہ آ کبر میں لفظ ''اللہ'' اور ''اَکبر'' کے ہمزہ میں مد کر کے آللہ اکبر یا اللہ آکبر پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(۱) نیز ''اکبر'' کی ''ب'' کے بعد الف کا اضافہ کر کے ''اکبار'' پڑھنے پر بھی اصح قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے۔(۲) اسی طرح ''اکبر'' میں ہمزہ کے فتحہ کو مجہول ادا کرنا اور سجدے میں جاتے ہوئے اور سجدے سے اٹھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' میں ناک میں آواز لے کر جا کر غنہ کرنا اور لام کے بعد الف مدہ کے بجائے پہلے لام ساکن میں مد کرنا جس سے کئی لام پیدا ہو جاتے ہیں غلط ہے۔

بہت سے ائمہ اس غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں، لہٰذا تکبیر کی تصحیح کی جانب توجہ کی ضرورت ہے۔

بہت سے ائمہ حضرات تکبیر تحریمہ کو طول دے کر پڑھتے ہیں جس کی وجہ سے مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام کی تکبیر سے پہلے مکمل ہو جاتی ہے حالاں کہ مقتدی کی نماز کی صحت کے لیے اس کی تکبیر تحریمہ کا امام کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مقترن یا مؤخر ہونا ضروری ہے۔(۳)

اس لیے ائمہ حضرات کو تکبیر تحریمہ کھینچ کر پڑھنے سے احتراز چاہیے تا کہ امام کی غلطی بیچارے جاہل مقتدی کی نماز کے فساد کا سبب نہ بن جائے۔

تکبیرات کی اصلاحات

تکبیراتِ انتقال اور انتقال میں مقارنت بے انتہا ضروری ہے، اگر رکوع کی تکبیر مقدم ہوئی اور جانے میں تاخیر ہوئی تو نابینا رکوع میں سبقت کر جائے گا، اس لیے کہ نابینا تو آواز پر نقل وحرکت کرے گا، اور تکبیر میں تاخیر اور رکوع سجدے میں تقدیم ہوئی تو بہرے آدمی کا مسئلہ ہوگا۔

(۱) شامی: ۲/۱۷۹
(۲) شرح منیۃ المصلی للحلبی: ۲۵۹
(۳) شامی: ۲/۱۷۸

خصوصاً تکبیر تحریمہ کا مسئلہ بہت نازک ہے، مقتدی اگر امام کی تکبیر تحریمہ میں سبقت کر لیں تو ان کی اقتداء صحیح نہیں ہوگی، لہذا تکبیر تحریمہ میں مد نہ کریں، ایسے ہی سلام پھیرنے میں مد کو زیادہ نہ کھینچیں، امام سے پہلے مقتدی کا سلام پھیرنا مکروہ تحریمی ہے۔

انتقالی تکبیر سجدے و رکوع میں جا کر کہنا ترکِ محل ہے، کیونکہ رکوع وسجدہ کی تسبیح متعین ہے، لہذا تکبیر ادائے بےمحل ہے وخلافِ سنت ہے۔

تمام تکبیرات کی آواز صاف و یکساں رکھیں، تکبیر کوئی لفظ جہراً کوئی سراً مناسب نہیں، لفظ ''اللہ'' جہراً اور لفظ ''اکبر'' سراً کہتے ہیں، فقہ کی رو سے صرف دوسرا سلام پہلے سلام سے ہلکی آواز میں ہوگا، لہجہ کی چکر میں حروف کا ڈھانچہ نہ بگڑے، تکبیر درحقیقت اللہ کے نام کی عظمت وکبریائی ہے، ناک سے ادا کرنا بھی مناسب نہیں۔

تکبیر تحریمہ اور قیام کی اصلاح

☆ بعض ائمہ تکبیر تحریمہ کو اتنا لمبا کر دیتے ہیں کہ مقتدی امام سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ کر ہاتھوں کو باندھ لیتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔(۱)

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت سر کو نہیں جھکانا چاہیے سر سیدھا رکھنا چاہیے اور دونوں ہاتھوں کو کانوں کے مقابل تک اٹھانا چاہیے۔ بعض لوگ (ادھورا ہاتھ اٹھا کر) صرف ذرا سا اشارہ کر دیتے ہیں یہ خلاف سنت ہے۔(۲)

☆ ہاتھوں کو اٹھائیں تو دونوں ہتھیلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں، بعض لوگ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرنے کے بجائے کانوں کی طرف کر لیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

☆ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو اٹھائیں تو انگلیوں کو نہ بالکل ملائیں، نہ دور دور

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

رکھیں بل کہ بین بین اپنی (درمیانی) حالت پر رکھیں ۔(۱)

☆اللہ اکبر کہنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو بغیر گرائے ناف کے نیچے باندھ لیں بعض لوگ پہلے دونوں ہاتھوں کو گراتے ہیں پھر باندھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

☆ داہنی ہتھیلی بائیں ہتھیلی پر رکھیں ،بعض لوگ بائیں ہتھیلی کو لٹا لیتے ہیں اور بائیں ذراع کو انگلیوں سے پکڑ رکھتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔

☆بہتر ہے کہ دونوں پاؤں قریب قریب ہوں ،چار انگل کا فصل ہو،یہ اقرب الی الخشوع ہے ، اور سجدہ کی حالت میں دونوں ایڑیوں کو ملانے میں زیادہ حرکت نہیں کرنی پڑے گی ۔ایڑیوں کا ملانا سنت ہے ۔(۲)

تکبیرِ تحریمہ کے وقت ہاتھوں کو خلاف سنت طریقہ پر اٹھانا

تکبیرِ تحریمہ کہتے ہوئے ہاتھوں کو اس قدر اٹھانا مسنون ہے کہ وہ کانوں کے بالمقابل آجائیں، نیز ہتھیلی جانب قبلہ رہے اور ہاتھوں کی انگلیوں کو اپنی حالت پر اس طرح چھوڑ دیا جائے کہ نہ بالکل ملی ہوئی ہو اور نہ بالکل کشادہ ۔(۳) بہت سے ائمہ ہاتھوں کو صرف کندھوں تک اٹھاتے ہیں، نیز انگلیوں کو یا تو بالکل ملا دیتے ہیں یا بالکل کشادہ رکھتے ہیں، اسی طرح ان کی ہتھیلی بجائے قبلہ کانوں کی جانب رہتی ہے، یہ سب امور خلافِ سنت ہیں ۔جن کی اصلاح ضروری ہے ۔

(۶) قراءت میں غلطیاں

مقدارِ ماتجوز بہ الصلوۃ (اتنی مقدار جس سے نماز ہوسکے) قرآن کو صحیح پڑھنا

---

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

(۳) شامی: ۲/ ۱۸۲

فرض عین ہے البتہ حسن صوت اور جودت لہجہ امر مستحسن ہے ۔(۱) بعض ائمہ صرف لہجہ کا نام قراءت سمجھ کر اسی کا اہتمام کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں حروف کی ادائیگی میں فحش غلطیاں کر بیٹھے ہیں، مثلاً :الحمد ''میں''ح''کی جگہ''ھ''ایاک کو بلاتشدید ایاک، اور نستعین میں''س'' کے بجائے''ص''نیز''مستقیم''میں''ق''کے بجائے''ک''اور صراط کے''ص''اور''ضالین'' کے''ض''میں غلطی، حالاں کہ یہ سب الحان جلبیہ ہیں جن کا ارتکاب حرام اور ان سے اجتناب ضروری ہے ۔(۲) بعض ائمہ حسن صوت ولہجہ کی کوشش میں گانے کا لہجہ بنا لیتے ہیں یا بتکلف قراءت کرتے ہیں، یا ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرتے ہیں جو کراہت سے خالی نہیں ہے ۔(۳) حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: کہ تم قرآن شریف کو عربوں کے طریقے اور ان کے لہجے میں پڑھو عاشقوں اور اہل کتاب (یہود اور نصاری) کے طریقوں سے بچو۔(۴)

کچھ ائمہ حضرات سورۂ فاتحہ نستعین کو اھدنا سے اور سورۂ اخلاص کی پہلی آیت کو دوسری آیت سے ملا کر پڑھتے ہیں اگر چہ فی نفسہ یہ ممنوع نہیں ہے لیکن اس صورت میں ایک عجیب کیفیت قراءت پیدا ہونے کی وجہ سے عوام مقتدیوں میں انتشار کا اندیشہ رہتا ہے، اسی لیے حضرت اقدس حکیم الامت تھانویؒ نے ان مواقع میں وصل (ملا کر پڑھنے) کو ناپسند فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ ایک امام صاحب نے نماز میں سورۂ اخلاص کی پہلی آیت ملا کر قل ھو اللہ احدنِ اللہ الصمد پڑھا جو کہ صحیح تھا لیکن عوام میں انتشار ہوا کہ اس قاری نے نیا قرآن کہاں سے نکالا، یہاں تک بحث بڑھی کہ اس پر فوجداری ہوگئی، ایک عامی مقتدی کو اس کے بعد امامت کا موقع ہاتھ آیا تو اس نے قل ھو اللہ احد پر وقف کر کے نِ اللہ الصمد پڑھا جو

(۱) فتاویٰ تاتارخانیہ :۱/۳۱۰

(۲) جمال القرآن :۱۰

(۳) شامی :۲/۳۳۷

(۴) مشکوۃ : حدیث:۲۲۰۷

کہ غلط تھا، اعتراض کرنے پر اس نے جواب میں بطور استشہاد پہلے امام صاحب کے عمل کو پیش کیا۔(۱)

قرآت کی اصلاحات

سورت اور کوع کے بیچ سے پڑھنا خلافِ اولیٰ ہے، اس میں کبھی مضمون ناقص رہ جاتا ہے، اور یہ بیچ کتاب کی چند سطریں پڑھنے کے مرادف ہے، اسی لیے مشائخ بخاریؒ نے رکوعاتِ قرآنیہ کی تقسیم معنی کے اعتبار سے کی ہے، قرآن کے رکوع پر نماز کا رکوع کیا جائے تو بہتر ہے، اس م،ین حفاظ کی رعایت بھی ہے، نیز آیتوں کی مناسب تعداد بھی ہے، اور خیال رہے کہ حافظی (پندرہ سطری) قرآن پر مضمون مکمل ہونا ضروری نہیں۔

نماز سے پہلے معانی پر طائرانہ نظر ڈال لیں، اس لیے کہ قراءت کے زیروبم کا مدار خود کے نشاط وموڈ پر نہیں؛ بلکہ معانی سے متعلق ہے، جنت، جہنم، رحمت، عذاب، فرعون وقارون اور ہامان کا ذکر ہے یا ابراہیم، موسیٰ کا ذکر ہے، یہ ملحوظ رہے۔

امامتِ فرض، باطمینان؛ انفرادی سنن جلدی جلدی پڑھنا قابل ذکر ترک ہے۔ اسی طرح جہری نمازوں میں مسنون قراءت اور تجوید کا اہتمام نہ کرنا؛ یہ بھی قابل ترک ہے۔

نماز میں لفظ ''ثنا'' بولنا

بہت سے ائمہ بچپن کی عادت سے مجبور ہو کر سبحانک اللہ وبحمدک پڑھتے ہوئے لفظ ''ثنا'' کا تلفظ کر دیتے ہیں، یاد رہے فقہی ضابطے کی رو سے اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے(۲) لہٰذا جو اس عادت میں مبتلاء ہیں انہیں اپنی عادت کو ترک کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) حقوق القرآن مع التجوید، مرتبہ: مفتی محمد زید مظاہری: ۱۶۶

(۲) درمختار مع الشامی: ۲/۳۷۰

قراءت سے پہلے تسمیہ ترک کرنا

ثنا کے بعد سورۂ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔(۱) بلکہ اس مقام پر تسمیہ عند الشافعیہ فرض ہے اور حنفیہ میں سے محقق ابن ہمامؒ وجوب کے قائل ہیں اور شارح منیۃ المصلی علامہ ابراہیم حلبیؒ نے اسی وجوب کے قول کو احوط فرمایا ہے۔(۲)

قرأتِ مسنونہ کا اہتمام ہو

نماز میں سنت والی قرأت کا اہتمام ہو، طوالِ مفصل، اوساطِ مفصل اور قصارِ مفصل جس ترتیب سے ثابت ہے اس ترتیب سے پڑھیں، اس میں کی رعایت، نماز سے اکتاہٹ نہیں ہوگی، بعض مرتبہ کوئی امام سال میں ایک بار یا دو بار قرآن مجید فرائض میں ختم کرنے کی فکر سے مغرب میں بھی ایک صفحہ پڑھنا شروع کردے تو قوم کی امام سے نفرت پیدا ہو جائے گی، قوم کی اس معاملے میں بیزارگی شرعی ہے، ذاتی نہیں ہے، اور فرض نمازوں میں قرآن پورا ختم کرنے کا کونسا طریقہ ہے؟ آپ کو یاد رکھنا ہی ہے تو تہجد میں اہتمام کریں، بعض کو اس طرز پر فخر ہوتا ہے جبکہ انہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے پر اتنے سالوں سے قرأتِ مسنونہ نہ ہو رہی ہے، خلافِ سنت طریقے سے امامت ہو رہی ہے۔

مفصلات سے قراءت کے ترک کا معمول بنالینا

نماز میں قرآن کریم کی سور مفصلات (فجر وظہر میں طوالِ مفصل، عصر وعشاء میں اوساطِ مفصل، اور مغرب میں قصارِ مفصل) سے قراءت کرنا مسنون ہے۔(۳) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن سورتوں کی قراءت نماز میں منقول ہے ان کے استقراء کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

(۱) درمختار مع الشامی: ۲/۱۷۲

(۲) شامی: ۲/۱۹۲

(۳) شامی: ۲/۲۶۱

کی قراءت نماز میں منقول ہے ان کے استقراء کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی قراءت نماز میں منقول ہے ان کے استقراء کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی قراءت عامتاً مفصلات سے ہوا کرتی تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو خط تحریر فرما کر مفصلات سے قراءت کرنے کی ہدایت فرمائی تھی، حضرت ابو بکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے بھی مفصلات سے قراءت منقول ہے۔(۱) لیکن بہت سی مساجد بلکہ مدارس تک میں بھی اس سنت سے غفلت کی ایک عام فضا قائم ہے، مفصلات سے قراءت کا اہتمام بلکہ التزام ہو رہا ہے، مفصلات کی سورتوں کو پڑھنے کی کبھی کبھار ہی نوبت آتی ہے، جب پنج وقتہ نمازوں میں یہ صورت حال ہے تو پھر جمعہ میں سورۂ اعلیٰ وغاشیہ اور سورۂ جمعہ ومنافقون اور بروزِ جمعہ نماز فجر میں سورۂ سجدہ والدھر پڑھنے کی کیسے توقع کی جاسکتی ہے؟ فالی المشتکی ضرورت ہے کہ ائمہ اس سنت کی جانب خاص توجہ دیں اور مفصلات سے قراءت کا اہتمام فرمائیں گے البتہ گاہے گاہے غیر مفصلات سے قراءت کرلیں تاکہ باقی قرآن کا ترک لازم نہ آئے۔

ایک چھوٹی سورۃ کو دو رکعتوں میں آدھا کرکے پڑھنا

فرض نماز کی پہلی دو رکعتوں میں ہر رکعت میں مکمل ایک سورۃ پڑھنا افضل ہے۔(۲) بقول ملا علی قاریؒ حضور ﷺ کا معمول مکمل ایک سورۃ کو ایک ہی رکعت میں پڑھنے کا رہا ہے۔(۳) اکثر ائمہ دونوں رکعت میں ایک سورۃ پڑھنے پر اکتفا کرتے ہیں چناں چہ نمازِ فجر میں سورۂ مزمل، سورۂ قیامۃ، اور سورۂ مرسلات وغیرہ اسی طرح عشاء میں سورۂ بروج، سورہ غاشیہ، اور سورہ فجر جیسی مختصر سورتوں کو ایک ہی رکعت میں پڑھنے کے بجائے آدھا کرکے دو رکعت میں پڑھتے ہیں، اس سے اجتناب کی ضرورت ہے۔

---

(۱) ترمذی: ۶۷

(۲) شامی: ۲/۲۶۱

(۳) مرقاۃ شرح مشکوۃ: ۲/۲۲۲

تجوید وترتیل سے قرأت کا اہتمام کریں

نماز کی حفاظت میں یہ بھی داخل ہے کہ اس کے تمام ارکان فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کا اہتمام کیا جائے ۔نماز کا ایک رکن قرأت قرآن بھی ہے، قرآن کو تجوید سے پڑھنا ضروری ہے، اس لیے نماز مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ نماز میں پڑھا جانے والا قرآن درست اور صحیح نہ ہو، اس لیے ہر شخص کے لیے ضروری ہے کہ جتنا قرآن نماز میں پڑھنا ہے اس کو تجوید کے ساتھ پڑھنا سیکھے ۔حروف کو ان کے مخارج سے صفات لازمہ ومتضادہ کے ساتھ ادا کرے، جو شخص کوشش نہیں کرے گا اور غلط پڑھتا رہے گا وہ گنہ گار ہوگا، اس کی نماز بھی مکمل نہیں کہلائی جاسکتی ۔عربی زبان بہت نازک زبان ہے ۔ذرا حرف بدلنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور معنی کے بدلنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے ۔(۱)

متقدمین فقہائے احناف کا اسی پر فتویٰ تھا (فحش غلطی سے معنی بدلنے پر نماز فاسد ہوجاتی ہے) اگرچہ متأخرین نے اس میں سہولت کے خیال سے توسیع کی ہے اور جواز کا فتویٰ دیا ہے، لیکن آدمی کوشش نہیں کرے گا تو گہنگار ہوگا۔

حضرت اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ تصحیح حروف بقدر امکان اور رعایت وقوف بایں معنی کہ جہاں وقف کرنے سے معنی میں فساد واختلال (خلل ونقصان) ہو یہ دونوں امر تو واجب علی العین ہیں (یعنی ہر مسلمان پر ان کی رعایت کرنا ضروری ہے ۔(۲)

ضاد اور ظاء میں فرق کرنا ایک بہت ہی مشکل امر ہے اس کے بارے میں بھی حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ : جو لوگ مشق وریاضت نہ ہونے کے ان میں تمایز (تمیز) نہیں کرسکتے ان کی نماز صحیح ہوجاتی ہے اور بایں معنی معذور ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں کہ بمعنی عدم اثم

---

(۱) شامی، الصلوۃ، باب مایفسد الصلوۃ زلۃ القاری : ۱/۶۳۰

(۲) فتاویٰ امدادیہ، الصلوۃ : ۱/۲۰۰

معذور رہوں، بل کہ تصحیح میں سعی کرنا واجب ہے۔(۱)

یعنی ضاد اور طاء میں فرق کرنے کی کوشش نہ کیجائے تو غلط پڑھنے پر گناہ اگر چہ نماز ہو جائے گی۔ طاء اور تاء میں سین اور شین اور صاد میں ذال اور زاء میں عین اور ہمزہ میں ق اور ک میں اگر فرق کرنے کی کوشش نہ کیجائے باوجود یہ کہ فرق آسان ہے تو بدرجہ اولیٰ گناہ ہوگا۔ فتاویٰ شامی ۴۶۲ میں ہے العظیم کی بجائے العزیم زاء سے کوئی پڑھ لے تو نماز نہیں ہوگی، اس مسئلہ پر بہت توجہ کی ضرورت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ مساجد میں کسی قاری سے بڑے لوگوں کو تجوید سیکھنے کا انتظام ہو۔

اللہ تعالیٰ امت کو اس کی توفیق نصیب فرمائے، حرمین شریفین میں ایسے حلقے دیکھے جاتے ہیں، خدا کرے یہ سلسلہ ہر مسجد میں قائم ہو۔(۲)

کسی قاری ومجوّد سے اصلاح کرواتے رہیں

کسی اچھے قاری کو نماز کے بعد دیکھیں تو ان سے اصلاح کرلیں، اپنی غلطی پوچھیں۔ بیان میں بھی اصلاح لیں۔ ہوتا یہ ہے کہ بعض ائمہ غلطی بتانے پر یہ جواب دیتے ہیں کہ اس مصلے پر بیس سال سے امامت کرتا ہوں، فلاں فلاں مفتی صاحب نے بھی میرے پیچھے نماز پڑھی ہے، کسی نے غلطی نہیں بتائی، اور آپ کون ہو؟ ارے بیس سال کیا! چالیس سال ہوئے؛ پھر بھی خندہ پیشانی سے سنیں، ممونیت اور شکر گزاری مترشح ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت حجت ہے، نبی کے علاوہ کسی کی خاموشی دلیل نہیں، ہوسکتا ہے کہ مفتی صاحب کو مسئلہ مستحضر نہ ہو، یا مصلحتاً اصلاح نہ کی ہو، یا آپ کے مزاج کی تلخی کی وجہ سے خاموش رہے ہوں۔

حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: جب تک خود کو امامت کا اہل وقابل نہ سمجھو؛ امامت

---

(۱) فتاویٰ امدادیہ، الصلوۃ: ۱/ ۲۴۴

(۲) بحوالہ: تحفۃ الأئمہ: ۴۶۰

کراتے رہو، جب خود کو قابل سمجھو تو چھوڑ دینا۔(۱) اذان و اقامت کی اصلاح ہماری ذمہ داری ہے، غلط اذان دینا اور سننا دونوں گناہ ہیں۔

وقف میں غلطیاں

قرآن کریم کے مواقع کو جاننا نہایت ضروری ہے، بعض مرتبہ بے محل وقف سے معنی بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے، حضرت علیؓ آیت کریمہ ورتل القران ترتیلا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "الترتیل معرفة الوقوف وتصحیح الحروف "(ترتیل مواقع کو جاننے اور حروف کو صحیح ادا کرنے کا نام ہے)امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں :من لم یعلم الوقف لم یعلم مایقرأ (جس نے وقف کو نہیں اس نے قرآن کریم کو نہیں جانا) (۲)

بعض ائمہ اور ان میں بھی خاص طور پر جو عربی سے کم واقف یا ناواقف ہوتے ہیں وہ بے محل وقف کر دیتے ہیں جس سے معنی میں فساد پیدا ہو جاتا ہے، مثلاً :سورۂ ماعون میں "فویل اللمصلین" پر وقف کرنا، اس مقام پر وقف کو حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے وقف اقبح فرمایا ہے، اس جگہ وقف کر کے قراءت منقطع کر دینے سے معنی مکمل طور پر فاسد ہو جاتے ہیں۔

امام عامر شعبیؒ فرماتے ہیں: جب تم (سورۂ رحمن میں)"کل من علیھا فان" پڑھو تو اس پر وقف کرنے کے بجائے پوری آیت" ویبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام" پڑھ کر وقف کرو۔(۳) سورۂ برات میں" واللہ لایھدی القوم الظالمین" پر ٹھہرنا لازم ہے اگر یہاں وقف نہیں کیا اور"الذین آمنو اوھاجروا" کو ساتھ ملا دیا تو معنی

---

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب: ۲۸ افادات: حضرت مولانا احمد صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم

(۲)الکامل فی القراءت العشر والاربعین الزائدۃ علیھا لیوسف بن علی الھذلی

(۳) تفسیر ابن کثیر: ۷/۴۹۴

بالکل فاسد ہوجائیں گے۔(۱) اسی طرح بعض ائمہ کو سنا گیا کہ وہ سانس ختم ہوجانے کی وجہ سے لائے نفی یا نہی والے جملے پر وقف کر دیتے ہیں اور پھر اس لائے نفی یا نہیں کا اعادہ نہیں کرتے اس سے کبھی معنی میں فساد پیدا ہوکر نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ جیسے "لاتقنطوا" پر وقف کرکے "لا" کے بغیر "تقنطوا" سے لوٹانا، قرآن کریم میں ایسے مقامات ہیں۔

اگر تراویح میں ایسا وقف کیا تو دو رکعت کو لوٹاتے ہوئے ان میں پڑھے گئے قرآن کا اعادہ بھی ضروری ہے۔

تبدیلیٔ حرکات

بعض مواقع پر محض حرکات کی تبدیلی سے نماز میں فساد لاحق ہوجاتا ہے، ان مقامات پر احتیاط برتنے کی اشد ضرورت ہے، مثلاً: ذلک بانھم اتبعو مااسخط الله"(۲) میں لفظ "الله" پر بجائے فتحہ کے ضمہ پڑھنا، (۲) قتل داود جالوت۔(۳) کو داود جالوت پڑھنا (۳) وعصی ادمُ ربہ (کو وعصی ادم ربُہ پڑھ دینا (۴) "انما یخشی الله من عبادہ العلماء" کو "انما یخشی اللهُ من عبادہ العلماءَ" پڑھ دینا، المختصر قرآن کریم میں ایسے بے شمار مقامات ہیں جہاں قراءت میں ادنیٰ سی بے توجہی سے نماز فاسد ہوسکتی ہے۔

دو آیتوں کے درمیان وقفہ طویل کرنا

بعض ائمہ حسنِ صوت کی جانب مکمل توجہ دینے میں ایک آیت پر وقف کرنے کے بعد دوسری آیت شروع کرنے کے درمیان طویل وقفہ کر دیتے ہیں، اگر یہ وقفہ تین مرتبہ

---

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱/۲۵۴

(۲) سورۂ محمد: ۲۸

(۳) بقرہ: ۳۳

سبحان اللہ کہنے کی مقدار ہو جائے تو سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے (۱) لہذا ایک آیت ختم کر کے معمولی وقف کے بعد فوراً دوسری آیت شروع کر دینی چاہیے۔

(۷) رکوع، سجدہ خلافِ سنت طریقہ پر کرنا

رکوع میں سنت یہ ہے کہ سر پشت اور سرین ایک سطح پر رہے، او پر نیچے نہ ہو، اسی طرح ہاتھوں اور پیروں کو خم دیے بغیر سیدھا رکھا جائے، اور ہاتھوں کی انگلیوں کو کشادہ رکھ کر گھٹنوں کو مضبوط پکڑا جائے اور کم از کم تین مرتبہ "سبحان اللہ ربی العظیم" پڑھے۔(۲)

بہت سے ائمہ حضرات پشت کو زیادہ اٹھا دیتے ہیں یا سر کو زیادہ جھکا دیتے ہیں، نیز ہاتھ اور پیر کو خم دے دیتے ہیں جو کہ خلافِ سنت ہے۔

مسنون یہ ہے کہ سجدے میں جاتے ہوئے تکبیر شروع کرے اور پیشانی کو زمین پر رکھتے ہی تکبیر ختم کر دے، اسی طرح سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر شروع کرے اور کھڑے ہوتے ہی تکبیر ختم کر دے۔(۳) کچھ ائمہ سجدے میں جاتے ہوئے سجدے کی ہیبت سے پہلے ہی تکبیر مکمل کر دیتے ہیں یا طول دے کر سجدے میں بھی تکبیر جاری رکھتے ہیں، نیز سجدے سے اٹھتے ہوئے تکبیر کھڑے ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیتے ہیں یا طول دے کر کھڑے ہونے کے بعد بھی جاری رکھتے ہیں، خلاف سنت ہے۔

بہت سے ائمہ سجدے میں جاتے ہوئے اور سجدے سے اٹھتے ہوئے رکوع کی ہیت بنا لیتے ہیں کہ خلاف سنت ہے اس سے احتراز کی ضرورت ہے۔

رکوع کے قابل اصلاح امور

رکوع کی حالت میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کر انگلیوں کو پھیلا کر گھٹنوں کو پکڑیں۔

(۱) شرح منیہ: ۴۳۲
(۲) درمختار مع الشامی: ۲/۱۹۶
(۳) درمختار مع الشامی

صرف ہتھیلیوں کو رکھ دینا سنت طریقہ نہیں۔(۱)

سر پشت اور سرین کو برابر رکھے نہ سر کو نیچا کرے نہ اونچا۔ باز وکو بغل سے جدا رکھے بغل میں گھسا ہوا نہ ہو۔ ہاتھ تنا ہوا ہو۔اس میں خم نہ ہو۔(ایضا۔ایضا)

پاؤں کو کو بھی سیدھا رکھے۔گھٹنے کے پاس خم نہیں ہونا چاہیے۔

اطمینان سے تین مرتبہ ''سبحان ربی العظیم'' پڑھے۔اس سے کم مکروہ ہے،اس سے زیادہ بہتر ہے۔ہمارے بعض علماء رکوع وسجدہ میں تین مرتبہ تسبیح پڑھنے کو واجب کہتے ہیں۔لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔پوری تسبیح کی ادائیگی صحیح کرے۔خصوصا ظاء کو۔(ایضا)

رکوع کی حالت میں بھی پاؤں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں اور دونوں ٹخنے بالمقابل ہوں۔ اور نظریں پاؤں پر ہوں۔(ماخوذ : نمازیں سنت کے مطابق پڑھے۔)

بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد دونوں ہاتھوں سے اپنے کرتے کے پیچھے دامن کو چھوتے ہیں یا یوں کہیے کہ اس کو برابر کرتے ہیں، یہ ایک بری عادت ہے، بلاضرورت محض عادت ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں، اس کے مکروہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں،اس سے آگے یہ خطرہ ہے کہ کہیں یہ مفسد صلوۃ نہ ہو، کیوں کہ عمل کثیر اس کو کہتے ہیں جس میں دونوں ہاتھ لگائے جائیں اور یہ عمل ایسا ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ لگائے جاتے ہیں اس لیے اس سے پرہیز بہت ضروری ہے، جس کو بھی ایسا کرتے دیکھیں اکرام واحترام کے ساتھ اس پر تنبیہ کریں۔

سجدہ میں پیروں کو زمین سے اٹھادینا

سجدے میں دونوں پیروں کی انگلیوں کو زمین پر برقرار رکھنا واجب ہے، بلا عذر کسی ایک پیر کی انگلیوں پر اکتفاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔اور کم از کم ایک انگلی کا ایک تسبیح کے بقدر بحالتِ سجدہ زمین رکھنا فرض ہے، اگر دونوں پیروں کو زمین پر بالکل نہیں رکھا تو سجدہ ادا نہ

---

(۱) شامی،مطلب القراءۃ البسملۃ بین الفاتحہ والسورۃ : ۱/ ۴۹۳

ہوگااور نماز فاسد ہوجائے گی۔(۱)

بہت سے ائمہ حضرات رکوع یا سجدے اُٹھتے وقت دامن سیدھا کرنے کے لیے بجائے ایک ہاتھ کے دو ہاتھ استعمال کرتے ہیں حالاں کہ عمل کثیر کی تعریف میں ایک قول یہ بھی ہے کہ کسی عمل کو دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک رکن میں تین مرتبہ ایک ہاتھ سے کیا جائے تو نماز کے فساد کا اندیشہ رہتا ہے، اور اگر نماز فاسد نہ ہو جب بھی بلا وجہ نماز میں عمل قلیل مکروہ تنزیہی ہے۔(۲)

جلسہ، قعدہ میں خلافِ سنت طریقے پر بیٹھنا

جلسہ، قعدۂ اولیٰ وقعدۂ اخیرہ میں بیٹھنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھ جائے اور داہنے پیر کو کھڑا کر کے اس کی انگلیاں قبلہ کی جانب رکھے۔(۳) بہت سے ائمہ حضرات داہنے پیر کو کھڑا ہی نہیں کرتے بلکہ یا تو بچھا دیتے ہیں یا اسے بائیں پیر پر رکھ دیتے ہیں یا باہر نکال دیتے ہیں جو کہ خلافِ سنت ہے۔

(۸) قومہ اور جلسہ میں عدمِ اطمینان ایک بڑی کوتاہی

ایک بڑی کوتاہی جو آج عام طور سے دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان نہیں جاتا، حالاں کہ یہ واجب ہے۔

رکوع اور سجدہ کی طرح قومہ اور جلسہ میں بھی احناف کے ہاں راجح قول کے مطابق اعتدال اور اطمینان واجب ہے، اگر چہ ایک روایت سنت ہونے کی بھی ہے لیکن حدیثوں کا تقاضا وجوب ہے، اسی لیے محقق علامہ کمال الدین ابن الہمام اور ان کے شاگرد علامہ ابن

---

(۱) درمختار مع الشامی: ۲/ ۴۰۴

(۲) مراقی مع الطحطاوی

(۳) در مع الشامی: ۲/ ۲۱۶

امیر حاج نے وجوب کو ترجیح دی ہے، بل کہ امیر حاج نے اسی کو درست قرار دیا ہے یعنی دوسرا قول صحیح نہیں ہے جیسا فتاویٰ شامی میں ہے :

والقول بوجوب الکل ھو مختار المحقق ابن الھمام وتلمیذہ ابن امیر حاج حتی قال انی الصواب واللہ الموفق للصواب"۔(۱)

علامہ حصکفیؒ درمختار میں واجب کے بیان میں لکھتے ہیں:

"وتعدیل الارکان ای تسکین الجوارح قدرتسبیحۃ فی الرکوع والسجود وکذافی ماقام منہما علی مااختارہ الکمال"(۲)

یعنی نماز کے واجبات میں سے تعدیل ارکان بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ رکوع اورسجدہ نیز دونوں سے اٹھ کر (قومہ اور جلسہ میں) اعضا کو ایک تسبیح کے بقدر ساکن رکھنا چاہیے، یہی کمال ابن الہمامؒ کا پسندیدہ قول ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ: دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ان چاروں یعنی رکوع، سجدہ اور قومہ اور جلسہ میں اطمینان واجب ہو اور خود قومہ اور جلسہ بھی واجب ہو اس لیے آں حضرت ﷺ نے ان تمام پر ہمیشہ عمل فرمایا اور جن صحابی نے اچھی طرح نماز نہیں پڑھی تھی ان کو ان تمام کا حکم دیا، اور اگر بھول کر کوئی رکوع سے نہ اٹھے تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور جلسہ بین السجدتین کا بھی یہی حکم ہوگا، کیوں کہ قومہ اور جلسہ کا معاملہ ایک ہی ہے۔

بدائع میں امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے کہ جو شخص تعدیل کو ترک کردے اس کے بارے میں فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی نماز جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ تعدیل کا بہت اہتمام فرماتے ہیں، تو جس نے ہم احناف کی طرف یہ منسوب کی ہے کہ یہ

(۱) شامی، الصلوۃ باب فی واجبات الصلوۃ ۱: ر ۴۶۴

(۲) درمختار، الصلوۃ، باب واجبات الصلوۃ :۱ر ۴۶۴

لوگ تعدیل کی پرواہ نہیں کرتے اس نے ہم پر بڑا بہتان لگایا۔(۱)

تعدیل ارکان چھوڑنے کی مصیبتیں

معلوم ہونا چاہیے کہ اکثر لوگوں نے سرے سے قومہ اور جلسہ ہی کو چھوڑ رکھا ہے ان میں اطمینان کی بات کو جانے دیجئے، اس کی کیا بات کرتے ہیں، یہ اطمینان تو منسوخ شریعت کی طرح ہوگا۔(اناللہ وانا الیہ راجعون)

تعدیل ارکان چھوڑنے کی تیس (۳۰) مصیبتین ہیں، مضمون کی طوالت کی وجہ سے یہاں پر صرف تین کو نقل کیا جاتا ہے۔

فقر اور محتاجی: نماز کے ارکان کی تعدیل و تعظیم روزی لانے والے قوی تر اسباب میں سے ہے، اور اس کو چھوڑنے اور اس میں سستی کرنے سے روزی چھن جاتی ہے، ایسا ہی تعلیم المتعلم میں مذکور ہے۔(۲)

جو شخص تعدیل نہیں کرتا وہ علماء آخرت کی نگاہ میں مبغوض ہو جاتا ہے، محترم نہیں رہتا، دین میں بے عزت ہو جاتا ہے، اس کے اقوال وافعال پر اعتماد نہیں کرتے۔

اس کی شہادت رد کر دی جاتی ہے، اس طرح لوگوں کے حقوق ضائع ہو جاتے ہیں، جو شخص قومہ اور جلسہ کو اور ان میں سے کسی کے اندر اطمینان کو ترک کرنے کا عادی ہے وہ معصیت پر اڑا رہنے والا ہے اس کا تزکیہ اور تعدیل نہیں کی جا سکتی، (اس لیے گواہی قبول نہیں ہوگی)

قومہ وجلسہ اطمینان سے نہ کرنے کے نقصانات

جو لوگ اس طرح نماز پڑھتے ہیں کہ قومہ اور جلسہ اور ان میں اطمینان کو چھوڑتے ہیں

(۱) فیض الباری، لاذان، باب المکث بین السجدتین: ۸۲۱

(۲) یہ صاحب ہدایہ کے شاگرد و برہان الاسلام زرنوجیؒ کی تصنیف ہے۔

ان کو معلوم ہونا چاہیے میں ان کو ایک مؤثر نکتہ کی طرف متوجہ کرتا ہوں، اگر ان میں کچھ انصاف اور حق کی طرف میلان اور اصلاح کی کوئی ملامت موجود ہے تو وہ ضرور اس نکتہ سے نصیحت حاصل کرلیں گے۔

وہ یہ ہے کہ آپ اگر صرف فرائض، واجبات اور سنت مؤکدہ پر اکتفاء کرتے ہیں تو بھی دن اور رات میں آپ کی نماز کی رکعات بتیس (۳۲) ہوئیں، اور ہر رکعت میں قومہ اور جلسہ ہے : تو اگر آپ ان میں سے ہر ایک کے اطمینان کو ترک کرتے ہوں تو چوسٹھ (۶۴) گناہ ہوئے۔ اور اگر قومہ جلسہ کو بھی چھوڑتے ہوں تو ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) گناہ ہوئے۔

اور اگر قومہ کو چھوڑ ہیں تو ہر کعت میں چار مکروہ ہوئے : ''سمع اللہ لمن حمدہ'' کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اس کی جگہ قومہ کی طرف سر کا اٹھانا ہے۔ (اس سے مؤخر کرنا)۔

اس کی جگہ کے سوا میں اس کو کہنا، وہ ہے سجدہ کی طرف جانا ہوتا ہے۔

''ربنا لک الحمد'' جس کی جگہ قومہ کا اطمینان ہے اس کو اس کی جگہ سے ہٹانا۔

اور سجدہ میں جانے کے وقت کہنا جو اس کی جگہ نہیں ہے۔

اس طرح چار سنتیں چھوٹیں : ''سمع اللہ لمن حمد'' کو رکوع سے سر اٹھانے کے وقت پڑھنا۔

سجدے میں جانے کے وقت نہ کہنا۔

''ربنا لک الحمد'' کو قومہ کی اطمینان کی حالت میں کہنا۔

سجدہ میں جاتے کے وقت نہ کہنا۔

ترجمہ : ''یہ تو اس صورت میں ہے کہ قومہ وجلسہ میں اطمینان کو واجب مانا جائے) اور اگر ہم نیچے اتریں اور قومہ وجلسہ اور ان دونوں میں اطمینان کو سنت کہیں تو پھر اتنی ڈھیر ساری مؤکد سنتوں کا تارک ہوگا، اور ہر سنت کے ترک میں عتاب اور حضور ﷺ کی شفاعت سے محرومی ہے۔ (''اعاذنا اللہ منھا)

تو اے سمجھ دار بھائی کیا تو اس پر راضی ہے کہ سید المرسلین حبیب رب العالمین کی

شفاعت سے محرومی رہے جب کہ اس کو تمام مخلوق حتیٰ کہ انبیاء اور اولیاء بھی مانگتے اور امید رکھتے ہیں، اگر یہ شفاعت تم کو نہیں ملی تو تیرا کون سا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہوگا جو تم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضگی سے بچائے گا اور تم کو جنت تک پہنچائے گا۔

ہم اپنے نفس کی برائیوں اور برے اعمال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں، اور دعاء اور التجاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اے بھائیوں حق دکھلا دے اور اس کے اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھادے اور اس سے بچالے بے شک وہ کریم وحریم، اور سخی اور حکیم ہے۔

قومہ کی دعا پڑھ لینا چاہئے

عبد اللہ بن ابی اوفیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی پشت جب رکوع سے اٹھاتے تو فرماتے :سمع اللہ لمن حمدہ اللھم ربنا لک الحمد ملاء السموات وملاء الارض وملاء ماشئت من شی بعد"(۱)

یہ دعا بھی نوافل میں پڑھنا سنت ہے۔

"ربَّنا لك الحمدُ، مِلْءَ السَّمواتِ والأرضِ، ومِلْءَ ما شِئتَ مِن شيءٍ بعدُ، أهلَ الثَّناءِ والمجدِ، أحقُّ ما قال العبدُ، وكلُّنا لك عبدٌ، اللهمَّ لا مانعَ لما أعطَيتَ، ولا مُعطيَ لما منَعتَ، ولا ينفَعُ ذا الجدِّ منك الجدُّ"(۲)

جلسہ کی دعا پڑھ لینا چاہئے

حضور ﷺ دونوں سجدوں کی درمیان یہ دعا مانگتے تھے: "اللھم اغْفِرْلِي وَارْحمنِيْ

(۱)مسلم، حدیث:۴۷۶

(۲)مسلم، حدیث:۴۷۷

وَاجْبُرْنِي وَاهْدِنِي وَارْزُقْنِي‘‘ معارف السنن جلد ۳ صفحہ ۳۵۳ میں ہے کہ ذکر چھ جگہوں پر ثابت ہے ان میں قومہ اور جلسہ بھی ہیں فیض الباری جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ میں ایسا ہی ہے بلکہ چھ جگہوں سے زیادہ کا ذکر ہے۔

دو سجدوں کے درمیان اس مختصر سی دعا میں کتنی اہم چیزیں مانگنے کی ہیں، پانچ مختصر سے جملوں میں کافی حاجتیں اور ضرورتیں مانگ لی گئی ہیں، کاش! ہم لوگ اہتمام سے دل لگا کر ترجمہ کا دھیان رکھتے ہوئے اس دعا مانگی، کہ اے اللہ معاف کردے، اور مجھ پر رحم فرمادے، جس کاموں میں اللہ کی رحمت شامل ہوگئی، اس کا بیڑا پار ہے۔

اور اے اللہ! مجھے عافیت عطا فرما، یقین کے بعد سب سے بڑی دولت عافیت کی ہے۔

اور پھر ہدایت طلب کی گئی ہے، ہم تو ہر کام میں ہر وقت ہر آن اور ہر گھڑی ہدایت کے محتاج ہیں، اس کے بعد رزق کی دعا مانگی گئی ہے اے اللہ! مجھے رزق عطا فرما۔

مسالک کی رعایت کا علم ہو

خروج عن اختلاف الائمہ مطلوب ومندوب ہے، الایہ کہ اختلافِ حلت وحرمت ہو، یا جواز وعدم جواز کا مسئلہ ہو۔ عموماً اولیٰ کا اختلاف ہوتا ہے، مثلاً عند احمد جلسے میں ایک بار’’ اللھم اغفرلی‘‘ کہنا واجب ہے۔ عند الشافعیؒ قعدۂ اخیرہ میں درود شریف واجب ہے، اور عند الثلاثۃ وابی یوسف تعدیل ارکان فرض ہے۔

رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ وغیرہ میں اطمینان عند الثلاثۃ وابی یوسف فرض، اور عند الطرفین واجب ہے۔ کم از کم ایک’’ سبحان اللہ‘‘ کی مقدار ٹھہرنا واجب ہے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے حضرت خلاد بن رافعؓ سے فرمایا: ’’قم فصل فانک لم تصل‘‘ (۱) عموماً قومہ وجلسے میں جلد بازی ہو جاتی ہے، چاہے تراویح ہو’’ حتی تطمئن قائما ای جالساً یہی فوت ہو رہا تھا۔

قراءت کی آواز خود کو سنائی دے، یہ فرض ہے (عند الھندوانی وجمہور) اور (عند

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن وابی داود ۸۵۶:

الکرخی) تصحیح حروف اور ہونٹ وزبان کی حرکت کافی ہے۔

شافعیہ کے یہاں وضو میں ترتیب فرض ہے اور مالکیہ کے یہاں موالاۃ (پے در پے دھونا) فرض ہے۔

اسبال ازار پر حضور ﷺ نے نماز اور وضو لوٹانے کا امر فرمایا۔ یہ زجراً تھا، تاکہ آئندہ خیال رہے۔(۱)

فرض کے بعد اوراد و وظائف کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ مؤخر نہ کریں، وظائف کی وجہ سے سنتِ مؤکدہ موخر نہ کریں، وظائف کی وجہ سے نمازِ سنت کو مؤخر کرنا خلاف سنت ہے۔(۲)

(۹) قعدہ میں تشہد و درود اور دعا پڑھنے میں بے جا روانی

بعض ائمہ حضرات تراویح کے قعدۂ اور فرائض کے قعدۂ اولیٰ واخیرہ میں تشہد و درود اور دعا اس قدر روانی سے پڑھ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جاتے ہیں یا سلام پھیر دیتے ہیں کہ مقتدی حضرات تشہد بھی مکمل نہیں کر پاتے حالاں کہ یہی ائمہ کرام جہری نماز میں قراءت نہایت اطمینان سے کرتے ہیں، انہیں تشہد و درود بھی نہایت اطمینان سے پڑھنا چاہیے تا کہ مقتدی حضرات بھی تشہد واجب اور درودِ مسنون و دعاء ماثور کما حقہ پڑھ سکیں۔

تلاوت وتشہد وغیرہ بجائے زبان کے دل سے پڑھنا

نماز میں تلاوت واذکار کی صحت وتحقق کے لیے انہیں زبان سے پڑھنا ضروری ہے، دل میں پڑھنا کافی نہیں ہے۔ کچھ ائمہ کی تشہد و درود اذکار پڑھنے میں حیرت انگیز روانی کو دیکھ کر گمان کیا جاسکتا ہے کہ وہ تلاوت واذکار بجائے زبان کے دل میں پڑھتے ہیں، اگر صورتِ حال ایسی ہی ہو تو ان ائمہ کے لیے اپنے اس عمل کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔

---

(۱) سنن ابی داو:۱۶۳۸

(۲) تحفۂ امامت وائمہ مکاتب :۳۰

قعدہٴ اخیرہ میں درود شریف ترک کردینا

قعدہٴ اخیر میں درود شریف پڑھنا سنت مؤکدہ ہے،(۱) بلکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فرض ہے،یقین نہیں تو کم ازکم ظن غالب کے درجے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ بہت سے ائمہ اس سنت کے بھی تارک ہیں، کیوں کہ ابھی مقتدی حضرات تشہد مکمل نہیں کر پاتے کہ ائمہ سلام پھیر دیتے ہیں ۔بلکہ تراویح میں بعض حفاظ تشہد پر اکتفا کرکے دَرود شریف کے ترک کو بالقصد اپنا معمول بنا لیتے ہیں جس سے ترک سنتِ کا گناہ لازم آتا ہے حالاں کہ تراویح میں مقتدیوں کی اکتاہٹ کے باوجود دَرود شریف پڑھنا سنت ہے اور اس کا ترک درست نہیں ہے جب کہ مقتدیوں کی جانب سے سستی اور اکتاہٹ کا اندیشہ نہ ہوتو تراویح میں بھی دعاء ماثورہ پڑھنا مسنون ہے ۔(۲)

کلماتِ سلام کو کھینچنا

بعض ائمہ تکبیرِ تحریمہ ہی کی طرح کلماتِ سلام کو خوب کھینچتے ہیں جس کی وجہ سے بعض مرتبہ مقتدی کا لفظِ سلام امام کے لفظ سلام سے پہلے مکمل ہوجاتا ہے، بالقصد ایسا کرنے سے مقتدی کی نماز فاسد ہوجاتی ہے، جب کہ سہواً ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعادہ ہوجاتی ہے ۔(۳) لہذا ائمہ کو چاہیے کہ وہ لفظ ’’السلام‘‘ میں ہرگز مد (دراز) نہ کریں ۔

دونوں سلام میں دائیں، بائیں مکمل التفات نہ کرنا

دونوں جانب سلام میں چہرے کا التفات کرتے ہوئے اس طرح مبالغہ کرنا مسنون

---

(۱) درمع الشامی: ۲/ ۱۷۴

(۲) مراقی الفلاح مع الطحطاوی : ۳۵۴

(۳) حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی

ہے کہ رخسار کی بیاض (سفیدی) پیچھے والے کو نظر آجائے ۔(۱)

حضور ﷺ التفات میں اس طرح مبالغہ فرماتے کہ رخسارِ مبارک کی سفیدی نظر آجاتی (۲) بعض ائمہ مکمل التفات کرنے کے بجائے صرف نصف چہرہ گھماتے ہیں جو کہ خلاف سنت ہے۔

(۱۰) فرائض میں جہراً دعا کا التزام کرنا

فرض نمازوں کے بعد بدونِ ذکر کیفیت کے نفسِ دعا کا ثبوت متعدد روایات میں ملتا ہے، بلکہ حضور ﷺ سے منقول ساعات اجابت میں سے ایک فرض نماز کے بعد کا وقت بھی ہے اسی لیے علماء کرام کا فرض نمازوں کے بعد دعا کے استحباب پر اجماع ہے ۔(۳) لیکن اس دعا کی کیفیت رویات میں مذکور مصرح نہیں البتہ دعا میں اصل سر (آہستہ دعا کرنا) بایں وجہ افضل سراً دعا کرنا ہے، لیکن اگر کبھی اصل ثبوت کے اعتبار سے جہراً دعا کر لی جائے اس کی گنجائش ہے البتہ اسکی عادت بنالینا اور اسی کا التزام کرنا۔ جیسا کہ آج کل بہت سے ائمہ کر رہے ہیں ۔ مکروہ اور التزم مالم یلتزم (غیر لازم کو لازم سمجھ کر التزام کرنے) کی وجہ سے بدعت ہے ۔(۴) اسی طرح التزم کی بنا پر عوام دعا بالجہر کو ضروری سمجھنے لگے ہیں بلکہ بعض جگہ تو کمیٹی والوں نے دعا بالجہر کو امام پر لازم کر دیا ہے جو بالکل غیر شرعی طرزِ عمل ہے، اس مفسدہ کی وجہ سے دعا بالجہر کا التزام واجب الترک ہے ۔

(۱۱) قنوتِ نازلہ ترک کردینا

بعض ائمہ کرام کمیٹی کے مطالبہ پر ،اہلِ علم کے فتوی کے بعد بھی ملکی وعالمی حالات

---

(۱) شامی: ۲/۲۳۹

(۲) مسلم،نسائی،ترمذی

(۳) السعایۃ للعلامہ عبدالحی لکھنوی: ۲/۲۵۲

(۴) السعایۃ: ۲/۲۸۹

کے باوجود دعائے قنوت کا اہتمام نہیں کرتے ہیں، درخواست کرنے پر صاف منع کردیتے ہیں، یہ کبر وانا کی دلیل ہے۔

قنوت نازلہ

قنوت دعا کو کہتے ہیں اور نازلہ کے معنی مصیبت کے ہیں، جب مسلمانوں پر کوئی عام مصیبت آجائے، مثلا : کفار کی طرف سے مسلمانوں پر عمومی طور پر ظلم وستم ہونے لگے، تو ایسے موقع پر قنوتِ نازلہ کا پڑھنا صحیح اور معتبر روایات سے ثابت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوتِ نازلہ میں ظالموں کے نام لے کر کے بد دعا فرمائی اور مظلوموں کے نام لے کر دعا فرمائی، بیرِ معونہ کے موقع پر جب ستر صحابہ کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا، تو اس وقت ایک مہینہ تک مسلسل حضور ﷺ نے قنوت نازلہ پڑھی، قنوتِ نازلہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نمازِ فجر کی دوسری رکعت میں رکوع کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہہ کر ہاتھ اٹھائے بغیر امام کھڑا ہو جائے اور قیام کی حالت میں دعائے قنوت پڑھے اور مقتدی اس کی دعا پر آہستہ آواز سے آمین کہتے رہیں، پھر دعا سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدے میں چلے جائیں، بقیہ نماز امام کی اقتداء میں اپنے معمول کے مطابق ادا کریں۔ :

اللّٰھُمَّ اھْدِنَا فِیْ مَنْ ھَدَیْتَ، وَعَافِنَا فِیْ مَنْ عَافَیْتَ، وَتَوَلَّنَا فِیْ مَنْ تَوَلَّیْتَ، وَبَارِکْ لَنَا فِیْ مَا أَعْطَیْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَیْتَ، فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ، اِنَّہٗ لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ، وَلَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ، تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَنَا وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلِلْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ، وَأَصْلِحْھُمْ وَأَصْلِحْ ذَاتَ بَیْنِھِمْ، وَأَلِّفْ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَاجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَالْحِکْمَۃَ، وَثَبِّتْھُمْ عَلٰی مِلَّۃِ رَسُوْلِکَ، وَاَوْزِعْھُمْ أَنْ یَشْکُرُوْا نِعْمَتَکَ الَّتِیْ أَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ، وَأَنْ یُوْفُوْا بِعَھْدِکَ

الَّذِیْ عَاهَدتَّهُمْ عَلَیْهِ، وَانْصُرْهُمْ عَلَی عَدُوِّکَ وَعَدُوِّهِمْ، اِلٰهَ الحقِّ، سُبْحَانَکَ، لَا اِلٰهَ غَیْرُکَ۔ اَللّٰهُمَّ انْصُرْ عَسَاکِرَ المسْلِمِین، وَالْعَنِ الْکَفَرَةَ وَالمشْرِکِین، الَّذِیْنَ یُکَذِّبُوْنَ رُسُلَکَ، وَیُقَاتِلُوْنَ أَوْلِیَائَکَ۔ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَیْنَ کَلِمَتِهِمْ، وَفَرِّقْ جمعَهُمْ، وَشَتِّتْ شَمْلَهُمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهِمْ، وَاَلْقِ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ، وَخُذْهُمْ أَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ، وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَکَ الَّذِیْ لَا تَرُدُّه عَنِ الْقَوْمِ المجْرِمِین۔

(۱۲) نماز کے بعد انحرافِ امام کی ہیئت

حضراتِ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ فرائض سے فارغ ہونے کے بعد امام کا اسی ہیئت تبدیل کرے، جس کی مختلف صورتیں ہیں، یعنی یا تو مصلے سے اٹھ کر چلا جائے، یا دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف مڑ کر بیٹھے۔ اگر نماز کے بعد سنتیں ہوں تو ان کو کرنے کے لیے مصلے سے آگے پیچھے دائیں یا بائیں ہٹ کر پڑھے، امام کے اسی ہیئت پر قبلہ کی طرف رہنے میں آنے والوں کو جماعت باقی رہنے کا اشتباہ ہوسکتا ہے، خطرہ ہے کہ کوئی اقتداء کرلے اور اس کی نماز صحیح نہ ہو، اس لیے امام کا ہیت نہ بدلنا مکروہ ہے۔

امام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھنا سنت ہے۔ البتہ اگر امام کے سامنے پہلی صف میں کوئی مسبوق ہوتو اس کے سامنے بیٹھنا مکروہ ہے۔ لہذا اس صورت میں دائیں بائیں ہو کر بیٹھے، اگر پہلی صف کے پیچھے والی کسی صف میں مسبوق ہوتو اس کا سامنا کرنے کے جواز میں اختلاف ہے، علامہ شامیؒ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔(۱)

لہذا جن نمازوں کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہیں ان میں امام کو تینوں طرح بیٹھنا

(۱) مآخذ احسن الفتاویٰ، باب الامامۃ والجماعۃ، انصراف الامام الی جہۃ الانام : ۳/۳۷۳)

درست ہے، یعنی دائیں جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف۔ البتہ کسی ایک کا التزام درست نہیں، داہنی جانب متوجہ ہونا کہ قبلہ بائیں جانب ہو اولیٰ ہے۔(۱)

حدیث سے ثابت ہے کہ زیادہ تر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داہنی طرف پھرتے تھے۔(۲)

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص یہ سمجھے کہ داہنی طرف ہی پھرنا ضروری ہے، میں نے بار ہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے کہ بائیں طرف کو پھرے۔

پس معمول یہ رکھنا چاہیے کہ اکثر داہنی طرف کو پھرے اور کبھی کبھی بائیں طرف پھر جایا کرے۔(۳)

ظہر، مغرب اور عشاء کے فرضوں کے بعد مقتدیوں کی طرف رخ کر کے دعا کرنا خلاف سنت ہے۔(۴)

مصلی پر سنتیں پڑھنے کا حکم

امام کے لیے اگر فرض نماز کے بعد سنتوں کی ادائیگی کے لیے الگ جگہ (دائیں، بائیں یا آگے پیچھے ہو جانے) کی سہولت ہو تو سنتیں اور نوافل الگ جگہ پر پڑھنا مستحب ہے۔ اور یہ استحباب اس بنا پر ہے کہ نماز پڑھنے والے کے لیے دو مقام گواہ بن جائیں یا فرائض اور نوافل میں امتیاز ہو جائے۔(۵)

لیکن اگر جگہ موجود نہ ہو یا مجبوری ہو یا نماز کے بعد دعا وغیرہ کی وجہ سے فاصلہ ہو چکا ہو تو امام نماز سے فارغ ہو کر محراب میں سنتیں اور نوافل ادا کر سکتا ہے اس میں شرعاً کوئی قباحت

---

(۱) فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوۃ، نمازوں کے بعد نوافل۔۔۔ ۲/ ۱۳۴

(۲) مسلم، صلاۃ المسافرین، باب جواز الانصراف من الصلاۃ عن الیمین والشمال، حدیث: ۷۰۸

(۳) فتاویٰ دار العلوم دیوبند الباب الرابع، صفۃ الصلوۃ، سنن وکیفیات نماز: ۲/ ۱۹۲ بحوالہ، غنیۃ المصلی: ۱/ ۳۳

(۴) احسن الفتاویٰ، باب الامامہ والجماعۃ

(۵) کفایت المفتی: ۳/ ۳۱۳

نہیں۔

جن احادیثِ مبارکہ میں فرائض اور سنن الگ الگ جگہ پڑھنے کا حکم ہے وہ بھی اسی بنا پر ہے؛ تاکہ فرض اور سنت میں اشتباہ نہ ہو،اسی لیے علماء نے جگہ تبدیل کرنے کو مستحب قرار دیا ہے،تاہم جب امام نے سلام پھیر دیا اور اس کے بعد مختصر دعا یا ذکر سے فاصلہ ہوگیا (جیسا کہ ہمارے ہاں عموماً ہوتا ہے) تو اس سے فرض اور سنت میں فصل ہوگیا اور اشتباہ باقی نہیں رہا،اس لیے متبادل جگہ یا دائیں بائیں گنجائش نہ ہونے کی صورت میں اسی مقام پر سنتیں ادا کرنا درست ہے۔

امام بخاریؒ نے اس سلسلہ میں جو روایت ذکر کی ہے،وہ بغیر سند کے ذکر فرمائی ہے اور اس روایت پر امام بخاریؒ نے نقد فرمایا ہے کہ: "ولم یصح" یہ روایت سند کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہے۔اور اسی باب میں امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نقل فرمایا ہے کہ وہ فرض کے مقام پر نوافل ادا فرماتے تھے۔بہر حال شرعی حکم کی حیثیت سطورِ بالا میں آگئی ہے کہ اشتباہ کے وقت یہ مستحب ہے،جہاں اشتباہ نہ ہو،یا جگہ نہ ہونے کی وجہ سے ضرورت ہو تو امام کے لیے مصلے پر ہی سنن ونوافل ادا کرنے میں حرج نہیں ہے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند میں ہے: "اب اصل علت ارتفاع اشتباہ ہے،اور یہ بہتر ہے کہ بصورتِ اشتباہ علیحدہ ہو کر سنن اور نوافل پڑھے،لیکن اس مصلی پر پڑھے تو یہ بھی درست ہے، لأن بالسلام یحصل الفصل،اور جو اصلی علت احادیث میں مذکورہ ہے کہ خلط فرائض بالنوافل واحتمال گمان زیادۃ فریضۃ،وہ اب باقی نہیں ہے۔(۱)

(۱۳) آواز میں اعتدال

شریعت عدل واعتدال کا نام ہے، پوری نماز میں اعتدال ہو۔ " لاتجوز

(۱) فتاوی دارالعلوم دیوبند: ۴/ ۱۶۵

بصلاتک و لا تخافت بها و ابتغ بین ذلک سبیلا ‘‘ (۱) بعض مساجد میں مقتدی پانچ سو (۱۰۰) ہیں اور امام کی آواز سو (۱۰۰) کے برابر ہوتی ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح بعض مقتدی دس (۱۰) ہے، اور نماز لاؤڈ اسپیکر پر ہو رہی ہے، یہ صحیح نہیں ہے، آواز بقدر ضرورت رکھا کریں۔ بہت بلند آواز سے پڑھنے میں امام اور مقتدی دونوں کو تکلیف ہوگی، معاً ناہمواری اور حضور قلبی ختم ہوجائیگی، اس کے بالمقابل معتدل آواز سے قلب پر اثر ہوتا ہے، اس لیے مائک نہ بالکل منہ کے پاس ہونٹ کے ساتھ لگا ہوا ہو، اور نہ ہی ایک فُٹ کے فاصلے پر ہو۔

رفتارِ قراءت میں اعتدال برقرار رہے، نہ ترتیل وجلسے کی قراءت کی طرح ٹھہر ٹھہر کر، نہ تراویح کی طرح حدراً؛ بلکہ تدویراً قراءت ہو۔

نماز میں عملِ کثیر کا ارتکاب کرنا

نماز میں عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، جمہور فقہاء حنفیہ کے یہاں عملِ کثیر یہ ہے کہ کسی ایسے کام کو جو اصلاحِ صلوۃ اور افعالِ صلوۃ کے قبیل سے نہ ہو، اس طرح کرے کہ دیکھنے والا جسے اس کے نماز میں ہونے کا علم نہیں ہے اس کے عمل کی وجہ سے نمازی کو خارجِ صلوۃ گمان کرے۔(۲)

(۱۴) نماز کے بعد دعا کا نظام

آہستہ دعا کرنا افضل ہے اگر نمازیوں کو حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کرلے تو جائز ہے، ہمیشہ زور سے دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے، روایات میں جہراً، اجتماعاً

(۱) الاسراء :۱۱

(۲) درمختار مع الشامی: ۲/ ۳۸۵

و دواماً دعا مانگنا ثابت نہیں ہے ۔(۱)

اگر دعا کی تعلیم مقصود ہو تو بلند آواز میں بھی مضائقہ نہیں ۔مگر اس بلند آواز سے جس سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو ۔نماز سلام پر ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد دُعا نماز کا جز نہیں ۔(۲)

اسی طرح امام دعا کے الفاظ کو اپنے ساتھ مخصوص نہ کرے اگر وہ دعا زور سے کر رہا ہے ۔ایک ہی قسم کی دعا کرنا خیانت ہے ۔احادیث میں جو منفرداً الفاظ آئے ہیں وہ اس میں داخل نہیں ہیں، کیوں کہ مقتدی بھی اپنے لیے دعا کر رہے ہیں اس طرح نفس دعا میں سب شریک ہو جائیں گے ۔(۳)

بعض جگہ دستور ہے کہ ختم دعا پر جب منہ پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو اس وقت کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں، حالاں کہ یہ بدعت ہے، کیوں کہ دعا کے آخر میں میں درود شریف اور آمین کے سوا کچھ اور پڑھنا ثابت نہیں ۔(۴)

(۱۵) نماز پڑھانے میں مصلیوں کی راحت کا خیال رکھیں!

وہ امام ہی کیا جو اپنے مقتدیوں کے جذبات و احساسات ہی سے نا آشنا ہو، دیکھیے رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ قراءت میں تاثیر اور خوش الحانی کسے ودیعت ہو سکتی تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نمازیوں کا خیال رکھا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ سے زیادہ پُر اثر اور خوبصورت قراءت کس کی ہو سکتی تھی؟ اس کے باوجود آپ ﷺ نے نمازیوں کا خیال رکھا تو ائمہ کو بھی ان کا خیال رکھنا چاہیے، نبی کریم ﷺ لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ کرتے لیکن بچوں

---

(۱) فتاویٰ رحیمیہ، متفرق مسائل، نماز کے بعد دعا : ۱۰/ ۱۸۳

(۲) فتاویٰ محمودیہ، کتاب الصلوۃ، دعا زور سے مانگنا : ۲/ ۱۸۳

(۳) مسائل امامت : ۲۳۳

(۴) مسائل امامت : ۲۳۵

کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز کو مختصر کر دیا کرتے۔ "یَسْمَعُ بُکَاءَ الصَّبِي" (۱)

کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّكُمْ بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ (۲) حضرت سیدنا عثمان بن ابی العاص ؓ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے اپنی قوم کا امام مقرر فرما دیں، آپ ﷺ نے فرمایا "أَنْتَ إِمَامُهُمْ" تم ان کے امام ہو۔ اور ساتھ ہی مقتدیوں کا خیال رکھنے کی تلقین فرمادی "وَاقْتَدِ بِأَضْعَفِهِم" (۳) 'اور ان میں سے سب سے کمزور کی اقتدا کرنا (خیال رکھنا)۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں ایک واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص اپنی پانی بھرنے والی اونٹنیاں لے کر اُس مسجد کے باہر پہنچا جہاں سیدنا معاذ بن جبل ؓ عشاء کی نماز پڑھایا کرتے تھے، وہ جب پہنچا تو سیدنا معاذ ؓ نماز پڑھانے ہی لگے تھے۔ وہ آگے بڑھا (ان کی اقتدا میں نماز شروع کی) تو سیدنا معاذ ؓ نے سورۂ بقرہ یا نساء کی قراءت شروع کر دی، اس شخص نے جماعت سے علیحدہ ہو کر اپنی نماز پڑھی اور چلا آیا، اس شخص کو خدشہ تھا کہ سیدنا معاذ بن جبل ؓ اس سے ناراض ہوں گے کیونکہ اسے اس کی اطلاع مل چکی تھی، وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سیدنا معاذ ؓ کی شکایت کرنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے معاذ! کیا تم فتنہ پرور بننا چاہتے ہو؟ یا آپ نے فرمایا: فتنہ ڈالنے والے بننا چاہتے ہو، یہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمانے لگے: تم نے "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى، وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا، وَ الَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى" (کی تلاوت کر کے) نماز کیوں نہ پڑھادی؟ کیونکہ تمہارے پیچھے عمر رسیدہ، کمزور اور ضرورت مند لوگ بھی نماز پڑھتے ہیں۔

"يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ ـ أَوْ فَاتِنٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ ـ فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِـ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا، وَ الَّيْلِ إِذَا

(۱) صحیح بخاری، حدیث: ۷۰۷

(۲) سنن ابی داؤد، حدیث: ۳۸۰

(۳) سُنَن أَبِي داوٗد، كِتَابُ الصَّلَاةِ، بَابُ أَخْذِ الْأَجْرِ عَلَى التَّأْذِينِ، حدیث: ۵۳۱

يَغْشٰى، فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَائكَ الْكَبِيرُ، وَالضَّعِيفُ وَذُو الحاجَة"(۱)

یاد رہے! سیدنا معاذ بن جبلؓ بہترین قاری تھے اور زبانِ نبوت سے یہ تلقین تھی کہ ان سے قرآن مجید کی قراءت سیکھی جائے۔)(۲)

فائدہ: آپ ﷺ اپنی انفرادی نماز میں لمبی قرآت فرمائی ہے، جیسے اپنی تہجد کی نماز میں بھی سورۂ بقرہ، آلِ عمران اور نساء بھی ایک رکعت میں پڑھ جایا کرتے تھے۔

سیدنا حذیفہؓ فرماتے ہیں: "میں نے ایک رات نبی ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کر دی، میں نے دل میں کہا: آپ ﷺ سورۂ بقرہ کی (۱۰۰) آیات پڑھیں گے اور رکوع کریں گے مگر آپ پڑھتے ہی گئے۔ میں نے پھر دل میں کہا: (شاید) سورۂ بقرہ پڑھ کر رکوع کریں گے، مگر آپ نے قراءت جاری رکھی، پھر آپ ﷺ نے سورۂ نساء کی تلاوت فرمائی پھر سورۂ آل عمران کی تلاوت کی، آپ ٹھہر ٹھہر کر پڑھ رہے تھے، جب کسی تسبیح والی آیت کی تلاوت فرماتے تو تسبیح پڑھتے، جب کسی سوال کا ذکر آتا تو اللہ سے سوال کرتے، اور پناہ مانگنے کا ذکر آتا تو پناہ مانگتے۔

پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا اور اس میں سبحٰن ربي العظيم پڑھا، آپ کا رکوع بھی کم وبیش قیام جتنا تھا، پھر رکوع سے اُٹھے تو خاصی دیر کھڑے رہے اور یہ قومہ بھی تقریباً رکوع کے برابر تھا، پھر سجدہ کیا اور اس میں "سبحٰان ربي الأعلىٰ" پڑھا اور سجدہ بھی کم وبیش قیام جتنا ہی تھا۔"(۳)

(۱) صحیح البخاری، کِتَاب الاَذَانِ، بَاب مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ، حدیث: ۷۰۵

(۲) صحیح البخاری، کِتَاب مَنَاقِبِ الأَنْصَارِ، بَاب مَنَاقِبِ مُعَاذِ بْنِ جَبَل، حدیث: ۳۸۰۶)

(۳) صحیح مسلم، کِتَاب صَلَاةِ المُسَافِرِينَ وَقَصْرِهَا، بَاب اسْتِحْبَابِ تَطْوِيلِ الْقِرَاءَةِ فِي صَلَاةِ اللَّيْل، حدیث: ۷۷۲

نماز مختصر ہونے کا مطلب کیا ہے؟

ایک صحابی کا بیان ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے جس قدر مختصر اور مکمل نماز پڑھی ایسی نماز کسی اور کے پیچھے نہیں پڑھی۔ "مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ ﷺ" (۱) جبکہ آپ ﷺ ہی ہمارے لیے نماز وغیرہ میں نمونہ ہیں۔

☆ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص نماز میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اپنائے گا وہ اپنے مقتدیوں کو نماز لمبی ہونے کی شکایت کا موقع نہیں دے گا"۔(۲)

☆ نماز میں تخفیف سے مراد ایسی نماز ہے جو مختصر بھی ہو اور اس کے ارکان واجبات اور سنن مکمل بھی ہوں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز تھی جس پر آپ ﷺ نے ہمیشگی فرمائی۔ یہ مطلب نہیں کہ وہ نماز مقتدیوں کی خواہش کے مطابق ہو۔

☆ بعض علماء کے ہاں تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ کمال کے ادنی درجے پر اکتفا ہو مثلاً: رکوع اور سجدے میں تین تسبیحات کہی جائیں البتہ جب کبھی مقتدیوں کی متفقہ رائے یہ ہو کہ امام انھیں لمبی نماز پڑھائے تب قیام لمبا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اب مقتدیوں کے متنفر ہونے کا اندیشہ نہیں رہا۔

☆ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "فقہاء کی یہ رائے کہ امام کو رکوع اور سجدے میں تین تسبیحات سے زیادہ نہیں کہنی چاہئیں یہ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کے خلاف نہیں ہے کہ آپ ﷺ تین تسبیحات سے زیادہ پڑھا کرتے تھے کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنھم اجمعین کا اجر وثواب کے حصول میں جو جذبہ تھا اس اعتبار سے یہ تعداد زیادہ تھی۔(۳)

---

(۱) صحیح البخاری الاذان باب من اخف الصلاۃ عند بکاء الصبی حدیث: ۷۰۸۔ وصحیح مسلم الصلاۃ باب امر الائمۃ بتخفیف الصلاۃ فی تمام حدیث: ۴۶۹

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

(۳) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

☆ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام نماز کی قرآءت وتسبیحات کو مسنون مقدار سے زیادہ نہ کرے البتہ موقع محل کی مناسبت سے کبھی کبھار زیادہ وقت بھی لگایا جاسکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی ایسا کیا کرتے تھے''۔(۱)

☆ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''علماء نے کہا ہے کہ احادیث شریفہ میں قرآءت کی مقدار میں روایات کا جو اختلاف ہے ان کا تعلق مختلف احوال کی مناسبت سے ہے یعنی آپ ﷺ مقتدیوں کی صورت حال دیکھ لیتے نفسیات پڑھ لیتے، اگر وہ لمبا قیام چاہتے تو لمبا قیام کر لیتے اور اگر کسی عذر کی وجہ سے اختصار چاہتے تو آپ ﷺ مختصر نماز پڑھا دیتے تھے، کبھی لمبی نماز پڑھانے کا ارادہ ہوتا لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز مختصر کر دیتے تھے جیسا کہ روایات میں موجود ہے:

امام اتنی جلدی نماز نہ پڑھائے کہ مقتدی امام کے ساتھ مسنون ارکان مثلاً : تین تین بار تسبیحات رکوع وسجود ادا نہ کر سکے بلکہ قرآءت ٹھہر ٹھہر کر کرے۔ اور رکوع وسجود کی تسبیحات کا موقع دے۔

☆ یہ بھی عمل مسنون ہے کہ امام پہلی رکعت لمبی کرے چنانچہ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکعت کو لمبا کرتے تھے''۔(۲)

☆ جب امام حالت رکوع میں ہو اور اسے محسوس ہو کہ کوئی شخص جماعت میں داخل ہو رہا ہے تو مستحب یہ ہے کہ امام رکوع کو قدر لمبا کر دے تا کہ وہ رکوع میں شامل ہو جائے اور رکعت مل جائے یہ مقتدی کے ساتھ تعاون کی ایک صورت ہے چنانچہ سیدنا ابن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت سے ہے: رسول اللہ ﷺ ظہر کی پہلی رکعت میں تا دیر کھڑے رہتے حتی کہ جماعت میں داخل ہونے والوں کے قدموں کی آہٹ ختم ہو جاتی۔

''كَانَ يَقُومُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ حَتَّى لَا

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

(۲) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبد الرحمن: ۲/ ۹۴

يُسْمَعَ وَقْعُ قَدَمٍ"

لیکن یہ تب ہے جب مقتدیوں کی طبیعتوں پر انتظار گراں نہ گزرے اور زیادہ لمبا نہ ہو ورنہ انھیں نظر انداز کر دے کیونکہ جماعت میں شامل ہونے والوں کا احترام ولحاظ شامل نہ ہونے والوں سے بڑھ کر ہے۔(۱)

اپنی نماز کو ظاہر و باطن کے لحاظ سے نمونہ والی بنائیں

بالعموم جہری اور سرّی نماز کی تلاوت میں فرق رہتا ہے، رکوع، سجدہ کے علاوہ خشوع وخصوع میں بھی فرق ہوتا ہے، علاوہ ازیں خلوت وجلوت کی نماز میں تو بہت فرق ہوتا ہے، امام کو چاہئے کہ اپنی نماز مکمل سنت والی بنائے۔

حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے چار واقعات زندگی میں بڑے عجیب لگے، ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ''ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا اس کے سامنے سے ایک عورت روتی ہوئی کھلے چہرے کھلے سر کے ساتھ گزری' اس نے سلام پھیرا تو اس عورت پر بڑا ناراض ہوا' کہنے لگا کہ تجھے شرم نہیں آئی' دھیان نہیں ننگے سر کھلے چہرے کے ساتھ میرے آگے سے گزر گئی' میں نماز پڑھ رہا تھا۔ اس عورت نے پہلے معافی مانگی پھر کہنے لگی کہ دیکھو میرے میاں نے مجھے طلاق دے دی اور میں اس وقت غمزدہ تھی مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں یا نہیں۔

مگر حیران اس بات پر ہوں کہ میں خاوند کی محبت میں اتنی گرفتار ہوں کہ مجھے سامنے سے گزرنے کا پتہ نہ چلا تو تم اللہ کی محبت میں کیسے گرفتار ہو کہ کھڑے پروردگار کے سامنے ہو اور دیکھ میرا چہرہ رہے ہو' حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی بات مجھے آج تک یاد ہے اور واقعی ہماری نماز کا یہی حال ہے۔

---

(۱) کتاب موسوعۃ الأخلاق والزہد والرقائق، یاسر عبدالرحمن: ۲/ ۹۴

اگر مقتدیوں کو نماز کے فاسد ہونے کی اطلاع دینا ممکن نہ ہو تو؟

اگر کسی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز بھی فاسد ہوگئی ہو اور مقتدیوں کو بتایا نہیں ہو اور اس بات کو کافی عرصہ بھی گزر گیا ہو، مقتدیوں کا بھی معلوم نہ ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اگر بالیقین مقتدیوں کو اطلاع دینے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو امام کو چاہئے کہ اپنی اس کوتاہی پر اللہ تعالی کے حضور توبہ واستغفار کرے۔(۱)

(۱)"(وإذا ظهر حدث إمامه) وكذا كل مفسد في رأي مقتد (بطلت فيلزم إعادتها) لتضمنها صلاة المؤتم صحة وفسادا (كما يلزم الإمام إخبار القوم إذا أمهم وهو محدث أو جنب) أو فاقد شرط أو ركن. وهل عليهم إعادتها إن عدلا، نعم وإلا ندبت، وقيل لا لفسقه باعترافه؛ ولو زعم أنه كافر لم يقبل منه لأن الصلاة دليل الإسلام وأجبر عليه (بالقدر الممكن) بلسانه أو (بكتاب أو رسول على الأصح) لو معينين وإلا لا يلزمه بحر عن المعراج وصحح في مجمع الفتاوى عدمه مطلقا لكونه عن خطأ معفو عنه، لكن الشروح مرجحة على الفتاوى" (الدر المختار: ۱/ ۵۹۲، ط: سعید، بحوالہ: دارالافتاء الاخلاص، کراچی)

خطباء سے خطاب

جمعہ کی خطابت کی اہمیت

جمعہ کی خطابت کی اہمیت کا اندازہ لگالیں کہ ایک شہر میں اگر پانچ سومساجد ہیں اوران میں ہر جمعہ تقریباً ۱۰۰ نمازی (کم ازکم اندازہ) جمعہ پڑھنے آتے ہیں، اس کا مطلب ہر ہفتہ کم ازکم پچاس ہزار لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں اور مزید یہ کہ یہ سب کے سب عقیدت، طہارت اور آداب کی حد درجہ رعایت کے ساتھ امام مسجد کے مخاطب بنتے ہیں، یہ صرف نمازِ جمعہ کی مثال ہے، جب کہ روزانہ پانچ مرتبہ تقریباً ہر گلی سے کچھ نہ کچھ لوگ مساجد کا رخ کرتے ہیں، جس میں نوجوانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، تو کیا اس سلسلے میں ہماری یہ ذمہ داری نہیں بنتی کہ ہم ان تمام لوگوں کی تعلیم وتربیت کا مضبوط انتظام کریں، تاکہ ان تمام نمازیوں کا مسجد آنا جانا' ان کے اپنے لیے اوراس معاشرے کے لیے اصلاح کا ذریعہ بن جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان پرخلوص اور بھرپور توجہ سے محنت کی جائے تو ان کی ایمانی، اخلاقی، معاشرتی اورتجارتی زندگی میں ایک دینی رنگ چھاسکتا ہے۔

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اتنی مساجد اوراتنے بیانات ہونے کے باجود مسلمان طبقہ دین دور کیوں ہوتا جارہا ہے؟ اورغیروں سے اجنبیت کا تعلق ہونے کے باوجود اُن کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا جارہا ہے؟ مسئلہ دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے مقتدی کو کچھ دینا ہی نہیں چاہتے، حالانکہ اگر ہم خلوصِ دل اور محنت کے ساتھ دین کا پیغام اس تک پہنچانا چاہیں تو وہ شخص ہم سے آسانی اور بہت خوبی کے ساتھ بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ (ماہنامہ بیّنات)

معاشرے کی اصلاح کس کے ذمہ ہے؟

وائرس اور بیماری کا کوئی بھی شخص علماء کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گا کہ یہ مولویوں کی وجہ سے ہورہا ہے، لوگ ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو ڈاکٹروں کو ٹھہراتے ہیں کیونکہ جسمانی مرض کا تعلق ڈاکٹر سے ہے، اگر روحانی واخلاقی امراض پھیلنے لگیں، مسلمانوں کے بچے شراب پی رہے

ہوں،نشہ کر رہے ہوں، بلاچوں و چرا’’ آمنا و صدقنا‘‘ کہہ کراسلام قبول کرنے والے عقائدِ اسلام واحکام اسلام میں قیل وقال کررہے ہوں، نقص نکال رہے ہوں،مسلم بچوں کو قرآن ، کلمے،سیرتِ رسول وصحابہ،بنیادی عقائد،اسلاف کی اوراسلام کی تاریخ نہیں معلوم، بچے باپ بن گئے،بچیاں ماں بن گئی جنہیں اس عہدے کے تقاضے نہیں معلوم،مسلم گھرانوں سے قرآن کے بجائے گانوں کی آوازیں،بے پردہ نکلنا عارمحسوس کرنے والیوں پر دوپٹہ وحجاب بوجھ وعیب بن گیا،خدابیزاری ودین بیزاری کا مرض بڑھتے جارہا ہو،ان سب کی ذمہ داری کس پر ہے؟ مجرم کون شمار ہوں گے؟ اگر کوئی شخص یہ بے وقوفی کرے کہ ڈاکٹر سے کہے کہ مسلمانوں کے بچے شراب پی رہے ہیں،بچیاں شراب پی رہے ہیں،آپ یہاں کلنک پر بیٹھے ہیں، یا کسی لایر،جج ،ٹیچر،ٹیلروغیرہ سے کہے،ہرکوئی اسے نامعقول حرکت کہے گا،ان میں سے کسی کے ذمہ اصلاحِ اخلاق کی ذمہ داری نہیں ہے،اخلاقی امراض سے بچانا علماء کرام کی ذمہ داری ہے،قوم کو آگاہ کرنا علما کا کام ہے،قوم کو بھی یہ بات معلوم ہے،اورہم کو بھی معلوم ہے ،اس کی علامت یہ ہے کہ اگر جمعہ کے موقع پر ممبر پر بیان کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب آجائیں کہ لوگ شراب پی رہے ہیں فلم دیکھ رہے ہیں ،میں بیان کرنا چاہتا ہوں،ڈاکٹر چھوڑئے کوئی تبلیغی آجائے جیسے کہ آج کل ہورہا ہے،ہم ہرگزگوارا نہیں کریں گے،اورگوارا کرنا بھی درست نہیں ہے،مطلب یہ ہوا کہ ہم خود سمجھتے ہیں کہ عمومی اصلاح کی ذمہ داری ہماری ہے،یہ لوگ ممبر پر نہیں آسکتے ،تو ہم بھی سمجھتے ہیں کہ بڑا میدان اللہ نے قوم کی اصلاح اورتربیت کا ہمارے ہاتھ میں دیا ہے ،مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی کا مصداق ہوگیا ہے، ہر طرح کی اصلاحی کوشش کے باجود اصلاح کے بجائے فساد کاغلبہ ہے،کہیں ایسا تو نہیں کہ جہاں سے اصلاح ہونی چاہئے وہاں نہیں ہورہی ،یا جیسے ہونی چاہئے ویسے نہیں ہورہی ہے،ورنہ محنت کا پھل نہ ملے ایسا تو نہ ہوگا۔

بقول امام قرطبیؒ’’ قرآن لوگوں کو جتنا ظلم وگناہ سے روکتا ہے اس سے زیادہ امام

روکتا ہے۔ ”مایزغ الامام اکثر مما یزغ القرآن“(۱)

بقول علی میاں ندویؒ۔ اصلاحی نگہداشت کے بغیر قومیں اور جماعتیں بغیر چرواہے کے جانوروں کا ریوڑ بن کررہ جائیں گی، یا سواروں سے بھرا جہاز جس کا ملاح غائب یا مسافروں سے بھری وہ کشتی جس کا کوئی ناخدا نہیں ہے“ اسی طرح عوام سے بھری مسجد جس کا صحیح امام نہ ہو۔

یہاں سے حقوق ادا کرنے کا وہ جذبہ پیدا کیا جائے گا کہ ایک محلے سے الحمدللہ کی آواز آئے تو دوسرے محلے سے یرحمک اللہ کی صدا گونجے گی، قوم کا ذہن دینی مسائل میں کورے کاغذ کی طرح ہوتا ہے، ائمہ حضرات ہی اس پر مسلکی نقش کرتے ہیں، مواخات کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اصلاح وتربیت کے ذرائع

اللہ تعالی نے علماء کو انبیاء علیہم السلام کے وارث بنایا ہے مورث کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان صفات کو اپنایا جائے، ان اسباب کو اختیار کریں کہ جن سے امت کو فائدہ حاصل ہو، ان ذرائع میں سے جو جامع ذرائع ہے وہ ہے تحریر اور تقریر دونوں بھی نص یعنی قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ قرآن کو کتاب اللہ بھی کہا جاتا ہے اور کلام اللہ بھی کہا جاہے، جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور وہ چیزیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط لکھ کر بادشاہوں کو دعوت وارشاد کا کام کیا ہے۔

تحریری کے مقابلے میں تقریر زیادہ ضروری ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک جگہ فرماتے ہیں :

بہ نسبت تحریر کے تقریر میں مہارت پیدا کرنے کی زیادہ ضرورت ہے، کیونکہ تحریر سے تو

(۱) تفسیر قرطبی: ۱۳/ ۱۶۸

نفع خاص ہوتا ہے یعنی طلبہ صرف طلبہ اور پڑھے لکھے لوگوں کو اور تقریر کا نفع عام ہوتا ہے، جن میں خاص بھی داخل ہیں، غرض بیان کی دوصورتیں ہیں : ایک درس جس کا نفع خاص طلبہ کو ہے اور ایک وعظ جس کا نفع عوام کو ہے اور ان دونوں قسموں کا فائدہ اس پر موقوف ہے کہ قوت بیانیہ بقدرِ ضرورت حاصل ہو پس ہمارے طلبہ کو اس وقت ان دونوں کی تحصیل اور مشق کی ضرورت ہے۔

اور جگہ ایک علمائے کرام کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

دو باتیں خیال میں آتی ہیں یا تو درس وتدریس شروع کریں یا وعظ کہیں اور ان دونوں میں وعظ ہی زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کا نفع عام ہوتا ہے اور جس بات کے لیے ضرورت دیکھی جائے وہی بیان کی جاسکتی ہے، لیکن وعظ گوئی بڑی محنت کا کام ہے، ضرورت دونوں کی ہے، مناسب یہ ہے کہ مستقل درس کا شغل رہے اور کبھی کبھی وعظ بھی ہوا کرے۔(۱)

کیا وعظ وتقریر غیر مقصود ہے؟

حضرت حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا: ایک کوتاہی تو وعظ نہ کہنے کی ہے، اکثر اہل علم کو دیکھا ہے کہ وعظ کے صرف تارک ہی نہیں بلکہ اس سے نفرت اور اس کی تحقیر کرنے والے ہیں اور اس سے عار کرتے ہیں اور وعظ کہنے کو شانِ علم کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

تعلیم دین کا اصل طریقہ جس کے واسطے حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے یہی وعظ وارشاد ہے جس کے ذریعہ سے وہ دین کی تبلیغ فرماتے تھے، باقی درس وتالیف وغیرہ تو اس کے تابع ہیں کیونکہ سلف میں حفظ وتدوین کے اہتمام کی وجہ سے صرف زبانی روایت اور عام خطبات پر قناعت اور اعتماد کیا جاتا تھا، بعد میں علوم کی حفاظت کے لیے درس وتالیف کی ضرورت ہوئی پھر اس سے ظاہر ہے کہ مقصود وہی تبلیغ اور زبانی خطاب ہے جس کی

(۱) خطابت کی ضرورت واہمیت :۲۶

عام قسم کو وعظ کہا جاتا ہے، پس اس تمام تر درس وتالیف کے اشتغال سے مقصود بالذات وعظ ہی ٹھہرا، پس مقصود بالذات کی امانت (اس کو مردہ کرنا) کتنی بڑی خطا ہے!؟

فرمایا کہ وعظ جس سے عام اصلاح ہو اس زمانہ میں میری نزدیک نہایت ضروری کا ہے بلکہ درس وتدریس سے بھی زیادہ اہم ہے کیونکہ درس وتدریس اسی (وعظ) کے لیے ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت بھی اسی لیے ہوئی ہے۔

میرے پاس روپے نہیں ورنہ کم سے کم ایک واعظ بابرکت اور خوش بیان شخص کو رکھ لیتا ہے، جہاں ضرورت ہوا کرتی ہے اس کو بھیج دیا کرتا۔ اگرچہ علماء اس کام کو حقیر سمجھتے ہیں لیکن یہ تحقیر ایسی ہے جیسے کہ حکمائے یونان انبیاء علیہم السلام کو حقیر سمجھتے تھے۔(۱)

جولوگ کہتے ہیں کہ بیانات سے کچھ نہیں ہوتا، اصل بیان نہیں ہے، ہمارے ان دوستوں کو اپنا گریبان جھانک لینا چاہئے کہ یہ کہنے والوں کی کوئی نماز بغیر بیان کے نہیں ہوتی، ہر نماز کے بعد دین کی بات کا اعلان ہوتا ہے، پھر کیسے کہدیتے ہیں کہ بیان سے کچھ نہیں ہوتا، یہ کونسی عقلمندی ہے کہ کسی کام کی اہمیت بتانے کے لئے دوسرے کام کی اہمیت گھٹادی جائے۔

علما کو وعظ و بیان کا اہتمام جاری رکھنا چاہئے

علماء نے آج کل یہ کام بالکل چھوڑ دیا ہے جو انبیاء علیہم السلام کا کام تھا، اس لیے آج کل واعظ زیادہ تر جہلا نظر آتے ہیں، علماء بہت کم واعظ ہیں تو آپ ﷺ نے اصل مقصود کے علاوہ جس چیز کو مقصود بنادیا تھا اس کی بھی تکمیل نہیں کی، اس کا بھی صرف ایک شعبہ لے لیا یعنی تعلیم ودرسیات اور دوسرا اس شعبہ تعلیم عوام کا چھوڑ دیا۔

صاحبو! اگر علماء عوام کی تعلیم نہیں کریں گے تو کیا جہلاء کریں گے؟ اگر جہلاء کام کریں گے تو وہی ہوگا جو حدیث میں "اتخذوا رؤسا جهّالا، فضلوا وأضلوا" کہ یہ جہلا،

---

(۱) خطابت کی ضرورت واہمیت :۲۶

مقتدا و پیشوا شمار ہوں گے، لوگ انہی سے فتوی پوچھیں گے اور یہ جاہل خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اس لیے علماء کو تعلیم و درسیات کی طرح وعظ و تبلیغ کا کام بھی کرنا چاہیے اور اس کا انتظار نہ کرو کہ ہمارے وعظ کا اثر ہوتا ہے یا نہیں اور کوئی سنتا بھی ہے یا نہیں اور سننے والا مجمع ہے یا ایک؟

وعظ و تقریر علماء کا فریضۂ منصبی ہے

وعظ تو ہمارا فرضِ منصبی ہے، یہ کام تو ہم کو عوام کی خواہش کے بغیر بھی کرنا چاہیے، خوشامد کرانے کی کبھی عادت نہ ہو، یہ ہمارا کارِ منصبی ہے، ہم اور کسی کام کے تو ہیں نہیں، اگر یہ بھی نہ ہوا تو ہمارا وجود و عدم برابر ہے اور جب یہ ہمارا کارِ منصبی ہے تو اس کے لیے کسی خوشامد یا سفارش کا انتظار کرنا چہ معنی؟ اگر کوئی درخواست نہ کرے جب بھی ہم کو یہ کام کرنا ہے اور درخواست کرنے پر کسی طرح اس سے انکار نہ ہونا چاہیے۔

ہر مدرسہ میں ایک واعظ ہونے کی ضرورت اور اس کا فائدہ

وعظ کو اس لیے بھی اختیار کرنا چاہیے کہ جس چیز کو آپ آج کل مقصود سمجھے ہوئے ہیں یعنی درس و تدریس، خود اس کے لیے بھی یہ بہت معین و مفید ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ علماء کو آج کل مدارس کی طرف بہت توجہ ہے اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ علومِ اسلامیہ کے بقا کی یہی صورت ہے اور اسی کے لیے وہ چندہ دینے والے زیادہ تر عوام ہیں، تو علماء کو چاہیے کہ عوام کو اپنی طرف مائل کریں، اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہر مدرسہ میں ایک واعظ صرف وعظ و تبلیغ کے لیے رکھا جائے، جس کا کام صرف یہ ہو کہ احکام کی تبلیغ کرے اور اس کو ہدیہ لینے سے منع کر دیا جائے اور استحساناً یہ بھی کہہ دیا جائے کہ مدرسہ کے لیے بھی چندہ نہ کرے، بلکہ اگر کوئی خود بھی دے تو قبول نہ کرے بلکہ مدرسہ کا پتہ بتلا دے کہ اگر تم کو بھیجنا ہو تو اس پتہ پر

بھیج دو۔

واعظ کو محصل چندہ نہ ہونا چاہیے، محصل چندہ اور لوگ ہوں گے، واعظ کا کام صرف وعظ کہنا ہو، اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے وعظ میں جب چندہ کا ذکر نہیں ہوگا تو اس کا مخاطب پر بڑا اثر ہوتا ہے پھر عوام کا مدرسہ سے تعلق ہوگا کہ اس مدرسہ سے ہم کو دین کا نفع پہنچ رہا ہے اس کی امداد کرنا چاہیے اور آج کل تو عوام کو یہ بڑا اعتراض ہوتا ہے کہ صاحب! ہم کو مدرسہ سے کیا نفع؟ بس عربی پڑھنے والوں ہی کو کچھ نفع ہوگا اور واقعی ایک حد تک یہ اعتراض بھی صحیح ہے، اس لیے جن عوام سے آپ چندہ لینا چاہتے ہیں ان کو بھی تو کچھ نفع پہنچنا چاہیے، اگر ہر مدرسہ میں ایک ایک واعظ ہو جائے تو پھر دیکھیے عوام کا مدرسہ سے کیسا تعلق ہوتا ہے اور چندہ کی بھی کیسی کثرت ہوتی ہے؟ یہ چلتے ہوئے نسخے ہیں، اگر شبہ ہو تو تجربہ کر کے اس کے نفع کا مشاہدہ کر لیجئے، میں اہل مدرسہ سے کہتا ہوں کہ امتحان کے طور پر کچھ عرصے کے لیے اس پر عمل کر کے دیکھ لو، اگر تمہارا مدرسہ کو اس سے نفع ہو تو اس کام کو بند کر دینا ہر وقت تمہارے اختیار میں ہے۔

علماء کے لیے تقریر سیکھنے کی آسان تدبیر

بعض علماء یہ عذر کر دیتے ہیں کہ ہم کو وعظ کہنا نہیں آتا، میں کہتا ہوں کہ آپ کو عربی پڑھنا بھی کب آتا تھا؟ یہ بھی تو محنت کرنے سے ہی آیا ہے، اسی طرح وعظ کہنے کا ارادہ کیجیے اور کچھ دنوں محنت کیجیے، یہ کام بھی آجائے گا۔

جس کی آسان تدبیر یہ ہے کہ شروع شروع میں طلبہ کے سامنے مشکوۃ شریف وغیرہ لے کر بیٹھ جاؤ اور کتاب دیکھ کر بیان کرو، کچھ دنوں میں بغیر کتاب کے بیان شروع کرو، اس طرح ایک دن خوب بیان کرنے لگو گے۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ جاہلوں کو تو وعظ کی جرات ہو اور علماء کو اس کی ہمت نہ ہو؛ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب جہلا، علماء کے سامنے بھی غلط باتیں بیان کرنے سے نہیں ڈرتے۔

بے عمل عالم کو بھی وعظ کہنا چاہیے

یہ نہ سمجھنا کہ اگر عمل نہ ہو تو وعظ ہی نہ کہے جیسا کہ بعض لوگوں کو اس میں بھی غلطی ہو جاتی ہے ، بلا عمل کے وعظ کہنے کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس شخص کو عمل کی کوشش کرنا چاہیے اور وعظ ترک نہ کرنا چاہیے لیکن ہماری حالت یہ ہے کہ واعظ بنے تو عمل کا اہتمام نہیں اور عمل کے لیے کہا گیا تو وعظ ہی چھوڑ دیا کہ عمل تو ہوتا نہیں وعظ کیا کہیں؟

اور اگر وعظ سننے والے بھی یہی کہیں کہ جب عمل نہیں ہوتا تو سن کر کیا کریں تو پھر کیا ہو دین کا؟ یہ باب ہی مسدود ہو جائے۔(۱)

اہلِ خطابت کے احوال

ابلیس ہر وقت بندوں کو غافل کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور ہر آدمی کو اس کی سطح کے اعتبار سے اپنے جال میں پھنساتا ہے اگر آدمی عاقل ہو تو اس کے لئے معمولی حجاب کا استعمال کرتا ہے، اگر کسی دینی شعبہ کا آدمی ہو تو اس کے لئے نورانی حجاب کا استعمال کرتا ہے، اسی نورانی جال میں واعظین کو پھنسا دیتا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ لکھتے ہیں” پہلے زمانہ میں وعظ گو علماء فقہاء ہوا کرتے تھے، رفتہ رفتہ جہلاء نے بھی اس مشغلہ کو اختیار کرنا شروع کر دیا، یہ حال دیکھا تو باوقار لوگوں نے ان کی مجلسوں کو جانا چھوڑ دیا اور عام مرد اور عورتوں نے ان کو اپنے کثرت سے بھر دیا پھر لوگوں نے تحصیل علم کو چھوڑ کر قصہ گوئی و وعظ گوئی سیکھنا شروع کر دیا اور اسی وقت سے اس لائن میں آفات آنے شروع ہو گئے۔

[۱] لوگوں کی دلچسپی اور ان کو خوف دلانے کے لئے احادیث گھڑنا، گویا ان کو یہ شبہ ہوا کہ شریعت ناقص ہے اور اس کو ہماری حدیثوں کی ضرورت ہے وہ لوگ اس حدیث کو

(۱) خطابت کی ضرورت واہمیت :۳۱

بھول گئے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم بنادے۔

[۲] اپنے وعظ میں بناوٹی وجد وخشوع ظاہر کرنا، اگر حقیقتاً دل میں کچھ ہو بھی تو اسکے اظہار میں مبالغہ کرنا۔

[۳] اپنے وعظ میں عجیب وغریب حرکات کو ظاہر کرنا، متانہ قسم کے لوگوں کی اشعار گوئی، جس کے نتیجہ میں مرد اور عورتیں اشعار پر پکار اٹھتے ہیں اور ان کے نفسانی وشہوانی جذبات اس محفل میں ابھرتے ہیں۔

[۴] اپنے وعظ میں مرثیہ کے اشعار پڑھکر ان میں جھوٹ اور سچ ملا کر اس طرح بیان کرنا کہ مجلس کو ماتم بنادیا جائے، حالاں کہ حق تو یہ ہے کہ کسی کی وفات پر صبر کی تلقین کی جاتی ہے۔

[۵] عام مجمعوں میں معرفتِ الٰہی کے اسرار ورموز بیان کرنا، سلوک کے مکمل مقامات کو کھول کھول کر بیان کرنا، حالاں کہ سلوک ان مقامات میں عملی مجاہدہ ہے جو علم اور زبانی بیان کے علاوہ ہے۔

[۶] وعظ میں فرائض کا تذکرہ بہت کم کرنا کہ لوگوں کو گناہوں سے توبہ کی ترغیب اور آپسی تعلقات کے درستگی کی اہمیت نہ بتانا، لوگوں کو زہد وعبادت تو سکھانا لیکن اصل مقصود ان کو نہ بتانا جس کے نتیجہ میں لوگ گوشہ نشینی اختیار کرلیں، اور ان کی اولاد در در کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائے۔

[۷] اللہ سے خوف نہیں دلانا مزید برآں اللہ سے امیدیں دلانا کہ اللہ غفور ہے، رحیم ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام اپنے گناہوں پر دلیر ہو جاتی ہیں۔

[۸] بعض واعظین سچے اور خیر خواہ ہیں لیکن شیطان نے ان کو بھی اپنے تلبیس میں لے لیا کہ ان کو جاہ طلبی میں مبتلاء کردیا، جاہ طلبی کی علامت یہ ہے کہ ان کے برابر کوئی ان کی مدد کرنا چاہے تو ناگواری کا اظہار کرتے ہیں، اب تو اس زمانے میں ایسے واعظین پیدا ہو گئے

جو وعظ گوئی کو اپنا ذریعہ معاش بنارہے ہیں، اپنے وعظ کو امراء کے خواہش کے مطابق ڈھالتے ہیں خواہ سچ ہو یا جھوٹ اور شہر شہر جا کر وعظ کے ذریعے کمائی کرلاتے ہیں۔

[۹] بعض علماء کے حق میں ایک تلبیس یہ ہوتی ہے کہ وہ وعظ گوئی کے لائق نہیں اور یہ وسوسہ بھی ابلیس دل میں ڈالتا ہے کہ وعظ گوئی سے ریا پیدا ہوتا ہے"۔(۱) نہ خود خطاب کرتے ہیں اور نہ ہی کسے کے خطاب کو پسند کرتے ہیں۔

[۱۰] بسااوقات اچھی گفتگو کی توفیق ملنے پر آدمی عُجب (خود پسندی) میں مبتلا ہوجاتا ہے، یعنی خواہ مخواہ اپنے کو دوسروں سے اچھا اور افضل سمجھنے لگتا ہے، حالانکہ یہ انتہائی ہلاکت خیز صفت ہے، جو انسان کو کہیں نہیں چھوڑتی، اور بالآخر دنیا اور آخرت میں ذلت کا سبب بن جاتی ہے۔

لہٰذا ہمیں بہر حال عُجب سے بچنا چاہیے، اور یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے اندر جو بھی ظاہری یا باطنی کمال ہے، وہ حقیقی اور ذاتی نہیں ہے؛ بلکہ سب کا سب عطاء خداوندی ہے، ذاتی کمال تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

[۱۱] ایک واعظ وخطیب کے لئے سب سے بڑی آزمائش یہ ہے کہ وہ جن باتوں کی طرف دوسروں کو دعوت دیتا ہے، وہ خود اُن پر کس قدر عمل کرتا ہے؟ (بلکہ خود اور اہل خانہ بھی اس پر عمل کرنے والے بنائے) ظاہر ہے کہ اگر صرف لفاظی ہی لفاظی ہو اور زندگی عمل سے خالی ہو، تو یہ دعوت خدمت موجب اجر وثواب کیا ہوتی؟ آخرت میں نعوذ باللہ بھاری بوجھ بن جائے گی۔

[۱۲] دعوتی واصلاحی گفتگو کرتے ہوئے جہاں برموقع احقاقِ حق کی ضرورت ہے، وہیں موقع محل کی حکمت ومصلحت کو ملحوظ رکھنا بھی لازم ہے، اِس کے بغیر نفع حاصل نہیں ہوسکتا ؛ گویا کہ نہ تو ایسی مداہنت ہو جو دین کے لئے نقصان دہ ہو، اور نہ ہی ایسی نامناسب انداز کی صاف گوئی ہو جو خدانخواستہ مزید انتشار کا سبب بنا جائے؛ بلکہ دانش مندی کے ساتھ برائی پر نکیر

(۱) مستفاد: تلبیس ابلیس۔ص:۱۹۸

ہونی چاہیے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ: حکمت سے وہ طریقۂ دعوت مراد ہے جس میں مخاطب کے احوال کی اصلاح کی گئی ہو جو مخاطب کے دل پر اثر انداز ہوسکے، اور نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے، اور اچھی نصیحت سے مراد یہ ہے کہ عنوان بھی نرم ہو، دل خراش اور توہین آمیز نہ ہو، اور ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بحث کی جائے، یعنی اگر بحث ومباحثہ کی نوبت آجائے تو وہ بھی شدت اور خشونت سے مخاطب پر الزام تراشی اور بے انصافی سے خالی ہونا چاہیے۔(۱)

خطباء کی قسمیں اور حالاتِ حاضرہ

خطباء کا ایک طبقہ تو وہ ہے جنہوں نے مہینوں کے حساب سے خطبات یاد کر لیے ہیں، یہ بیانات ربیع الاول کے ہیں، یہ ربیع الثانی کے ہیں، یہ ذوالقعدہ کے ہیں، یہ ذوالحجہ کے ہیں، اگلا سال شروع ہوتا ہے پھر وہی ترتیب شروع ہوجاتی ہے کہ پچھلے سال کی تقریر کس کو یاد ہے اور ایک طبقہ وہ ہے کہ جو سیاست کے اندر اس قدر گھس گیا ہیں کہ ان کے لیے ہفتے کی اخبارات کافی ہوتی ہیں، ہفتہ کی اخبارات سامنے رکھیں، اخبار کے تراشے لاکر تبصرہ کریں، یہ دونوں طرز درست نہیں ہیں، ہمیں عوام کی ضرورت محسوس کر کے موضوع کا انتخاب کرنا چاہیے، سوسائٹی میں حدود اللہ کا مسئلہ چل رہا ہے، ناموس رسالت کا مسئلہ چل رہا ہے، عورتوں کا دن، والدین کا دن، بچوں کا دن، مزدوری کا دن چل رہا ہے، سوسائٹی کے اندر نفرتیں بڑھتی جارہی ہیں، پورا خاندانی نظام بگڑ رہا ہے، والدین اور اولاد کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان نفرت کی دیوار کھڑی ہورہی ہے، لیکن کیا ہم نے محسوس کیا کہ ہم منبر پر بیٹھ کر بھی ان نفرتوں کو دور کرنے کے لیے کوئی کردار ادا کریں؟ جب تک ہم ان ضروریات کو محسوس نہیں کرتے اس وقت تک ہم اپنا فرض ادا نہیں کرسکیں گے۔

---

(۱) معارف القرآن، ۵/ ۴۱۸

حق بات کرنے کے شرائط

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حق نیت سے حق طریقے سے حق بات کہی جائے تو اثر رکھتی ہے، بچہ بیمار ہے اسے انجکشن دینا ہے،گولی کھلانا ہے، اس کو باتوں میں لگا کر کہ بیٹا اوپر دیکھو، تم کون سی کلاس پڑھتے ہو، تمہارا نام کیا ہے؟ آہستہ سے دوائی پہنچا دی جاتی ہے، پتہ بھی نہیں چلتا ۔کبھی گولی موز میں رکھ کر کھلاتے ہیں، حجام بال منڈانے کے لیے بالوں کو نرم کرلیتا ہے، کسان بیج ڈالنے سے پہلے زمین کو نرم کرلیتا ہے، کسان کو بھی عقل ہے، اپنی پیچ کار گر ہو، اس لئے زمین کو نرم کرلیتا ہے، چاہے اس میں وقت لگے ہر field والے کو اپنی field میں کام کیسے کرنا ہے، کسان کو فصل کی فکر ہے امام کو نسل کی فکر ہو تو کام کا طریقہ محنتانہ، محسنانہ ومشفقانہ ہونا چاہئے، غصے کی حالت میں مریض کا آپریشن نہیں ہوتا، مریض کے آپریشن کے لئے مریض اور طبیب دونوں کا نارمل حالت میں ہونا ضروری ہے، اگر مریض کا BP بڑھا ہو یا ڈاکٹر کا BP گھٹا ہو تو آپریشن نہیں ہوگا۔

ہم امام کے ساتھ مربی اور داعی بھی ہیں، ہمارے پاس منبر ومحراب کا بہت بڑا میڈیا ہے، ذرائع ابلاغ ہے، کسی قوم کے پاس اتنا مرتب پروا گرام نہیں، مگر جمعہ کے پروگرام کو مؤثر بنانے کی ضرورت ہے، یہ روح پرور اجتماع ہوتا ہے، ہفتے بھر کی روح کیلئے غذا فراہم کرتا ہے، اس کے لیے ہفتے بھر کی اچھی تیاری رہے۔

نماز کے ساتھ ساتھ ایک منظم منصوبہ بندی کے تحت تربیت کا کام ہو تو محلے وعلاقے میں دینی انقلاب آسکتا ہے، اور لوگوں کی زندگی بدل سکتی ہیں، نیز میڈیا پر بھی نظر رہے، میڈیائی سوالات وشبہات کے جواب کی ضرورت ہے، کیونکہ عوام زیادہ تر میڈیا سے مربوط ہے۔

کئی لوگوں کے ایمان کی حفاظت کا ضامن، جمعہ کے پروگرام ہیں، جتنی اصلاح امام کرسکتا ہے اتنی کوئی کرسکتا، گشت والے پانچ مرتبہ گھر آئیں، اور امام ایک مرتبہ آئے؛ یہ زیادہ فائدہ ہوگا۔

ابھی قوم جلسے میں ہے قیام میں کب آئے گی؟

جلسہ کس کو بولتے ہیں؟ فقہ میں دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے والے وقفے کو کہتے ہیں، یہ اتنا مختصر ہوتا ہے مگر ہمارے جلسے تو ایک ایک دن کے ہوتے ہیں، جو قوم ابھی جلسے میں ہے وہ قیام میں کب آئے گی؟ قوم کھڑے کب ہوگی کام کے لئے؟ جلسوں سے کوئی تبدیلی کی امید نہ رکھیں، اگر ہم اپنی خطابت سے تبدیلی کی امیدیں رکھتے ہیں تو اس کے لیے اپنے خطابت کو صحیح کرنا ضروری ہے، جو درد، جو تیاری، جو مواد ہونا چاہیے اس کی کوشش ہو۔

اس امت کو جلسوں سے جو نقصان ہوا ہے وہ نقصان ملک کے بدلتے حالات پر گہری نگاہ رکھنے والے علماء ہی بہتر جانتے ہیں، ورنہ جلسوں سے خطیبوں کا ہی فائدہ ہے جن میں شاید ہم بھی شامل ہو سکتے ہیں، زمینی طور پر جو محنتیں ہو رہی ہیں وہی اہم ہیں، ''آر ایس ایس اور ایک مطالعہ'' کتاب کا مطالعہ کریں اندازہ ہوگا کہ آر ایس ایس کس طرح زمینی سطح پر محنت کرتے ہوئے آج ملک پر قابض ہیں، پوری کتاب میں کہیں آپ کو جلسے کی کوئی تاریخ نہیں ملے گی، لیکن پوری زمینی level پر جس منظم plaining سے وہ ہر شعبے میں ہیں، وہ plaining جو حسن النباء نے کی ہے، وہ plaining جو ترکی میں انقلاب لایا، وہ منصوبے جو اسرائیل کر رہا ہے، اس جیسی یا اس سے زیادہ plaining آر ایس ایس کر رہے ہیں۔

جمعہ کے بیان میں دیر سے آنے کی شکایت

ہم جمعہ کے بیان کی تیاری کتنی کرتے ہیں؟ جمعہ میں قوم کی کتنی ذہن سازی کرنا چاہتے ہیں؟ ہر خطیب کو شکایت ہے کہ جمعہ کے دن ایک بج کے بیس منٹ پر لوگ آنا شروع ہوتے ہیں، دس منٹ باقی رہنے پر لوگ آتے ہیں، جب بیان شروع کرتے ہیں تو عمر رسیدہ لوگ جن سے کچھ انقلاب وتبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی، وہ یا آرام کرنے والا طبقہ رہتا ہے، اور جن سے کچھ توقع ہے وہ موجود نہیں، اخیر وقت آدھی بات کھڑے کھڑے سننے سے

کیا قوم میں تبدیلی آئے گی،اور یہ کب سے ہو رہا ہے؟ آٹھ سال سے میں امامت کر رہا ہوں تب سے ہو رہا ہے،تو میں کیوں غور نہیں کر رہا ہوں کہ یہ کمزوری کیسے ختم ہو؟ میری قوم پہلے میری بات سننے کے لیے ایک بجے آ کے بیٹھے،کیا میں نے کبھی اپنے بیان کو ریکارڈ کر کے خود سنا؟ کہ کتنا مواد میرے بیان میں ہے؟ کتنا درد و کڑھن ہے؟ میں نے کبھی اپنے بیان پر نظر ثانی نہیں کیا؟ چند اندھ بھگتوں کے تعریفی جملوں نے مجھے حقائق سے غافل کر دیا ہے، چند مصافحوں نے مجھے دھوکہ دیدیا ہے،مجھے تو منبر سے خدا اور رسول ﷺ کی باتیں قوم میں پہنچانے کی کوشش کرنا ہے،کمی مواد کی ہے یا انداز کی ؟ اگر میری خطابت کا میدان خالی ہے یا بافیض نہیں ہے تو اس کا حل کیا ہے؟

ورنہ کیوں گجرات سے یوپی سے،کلکتہ سے،مہارشٹر سے،کرناٹک سے کسی خطیب کو بلا کر بیس پچیس ہزار دینے قوم تیار ہیں،کسی کو ساٹھ،ستر ہزار بعض جگہ دیڑھ لاکھ ایک بیان کے بھی دینے تیار ہیں ؛مگر میں پورا مہینہ خطاب کرتا ہوں مجھے وقت پر معمولی تنخواہ بھی نہیں دی جاتی عقلمند حضرات سمجھ جائیں گے کہ کسی کے ایک بیان کے لیے اتنے روپے خرچ کرنے تیار مگر مہینے بھر کے بیانات کو سننے تیار نہیں ۔

جلسہ میں فرد فرد تک پہنچ کر یا فون وغیرہ سے بلانا پڑتا ہے،مگر جمعہ کے لئے کوئی بلانے گھر گھر نہیں جاتا ، یہاں خود طلب سے آتے ہیں،طلب سے آنے والوں پر محنت کرنا آسان ہے، نیز ایک جمعہ میں جتنے لوگ جمع ہوتے ہیں جلسے میں اس کا نصف بھی جمع نہیں ہوتے ،مثال کے طور پر پورے شہر میں پندرہ مسجدیں ہیں، ہر مسجد میں سو لوگ کم از کم جمع ہو سکتے ہیں تو جمعہ کے موقع پر پندرہ سو آدمی ہوئے،اس کے برخلاف جلسہ میں تین/ چار سو لوگ بھی آجائیں تو بہت ہے، جب کہ پندرہ سو لوگ متفرق طور پر مختلف مساجد میں جمع ہیں ،ان کی اصلاح بسہولت ممکن ہے، بغیر کسی زائد خرچ کا بوجھ لئے ، پھر بھی جیسی اصلاح ہونی چاہئے ویسی نہیں ہو رہی ہے،اس سے انکار نہیں کہ جو کچھ سماج میں موجودہ درستگی ہے اس میں جمعہ کا بہت بڑا دخل ہے مگر کافی نہیں ہے،جلسوں کی مثال طوفانی بارش کی ہے،جس

سے کبھی صلاح تو کبھی فساد، جمعہ کے بیان کی مثال مسلسل برسنے والے قطرے کی ہے جو کبھی نہ کبھی سخت پتھر میں بھی سوراخ یا نشان کر دے گا، اور جس قدر مطالعہ بڑھتا ہے اتنا زیادہ سامعین میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا ابن الحسن عباس صاحب فرماتے ہیں :

جمعہ کے اجتماع کو بھی مؤثر بنانے کی بڑی ضرورت ہے، جمعہ کا اجتماع مسلمانوں کی تاریخ کا ایک روح پرور اجتماع ہوتا تھا اور اس میں شریک ہو کر ہفتہ بھر کے لیے روحانی غذا مل جایا کرتی تھی لیکن رفتہ رفتہ اس سے جان نکلتی جارہی اور اب حالت یہ ہوگئی کہ عموماً امام صاحب خالی مسجد میں لمبی تقریر شروع کر دیتے ہیں، گھنٹہ سوا گھنٹہ بیان ہوتا ہے، نمازیوں کی اکثریت کو بیان سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی؛ بل کہ ایک بڑی تعداد تو تقریر ختم ہونے سے پہلے آتی نہیں اور جو لوگ آجاتے ہیں وہ تقریر ختم ہونے کے منتظر ہوتے ہیں، اس کی بجائے اگر دس پندرہ منٹ مؤثر بیان ہو اور اس وقت ہو جب مسجد لوگوں سے بھر جائے تو زیادہ مفید ثابت ہو سکتا ہے، ہاں ایسے خطباء جنہیں لوگ شوق سے سنتے ہیں، ان کی بات اور ہے۔

جمعہ کا بیان غیر موثر ہونے کی وجوہات

مولانا زاہد الراشدی صاحب ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی، گوجرانوالہ لکھتے ہیں کہ ”لوگ بالکل خطبہ کے وقت آتے ہیں، خطبہ سنتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور چلے جاتے ہیں، ہماری گفتگو سے سامعین کو زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی، اکثر مساجد میں یہی ہوتا ہے، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے جنگ اخبار برطانیہ میں ایک نوجوان کا مراسلہ شائع ہوا، اس نے لکھا کہ اب ہم نے یہاں مساجد میں جانا کم کر دیا ہے، کیوں کہ اس کی تین وجوہات ہیں :

(۱) ایک وجہ تو یہ کہ خطیب صاحب جس موضوع پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، وہ ہماری دلچسپی کے موضوع نہیں ہیں، ہماری ضرورت کے مسائل اور ہیں، حلال وحرام کے مسائل ،معاشرت، نکاح ،طلاق کے مسائل ہیں اور وہ کسی اور موضوع پر گفتگو کر رہے ہوتے ہیں، اس

لیے جو وہ کہہ رہے ہیں ان سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ جس زبان میں وہ بات کر رہے ہوتے ہیں، وہ ہمیں سمجھ نہیں آتی، ان کی زبان اور ہے اور ہماری زبان اور ہے، یہ الگ مسئلہ ہے کہ نئی نسل زبان کو نہیں جانتی، جمعہ کا ہمارا بیان مضبوط علمی بنیادوں پر ہو کوئی وقت تھا کہ لمبی تقریر کرنے والے شخص کی خطابت کا چرچا اور شہرت ہوتی تھی، ساری ساری رات تقریر چلتی تھی، آج معیار بدل چکا ہے، لوگوں کے پاس مختصر وقت ہے، اس مختصر وقت میں اپنی بات لوگوں کو سنائیں۔ ایک وقت تھا کہ ایک خطیب الفاظ کے انتہائی نادر نمونوں کا ذخیرہ رکھتا تھا، تقریر میں ایک لفظ آ گیا تو دوبارہ نہ آئے، لوگ اس کا معنیٰ مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی کتابیں دیکھتے رہیں، لیکن آج یہ معیار بدل چکا ہے، انتہائی سادہ لب ولہجہ اور لوگوں کی سطح کے مطابق گفتگو کی جائے، لفظوں کی بادشاہت وہاں نہ ہو بلکہ جتنے گمراہ لوگ ہیں جنھوں نے لوگوں کو گمراہ کیا، انہوں نے طرز گفتگو بے انتہائی سادہ رکھا ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم تو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے ہیں اور تقریباً ہر نماز کے بعد کوئی صاحب اٹھتے ہیں اور اپیل کرنے لگتے ہیں یا دامن پھیلا دیتے ہیں تو ہم چندہ دینے تو نہیں جاتے، مسجد میں نماز پڑھنے جاتے ہیں، ہر نماز کے بعد تو ہم چندہ نہیں دے سکتے، یہ تین وجوہات اس نے اپنے مراسلہ میں لکھی تھیں''۔

آج کی اصطلاحات، آج کے اسلوب، آج کی نفسیات بالکل مختلف ہیں آج سے پچاس سال پہلے کے اسلوب سے زبان بدل گئی ہے، معیار بدل گیا ہے، محاورے بدل گئے ہیں، نفسیات بدل گئی ہیں، آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے گفتگو کا معیار یہ تھا کہ عشا کی نماز کے بعد گفتگو شروع کی ہے اور، صبح فجر ہو گئی ہے، لوگوں کو پتہ نہیں چلا ٹائم کا، لوگ آرام سے بیٹھے سن رہے ہیں، اب آپ آدھے گھنٹے سے زیادہ بات کریں گے تو لوگ کہیں کہ یہ کیا بور کر رہا ہے، بس بھی کر، سادہ لہجوں میں مختصر وقت میں آپ اپنی بات سمجھا سکتے ہیں یا نہیں سمجھا سکتے؟۔

ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ ہمارے ساتھ لوگوں کے انس کی کمی کے اسباب کیا ہیں، ایک

وجہ تو یہ ہے کہ ہم لوگوں کے مانوس لہجے میں بات نہیں کرتے ،لوگوں کی نفسیات کے مطابق بات نہیں کرتے ،ہماری خطابت وہی پرانی ،مناظرانہ ،مجادلانہ ،طعن وتشنیع ،باز وکس لینا ،ہماری خطابت آج سے تیس سال پہلے والے سنٹر پر کھڑی ہے اور اب جو خطابت کے میدان میں تبدیلی آئی ہے ،وہ ہم نے محسوس نہیں کی ہے ،اس کو اپنایا نہیں ہے ،آج کی زبان اور تحریر دونوں سادہ ہیں ،جتنی سادہ اور مختصر آپ بات کریں گے ،اتنے بڑے آپ خطیب ہیں''۔

عام فہم وعلاقائی زبان میں خطاب ہو

نمازِ جمعہ کی جو اہمیت قرآن میں بیان کی گئی ہے ،احادیث میں آپ ﷺ کا جو اسوہ بیان ہوا ہے اور خلفائے راشدین کے خطباتِ جمعہ کے جو متون منقول اور محفوظ ہیں ،ان سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ جمعہ حمد وثنا ،درود وسلام ،تقویٰ ،یادِ آخرت اور کتاب وسنت کے التزام کی تلقین پر مشتمل ہونا چاہیے ،خطبہ انتہائی اختصار کے ساتھ عام فہم اور سلیس زبان میں ٹھہر ٹھہر کر پیش کیا جائے تاکہ سامعین پوری طرح سمجھ سکیں اور اس پر عمل پیرا ہوسکیں ،خطبہ حاضرین جمعہ کے احوال اور ان کی اصلاح ،تربیت وتزکیہ کے سلسلے میں عملی رہنمائیوں سے عبارت ہو۔امام وخطیب متقی ،عالم باعمل اور مقاصد شریعت پر گہری نظر رکھنے والا ہو تاکہ وہ سماج کی صحیح سمت میں اور بروقت رہنمائی کرسکے۔ہمارے یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ علمائے کرام عام طور پر خطباتِ جمعہ سے کتراتے ہیں اور جو منبر پر جاتے بھی ہیں تو وہ رٹی رٹائی تقریریں ،بے محل ،بے موقع اور بے ربط باتیں کرتے ہیں اور بسا اوقات متضاد باتیں کہہ جاتے ہیں ،بعض جگہوں پر عربی کی پرانی عبارتیں سنادی جاتیں یا فرسودہ تحریریں پڑھی جاتی ہیں جن کو نہ پڑھنے والا سمجھتا ہے اور نہ سننے والے سمجھتے ہیں ،گویا خطبہ نہیں دیا بس ایک بوجھ اتار دیا ،والی کیفیتیں ہے ،اہلِ بستی اور حاضرین جمعہ کی اصلاح مقصود ہوتی ہی نہیں ہے ،نہ اندازِ بیان ناصحانہ ہوتا ہے اور نہ بیان میں کوئی ربط ،نتیجہ اور اثر ہوتا ہے۔

مساجد کا بنیادی حق ہے کہ خطبۂ جمعہ کے لیے باصلاحیت اور متقی علمائے دین کو ذمہ

داری دی جائے، بصورتِ دیگر وہ منبر ومحراب کا حق ادا نہیں کرسکیں گے، منبرِ رسول ﷺ پر ایسے ہی افراد کو لایا جائے جو واقعی علم نبوت کے وارث ہوں اور اس کے تقاضے پوری کرسکیں خطبۂ جمعہ حاضرین کی زبان میں دی جائے، اول وآخر میں حمد وثنا، درود وسلام اور مسنون دعا عربی میں ہوں لیکن درمیان کی باتیں خالص وعظ ونصیحت کی ہوں، جس کے لئے علاقائی زبان سے مدد لی جائے، اردو، نیپالی یا کسی بھی مقامی زبان میں نصیحت کی باتیں صاف صاف اور ٹھہر ٹھہر کر کی جائیں تاکہ حاضرین پوری بات سمجھ سکیں اور اس کے مطابق اپنی اصلاح کر سکیں، خطبہ میں سماج میں موجود برائیوں، درپیش حالات وواقعات اور سماجی واجتماعی امور اور ملک وملت کے مسائل کو موضوعِ گفتگو بنایا جائے تاکہ لوگوں کو عمل کے لئے رہنمائی حاصل ہوسکے۔(۱)

سادہ زبان استعمال کریں

زبان عام فہم ہو، احکامات، تعلیمات، فرائض، مدارس، مساجد، واقعات؛ یہ جمع بلکہ جمع الجمع کے صیغے ہیں، اس کی جگہ واحد کے صیغے مطلوب ہیں۔ "کلموا الناس علی قدر عقولهم" (مشہور ومعروف مقولہ ہے، امام بخاریؒ نے اسی معنی میں حضرت علیؓ کا مقولہ نقل کیا ہے :"حدثوا الناس بما يعرفون"(۲) مجمع کی نفسیات کی رعایت ضروری ہے، اسی مزاج شناسی کہتے ہیں۔ مخاطب تاجر ہو تو تجارتی اصطلاحات اور مضمون، کسان یا مزدور طبقہ ہو تو اس کی رعایت ہو، نوجوان تعلیم یافتہ ہو تو اس کی زبان میں گفتگو ہونی چاہیے۔

سیاسی جماعت اور پارٹی پر تبصرے سے گریز ہو، نہ موافقت، نہ مخالفت، اسی طرح زمینی سیاست پر تبصرہ نہ ہو، اس میں اختلاف ممکن ہے، اور ہوسکتا ہے مجمع میں سے کوئی اعتراض کر بیٹھے، لہٰذا اختلافی مسائل کو منبر پر نہ اچھالیں، منبر کو اُکھاڑا نہ بنائیں، علاقے میں کوئی

---

(۱) روزنامہ معیشت، سراج احمد برکت اللہ فلاحی)

(۲) صحیح بخاری: ۱۲۷

اختلاف قضیہ ہوتو اس پر بھی گفتگو نہ ہو، اور ملیّ مسائل اختلافیہ سے بھی گریز ہو۔
لہجے میں مٹھاس ہو، سختی ہوتو نرم بنانے کی کوشش کریں، کبھی آواز حد سے زیادہ تیز ہو جاتی ہے، خود کو پتہ نہیں چلتا کہ کتنی بلند آواز ہوگئی، لوگوں پر شاق گزرتا ہے۔

علم دین کے ساتھ دینی سمجھ کی ضرورت ہے، حضرت مولانا مفتی مظفر حسین کاندھلویؒ دہلی کے راستے میں ایک گاؤں کے نواب صاحب سے ملے، نواب صاحب نے کہا کہ میں بلا وضو نماز پڑھوں گا، شراب کباب نہیں چھوڑ سکتا، تو آپ نے ان کو اجازت دے دی، یہ تفقہ تھا، ایک دیہات کو حضرت تھانویؒ نے تعزیہ بنانے کی تائید وتاکید کی، اس لیے کہ اُن دیہاتی لوگوں کے پاس علامت ایمان کے طور پر تعزیہ کے علاوہ کچھ نہ تھا۔(۱)

مقتضائے حال کی رعایت ہو

مقتضائے حال کی رعایت ہو، موقع کی بات سنی جاتی ہے مثلاً: رمضان، روزہ، زکوۃ، تلاوت، اعتکاف، صدقۃ الفطر، ذی قعدہ اور ذی الحجہ میں حج وقربانی کی دعوت وتبلیغ رہبری۔ مدارس کھلنے کے دنوں میں دینی تعلیم کی اہمیت، شعبان میں استقبال رمضان، دیگر مذاہب ودھرم کے تہوار کے وقت اسلامی تعلیمات کی جانب سے رہبری، اسی طرح چاند گرہن، سورج گرہن کا فلسفہ اور وبائی بیماری کی حیثیت لوگوں کے سامنے بیان کریں، یہی موقع شناسی ہے۔

اسلام سمجھائیں! سود، تجارت، ملازمت سمجھاؤ! طلاق، اسلام کا اقتصادی نظام اور عفت وپاک دامنی کا اہتمام؛ اور یہ سب باتیں لگی بندھی، گھسی پٹی نہ ہوں؛ بلکہ قرآن وسنت سے مدلل ہوں، جو اُن کی عقلوں کو اپیل کریں۔

سماج کی بیماریوں سے واقفیت ضروری ہے، تا کہ اصلاح کرسکیں، مثلاً: سودی کاروبار ہے تو اس کی مذمت، شادی بیاہ کا سیزن ہے تو اس کی تعلیمات، لون، کے مسائل،

(۱) تحفۂ ائمہ واساتذۂ مکاتب: ۳۰

لباس اور بال کے احکام، گھریلو خرابیوں کا علاج، بڑے بوڑھوں کا ادب اور والدین کا مقام وغیرہ، آئے دن نت نئے پیش آنے والے مسائل، تجارت ومعیشت کے نئے نئے طریقے اور سود کی مختلف شکلیں، جو آج بہت زیادہ عام ہیں، ہر روز ایک نیا طریقہ کار شروع ہو رہا ہے، ان سب چیزوں اور ان کی حلت وحرمت سے متعلق واقفیت نہایت ضروری ہے۔

نکیر ہو؛ مگر تحقیر نہیں

برائی دیکھ کر اُس پر نکیر کرنا بلاشبہ ایک اچھا اور ضروری عمل ہے؛ لیکن اس میں بھی یہ لحاظ رہے کہ اس کا مقصد مخاطب کی تذلیل وتحقیر نہ ہو، برائی سے نفرت ضرور؛ لیکن جو شخص برائی میں مبتلا ہے، اس سے دلی ہمدردی ہونی چاہئے، گویا کہ اس کو برائی کے دینی ودنیوی نقصان سے بچانے کے جذبہ ہی سے اس پر نکیر کی جائے، جب یہ جذبہ ہوگا اور مخاطب بھی یہ سمجھے گا کہ یہ ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ ہے تو وہ یقیناً اثر قبول کرے گا، اور اگر اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ہمیں ذلیل کرنا چاہتا ہے تو پھر وہ برائی میں مزید پختہ ہو جائے گا اور یہ طرزِ عمل اسے برائی پر اور جری بنادے گا۔ (۱)

داروغہ نہ بنیں

داروغے نہ بنیں کہ زبردستی کسی سے نیکی کا کام کروائیں، جمعہ پڑھانے کے بعد جب بھی نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ کا یہ حصہ وَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكرى سَيَذَّكَّرُ مَن يخشى - وَيَتَجَنَّبُهَا الأَشقَى - ''نصیحت کریں اگر نصیحت فائدہ دے، وہ ضرور نصیحت حاصل کرے گا جس میں ڈر ہوگا اور بدبخت اس سے کنارہ کش رہے گا۔'' پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ کی آیت ﴿لَستَ عَلَيهِم بِمُصَيطِرٍ '' آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں۔'' پر پہنچیں تو یہ آیات حوصلے اور ہمت میں اضافے کا باعث بنیں۔ کہ زبردستی کسی سے کام نہیں

(۱) (کتاب الوعظ والتذکیر: ۲۸، مفتی سلمان منصوری پوری

کرانا،بس دعوت دینی ہے،نبی ﷺ کی طرف سے جمعے کی نماز میں ان سورتوں کے انتخاب کی ایک حکمت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ہفتہ بعد ائمہ کو یہ بات یاد کرادی جائے کہ تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔(۱)

اسلوبِ بیان دل کش نہ ہونے کا نقصان

مولانا ابوعمار زاہد الراشدی صاحب لکھتے ہیں کہ" لوگ اہل علم کے پاس دینی معلومات لینے کے لیے آتے ہیں، خطابات ،درس وغیرہ معلومات لینے کے لئے سنتے ہیں، اگر وہی بات اس کو رات میں کسی چینل پر مجھ سے اچھے لہجے میں مل جائے تو وہ میرے پاس کیوں آئے گا؟ وہی بات مجھ سے اچھے لہجے میں رات کو کسی چینل میں سنی ہے تو وہ میری بات سنے گا یا چینل کی بات سنے گا؟ بات صرف اسلوب کی ہوتی ہے، لہجے کی ہوتی ہے،شائستگی کی ہوتی ہے، جو بات میں لڑائی کے انداز میں کر رہا ہوں،وہ رات چینل میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی بڑی محبت کے انداز میں کر رہا ہوتا ہے تو سننے والے کو وہ بات پسند آجاتی ہے کہ اس نے کتنی اچھی بات کی ہے۔

حالات کے رخ پر ہونے والی تبدیلیوں کو محسوس کرنا چاہیے،حالات کے مطابق ڈھلنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اپنا موقف ،اپنا مذہب یا اپنا عقیدہ چھوڑ دیں، بلکہ اپنے لہجے، اسلوب، اپنی گفتگو کے انداز ،تحریر کے انداز کو آج کے حالات کے مطابق اپنانا ہوگا،ہم لوگ درس نِظامی میں بڑے شوق سے مقامات حریری اور مقامات ہمدانی پڑھتے ہیں،آج اس زبان میں آپ خطبہ دیں گے؟ وہ ہزار سال پہلے کی زبان ہے،اس دور کی زبان سے واقفیت کی اپنی افادیت ہے،لیکن آج اگر حریری کا کوئی خطبہ آپ نقل کرلیں تو لوگ کہیں گے کہ مولوی صاحب وظیفہ کر رہے ہیں ،لوگوں کی ذہنی سطح سمجھیں،لوگوں کے ہم سے دور ہونے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے جو میں نے بیان کیا ہے"۔

---

(۱) ازقلم: محمد نعمان فاروقی صاحب،فروری 2020ء

میری خطابت سے مجھے کتنا علمی فائدہ ہوا؟

میری خطابت سے ممکن ہے عوام کو فائدہ ہورہا ہو لیکن مجھے فائدہ نہیں ہورہا ہے، جمعہ کی خطابت میں کوئی نہ کوئی نئی بات ایسی ہوگی جو پہلی بار عوام کو سننے مل رہی ہو، کیونکہ ہم تھوڑا پڑھ کر تھوڑا سن کر کچھ نہ کچھ تیاری سے بولتے ہیں اور عوام بغیر تیاری کے بیٹھی ہے تو وہ بات عوام کے لیے نہیں رہتی مگر اپنے لیے وہ پرانی ہے، لیکن بتائیں دس سال کی خطابت میں ایک جمعہ کو اگر میں حدیث یاد کیا ہوتا تو کتنی حدیثوں کا حافظ ہونا چاہیے تھا؟ جمعہ میں بیان کے لیے حدیث بولنا تو ہے ہی خطبے میں، اگر میں ہفتہ میں ایک حدیث یاد کیا تو مہینے میں چار حدیثیں، سال میں کتنے حدیث ہیں؟ اڑتالیس حدیثیں اڑتالیس حدیثیں مجھے یاد ہونا چاہیے تھا، مکتب کے بچوں کو چالیس حدیثیں پورے سال میں یاد دلانے کی فکر ہے اور مجھے پورے سال میں اڑتالیس حدیثیں یاد ہونے چاہیے، جبکہ اس حدیث کی base پر مجھے بیان کرنا ہے، لیکن میں حدیث یاد کرنے کی کوشش نہیں کی، اور وہ محدثین تھے کہ ایک لاکھ دو لاکھ حدیثوں کے حافظ تھے سند اور متن کے ساتھ یاد کر لیتے تھے۔

اسی طرح خطبے میں آیت پڑھ کے بیان کرتے ہیں تو کوشش ہو کہ اس کے تحت میں دو تین تفسیریں دیکھ لوں، آیت کے ذیل میں کیا تفسیر لکھی گئی، کم از کم معارف القرآن دیکھ لوں، بڑی بڑی تفسیروں کی تو بعد میں توفیق ملے گی، اگر میں نہ آیت کی تفسیر دیکھ رہا ہوں، نہ حدیث کی تشریح دیکھ رہا ہوں، نہ حدیث یاد کر رہا ہوں، بس اردو خطبات میں جو کچھ موجود ہے وہ اپنے اپنے دور کے اکابر نے اس موقع کے لحاظ سے بیان کیے اسی کو نقل کر دیتا ہوں تو شاید میں قوم کا وقت ضائع کر رہا ہوں، ممکن ہے وہ خطبہ اِس دور میں بعینہ نقل کرنا مناسب نہ ہو، مثال کے طور پر قاری حکیم الاسلام صاحب رحمتہ اللہ علیہ سیرت پر بیان کرتے ہوئے وہاں کے مجمع کے لحاظ سے درمیان میں کسی اور موضوع پر بیان کئے یا کوئی مثال اور واقعہ بیان فرمایا پھر اپنے موضوع پر واپس آگئے، میں بعینہ وہی نقل کر دوں تو ظاہر سی

بات ہے مجمع وماحول کی میں رعایت نہیں کر پا رہا ہوں۔

جمعہ کے بیان میں وقت کا لحاظ رکھیں

جمعہ کے بیان کی تیاری وقت کا لحاظ کرتے ہوئے کریں، کہ مجھے اپنے مقررہ وقت میں بات پیش کر دینا ہے، مضمون خواہ کتنا ہی عالی اور فکری ہو، مگر اپنے وقت میں سمیٹ لیں، جمعہ کی نماز کے وقت میں تاخیر نہ کریں، وقت کی پابندی سے لوگوں میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، بعض مرتبہ لوگ دور دور سے جمعہ کا بیان سننے آتے ہیں مگر وقت کی پابندی نہ ہونے سے آئندہ آنا نہیں چاہتے، اور بعض اپنی شدید مصروفیات کا وقت نکالتے ہیں، بعض اسکول، کالج، اور کمپنیوں سے متعلق ہوتے ہیں انہیں بہت کم وقت نماز کے لئے دیا جاتا ہے، اس میں ظہرانے وغیرہ سے بھی فارغ ہونا رہتا ہے، اور الحمدللہ ستر فیصد مساجد میں وقت پر بیان ختم ہوتا ہے، تیس فیصد مساجد میں کوتاہی ہوتی جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ شروع میں وقت پر نہیں آتے، آخیر میں اچانک بارش کے قطروں کی طرح قطار لگ جاتی ہے، خطیب بھی اپنے مضمون کی روح آخیر میں ہی پیش کرتے ہیں، تو اس میں تاخیر ہو جاتی، مگر پھر بھی جو وقت بورڈ پر لکھا جاتا ہے اس کی رعایت کرنے کے ہم مکلف ہیں، عوام کی کوتاہی خواص کی کوتاہی کی دلیل نہیں بن سکتی، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا عوام میں کافی اونچا مقام تھا ڈیڑھ گھنٹہ جمعہ کا بیان چلتا تھا، مگر مقررہ وقت پر ختم ہوتا تھا، ایک مرتبہ مولانا نے نمازِ جمعہ کے بعد صرف پانچ منٹ لیٹ ہونے پر مقتدیوں سے معذرت فرمائی کہ مجھے وقت کا صحیح اندازہ نہ ہوسکا، جبکہ آپ ؒ کو سننے کے لئے لوگ شوق سے جمع ہوتے تھے، ایک گھنٹہ بھی لیٹ ہو جاتا تو کوئی اعتراض نہ کرتا مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وعدہ کا لحاظ رکھا، چونکہ وقت مقررہ پر کام ختم کرنا شرعاً وعدہ کے حکم میں ہے، اور کمیٹی یا کوئی شخص وقت پر ختم کرنے کی درخواست کرے تو ہرگز ان کی تحقیر نہ کی جائے کہ لوگ ساڑھے تین گھنٹے فلم دیکھنے کے لئے لگا سکتے ہیں ایک گھنٹہ اللہ اور اس کے رسول کی بات سننے کے لئے نہیں نکال سکتے؟ یہ کوئی دلیل نہیں

ہے،معصیت پر عبادت کو قیاس نہیں کیا جاسکتا،تاخیر کی شکایت کرنے پر اپنی غلطی دل سے تسلیم کرلیں،اور تنبیہ کرنے پر شکریہ ادا کریں۔

وقت کے بعد نصیحت بوجھ لگتی ہے

تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ خطیب کو جتنا وقت دیا جاتا ہے اتنا وقت امانت ہے اس میں ہی اپنی بات مکمل کرلے لہذا مسجد کا خطیب جمعہ کی خطابت کے لیے وقت مقررہ کا ضرور لحاظ رکھے، ہم جو وقت لوگوں کو بتادیتے ہیں، اس وقت پر عبادت کا اہتمام کریں،وقت پر بیان ختم کردیں،لوگوں کو چہ میگوئیوں کا موقع نہ دیں، یہ خیال کہ دو منٹ اور بات کرلیں، شاید لوگوں کے دل میں دین کی اور باتیں بھی آجائیں،لوگ وقت مقررہ سے ایک منٹ بھی اوپر ہو جائے تو بوجھ سمجھتے ہیں۔

موضوع کی تیاری کیسے کریں؟

تقریر آستین چڑھانے کا نام نہیں،تقریر منہ سے تھوک نکالنے کا نام نہیں ہے،تقریر نام ہے دو چیزوں کا،ایک یہ کہ جو تم کہہ رہے ہو،اس کے بارے میں تمہارا دل مطمئن ہے اور جو تم کہہ رہے ہو،وہ لوگوں کو سمجھ آرہا ہے،اگر یہ دو چیزیں ہیں تو تقریر تقریر ہے۔

موضوع کی تیاری کے لیے ضروری ہے کہ جو موضوع منتخب کیا ہے،اس موضوع کے حوالے سے آیاتِ قرآنیہ،ان کی تفاسیر،احادیث اور ان کی شروحات دیکھی جائیں،فقہی مسائل ہیں تو ان مسائل کو بھی دیکھ لیا جائے،اگر بزرگوں کے مسائل بھی اس موضوع کے مطابق مل جائیں تو نور علی نور ہے، اس کے اندر اور جان پیدا ہو جائے گی،تقریر کا ایک پہلو سماجی بھی ہوسکتا ہے،سیاسی بھی ہوسکتا ہے،تاریخی بھی ہوسکتا ہے،ان کے لیے بھی ہمیں قابل اعتماد مواد حاصل کرنا ہے اور وہ قابل اعتماد ذریعہ تلاش کرنا ہے جس سے ٹھیک مواد مل جائے۔

ہر ہفتہ ایک نیا موضوع منتخب کیجیے

مولانا یوسف لدھیانویؒ فرماتے ہیں کہ: جمعہ کے خطبات ''کیف ما اتفق'' نہ ہوں، بل کہ ان کے لیے اہم دینی موضوعات کو ایک خاص ترتیب سے منتخب کیا جائے اور جس موضوع پر خطاب کرنا ہو، اس کے لیے پوری تیاری کی جائے، نیز مؤثر انداز میں موضوع کا حق ادا کیا جائے، خطبات میں ترغیبی پہلو کو غالب رکھا جائے اور بات ایسے جچے تلے انداز میں کی جائے جس سے نہ صرف بات ذہن نشین ہو جائے، بل کہ سامعین کی فکری وعملی اصلاح بھی ہو۔(۱)

جمعہ کا بیان خطباء کے لیے ایک میدان ہے جس میں حالات کے اعتبار کے سے سامعین سے گفتگو کریں موقع ومحل کا بھی اعتبار کریں جیسا کہ نبی کریم ﷺ موقع محل کا اعتبار کرتے تھے، جیسا رمضان المبارک کے آنے سے قبل اس کی تیاری، اعمال کے اضافہ کی طرف توجہ اس کی تیاری کے سلسلہ میں ابھارا، اسی طرح جنگ کے موقعہ پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو شہید کی فضیلتوں کا بتایا تھا اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ ہم بھی موقعہ محل کا اعتبار کرے ایسا نہ ہو کہ شادی کا موقعہ میں آپ اس میں موت کی تیاری کے سلسلہ میں بات کریں؛ بلکہ شادی کے موقعہ پر آپ کو سسرالی ذمہ داریاں شوہر کے حقوق، بیوی کے حقوق کی طرف توجہ دلانا ہوگا، اسی طرح اگر ملک میں الیکشن ہونے والے ہو تو ایسے موقعہ پر جمہوری ملک میں ووٹ کی حقیقت، ووٹ ڈالنے کے سلسلہ میں واجب درجہ بتانا اور کس پارٹی کو ووٹ ڈالا جائے اشاروں میں اس کی وضاحت ہو، کھلے طور پر نام لیکر بتانا نزاع کا سبب ہے، اس لئے اشاروں میں اس کی وضاحت ہو۔

اہل علم واہلِ خطابت کے لیے ایک بڑا چیلنج

مولانا زاہد الراشدی صاحب ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی لکھتے ہیں'' اب عام پڑھے لکھے

(۱) مجالس مفتی اعظم: ۶۲۴

لوگوں کے پاس بھی معلومات کا ذخیرہ میں اہل علم، امام وخطیب داخل نہیں رہا، آج سے تیس، چالیس سال پہلے معلومات کا ذریعہ صرف علماء ہی تھے، پڑھا لکھا آدمی بھی ہماری دی ہوئی معلومات کو ٹھیک سمجھ لیتا تھا، اب صورت حال یہ ہے کہ جھوٹی یا سچی خبریں، علماء کے علاوہ لوگوں کے پاس معلومات کے ذرائع دوسرے بھی ہیں، کوئی انٹرنیٹ پر ہے، کوئی اخبارات پڑھتا ہے، میگزین پڑھتا ہے، چینل پروگرام دیکھتا ہے، غلط ہو یا صحیح بہر حال اس کی معلومات کا دائرہ وسیع ہے، آج کے اس میڈیا کے پھیلاؤ نے عام آدمی کو معلومات کی بہت سی کھڑکیاں دے دی ہیں، وہ بیٹھے بیٹھے ایک بٹن کلک کرتا ہے، ایک طرح کی معلومات لے لیتا ہے، دوسرا بٹن کلک کرتا ہے، دوسری طرح کی معلومات لے لیتا ہے، اس کے بعد وہ آپ سے مسئلہ پوچھتا ہے، آج کسی عنوان پر بات شروع کریں گے لوتو گ فوراً کہہ دیں گے کہ یہ بات میں نے فلاں جگہ پر پڑھی ہے، آج نیٹ کی سہولت ہر نوجوان کے پاس ہے، کمپیوٹر، بڑی سے بڑی لائبریری ایک پرزے کے اندر جمع ہے اور وہ منٹوں میں اسے دیکھ لیتے ہیں، اس لیے میں اور آپ مجمع کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انتہائی احتیاط سے کام لیں کہ لوگوں کی معلومات کا انحصار اب صرف میری خطابت پر نہیں بلکہ خارجی ذرائع پر ہے، ہماری ذمہ داری ہے کہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرنا پڑے گا، اور ہمیں معلومات کے ساتھ محاکمہ بھی کرنا پڑے گا، عام آدمی صرف معلومات پر فیصلہ کرے گا، جبکہ ہمارا کام ہے کہ ہمارے پاس جو معلومات ہیں، ہم اس پر ٹھیک فیصلہ کریں کہ یہ ٹھیک اور یہ دلیل شرعی کی بات ہے اور یہ ٹھیک نہیں ہے، ہم نہ لوگوں کی ذہنی سطح پر آرہے ہیں، نہ ہماری معلومات کا دائرہ وسیع ہے، نہ محاکمہ کر پاتے ہیں، ہم تو بہت سی جگہوں پر خارجی مطالعہ کو ویسے بھی حرام سمجھتے ہیں‘‘۔

ذہن سازی کے آداب

خطابت الگ چیز ہے اور ذہن سازی الگ ہے، خطابت میں بولدینا کافی ہے، ذہن

سازی میں بولتے رہنا پڑتا ہے،اہل تبلیغ ذہن سازی کرتے ہیں تو بندہ مہینوں گھر چھوڑنے تیار ہوجاتا ہے، جذبہ خیر خواہانہ ہو،منبر پر چڑھ کر بوقتِ ضرورت ضروری تنبیہ کردیں،فوری اصلاح کی کوشش کریں،کاغذ پر لکھ کر ضروری اصلاحات سنادیں،دوسری مسجد کے امام کو بلوا کر ذہن سازی کروائیں ،تمام کوششیں ناکام ہونے کے بعد بھی دعا کا اہتمام ضرور رکھیں،مخلوق سے امید وخوف ترک کردیں،یہ سوچیں کہ وقت کم ہے کام زیادہ ہے۔

تدریجی اصلاح کی توقع رکھیں

اپنی مسجد میں جلدی تبدیلی لانے کی فکر نہ کریں ،فارغ ہو کے آئے سب مساجد میں جہری دعا ہوتی ہے سری نہیں ہوتی ہے،سنت کے خلاف ہے،اپنی امامت کے لئے شرط لگادئے کہ میں جہری دعا نہیں کروں گا،تبدیلی لانے کا طریقہ مسنون ہونا چاہئے،حضور ﷺ فتنے کے اندیشے سے کعبۃ اللہ کی تعمیر چھوڑ دی ہے،میں کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ کے نہج پہ بنانا چاہ رہا تھا لیکن قوم کے پاس اس وقت پیسے نہیں تھے تو آدھا بنایا،محمد ﷺ تو فتنے کے اندیشے سے بڑے بڑے کام بھی چھوڑ دیں،یہاں آتے ہی تبدیلی جھٹکوں میں لانا چاہیں، پہلے انہیں قریب کرلیں،مشترکہ عناوین پر بولیں،حق بات بھی نامناسب انداز میں نہ ہو،بے موقع نہ ہو ،زمزم بھی پیش کریں تو انداز اچھا ہو،بیماری کا علاج فوری نہیں ہوتا، دل کو چوٹ پہنچانے والا انداز نہ رہے،نشانہ تان کر نہ بولا جائے،خطابت کرتے وقت آپ ایسے تعبیرات نہ ہوں جس سے دل چھلنی ہوجائیں۔

شراب جیسی لعنت والی چیز بھی آہستہ آہستہ حرام ہوئی،public کی غلطیاں ایسے انداز میں بیان نہ کریں کہ حق بولنے والے سے نفرت پیدا ہوجائے،حق بولیں لیکن حق سے نفرت نہ دلائیں،خود سے نفرت نہ دلائیں،منکرات پر بیانات کرنے میں منکر کی قباحت قوم کے اندر پیدا ہو،منکرات پر بیان کرنے والے کی قباحت پیدا نہ ہو،اس کے لیے پہلے مسلکی بیانات نہ کریں،تشدد والے بیانات نہ کریں ، پہلے ترتیب والے بیانات کریں ، پہلے وہ عناوین جو

عمومی ہیں، اس کے بعد وہ عناوین جو خاص خاص لوگوں میں، پورے مجمع میں دو چار آدمی سود لیتے ہیں باقی جھوٹ بولنے والے، دھوکہ دینے والے ہیں تو وہ منکر بولو جس میں سب لوگ مبتلاء ہیں، خاص منکر پر نکیر میں لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ مجھے نہیں بول رہے ہیں، فلاں کو بول رہے ہیں، آپ جب بھی بولنا شروع کریں تو آپس میں اشارہ کریں گے۔

بعض موضوعات کا ترک اتہام کا سبب ہے

بعض موضوعات پر سالوں بیان نہ کرنا اتہام کا سبب بن جاتا ہے، مثلاً اہل بیت کے فضائل، حضرات حسنینؓ کی زندگی پر یا تو شیعہ بیان کریں یا بریلوی، اپنے موضوعات میں یہ شامل نہیں، عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ معین الدین اجمیریؒ وغیرہ کے احترام میں کوئی ایام ولادت یا ایام وفات کے نام پر باقاعدہ پورے ہفتے پروگرام کرتا ہے، تو کوئی ان کی زندگی کو بالکل چھوڑے ہوئے ہے، افراط وتفریط والے معاملے سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء دیوبند اہل بیت کا نام بھی نہیں لیتے اور اولیاء اللہ کا نام بھی نہیں لیتے، اسی طرح حالات حاضرہ پر بیانات نہیں ہوتے، رسمی اور موسمی بیانات کا ہی سلسلہ ہی جاری رہتا ہے، جس سے لوگ اکتا جاتے ہیں، یا بے حیثیت خطیب بن کر رہ جاتے ہیں۔

ایک جگہ پر مسلک دیوبند سے وابستہ عالم دین جو اولیاء کرام کی زندگی پر مستقل بیان میں ان کی خصوصیت اور ان کے قوال بولا کرتے تھے جو کہ واقعی ان کی زندگی وسوانح تھی ایک بار ایسا موقع آیا کہ اس عالم دین کو مسلک دیوبند سے وابستہ لوگ نکالنے لگے تو بریلوی مسلک کے لوگ ان کو نکالنے سے منع کیا بلکہ ان کے ساتھ ہو کر ان کو ہی خطابت پر رکھا۔

خطابت میں نقل بازی نہ کریں

بطور لطیفہ عرض ہے ایک علاقے کے بڑے ممتاز خطیب کی تقریر سے اندازہ ہو رہا تھا کہ یہ تقریر حضرت مولانا عبدالشکور دین پوریؒ کی ہے، تقریر میں فرمارہے تھے کہ میں نے

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ملاقات کی، تقریر کے بعد کھانے پہ بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے ان سے پوچھا کہ حضرت آپ کا سن ولادت کیا ہے؟ فرمانے لگے ۱۹۷۵ء انہوں نے کہا کہ حضرت جس شخصیت کی ملاقات کے بارے میں آپ تقریر میں فرمارہے تھے، وہ اس سے پندرہ یا سولہ سال پہلے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، کتاب کے اندر ایسے ہی لکھا ہوا ہے جس طرح بیان ہوا، رٹے کے اندر بھی اگر آدمی عقل سے کام لے تو کام چل سکتا ہے، خطابت نقالی اور رٹے کا نام رہ گیا ہے، اگر اپنے دور کا ایک خطیب، اس کا انداز یہ ہے کہ وہ کرسی پر پاؤں رکھ کر تقریر کرتا ہے تو ہم اس کی بھی نقالی کریں گے، تقریر بھی اسی کی نقل کریں گے، انداز بھی اسی کا نقل کریں گے، جس کی وجہ سے خطابت اپنی اہمیت کھو چکی ہے، اگر ہم کو محسوس ہو کہ سماج کی ضرورت پوری کرنی ہے، سوسائٹی کے تقاضے کیا ہیں تو سوسائٹی کے اندر رہنا ہوگا، سوسائٹی سے روابط رکھنے ہوں گے، سوسائٹی سے ان کی مشکلات اور ضروریات معلوم کرنی ہوں گی، انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ ۹۰ فیصد سے زائد خطیب سوسائٹی کی ضرورت کا احساس نہیں کرتے اور جب تک ہم سوسائٹی کی ضرورت کا احساس نہیں کریں گے، تب تک ہم صحیح عنوان کا انتخاب نہیں کر سکتے۔

''موضوع کی تیاری''۔ میں انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مطالعہ کا ذوق تباہ و برباد ہو گیا ہے، اپنی پسند کے ایک خطیب کے خطبات دیکھا اور جمعہ پڑھا دیا، یہ سوچے بغیر کہ وہ خطیب کس ماحول میں بات کر رہا تھا، وہ تیس سال پہلے کے ماحول میں بات کر رہا تھا اور میں تیس سال بعد جب کہ ماحول بہت حد تک بدل چکا ہے، میں ماحول کی پرواکیے بغیر بیس، پچیس سال پہلے کے ماحول میں کی گئی تقریریں رٹ کر جمعہ پڑھا رہا ہوں۔

خطبات میں منکرات کا تذکرہ زیادہ نہ کریں

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ مولانا محمد الیاسؒ کا ملفوظ نقل فرماتے ہیں: ''کہ مسلمانوں کی برائیوں کا انسداد ان کی برائیاں بیان کرنے سے نہیں ہوسکتا، بل کہ چاہیے کہ ان میں جو

ایک آدھ بھی اچھائی موجود ہو اس کی تکثیر کی جائے، برائیاں خود بخود دور ہو جائینگی۔

کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں ہے کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو، ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں، اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور پردہ پوشی کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی کمی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے مگر دستور اس کے خلاف ہے۔"(۱)

منکرات پر اشاروں میں تنبیہ کریں

امام غزالیؒ فرماتے ہیں: تعلیم کی باریکیوں میں سے ایک ایک باریکی یہ ہے کہ طالب علم اور شاگرد کے ڈانٹا جانے میں جہاں تک ممکن ہو سکے تعریض کا طریقہ اپنائے اور صراحت کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے، کیوں کہ صراحت میں رسوائی و ذلت ہے۔

"من دقائق صناعة التعليم أن يزجر المتعلم عن سوء الأخلاق بطريق التعريض ماأمكن ،ولا يصرح وبطريق الرحمة لابطريق التوبيخ ، فان التصريح يهتک حجاب الهيبة"(۲)

مقتدی و مصلی کو درس یا وعظ جبراً نہ سنائیں

امام یا خطیب اس شخص کو اچھا نہیں سمجھتے جو ان کے وعظ یا درس نہیں سنتے، ہماری بات کیوں نہیں سنتے؟ حالانکہ نبی کریم ﷺ بھی خطبہ عید کے لیے لوگوں کو اختیار دے دیا کرتے تھے، سیدنا عبداللہ بن سائبؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے عید کی نماز پڑھائی اور

(۱) حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت: ۲۴۲۔۲۴۲

(۲) الرسول المعلم: ۱۲

فرمایا: جو واپس جانا پسند کرتا ہے وہ چلا جائے اور جو خطبے کے لیے ٹھہرنا چاہتا ہے، وہ ٹھہرا رہے۔

”مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَنْصرِفَ فَلْيَنْصرِفْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يُقِيمَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيُقِمْ“(۱)

بعض تو کہہ دیتے ہیں کہ جو خطبہ نہ سنا اس کا دین ہی کیا؟ یہ نہیں دیکھتے کہ زیادہ افراد سننے والے ہیں اور بعض ہی جانے والے ہیں، زیادہ پر راضی رہنے کے بجائے بعض کی وجہ سے خفا ہو جاتے ہیں، کیا کسی کو زبردستی دین سنایا جا سکتا ہے؟ ائمہ کا کردار تو تذکیر اور یاد دہانی کی حد تک ہی ہو سکتا ہے۔

ایک دفعہ نبی کریم ﷺ مسجد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے جلو میں تشریف فرما تھے، اس دوران تین افراد آئے۔ان میں سے دو نبی ﷺ کے پاس آ گئے اور ایک (باہر ہی سے) چلا گیا، (اندر آنے والے وہ) دو افراد رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر ٹھہرے، پھر ان دونوں میں سے ایک نے مجلس میں خالی جگہ دیکھی اور جا کر بیٹھ گیا اور دوسرا مجلس کے آخر ہی میں بیٹھ گیا، رسول اللہ ﷺ جب (وعظ) سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا میں ان تین لوگوں کے بارے میں نہ بتاؤں، ان میں سے ایک نے تو اللہ کی طرف جگہ بنائی تو اللہ نے بھی اسے اپنی طرف جگہ دی، اور دوسرے نے شرم محسوس کی اور (مجلس سے رخ نہ پھیرا) تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی حیا کی اور تیسرا شخص رخ موڑ گیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے رخ موڑ لیا۔

”أَلاَ أُخْبِرُكُمْ عَنِ النَّفَرِ الثَّلاَثَةِ. أَمَّا أَحَدُهُمْ :فَأَوَى إِلَى اللهِ، فَآوَاهُ اللهُ، وَأَمَّا الآخَرُ:فَاسْتَحْيَا، فَاسْتَحْيَا اللهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الآخَرُ:فَأَعْرَضَ، فَأَعْرَضَ اللهُ عَنْهُ“(۲)

اس حدیث میں ہمارے لئے کس قدر واضح سبق ہے کہ اگر کچھ لوگ اپنی شومئ اعمال

(۱) سنن النسائی، کِتَاب صَلاَةِ الْعِيدَيْنِ، بَاب التَّخْيِيرِ بَيْنَ الجلُوسِ فِي الخطْبَةِ لِلْعِيدَيْنِ ،حدیث:۱۵۷۱
(۲) صحیح البخاری، كِتَاب العِلْمِ، بَاب مَنْ قَعَدَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ المجْلِسُ، وَمَنْ رَأَى فُرْجَةً فِي الحلْقَةِ فَجَلَسَ فِيهَا، حدیث :٦٦

کی بنا پر نبوی مجلس سے رخ موڑ لیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے آپ کے وعظ و دروس کیا حیثیت رکھتے ہیں؟(۱)

اعتراض کا ٹھنڈے دل سے جواب دیں

ایک کوتاہی یہ ہوتی ہے کہ ہمارا رویہ بہت سخت ہوتا ہے، کسی کے دل میں بہت سے سوالات ہیں دین کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہے، کوئی زہریلا مواد اس کے دل میں اشکال پیدا کر دیا ہے جو انتہائی سنگین ہوسکتا ہے، اگر وہ اپنے ذہن میں اٹھنے والے سوال کو امام کے سامنے عرض کرتا ہے تو فوراً ہماری طرف سے سخت ترین جملہ اس کی طرف جائے گا: تو تو دہریہ ہو رہا ہے، تو تو بددین ہو رہا ہے، اس کو کچھ کہنے دیں، اس کی زبان کی بات دل پر آنے دیجیے، اس سے اس کی فکر کا اندازہ ہوگا تو ہم اس کی رہنمائی کر پائیں۔

شاہ اسماعیل شہیدؒ کا واقعہ

ایک مرتبہ حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید صاحبؒ وعظ کہنے کے بعد جامع مسجد کی سیڑھیوں سے اتر رہے تھے کہ اتنے میں مخالفین میں سے کوئی شخص سامنے آگیا اور اس نے مولاناؒ کی تحقیر وتذلیل کی غرض سے کہا: ''مولانا! میں نے سنا ہے کہ آپ حرام زادے ہیں؟''

تصور فرمایئے! یہ بات اس شخص سے کہی جارہی ہے جو ایک طرف علم وفضل کا دریائے بیکراں اور دوسری طرف خاندانی طور پر مسلم شہزادہ اور جس نے دین کی خاطر اپنے سارے ہی شاہی ٹھاٹ باٹ کو بالا طاق رکھ دیا، اور پھر یہ بات اس وقت کہی جارہی ہے جب وہ وعظ کہہ کر اتر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس وقت ان کے کچھ نہ کچھ معتقدین یا ہم خیال حضرات بھی ساتھ ہوں گے، آج اگر کسی واعظ سے ایسے ماحول میں یہ بات کہی جائے تو واعظ صاحب برا فروختہ ہو کر اس کے حسب ونسب کو معرض بحث میں لے آئیں گے اور ان کے رفقاء یقیناً

---

(۱) محدث فورم، مولانا محمد فاروق صاحب

ایسے شخص کو سلامت نہ جانے دیں گے؛ لیکن بے نفسی کی انتہا دیکھئے! حضرت شاہ صاحبؒ نے جواب میں فرمایا : ''جناب! آپ کو کسی نے غلط خبر پہنچائی، میری والدہ کے نکاح کے گواہ تو اب تک دہلی میں موجود ہیں۔''

اس طرح حضرتؒ نے معترض کے اس فقرے کو جو صرف گالی دینے کے لیے بولا گیا تھا، ایک مسئلہ بنا کر سنجیدگی سے جواب دے دیا، یہی وہ طرز عمل تھا جس نے سنگ دل انسانوں کو موم کیا اور جس کی بناء پر دعوتِ حق کی فضا ہموار ہوئی۔

حضرت تھانویؒ کا دورانِ خطاب تحمل کا سبق آموز واقعہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کے مواعظ سے امت کو جو بے مثال نفع پہنچا وہ محتاجِ بیان نہیں۔ حضرت کے مواعظ کا فیض آج تک جاری ہے اور جن حضرات نے ان کا مطالعہ کیا ہو وہ جانتے ہیں کہ یہ مواعظ دین کی بیشتر ضروریات پر حاوی ہیں اور اصلاح وتربیت کے لیے بے نظیر تاثیر رکھتے ہیں، ایک مرتبہ ''جون پور'' میں آپ کا ایک وعظ ہونا تھا، وہاں بریلوی حضرات کا خاصا مجمع تھا، آپ کے پاس ایک بے ہودہ خط پہنچا جس میں دو چار باتیں کہی گئی تھیں، ایک تو یہ کہ ''تم جولاہے ہو'' دوسرے یہ کہ ''جاہل ہو'' تیسرے یہ کہ ''کافر ہو'' اور چوتھے یہ کہ ''سنبھل کر بیان کرنا''۔

حضرت تھانویؒ نے وعظ شروع کرنے سے پہلے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ : اس قسم کا ایک خط میرے پاس آیا ہے، پھر وہ خط سب کے سامنے پڑھ کر سنایا اور فرمایا کہ ''یہ جو لکھا ہے کہ ''جولاہو'' تو اگر میں جولاہا ہوں بھی تو اس میں حرج ہی کیا ہے میں یہاں کوئی رشتہ ناتا کرنے تو نہیں آیا احکام الٰہی سنانے کے لیے حاضر ہوا ہوں سو اس کو قومیت سے کیا علاقہ؟

دوسری بات یہ چیز اختیاری بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جس کو جس قوم میں چاہا پیدا فرمادیا، سب قومیں اللہ ہی کی بنائی ہوئی ہیں، سب اچھی ہیں اگر اعمال واخلاق اچھے ہوں۔

یہ تو مسئلہ کی تحقیق تھی، رہی واقعہ کی تحقیق سو مسئلہ کی تحقیق کے بعد واقعہ کی تحقیق کی

ضرورت ہی باقی نہیں رہی، لیکن پھر بھی کسی کو تحقیق واقعہ کا شوق ہی ہو تو میں آپ کو اپنے وقت کے عمائد کے نام اور پتے لکھوائے دیتا ہوں ان سے تحقیق کر لیجئے معلوم ہو جائے گا میں ''جولاہوں یا کس قوم کا؟'' اور اگر مجھ پر اطمینان ہو تو میں مطلع کرتا ہوں کہ میں جولاہا نہیں ہوں، رہا ''جاہل ہونا'' اس کا البتہ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں ''جاہل بل کہ اجہل ہوں''، لیکن جو کچھ اپنے بزرگوں سے سنا ہے اور کتابوں میں دیکھا ہے اس کو نقل کرتا ہوں، اگر کسی کو کسی بات کے غلط ہونے کا شبہ ہو اس پر عمل نہ کرے، اور ''کافر ہونے'' کو جو لکھا تو اس میں زیادہ قیل وقال کی حاجت نہیں، میں آپ صاحبوں کے سامنے پڑھتا ہوں۔ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَه' لَاشَرِيْکَ لَه' وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُه' وَرَسُوْلُه''

اگر میں نعوذ باللہ کافر تھا تو لیجئے اب تو نہیں رہا، آخر میں ''سنبھل کر بیان کرنے'' کی دھمکی دی گئی ہے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ وعظ گوئی کوئی میرا پیشہ نہیں ہے، جب کوئی بہت اصرار کرتا ہے تو جیسا کچھ مجھے بیان کرنا آتا ہے بیان کر دیتا ہوں، اگر آپ صاحبان نہ چاہیں گے تو میں ہرگز بیان نہ کروں گا، رہا سنبھل کر بیان کرنا تو اس کے متعلق صاف صاف عرض کیے دیتا ہوں کہ میری عادت خود ہی چھیڑ چھاڑ کی نہیں ہے، قصداً کبھی کوئی ایسی بات نہیں کرتا، جس میں کسی گروہ کی دل آزادی ہو یا فساد پیدا ہو، لیکن اگر اصولِ شرعیہ کی تحقیق کے ضمن میں کسی ایک مسئلہ کی ذکر کی ضرورت ہی پیش آجاتی ہے جس کا رسوم بدعیہ سے تعلق ہے تو پھر میں رُکتا بھی نہیں، اس لیے کہ یہ صریح دین میں خیانت ہے۔

سب باتیں سننے کے بعد اب بیان کے متعلق جو آپ صاحبوں کی رائے ہو اس سے مطلع کر دیجئے! اگر اس وقت کوئی بات کسی کے خلاف طبع بیان کرنے لگوں تو فوراً مجھ کو روک دیا جائے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی ادنیٰ شخص بھی مجھے روکے گا تو میں اپنے بیان کو فوراً منقطع کر دوں گا اور بیٹھ جاؤں گا، بہتر تو یہ ہے کہ وہی صاحب روک دیں جنہوں نے یہ خط بھیجا ہے، اگر خود کہتے ہوئے شرم آئے یا ہمت نہ ہو تو چپکے سے کسی اور ہی کو سکھلا دیں ان کی طرف سے وہ مجھے روک دیں، یہ سن کر ایک معقولی مولوی صاحب جو بدعتی خیال کے تھے اور جن کا

وہاں بہت اثر تھا، کڑک کر بولے ’’یہ خط لکھنے والا کوئی حرام زادہ ہے، آپ وعظ کہئے! آپ کیسے فاروقی ہیں؟‘‘

حضرت نے فرمایا: میں ایسی جگہ کا ’’فاروقی ہوں‘‘ جہاں کے ’’فارروقیوں‘‘ کو یہاں کے لوگ ’’جولاہے‘‘ سمجھتے ہیں۔

جب سارا مجمع خط لکھنے والے کو برا بھلا کہنے لگا، خاص طور سے وہ مولوی صاحب فحش گالیاں دینے لگے تو حضرت والا نے روکا کہ گالیاں نہ دیجئے، مسجد کا تو احترم کیجئے! پھر حضرت والا کا وعظ ہوا اور بڑے زورشور سے وعظ ہوا، اتفاق سے دورانِ وعظ میں بلا قصد، کسی علمی تحقیق کے ضمن میں کچھ رسوم و بدعات کا ذکر چھڑ گیا پھر تو حضرت والا نے عربی میں بلا خوف لومۃ لائم خوب ہی رد کیا، لوگوں کو یہ اختیار دے چکے تھے کہ وہ چاہیں تو عظ روک دیں، لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ معقولی مولوی صاحب شروع شروع میں تو بہت تحسین کرتے رہے اور بار بار سبحان اللہ۔۔۔سبحان اللہ۔۔۔کے نعرے بلند کرتے رہے، کیوں کہ اس وقت تصوف کے رنگ پر بیان ہورہا تھا لیکن جب رد بدعات پر بیان ہونے لگا تو پھر چپ ہو گئے، مگر بیٹھے سنتے رہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل تھا، کیوں کہ بعد کو معلوم ہوا کہ وہ ایسے کٹر کی اور سخت ہیں کہ جہاں کسی واعظ نے کوئی بات خلاف طبع کہی انہوں نے وہیں پکڑ کر منبر سے اتار دیا، لیکن اس وقت انہوں نے دَم نہیں مارا، چپکے بیٹھے سنتے رہے، لیکن جب وعظ ختم ہوا اور مجمع رخصت ہونے کے لیے کھڑا ہوگیا تو اس وقت ان مولوی صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ ان مسائل کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی اِس پر ایک دوسرے ذی اثر مولوی صاحب (جو خود بدعتی خیال کے تھے) بڑے اور جواب دینا چاہا، لیکن حضرت والا نے انہیں روک دیا کہ خطاب مجھ سے ہے آپ جواب نہ دیں مجھے عرض کرنے دیں، پھر حضرت والا نے ان معقولی مولوی صاحب سے فرمایا کہ آپ نے یہ بات پہلے مجھ سے نہ فرمائی، ورنہ میں احتیاط کرتا، میں نے تو جو بیان کیا ضروری ہی سمجھ کر کیا، مگر اب کیا ہوسکتا ہے اب تو بیان ہو چکا ہے، ہاں ایک

صورت اب بھی ہوسکتی ہے، وہ یہ کہ ابھی تو مجمع موجود ہے، آپ پکار کر کہہ دیجئے کہ صاحبو!اس بیان کی کوئی ضرورت نہ تھی، پھر میں آپ کی تکذیب نہ کروں گا اور آپ ہی کی بات اخیر بات رہے گی، اِس پر سب لوگوں ہنس پڑے اور مولوی صاحب وہاں سے رخصت ہو گئے۔

اُن کے چلے جانے کے بعد سب لوگ اُن کو برا بھلا کہنے لگے، جب بہت شور غل ہوا تو حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر فرمایا کہ" صاحبو! ایک پردیسی کی وجہ سے آپ مقامی علماء کو ہرگز نہ چھوڑیں، میں آج پچھلی شہر جا رہا ہوں، اب آپ صاحبان یہ کریں اور میں ان صاحب کو بالخصوص خطاب کرتا ہوں جنھوں نے خط بھیجا ہے کہ وہ میرے بیان کا رد کرا دیں پھر دونوں راہیں سب کے سامنے ہوں گی جو جس کو چاہے اختیار کرے، فساد کی ہرگز ضرورت نہیں"۔ پھر ان دوسرے مولوی صاحب نے (جو بدعتی خیال کے ہونے کے باوجود حمایت کے لیے آگے بڑھے تھے) کھڑے ہو کر فرمایا کہ:

"صاحبو! آپ جانتے ہیں کہ میں مولودیہ بھی ہوں، قیامیہ بھی ہوں مگر انصاف اور حق یہ ہے کہ جو تحقیق آج مولوی صاحب نے بیان فرمائی ہے صحیح وہی ہے۔"(۱)

خطابت میں حکمت کا لحاظ رکھیں

محمد اسدیؒ کے والد ابو بکرؒ کا بیان ہے کہ میں نے جس سال حج کیا، اسی سال ابو القاسم البغویؒ اور ابو بکر الادمی القاریؒ نے بھی حج کیا، جب ہم نے حج کے فرائض ادا کر لیے تو مدینہ منورہ کی زیارت کا ارادہ کیا، مدینہ میں ایک دن ابو القاسم البغویؒ میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے:

"اے ابو بکر! مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک اندھے آدمی نے اپنی مجلس قائم کر رکھی ہے اور حاضرین کو من گھڑت قصے اور موضوع احادیث سنا رہا ہے، کیوں نہ ہم لوگ اس کی مجلس میں چلیں اور اسے واعظ کرنے سے روکیں؟"

---

(۱) اشرف السوانح: ۶۸۔۱

میں نے کہا: ''ابوالقاسم! ابھی ہماری حالت اس قدر مضبوط نہیں ہے کہ حاضرین مجلس ہماری بات سننے پر آمادہ ہوجائیں گے اور اندھے کی چٹ پٹی باتیں چھوڑ کر ہماری طرف متوجہ ہوجائیں، نیز اس وقت ہم بغداد میں نہیں ہیں جہاں ہماری اپنی ایک پہچان ہے اور لوگ ہماری بات سنتے ہیں، یہاں ہم غریب الوطنوں کی بات کون سنے گا؟ ہاں البتہ اس کے بجائے کوئی دوسری مناسب صورت نکالی جاسکتی ہے۔''

یہ کہہ کر میں نے ابوبکر الادمیؒ کا ہاتھ پکڑا جو اچھے قاری تھے، اور آگے بڑھا کر کہا: ''چلئے، تلاوتِ کلام پاک کیجیے! انہوں نے جوں ہی تلاوت کلام پاک شروع کی، آہستہ آہستہ لوگ اندھے کی مجلس سے اٹھ کر ہماری مجلس میں منتقل ہونے لگے اور ابوبکرؒ کی قراءت سے محفوظ ہونے لگے، تھوڑی ہی دیر میں اندھے کی مجلس خالی نظر آنے لگی اور اب تمام حاضرین ہماری مجلس کی زینت بنے ہوئے تھے۔

یہ دیکھ کر اندھے نے اپنے قائد سے کہا: ''**خذبیدی، فھکذاتزول النعم**'' ترجمہ: ''میرا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلو، نعمتیں اسی طرح زوال پزیر ہوتی ہیں۔''(۱) اس واقعے سے ہمیں سبق لینا چاہیے کہ بسا اوقات ایک منکر کو بغیر حکمت کے روکا جاتا ہے تو وہ کئی منکرات کے وجود کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

چناں چہ کسی اجتماعی، عمومی منکر کو روکنے کے لیے اکابر علما سے مشورہ ضرور کرلیا جائے کہ کس حکمت کے ساتھ کام کیا جائے کہ اس منکر کا رد بھی ہو اور امت میں انتشار و اختلاف کا ذریعہ بھی نہ بنے اور لوگ منکرات کو چھوڑ کر چھوڑ مستقیم پر آجائیں۔

ائمہ کرام لوگوں کو بتائیں کہ گناہ پر تنقید نہ کریں

صحابہ کرامؓ نے جس طرح کفار کو اسلام میں لانے کی محنت فرمائی، اسی طرح مسلمان گناہ گاروں کو بہترین تدبیر، اور حکمت کے ذریعہ سے ان کو دین دار بنانے کی فکر فرماتے تھے۔

(۱) سنہرے حروف: ۲۲۱

کہتے ہیں کہ انسان محبت کا بھوکا ہے، محبت کا اظہار کر کے، احسان اور دعا کر کے آپ کئی مسلمانوں کو جہنم کے راستہ سے بچا سکتے ہیں، نفرت، ڈانٹ ڈپٹ، تنقید، عیوب اور گناہوں پر ذلیل کر کے تو انسان اپنے بیٹے کی بھی اصلاح نہیں کر سکتا۔

ایک مرتبہ حضرت ابو درداءؓ کا گزر ایک مجمع پر سے ہوا جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ اسے مار پیٹ رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے، انہوں نے حقیقت حال دریافت کی۔ ''کیا بات ہے؟'' تو لوگوں نے بتایا: ''رجل وقع فی ذنب کبیر۔'' ''ایک آدمی ہے جس نے ایک بڑا گناہ کیا ہے۔'' ہم اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔

حضرت ابو درداءؓ نے ان سے پوچھا: یہ بتاؤ اگر یہ شخص کسی کنویں میں گر جاتا تو کیا تم اسے وہاں سے نہ نکالتے؟''

سب نے کہا: ''بلی''''کیوں نہیں۔''

حضرت ابو درداءؓ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا: ''پھر تم اس کو نہ گالی دو، نہ مارو پیٹو بلکہ صرف سمجھانے بجھانے اور وعظ و نصیحت کو کافی سمجھو اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اُس نے تم کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔''

مجمع نے پوچھا: تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے؟'' حضرت ابو درداءؓ نے جواب دیا: میں صرف اس کے گناہ کو ناپسند کرتا ہوں، اگر اس سے باز آجائے تو پھر یہ میرا دینی بھائی ہے۔''

حضرت ابو درداءؓ کی یہ بات سنی تو وہ شخص پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اپنے گناہ سے توبہ کی (۱)

دورانِ تقریر ''ہم'' اور ''آپ'' کے لفظ سے غلطی منسوب کریں، دوسروں کو کہی جانے والی بات اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے ''مجھے کیا ہو گیا، ہمیں کیا ہو گیا، ہم کیوں ایسا کر رہے ہیں'' وغیرہ کہیں نہ کہ ''تمہیں کیا ہو گیا تم کیوں اس طرح کر رہے ہو'' قرآن کریم نے یہی طرز سکھایا ہے۔ ''ومالی لا اعبد الذی فطرنی ''(سورۃ یٰسین) اس طرز سے سامع کی جلد اصلاح کی امید ہوتی ہے، اور اُن کے دل میں واعظ کی عظمت بھی بڑھتی ہے۔

(۱) صور من حیاۃ الصحابۃ: ۲۰۹۔۲۱۰

سخت کلامی اور سب وشتم سنتِ انبیاء کے خلاف ہے

بے ضرورت سختی نہ کی جائے اور ضرورت ہو تو قتل تک کرنے اجازت ہے۔

کہ بے حکم شرع آب خوردن خطاست　　　　دگر خون بفتویٰ بریزی رواست

قتل وقتال کے ذریعے کفر کی شوکت اور اسلام کی مخالفت کو دبایا جاسکتا ہے، اس لیے اس کی اجازت ہے، گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے، اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ" "لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے اور تند خوئی کر اُن پر"

اس آیت میں کفار اور منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن منافقین سے جہاد کا مطلب خود رسول اللہ ﷺ کے تعامل سے یہ ثابت ہوا کہ ان کے ساتھ جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں، تاکہ وہ اپنے دعوائے اسلام میں مخلص ہو جائیں۔(۱)

"وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ" "غلظ" کے اصلی معنی یہ ہیں کہ مخاطب جس طرزِ عمل کا مستحق ہے اس میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، یہ لفظ رأفت کے مقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی رحمت اور نرم دلی کے ہیں۔

امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس جگہ غلظت استعمال کرنے سے عملی غلظت مراد ہے کہ ان پر احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، زبان اور کلام میں غلظت اختیار کرنا مراد نہیں، کیوں کہ وہ سنت انبیاءؑ کے خلاف ہے، وہ کسی سے سخت کلامی

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۱۰۶/۴، تفسیر مظہری

اورسب وشتم نہیں ۔(۱) ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے :"اذا زنت امة احدکم فلیجلدها الحدو و لا یثرب علیها" اگر تمہاری کوئی کنیز زنا کی مرتکب ہو تو اس کی سزحدشرعی اس پر جاری کردو، مگر زبانی ملامت اور طعن وتشنیع نہ کرو۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں: افسوس کہ خطاب اور کلام میں غلظت جس کو کفار کے مقابلے میں بھی اسلام نے اختیار نہیں کیا، آج کل کے مسلمان دوسرے مسلمانوں کے بارے میں بے دھڑک استعمال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ تو اس کو دین کی خدمت سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ انا للہ و انا اللہ الیہ راجعون۔

سخت انداز میں بیان نہ کریں

جمعہ کے وعظ میں ڈانٹ ڈپٹ کا انداز ہرگز نہ ہو کہ اس سے اصلاح کم اور مفاسد زیادہ ہوتے ہیں۔

اکابر علما کرام نے جو"تربیت کرنے والے لوگوں"(ائمہ حضرات) کو نصیحتیں فرمائی ہیں اس میں یہ بھی ہے: لوگوں کو ہر وقت ڈانٹ مت پلایا کرو بلکہ کبھی کبھار ڈانٹا کرو۔

"لاتکثر القول علیه بالعقاب فی کل حین فلایوبخه الا احیاناً"(۲)

فقیہ سحنونؒ ایک معلم کو اس کے بیٹے کے بارے میں نصیحت کر کے فرماتے ہیں: اس کی تربیت تعریفی اور نرم کلمات سے کریں (کیوں کہ) یہ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جن کی تربیت مارنے اور سزا دینے سے کی جاتی ہے۔

"لاتؤدّبه الابالمدح ولطیف الکلام ولیس هوممن یؤدّب بالضرب أو التعذیب"(۳)

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۴/ ۱۰۶

(۲) التربیة الاسلامیة وفلاسفها: ۱۸۸

(۳) تربیة الاطفال فی رحاب الاسلام فی البیت والروضة: ۲۰۵ بحوالہ: تحفة الائمہ: ۲۶۸

بات مثبت انداز سے سمجھائی جائے

ائمہ حضرات کو چاہیے کہ جمعہ کے وعظ میں ان باتوں کا خیال رکھیں :

(۱) نیت عالم بھر کے انسانوں کی کریں۔

(۲) مثبت انداز میں بات کریں۔

(۳) آج کل کیا ہو رہا ہے اس کو بیان نہ کریں، معاشرہ میں جو برائیاں ہو رہی ہیں اس کا ذکر کرنے کے بجائے ان برائیوں کو کس طرح دور کیا جائے ان سے کس طرح بچا جائے یا بچایا جائے ان کی تدابیر بیان کریں۔

اور یہ اصول حضرت عمرؓ کے اس مشہور قول سے لیا گیا ہے : ''اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو باطل کو ختم کرتے ہیں اس کے چھوڑنے کے ساتھ اور حق کو زندہ کرتے ہیں اس کے ذکر کے ساتھ۔

''ان للہ عباداًیمیتون الباطل بھجرہ ویحیون الحق بذکرہ''(۱)

آپ جن باتوں کو وجود میں لانا چاہتے ہیں اس کو خواب ذکر کریں اس کے فوائد ۔۔۔منافع۔۔۔حکمتیں۔۔۔بیان کیجئے اور جن باتوں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کا ذکر اس طرح ہو کہ ''معاشرے میں یہ یہ ہو رہا ہے'' ذکر نہ کریں۔

غور فرمایئے کہ آپ کو پندرہ منٹ وعظ کے لیے لگ جاتے ہیں اور تین منٹ ان برائیوں کے ارتکاب کرنے والوں کی غیبت میں لگ جاتے ہیں تو مقتدیوں کو ان برائیوں کا علاج تو نہ ملا، نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ جمعہ یہ مقتدی حضرات بھی نہیں آئیں گے بل کہ عین خطبہ کے وقت پر پہنچیں گے۔

قرآن نہ پڑھنے والوں کی وعید بیان کرنے زیادہ قرآن کے فضائل اور اس کی تلاوت کے اجروثواب کو بیان کریں، والدین کی نافرمانی کے نقصان وعذاب سے زیادہ والدین کا

---

(۱) حلیۃ الأولیاء، ذکر الصحابہ من المھاجرین ۱ :۹۲/

مقام اوران کی قدر وخدمت کا ثواب بیان کیا جائے۔

حضرت مفتی زرولی خان صاحبؒ فرماتے تھے کہ ''شانِ رسالت اور عظمتِ مصطفی ایسی بیان کریں کہ گستاخوں کا منہ توڑ جواب ہوجائے، شانِ صحابہ ایسی بیان کی جائے کہ گستاخِ صحابہ کا دم گھٹ جائے، فقہاء کرام کی خدمات وفقہ کی اہمیت ایسی بیان کی جائے غیر مقلدیت کی جڑ اکھڑ جائے، سنت کی اہمیت واتباعِ نبی ﷺ کے فضائل واہمیت ایسی بیان کریں کہ بدعت کا قلع قمع ہوجائے، حلال کمائی کی اہمیت ایسی بیان کریں کہ حرام کمائی والے کی ہمت ٹوٹ جائے۔

اپنے بیان سے امید پیدا کی جائے ناامیدی اور مایوسی کا ماحول نہ پیدا کیا جائے، حوصلہ، ہمت، خود اعتمادی، یقین، جرأت وبھروسہ پیدا کیا جائے، قوم کو کم ہمتی سے نکالا جائے، صحابہ کرام کے شجاعت ونصرتِ غیبی کے واقعات بتائیں۔

قطب بننے کا طریقہ

مولانا محمد منظور نعمانیؒ ''ملفوظات مولانا الیاس صاحب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرتؒ نے فرمایا: حضرت ابوسعید خدریؓ کی مشہور حدیث ''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ'' کا ایک درجہ اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ازالۂ منکر کے لیے اصحاب قلوب اپنی قلبی قوتوں کو استعمال کریں یعنی ہمت وتوجہ کو کام میں لائیں، پھر اسی ذیل میں فرمایا: حضرت امام عبدالوہاب شعرانیؒ نے مقام قطبیت حاصل کرنے کی ایک تدبیر لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی زمین پر جہاں جہاں جو جو معروفات مٹے ہوئے ہیں اور مردہ ہوگئے ہیں ان کا تصور کرے پھر دل میں ان کے مٹنے کا ایک درد محسوس کرے اور پورے الحاح اور تضرع زاری کے ساتھ ان کے زندہ اور رائج کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے اور اپنی قلبی قوت کو بھی ان کے احیا کے لیے استعمال کرے۔

اسی طرح جہاں جہاں جو منکرات پھیلے ہوئے ہیں ان کا بھی دھیان کرے اور پھر ان کے فروغ کی وجہ سے اپنے اندر ایک سوزش اور دکھ محسوس کرے، پھر پورے تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ان کو مٹا دینے کے لیے دعا کرے اور اپنی ہمت وتوجہ کو بھی ان کے استیصال کے لیے استعمال کرے، حضرت امام عبد الوہاب شعرانی ؒ نے لکھا ہے کہ جو شخص ایسا کرتا رہے گا ان شاء اللہ وہ قطب عصر ہوگا۔(۱)

مستند واقعات سنانے کا اہتمام کریں

حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی ؒ فرماتے ہیں کہ: ”خطبات کے دوران نیز نجی محفلوں میں صحابہ کرام ؓ اور بزرگان دین خصوصا اپنے اکابر کے حالات وواقعات کے باب میں اور ملفوظات وارشادات بیان کرنے کا اہتمام کیا جائے، (مستند) حکایات وواقعات سے اکابر سے عقیدت پیدا ہوگا اور یہی تمام بدعات اور سارے فتنوں کا تریاق ہے“۔ (۲)

علامہ یوسف بنوری ؒ کی ہدایات

۱- جامع مسجد جہاں جمعہ وعیدین کی نمازیں بھی ادا کی جاتی ہوں، وہاں کے خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے خطبے میں عالمی اسلامی مسائل کو لے کر اُمتِ مسلمہ کی حالیہ ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن وسنت کی روشنی میں بات کرے۔

۲- اسی طرح خطیب کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اس خطبے کو اچھی طرح تیار کرے، ایسے الفاظ کا چناؤ کرے جو اصلاحِ قلب کے لیے مؤثر اور مفید ہوں۔

۳- نیز خطبہ معتدل انداز کا ہو، نہ اس قدر اختصار ہو کہ مقصود حاصل نہ ہو سکے، نہ موضوع سے ہٹ کر غیر ضروری باتوں کی تطویل ہو کہ سننے والے اُکتا ہی جائیں۔

(۱) ملفوظات الیاس صاحب ؒ: ۶۰

(۲) ماہنامہ بینات، ربیع الاول، ۱۴۲۸ھ، اپریل ۲۰۰۷ء

۴- یہ بھی خیال رہے کہ خطبے میں ایسے اختلافی مسائل کو نہ چھیڑا جائے جو اُمت میں عرصہ دراز سے اختلافی ہی چلے آرہے ہیں۔

۵- خطیب کو چاہیے کہ وہ اہمیت کے حامل فقہی احکام اور دین کے بنیادی مسائل کے بیان ہی پر اکتفا کرے۔

۶- خطیب کی دعوت ایسی حکیمانہ ہو کہ سننے والوں کے دلوں کو چھو جائے۔

۷- ساتھ ساتھ کتاب وسنت کے دلائل سے مؤید بھی ہو، تاکہ سامعین مطمئن رہیں، اور یہ سمجھ سکیں کہ دین اسلام ہی وہ آسمانی مذہب ہے جو انسان کی نیک بختی اور سعادت کا ضامن ہے، یہی وہ دین فطرت ہے جس سے انسان کا بنایا ہوا کوئی نظام مستغنی نہیں ہوسکتا، اور امریکی ویورپی تہذیب کی کجی اور بگاڑ کی اصلاح صرف اور صرف صحیح اسلام اور شریعتِ محمدیہ پر عمل کرنے ہی میں ہے، دین اسلام ہی سب سے بہتر دینی و اقتصادی نظام ہے، جو فرد و جماعت، مادی و روحانی تمام شعبہ جات کو حاوی ہے۔ ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے خطیب ان موضوعات کا انتخاب کرے جو معاصر ضرورتوں میں سے اہمیت کے حامل ہوں۔

۸۔ خطیب کو چاہیے کہ خالص ایسے تربیتی موضوعات اختیار کرے جیسے موضوعات ٹیلیوژن اور ریڈیو وغیرہ پر دیے جانے والے دروس کے لیے منتخب کیے جاتے ہیں۔ اس طرح مساجد کا یہ نظام جدید وسائل و آلاتِ نشر واشاعت کی مدد سے ایک عمدہ ترین، انتہائی نفع بخش اور تربیت کے تمام گوشوں کو بیک وقت احاطہ کیے ہوئے نظام کی صورت میں نمایاں ہوگا، لیکن بہر حال توفیق وانعام دینے والی ذات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی ہے۔(۱)

علاوہ ازیں: مسجد میں خطیب صاحب کے خطبہ کے ملاحظات لکھنے اور مشورہ دینے کا نظام رکھنا بھی مفید ہوگا۔

ایک جمعیت کی نگرانی میں موجود مساجد کے خطبوں کا موضوع یکساں ہونے سے قوم کا ایک ذہن بننے لگے گا، خطبہ کے موضوعات متنوع ہوں تو سامعین کے تمام تر مسائل میں

---

(۱) بنوریہ ٹاؤن

رہنمائی کا حق ادا ہوگا۔

قرب وجوار کے مختلف خطباء کی ماہانہ ایک مجلس خطبات کے موضوعات اور سامعین وسماج کی ضرورتوں پر بحث وگفتگو کرنے کے ساتھ خدا اپنے خطبات کا احتساب بھی کریں۔

جمعہ کی خطابت کے لیے کن موضوعات کا انتخاب ہو؟

ہر خاتون کو یہ دشواری پیش آتی ہے کہ ''آج کیا پکائیں؟'' ویسے ہی ہر خطیب کو پیش آنے والے دشواری یہ ہوتی ہے کہ ''اِس جمعہ کیا بیان کریں؟'' البتہ دو شخصیات کو یہ دشواری پیش نہیں آتی، جس شخص کا مطالعہ کثیر ہو تو اسے یہ دشواری پیش نہیں آتی ہے، اور جس شخص کا عوامی فیصلوں ومعاملات سے ربط ہو، چند موضوعات ایسے ہیں جنکا تکرار یا جنکا اہتمام قوم کی تبدیلی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

۱۔اللہ تعالی کے حکموں پر کامیابی کا یقین۔کامیاب کون ہیں؟ ہماری پریشانیوں کے حقیقی اسباب، اپنی مرضی سے جینے کے نقصانات۔

۲۔عقل کے بجائے وحی الہی کی اطاعت، غیر مسلم عقلمند لوگوں کی ناکام زندگیاں، وغیر اخلاقی وغیر انسانی نظریات کے نقصانات۔

۳۔ختم نبوت کی اہمیت، قادنیت، عیسائیت، مہدویت، فیاضیت، شکیلیت، مرزائیت، گوہر شاہیت وغیرہ کی اصلیت۔

۴۔زندگی کے مختلف میدانوں میں اتباع سنت کی اہمیت وفوائد۔

۵۔فقہ کی اہمیت اور فقہاء کرام کے کارنامے، کیا فقہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے؟ قرآن ایک تو فقہ چار کیوں؟ حضور ﷺ کے دور کے فقہاء۔

۶۔حدیث کی اہمیت، محدثین کے کارنامے، تدوین فقہ وحدیث۔

۶۔صحابہ کرامؓ کا معیارِ حق ہونا، مختلف صحابہ کرامؓ کی زندگیاں، صحابہ کرام کے حقوق۔صحابہ سے محبت کے تقاضے، اہلِ بیت کے حقوق، صحابہ کرام کی شان میں گستاخی کا وبال۔

۷۔تصوّف کی اہمیت ،سلاسل تصوف اور بزرگانِ دین کے کارنامے،اولیاء کے دینی وسیاسی کارنامے،بیعت وصحبتِ شیخ کی اہمیت۔

۸۔علم دین کی اہمیت ،علماء کرام کی قربانیاں ،اہلِ علم پر اعتماد کی ضرورت ،علماء سے دوری کے نتائج ۔علماء سے اختلاف ،معاشی مسائل ،علماء کو ڈاکٹر اور وکیل بنانے کی فکر۔

۹۔مدارس کی اہمیت، اگر مدارس نہ ہوتے تو؟ مدارس اور مسلمانوں کی ذمہ داریاں۔

۱۰۔مسلمانوں کی اصلاح اور برادرانِ وطن میں دعوت وتبلیغ کی اہمیت ،آسان شکلیں،عالمی اثرات،وملکی ذمہ داریاں۔

۱۱۔اسلام میں سیاست کی اہمیت،مسلم حکمرانوں کے کارنامے،جمہوری نظام کی حقیقت۔

۱۲۔اسلام کا نظریہ جہاد اور غلط فہمیاں،دہشت گرد کون ہے؟اسلام میں امن کی اہمیت۔

۱۳۔عبادات کی ضرورت،مسجد کی آبادکاری ،اشاعتِ اسلام میں مساجد کا کردار،نماز کی اہمیت۔

۱۴۔حفظِ قرآنِ کریم،حقوقِ قرآن،آدابِ قرآن،انقلابی کتاب کے مؤثر واقعات

۱۵۔گناہوں کے نقصانات،چند بڑے گناہ جن سے دارین کی بربادی مقدر ہے۔

۱۶۔توبہ واستغفار کی اہمیت،مؤثر واقعات کی روشنی میں۔

۱۷۔حقوق وحدود،والدین،زوجین،اولاد کے حقوق،اطاعت کے حدود۔

۱۸۔صلہ رحمی،رشتہ داروں کے حقوق۔موجودہ زمانہ میں رشتہ نبھانے کی شکلیں۔

۱۹۔صفائی معاملات کی اہمیت۔مالی تنازعات کا حل۔

۲۰۔پردہ وحیا،پاکدامنی کا فائدہ،آزادئ نسواں کا فریب،مقدس رشتوں کی حفاظت۔

۲۱۔صحت مند زندگی کے کامیاب اصول۔

۲۲۔تجارت کی اہمیت ۔تاجروں کے کارنامے۔جدید تجارت کی شکلیں۔تجارت کے ذریعہ اشاعتِ دین۔

۲۳۔مصائب کا حقیقی حل۔

۲۳۔ برادرانِ وطن کے ساتھ تعلقات کے احکام۔ وغیرہم۔

بیان کے لئے جس موضوع کا انتخاب ہو پہلے اس متعلق لکھی گئی کتاب کا مطالعہ کیا جائے، پھر اس پر سلف صالحین میں سے کسی کا خطاب پڑھا یا سنا جائے تو صحیح ترجمانی ہو سکتی ہے، بعض موضوعات کے لئے ''اصلاحی خطبات، مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم، بعض کے لئے ندائے ممبر ومحراب، بعض کے لئے ''اصلاحی خطبات ورسائل، مولانا محمد نعمان صاحب مدظلہ کی مفید رہے گی۔

درس قرآن

اہمیت وضرورت

خطابت کا اصل مقصد دعوت وتبلیغ ہے، اس مقصد کے حصول کی مختلف شکلوں میں سے ایک شکل درسِ قرآن ہے، اس سے آج کل نہایت غفلت برتی جارہی ہے جس کا خمیازہ عوام کی دین سے دوری کی شکل بھی بھگتنا پڑ رہا ہے، علمائے کرام اور عوام میں فاصلے پیدا ہورہے ہیں اور نیم خواندہ ڈاکٹر، پروفیسر، انجینیر حضرات اس خلا کو پُر کرکے ''ضلو او اضلو''کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔

امت مسلمہ کا عروج وزوال قرآن مجید سے وابستہ ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَنَّ اللّٰه يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَاماً وَّيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ۔(۱)

یقینا اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے کچھ قوموں کو عزت، اقتدار اور سر بلندی سے نوازے گا اور جو کچھ دوسری قوموں کو ذلت، پستی اور شکست سے ہمکنار کرے گا۔

جو شخص دعوت وتبلیغ اسلام اور اقامت دین کا پیغمبرانہ مشن اختیار کرنا چاہتا ہے، اس کے لیے لازمی اور ضروری ہے کہ وہ درس قرآن کا طریقہ سیکھے اور دعوت وتبلیغ کے لیے اس سے استفادہ کرے۔

قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کو دعوت الی اللہ کا حکم دے کر قرآن پر ثابت قدم رہنے کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے کہ قرآن ایک کتاب دعوت وہدایت ہے۔

تجوید وناظرہ قرآن

اگر قرآن نہیں پڑھا تو تجوید سیکھنے کے لیے ان کو تیار کیا جائے، تجوید قرآن ایک بہت مشکل عنوان ہے؛ لیکن حقیقت میں بہت آسان اور معمولی محنت کے ساتھ ہاتھ آنے والا فن

(۱) صحیح مسلم: حدیث: ۱۹۳۴

ہے۔ مقتدیوں کو سہولت دی جائے کہ آپ فجر سے عشاء تک کسی بھی نماز کے بعد اپنی سہولت دیکھ کر کوئی بھی وقت متعین کرلیں اور روزانہ صرف 20 منٹ نکال کر تجوید کے بنیادی قواعد سیکھ لیں (اس کام کے لیے قراءحضرات کی خدمات لی جاسکتی ہیں) اور جب ان کی تجوید درست ہوجائے تو کلمہ، نماز، تسبیحات، آیۃ الکرسی، دعائے قنوت اور دعائیں وغیرہ سکھائی جائیں، (ان بنیادی امور کے سکھانے میں بالکل بھی دیر نہ کی جائے، بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دروس میں مستقل حاضر مقتدی سے جب اس کا کلمہ سنا جاتا ہے تو وہ بھی درست نہیں ہوتا جب کہ اسے واقعات ومسائل کی بڑی تفصیلات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے) اس کے بعد قرآن کریم ناظرہ پڑھایا جائے اور ہوسکے تو فضائل کی مختلف سورتیں مثلاً یٰسین، رحمٰن، کہف اور عم پارہ وغیرہ حفظ کرایا جائے، اس طرح ایک عام شخص کا دینیات اور قرآن کریم کی بنیاد کے ساتھ ایک مضبوط تعلق پیدا ہوجائے گا، ان شاءاللہ۔

تعلیم کتاب

تعلیم کتاب دراصل قرآنی اصطلاح میں اس وسیع تعلیم کا نام ہے جس میں قرآن کریم کے پیغام کا ذکر آتا ہے، اس وقت امت مسلمہ قرآن کریم کے پیغام سے کوسوں دور ہوچکی ہے، نہ قرآن کے الفاظ کی اہمیت کا اندازہ ہے اور نہ ہی اس کے معانی کی ضرورت کا ادراک، جس طرح قرآن کے الفاظ (تفصیل گزرچکی) کی محنت ضروری ہے ٹھیک اسی طرح ان الفاظ کے معانی ومفاہیم جن میں رب العالمین اپنے بندوں سے مخاطب ہیں اس محنت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہے۔

یہ امر مسلّم ہے کہ امت کا قرآن کریم کے ساتھ تعلق کمزور ہونے کا سب سے بڑا فائدہ ان مختلف گمراہ متجددین کو ہوا ہے جو امت کو اسی قرآن کے نام پر اپنی تاریخ وملت سے کاٹنے کی تگ ودو کرتے رہتے ہیں، یہ ایک عام شخص کو اپنے مخصوص فریبی انداز میں اسلامی تہذیب وتمدن سے متنفر اور غیروں کے طرزفکر سے قریب کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ ائمہ کرام مساجد میں قرآنی فکر کو بہت آسان اور معیاری انداز میں امت تک پہنچائیں، مدارس میں قرآن کریم کو جس محنت کے ساتھ ہمیں سکھایا گیا ہے ضروری ہے کہ ہم بھی اس محنت کے بدلے قرآن کے پیغام کو پھیلانے کی سعی کریں۔

قرآن کے ذریعے عقائد ونظریات پر خاص طور پر محنت کی جائے، یہ ایسا دور ہے کہ جس میں باطل عقیدہ فکر پر ہر پل حملہ آور ہے، آزادی، مساوات اور ترقی کے نام پر تابڑ توڑ حملے کیے جارہے ہیں، کثیر تعداد میں افراد اور وسائل صرف کیے جارہے ہیں، میڈیا، تعلیم ہر طرح سے کوشش کی جارہی ہے کہ ایک مسلمان کا عقیدہ کسی نہ کسی طرح کمزور یا مشکوک بنایا جائے۔

ایسے موقع پر امام مسجد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے تمام مقتدیوں کی فکر کرے اور کسی نہ کسی طرح انہیں باطل کے اس منظم شکنجے سے نکال کر ان کے عقیدے کی اصلاح کرے ورنہ ایک وقت آئے گا جب ہماری مساجد میں فقط گنتی کے چند بوڑھے نمازی باقی رہ جائیں گے اور نوجوانوں کا قیمتی سرمایہ اغیار کے ماذی تیر کا شکار ہو چکا ہوگا، اس حوالے سے نوجوان اور خاص کر بے روزگار ساتھیوں کی بھرپور نگرانی کی جائے کہ کہیں وہ کسی NGO کے جھانسے میں آکر اپنا معاش حاصل کرنے کی کوشش میں اپنے ایمانی سرمائے کو داؤ پر نہ لگا دے۔(۱)

قرآن فہمی سے دوری

مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو جنہوں نے حضرت شیخ الہندؒ کا واقعہ اپنی کتاب ''وحدتِ اُمت'' میں لکھا ہے ورنہ اتنا اہم واقعہ ہمارے علم میں نہ آسکتا، وہ اس واقعے کے عینی شاہد ہیں، حضرت شیخ الہندؒ جب مالٹا کی جیل سے رہائی پا کر ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا، اس جلسہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا انور شاہ کاشمیری وغیرھم رحمہم اللہ اور مولانا مفتی محمد شفیع

(۱) دارالعلوم ،شمارہ 2 :-3، جلد 104: ، جمادی الاول 1441ھ مطابق اپریل،مئی 2020ء

صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں موجود تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ ’’ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں‘‘ یہ الفاظ سن کر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے ۸۰ سال علماء کو درس دینے کے بعد آخری عمر میں جو سبق سیکھے ہیں، وہ کیا ہیں۔ فرمایا:

’’میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے، ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا، دوسرے ان کے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی، اس لیے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے...... اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے!‘‘(۱)

اس کے بعد مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے بڑی پیاری بات فرمائی ہے کہ حضرتؒ نے جو دو باتیں فرمائیں اصل میں وہ دو نہیں ایک ہی ہے، درحقیقت ہمارے اختلافات میں شدت اس وجہ سے ہوئی کہ ہم نے قرآن کو چھوڑ دیا. اس لیے کہ قرآن مرکز تھا، اور جب تک سب مرکز سے جڑے ہوتے تھے تو ایک دوسرے سے بھی جڑے ہوتے تھے، جب اس مرکز سے دور ہوتے چلے گئے تو ایک دوسرے سے بھی دور ہوتے چلے گئے، بالکل سادہ سی بات ہے، انہوں نے فرمایا: ’’غور کیا جائے تو یہ آپس کی لڑائی بھی قرآن کو چھوڑنے ہی کا لازمی نتیجہ تھی. قرآن پر کسی درجے میں بھی عمل ہوتا تو خانہ جنگی یہاں تک نہ پہنچتی‘‘، پس اس تباہی کا ایک ہی سبب ہے اور وہ ہے قرآن کو ترک کر دینا۔

ہمارے ملک کی تقریباً ستر فیصد آبادی ناخواندہ ہے اور ہماری مادری زبان بھی عربی نہیں ہے، تعلیم یافتہ افراد میں کتنے فیصد لوگ ایسے ہیں جو دینی رجحان رکھتے ہیں، شاید ان کی تعداد دس فیصد سے زیادہ نہ ہو، ان دس فیصد میں سے کتنے فیصد افراد ایسے ہیں جو قرآن

(۱) وحدتِ اُمت، ص: ۴۰، ۳۹

مجید کو پڑھنے، سمجھنے، اس میں غور وفکر کرنے، اس پر عمل کرنے اور اس کی تعلیمات کو معاشرے میں عام کرنے کا جوش، جذبہ، ولولہ، لگن اور تڑپ رکھتے ہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ صورتحال نہایت تشویش ناک ہے۔

علمائے کرام اور مساجد کے ائمہ حضرات کو چاہیے کہ تعلیم یافتہ افراد میں قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ کو سیکھنے اور سکھانے کا رجحان پیدا کریں۔ یہ مقصد گلی گلی، کوچہ کوچہ درس قرآن اور فہم دین کی محفلوں کو آراستہ کرنے سے حاصل ہوسکتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ اس کام سے پہلے تربیت یافتہ، مدرسین اور مربین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوجائے جو قرآن مجید اور سنت مطہرہ کی بنیادی تعلیمات کو درس قرآن وحدیث کے ذریعے لوگوں کو سکھانے اور سمجھانے کا ہنر سیکھ لے، آئندہ صفحات میں اسی غرض سے درس قرآن وحدیث کے متعلق چند کارآمد باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

قرآن پس پشت ڈالنے پر تنبیہ

قرآن کو جن لوگوں نے پس پشت ڈال دیا ہو قیامت کے دن قرآن اُن کے گلے میں پڑا ہوگا اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ اب آپ میرے اور اس کے درمیان فیصلہ فرمادیں:

يَاوَيۡلَتٰى لَيۡتَنِىۡ لَمۡ اَتَّخِذۡ فُلَانًا خَلِيۡلًا لَقَدۡ اَضَلَّنِىۡ عَنِ الذِّكۡرِ بَعۡدَ اِذۡ جَآءَنِىۡ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِلۡاِنۡسَانِ خَذُوۡلًا وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا (۱)

ہائے شامت! کاش میں نے فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو (کتاب) نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا اور شیطان انسان کو وقت پر دغا دینے والا ہے۔ اور پیغمبر کہیں گے کہ اے پروردگار! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

(۱) الفرقان: ۲۵، ۲۸-۳۰

مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے معارف القرآن میں فرماتے ہیں: قرآن کو عملاً چھوڑ دینا بھی گناہِ عظیم ہے، اس سے ظاہر یہ ہے کہ قرآن کو مہجور اور متروک کر دینے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے، مگر بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر نہ اس کی تلاوت کی پابندی کرتے ہیں نہ اس پر عمل کرنے کی، وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا مگر پھر اس کو بند کر کے گھر میں معلق کر دیا، نہ اس کی تلاوت کی پابندی کی، نہ اس کے احکام میں غور کیا، قیامت کے روز قرآن اس کے گلے میں پڑا ہوا آئے گا اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرے گا کہ آپ کے اس بندے نے مجھے چھوڑ دیا تھا، اب آپ میرے اور اس کے معاملے کا فیصلہ فرما دیں۔(۱)

تفسیر احسن البیان میں اس آیت کی تشریح یوں کی گئی ہے اس پر ایمان نہ لانا، اس پر عمل نہ کرنا، اس پر غور و فکر نہ کرنا، اور اس کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب نہ کرنا بھی ہجران ہے اسی طرح اس کو چھوڑ کر کسی اور کتاب کو ترجیح دینا بھی ہجران ہے یعنی قرآن کا ترک اور اس کا چھوڑ دینا ہے جس کے خلاف قیامت کے دن اللہ کے رسولؐ اللہ کے دربار میں استغاثہ فرمائیں گے۔(۲) تصور کیجیے کہ کتنے بدنصیب ہوں گے وہ لوگ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ یوں کہیں گے کہ: یہ ہیں میری قوم کے وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے کون بچائے گا؟

یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ہم قرآن کو سمجھتے ہیں اور نہ اس میں تدبر و تفکر ہی سے کام لیتے ہیں۔ ہمارا آج کا یہ دور قبل از اسلام کے دورِ جاہلیت سے کسی بھی صورت مختلف نہیں بلکہ آج لوگ حق کے ترک کرنے میں اس سے بھی کہیں آگے بڑھ چکے ہیں، جاہلیت بمقابلہ علم و فن نہیں، بلکہ حق سے رُوگردانی اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کا نام جاہلیت ہے آج اس لحاظ سے پوری

(۱) معارف القرآن، جلد: ۶،ص: ۴۷۱، ادارۃ المعارف کراچی

(۲) تفسیر احسن البیان،ص: ۸۲۴-۸۲۵

دنیا خواہشاتِ نفس کی پیروی کررہی ہے، قرآنی تعلیمات پرعمل پیرا ہو کرہم اپنے آپ کو اس ضلالت سے بچاسکتے ہیں، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ نے فرمایا: یہ قرآن تیرے لیے یا تجھ پر ایک حجّت ہے، یعنی یہ کہ اگر تو اسے سمجھے اور اس پر عمل کرے تو تیرے لیے حجّت ہے اور یہی قرآن تجھ پر (یعنی تیرے خلاف) حجّت ہے، اس صورت میں کہ تو اسے سمجھنے کی کوشش نہ کرے اور عمل پیرا نہ ہو۔(۱)

قرآن مجید کو بیساکھی کی ضرورت نہیں

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ قرآن کی تدریس کے لئے مدرسہ کے دس سالہ نصاب کے ضروری ہونے کے بارے میں کچھ علماء کی رائے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان فرماتے ہیں: ''میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا، میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کو نہ کسی بنیاد کی ضرورت ہے نہ بیساکھیوں کی، قرآن مجید بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی فراہم کرتا ہے، اور تعلیم کی تکمیل بھی کر دیتا ہے۔

قرآن مجید خود اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، باقی علوم قرآن مجید کے محتاج ہیں، اس لیے مجھے اس دلیل سے اتفاق نہیں ہے، ممکن ہے بعض لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کا علم حاصل نہیں کیا، یا آپ نے علم الکلام نہیں پڑھا، اس لئے آپ کو درس قرآن کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہیے، مجھ ناچیز کا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس وسوسہ میں نہ پڑیں اور اپنا کام جاری رکھیں، میں خود فقہ کا طالب علم ہوں، فقہی موضوعات پر ہی پڑھتا پڑھاتا ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن فہمی فقہ کی محتاج نہیں، یہ تمام علوم قرآن پاک کے محتاج ہیں قرآن ان میں سے کسی کا محتاج نہیں، اس لئے آپ کسی کی پرواہ کئے بغیر اپنا کام جاری رکھیں''۔(۲)

---

(۱) تدریس لغۃ القرآن، ص ۲۸، ۱۵-۱۶

(۲) محاضرات قرآنی: ۴۳

درس قرآن کے بنیادی اُصول

مفتی ابولبابہ منصور صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں : درس قرآن کے مقاصد کا تعین کرلیجیے :

درس قرآن کی تیاری کے سلسلے میں سب سے پہلے اصول یہ ہے کہ درس قرآن کا مقصد متعین اور واضح ہونا چاہیے :

۱۔ اللہ کے بندوں کو، اللہ کے کلام کے ذریعے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جوڑنا ہے، اللہ کا بندہ بنانا ہے۔

۲۔ قرآن کریم، انبیاء کرام اور بالخصوص نبی کریم ﷺ کی دعوت لوگوں تک پہنچانا ہے۔

۳۔ عقائد کی تصحیح اور اعمال واخلاق کو سنت نبویہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔

۴۔ نفوس کا تزکیہ، معاشرے کا تزکیہ اور اپنی وسامعین کی اصلاح کرنا ہے۔

۵۔ لوگوں کو نیک کاموں کی طرف راغب کرنا اور گناہ چھوڑنے پر آمادہ کرنا ہے۔

۶۔ لوگوں میں اللہ کی صفات اور آخرت کی جزاوسزا کے تصور کو راسخ کرنا ہے۔

اپنی صحیح حیثیت کا تعین کریجئے۔

مدرس اپنی حیثیت کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو۔ وہ بنیادی طور پر ایک داعی ہے، ایک مبلغ ہے اور ایک طالب علم ہے، وہ مفسر قرآن نہیں ہے، محدث نہیں ہے۔ فقیہ اور مجتہد نہیں، اپنی حیثیت کا صحیح احساس وشعور، مدرس کو بے شمار فکری اور عملی غلطیوں سے انشاء اللہ محفوظ رکھے گا، ہمارے ایک صاحب علم مفتی دوست، جو سند یافتہ مفتی ہیں، اپنے آپ کو مفتی نہیں گردانتے، بلکہ وہ اپنے آپ کو ناقل کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کوئی مسئلہ پوچھتا ہے تو میں کسی کتاب سے نقل کردیتا ہوں۔ یہ احتیاط کی علامت ہے۔

درس قرآن وقت، ماحول اور ضرورت کے مطابق روزانہ، ہفتہ وار اور ماہانہ بہت سی صورتیں ہوسکتی ہیں :

۱- موضوعاتی درس قرآن
۲- سلسلہ وار درس قرآن (فاتحہ تا ناس)
۳- درس مضامین قرآن (خلاصہ)
۴- درس احکام القرآن
۵- درس قصص القرآن
۶- درس تفسیر۔

درس تفسیر کا اصل طریقۂ کار یہ ہے کہ اس کے لیے مستقل کچھ ساتھیوں کا انتخاب کیا جائے اور ان مقتدی حضرات کو شریک کیا جائے جو تجوید و ناظرہ کے مراحل سے گذر چکے ہوں، جس کے بعد ان کو چند ماہ بنیادی عربی گرامر سکھلائی جائے اور اس کے بعد باقاعدہ قرآن کی تفسیر ایک فنی انداز میں پڑھائی جائے، اس کے نتیجے میں وہ قرآن کے مباحث کو ایک مضبوط انداز میں سمجھنے کے اہل بن سکیں گے۔(۱)

تیاری کے بغیر درس نہ دیجیے

بھرپور تیاری کیجیے! بغیر تیاری کے کوئی درس نہ دیجئے! آپ کی محنت اتنی اچھی ہو کہ لوگ قلبی سکون واطمینان کے ساتھ تازگی اور فرحت محسوس کریں، سامعین یہ خیال کریں کہ یہ بات تو ہم نے پہلی بار سنی ہے یا یہ آیت تو ہم نے بار بار پڑھی لیکن اس پہلو سے اس پر کبھی غور نہیں کیا، یا اس درس سے ہم میں عمل کا جذبہ پیدا ہوا ہے، کوئی بات غیر مستند اور بلا حوالہ نہ ہو لیکن درس جدت اور انفرادیت ہو۔

گفتگو کو ترتیب وار بیان کریں

آپ کا اسلوب ایسا ہو کہ آپ کی پوری بات سامعین کے میں ذہن نشین ہو جائے تو اس کو مرتب کر کے سامعین کے سامنے پیش کرے، تا کہ آپ کے اس درس کے ذریعہ دونوں

(۱) دارالعلوم ،شمارہ 2 :-3، جلد104:، جمادی الاول 1441ھ مطابق اپریل،مئی 2020ء)

جانب فائدہ ہو اور ان حضرات کا بیٹھنا اور آپ کا بولنا مفید ثابت ہو۔

آداب

درس سے پہلے جن امور کا لحاظ ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں۔

☆ بغور تلاوت: درس دی جانے والی آیات کی پوری توجہ سے تلاوت کریں، دوران تِلاوت ہر لفظ پر غور کریں اور آیات کے باہمی ربط کے ساتھ ساتھ الفاظ کے باہمی ربط پر بھی غور کریں، اس لیے کہ قرآن بار بار اپنے مخاطب کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔

☆ ربط کلام کا لحاظ: نظم کِلام قرآن کا اہم ترین حصہ ہے، اسے کبھی نظر انداز نہ کریں۔ سورت کے مرکزی عنوان کا پتا لگانے کے ساتھ آیات میں مذکور مفاہیم کو بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں، لیکن عوام الناس کو اس کی باریکی میں الجھانے سے گریز کریں۔

☆ انذار وتبشیر پر نظر: قرآن کے انذار وتبشیر (ڈراوا اور خوشخبری) کو کبھی نظر انداز نہ کریں بلکہ اس پر اپنی توجہ مرکوز کریں اور ان پہلوؤں کو ذہن نشین کرلیں، اس لیے کہ اصلاح نفس کا یہی مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

☆ طریقۂ تفسیر: آیات کی تفسیر میں پہلے آیات، پھر احادیث، پھر سیرت اور اقوال صحابہ اور آخر میں علماء کے اقوال سے مدد لیں، تاکہ قرآن کی تشریح مقصدِ قرآن کے دائرہ میں ہو۔

☆ خلاصہ تیار کرنا: دورانِ مطالعہ اپنے درس کو نکات میں تقسیم کرلیں تاکہ اپنے درس کو مربوط اور منظم انداز میں پیش کرسکیں۔

مستند واقعات بیان کیجیے

موضوع احادیث، غیر مستند واقعات، من گھڑت مذہبی داستانیں، غیر معتمد اخباری مضامین اور بلاسند باتوں سے پرہیز کیجیے، حضور ﷺ نے ہمیں خبردار کیا ہے، آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات، بیان کرڈالے۔

"كفى بالمرء كذبا، ان يحدث بكل ما سمع"۔(۱)

علامہ یوسف بنوریؒ کی ہدایات

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

۱-ہر امام کو چاہیے کہ وہ نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن کا سلسلہ شروع کرے۔

۲-جس میں نمازیوں کو قرآن کریم کے مطالب اس اسلوب سے ذہن نشین کروائے جو اُن کے فہم اور مستویٰ کے مطابق ہو۔

۳-ایسی باتیں جو ان کے لیے کارآمد نہ ہوں، مثلاً: لغت، اعراب وترکیب کی باریکیاں، یا بے فائدہ توجیہات وتاویلات، وغیرہ میں ہرگز نہ پڑے۔

۴-بلکہ قرآن کریم کے اہم پہلوؤں پر اکتفا کرتے ہوئے قرآن کریم کے مطالب و مقاصد کو عمدہ اور نفع مند اسلوب کے ساتھ واضح کرے، کیونکہ امت کے آخری لوگوں کی اصلاح کا بھی وہی طریقہ ہے جو طریقہ اول امت کی اصلاح کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا تھا۔

۵-امام کو چاہئے کہ درس کے دوران آیات کے ترجمہ وتفسیر کی مناسبت سے نمازیوں کے عقائد کی درستگی، اور ان کے معاملات کی اصلاح کی طرف بھی بھرپور توجہ کرے۔

۶-درس کے لیے مختصر وقت مقرر کیا جائے، یہ وقت کم سے کم پندرہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ آدھا گھنٹہ ہو، تاکہ عوام کو اُکتاہٹ نہ ہو، اور درس میں شرکت کی پابندی ہو سکے، اس لیے کہ بہترین عمل وہی ہے جو ہمیشگی اور مستقل مزاجی سے کیا جائے، اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔(۲)

---

(۱) صحیح مسلم، حدیث: ۷

(۲) جامعہ فاروقیہ کراچی، مقالات ومضامین، محدث العصر حضرت بنوری رحمہ اللہ نے یہ وقیع مقالہ رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے منعقد کی گئی کانفرنس "مؤتمر رسالۃ المسجد" کے لیے عربی زبان میں تحریر فرمایا تھا، یہ کانفرنس رمضان المبارک 1395ھ مطابق ستمبر 1975ء میں پانچ روز جاری رہی

درس قرآن کے لیے چند مفید تفاسیر

مولانا الیاس گھمن صاحب دامت برکاتہم اپنی تفسیر کی کتاب دروس قرآن میں فرماتے ہیں کہ :

درس قرآن دیتے وقت اس بات کا بہت زیادہ خیال کریں کہ کسی ملحد اور بدعتی کی تفسیر کو سامنے رکھ کر مطالعہ نہ کریں، بلکہ علمائے ربانیین کی تفاسیر سے استفادہ کریں۔

اردو زبان میں :

۱۔ بیان القرآن از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ

۲۔تفسیر عثمانی از علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ

۳۔معارف القرآن از مفتی شفیع عثمانی ؒ

۴۔معارف القرآن از مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ

۵۔معالم العرفان فی دورس القرآن از صوفی عبد الحمید سواتی ؒ

عربی زبان میں :

۱۔الجامع الاحکام القرآن از امام ابوبکر جصاص ؒ

۲۔روح المعانی از علامہ سید محمود آلوسی ؒ

۳۔مدارک التنزیل تفسیر النسفی از امام عبد اللہ بن احمد النسفی ؒ

۴۔تفسیر ابن کثیر از امام عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کیثر ؒ

۵۔احکام القرآن از حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی ؒ

نوٹ : ترجمہ کے لیے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کا ''آسان ترجمہ قرآن'' اور مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم کی ''آسان تفسیر قرآن'' زیادہ مفید ہے۔

درس حدیث

اہمیت وضرورت

دعوت دین جہاں بہت سارے طریقے ہیں ان میں ایک درس حدیث بھی ہے، جس کو ہمارے موجودہ اور ماضی کے اکابر نے اس کو بہت اہمیت دی ہے، بلکہ اس کو کتابی کی شکل بھی میں منظر عام پر لایا ہے، اور اس خدمت کو اہل علم وعلماء سے کوتاہی کی وجہ سے ڈاکٹر انجینیر حضرات سرسری مطالعہ اور اپنی ذہنی گفتگو کے ذریعہ امت کو گمراہ کر رہیں ہے، اور امت کو راہ حق سے اور ماضی کے اکابر علماء سے توڑ نا ہے، لہذا خطباء اور ائمہ حضرات اس کو پیش نظر رکھ کر درس حدیث کا سلسلہ اپنی مسجد میں شروع کرنے کا ارادہ کریں۔

اس موقع پر کچھ آداب ہیں جنہیں درس حدیث کے دوران ملحوظ رکھنا چاہیے وہ یہ ہیں:

(۱) انتخابِ حدیث

سب سے پہلے ضروری ہے کہ ہم موقع ومحل کے اعتبار سے حدیث کا انتخاب کریں کس موقع پر کیا بات کہنی ہے؟ اور کس نکتے پر زور دینا ہے؟ اس کے لیے کس مضمون کی حدیث کو پیش کرنا مناسب ہوگا؟ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہم صرف وہی حدیث پیش کریں جسے اصطلاحی طور پر ''صحیح'' یا ''حسن'' کہا جاتا ہے ضعیف حدیث پیش کرنے سے احتیاط برتیں کہا جاتا ہے کہ فضائل کے سلسلے میں ضعیف احادیث پیش کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے، لیکن غور کا مقام یہ ہے کہ جب بہت سی صحیح احادیث موجود ہیں تو ہم ضعیف تک کیوں جائیں؟

(۲) مخاطب کی رعایت کریں

مخاطبین کے معیار، نفسیات اور ضرورت کو پیش نظر رکھنا لازمی ہے مثلاً مخاطب غریب طبقہ ہے تو اس کے سامنے زکوٰۃ کی فرضیت و اہمیت کے موضوع پر حدیث پیش کرنا بے موقع ہے، یا اگر ہم عوام کے سامنے حدیث کی تشریح کر رہے ہوں تو اس کے ادبی و بلاغی پہلو پر گفتگو بے سود ہے۔

(۳) حدیث کا عربی متن لذت سے پڑھیں

حدیثِ پاک کا عربی متن بھی صحت کے ساتھ پڑھنا چاہیے درس کے شروع میں پورا متن پڑھیں اور درمیان میں اس کے ٹکڑے دہرائیں اس سے محبتِ رسول کا اظہار ہوتا ہے اور سامعین پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے۔

(۴) حدیث کی تشریح کریں

پھر حدیث کی تشریح کریں، اگر اس میں کئی باتیں کہی گئی ہیں تو الگ الگ ٹکڑوں کی تشریح کریں، تشریح میں درج ذیل باتیں ملحوظ رکھیں:

پہلے اپنے الفاظ میں مختصر وضاحت کریں۔

پھر اس مضمون کی دو ایک آیات پیش کریں۔

تائید وتشریح کے لیے دو ایک دیگر احادیث بھی پیش کریں۔

رسول اللہ ﷺ کا عملی نمونہ پیش کریں، اگر کوئی واقعہ مل جائے یا صحابہ کا کوئی عمل مل جائے تو اس کو ضروری بیان کریں، علمائے سلف کے ارشادات اور مؤثر ومستند واقعات بھی سامعین کو عمل پر ابھارتے ہیں، اس لئے مستند وموثر واقعات کا انتخاب کریں۔

(۵) فقہ الحدیث/ خاتمہ

حدیث کو موجودہ حالات سے جوڑنے کی کوشش کریں اور بتائیں کہ اس سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ اور اس کی روشنی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔(۱)

(۶) راویٔ حدیث کی سوانح کے سبق آموز پہلو ذکر کریں

حدیث کے ابتداء میں جس صحابی سے روایت ہو رہی ہے، اس صحابی کی خصوصیات،

(۱) ازقلم : محمد رضی الاسلام ندوی

سوانح عمری، کچھ مختصر کارنامے، بھی ذکر کریں، اس سے صحابہ کرام کی عقیدت ومحبت بڑھتی ہے۔

علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات

۱-مناسب ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد درسِ حدیث کا اہتمام کیا جائے۔

۲-درسِ حدیث کے لیے عمدہ اور مفید کتب مثلاً : امام نووی رحمہ اللہ کی ''ریاض الصالحین'' یا امام منذری رحمہ اللہ کی ''الترغیب والترہیب'' کا انتخاب ہو۔

۳-اس درس میں ان اختلافی مسائل کا تذکرہ جس سے نمازیوں کو فکری تشویش لاحق ہو، نہ کیا جائے۔

۴-درسِ حدیث کا بنیادی ہدف نمازیوں کی روحانی اصلاح اور ان کے دل ودماغ کی پاکیزگی کی کوشش ہو۔

۵-اس درس کا وقت کم از کم آدھا گھنٹہ مقرر کیا جائے، اور فجر کے بعد کا وقت اس کے لیے مناسب ہے، اس لیے کہ یہ فراغت وفرصت کا وقت ہوتا ہے۔

۶-اس طرز پر تعلیمی سلسلے جاری رکھنے کی صورت میں ہر مسجد ایک دینی مدرسے کی صورت اختیار کرلے گی۔

درس حدیث کے لیے چند مفید کتابیں

(۱) مظاہر حق شرح مشکوۃ المصابیح

(۲) ترجمان السنہ علامہ بدر عالم میرٹھیؒ

(۳) معارف الحدیث از مولانا منظور نعمانی صاحبؒ

(۴) اصلاحی مضامین مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ لعالی

(۵) شمائل کبری، مولانا ارشاد صاحب قاسمی

درسِ فقہ

ہر مسجد میں فضائل کی کتب سنائی جاتی ہیں، سالوں سے یہ مفید نظام جاری ہے، البتہ مسائل سے واقفیت کا منظم نظام نہ ہونے کی وجہ سے امت کا بڑا طبقہ بنیادی عقائد، عبادات، فرائض، واجبات، سنن ومستحبات، نکاح، طلاق، خلع اور وراثت کے مسائل سے نابلد ہے، معاشرتی وتجارتی ابواب میں بے اعتدالی اور بدعات ورسومات کا رواج بڑھتا ہی جارہا ہے، حلال وحرام کی تمیز سے غفلت کمائی کا حصہ بنی ہوئی ہے، مصلیوں میں ہر شعبہ سے متعلق طبقہ آتا ہے، ہر طبقے کو اس کا دین سکھانا وقت کا اہم تقاضا ہے، کسان کو حلال وحرام حکومتی اسکیم سے واقف کروانا، قصائی کو حرام اعضاء کی فروخت، ناپ تول میں کمی کی قباحت، درزی کو اس کا دین، ٹیچر کو اس کی اپنی ذمہ داریاں، ڈاکٹر اور وکیل کو اپنے شعبے کا دین دینا سنتِ نبوی ہے، زندگی کے پچاس سال میں بھی ضروری مسائل سے امت کا اکثر طبقہ بے بہرہ ہے، مسجد نبوی کے منبر ومحراب سے جہاں وعظ ونصیحت کا سلسلہ جاری تھا وہیں صفہ چبوترے سے کتاب وحکمت کی تعلیم کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا، صالح معاشرہ کے لیے فضائل ومسائل دونوں کا درست ہونا ضروری ہے، اس ذمہ داری کو مدلل کماحقہ نہ نبھانے کی وجہ سے اپنی قوم مختلف فرقوں کے ظاہری دلائل سے متاثر ہوتی جارہی، ہر نئے فتنے کو افراد کہاں سے میسر ہو رہے ہیں؟

درسِ فقہ کی اہمیت

فقہ دراصل انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے اس میں عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوۃ، قربانی، اعتکاف، نذر وغیرہ)، معاملات (خرید وفروخت، شرکت، رہن وکفالت، ھبہ، عاریت، اجارہ وغیرہ)، عقوبات (شرعی حدود، قتل و جنایت کی سزاء، تعزیر وغیرہ)، عائلی قانون (نکاح وطلاق، فسخ وتفریق، عدت وثبوت نسب، نفقہ وحضانت، ولایت، میراث، وصیت وغیرہ)، ملکی قوانین (حقوق وفرائض) بین الاقوامی قوانین (دو قوموں کے درمیان تعلقات ومعاہدات اور حقوق وفرائض سے متعلق قوانین) اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب امام محمدؒ کی ''کتاب السیر'' ہے، مستشرقین کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے۔

اس تفصیل سے فقہ اسلامی کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس نے کس عمدگی سے زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمویا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضور رسالت مآب (ﷺ) کے دورِ مبارک سے لے کر خلافتِ عثمانیہ کے سقوط تک فقہ اسلامی نے ایشیاء، افریقہ اور یورپ کے قابلِ لحاظ حصہ پر فرمانروائی کی ہے، یہ چیز فقہ اسلامی کی جامعیت اور ہمہ گیریت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

درسِ فقہ کی ترتیب

۱- عام فہم اسلامی فقہی احکام سے متعلق ایک خاص نصاب مقرر کیا جائے، جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، وغیرہ بنیادی عبادات کے فقہی احکام کا انتخاب ہو۔

۲- فجر کے علاوہ چاروں نمازوں میں سے کسی ایک نماز میں کم از کم پانچ منٹ اس نصاب کی تعلیم کے لیے متعین کیے جائیں، تاکہ نمازیوں کو ان عبادات کے احکام سے بھی ایک گونہ واقفیت ہو جائے۔

۳۔ یا ہفتہ میں ایک دن بیس منٹ فقہ کا متعین کر لیا جائے۔

۴۔ سہولت کے لئے درسی بہشتی زیور، کتاب المسائل، اور مختلف کتبِ فتاوی بھی مناسب رہیں گے۔

درسِ سیرت

سیرت کتب حدیث کا ایک دلچسپ اور تاریخی پہلو ہے جس کی آج کے مادّی دور میں ضرورت بڑھتی جارہی ہے؛ کیونکہ تاریخ ایک ایسا فن ہے جو اقوام کو اپنے ماضی سے سبق سیکھ کر زندگی گزارنے کا درست راستہ سمجھاتا ہے اور اپنی تراث سے جڑے رہنے کا حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ ضروری ہے کہ امت کو اس کی عظیم اور لاثانی تاریخ سے جوڑا جائے تاکہ بدگمانی اور مایوسی کا موقع ہی پیدا نہ ہوسکے، اس ضرورت کی تکمیل کے لیے درج ذیل

ترتیب بہت مفید رہے گی:

۱۔ درس سیرت النبی……

۲۔ درس سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

۳۔ درس سیرت محدثین وفقہاء

۴۔ درس سیرت اصحاب دعوت وعزیمت

۵۔ دروس سیرت

دروس کی تیاری

۱۔ دروس کے حوالے سے یہ بات ذہن نشین رہے کہ دروس کی تیاری میں بھرپور مطالعہ اور تحقیق سے کام لیا جائے، کوئی بات بلاتحقیق بیان نہ کی جائے۔

وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھا جائے اگر آپ کا وقت ۸ ربجے شروع ہوتا ہے تو یہ نہ دیکھا جائے کہ مجمع کتنا ہے؛ بلکہ اگر صرف دو مخلص نمازی موجود ہوں تب بھی درس پورے ۸ ربجے شروع کیا جائے اور درس کے ختم ہونے کا وقت ۳۰-۸ ہے تو بروقت ختم کیا جائے (چاہے اس دوران جم غفیر ہی جمع کیوں نہ ہو) اس طرح سامعین کو ہمیشہ اس بات کا اطمینان رہے گا کہ ہم سے زیادہ وقت نہیں لیا جارہا اور اس طرح وہ درس میں بروقت حاضری کا اہتمام کرپائیں گے اور مستقل شرکت کے خواہش مند رہیں گے اور اگر اوقات کی پابندی نہ کی گئی تو بہت سے شائقین بھی مستقل شرکت کے اہل نہیں بن سکیں گے؛ بلکہ وہ ہمیشہ کشمکش وپنج کا شکار رہیں گے کہ نہ جانے ہمیں کس وقت تک مصروف رکھا جائے گا اور اس طرح اگلی بار ان کی مجبوری ان کے جذبے پر غالب آجائے گی اور وہ غیر حاضر رہے گا، اس طرح سے نہ وہ اپنا معمول ترتیب دے پائے گا اور نہ ہی دروس میں جاری مستقل سلسلوں کو ٹھیک سے سمجھ پائے گا۔

۳۔ جو ساتھی درس میں غیر حاضر ہوں ان سے حال احوال کے ساتھ درس میں غیر حاضری سے متعلق بھی پیار سے تنہائی میں پوچھا جائے؛ کیونکہ اس طرح کے درس میں بروقت

اور مستقل حاضری ضروری ہوتی ہے ورنہ ادھوری بات ادھوری سمجھنے سے نقصان رہے گا۔

یہ تمام کام یقیناً وقت طلب اور دیرپا ہے اور بھرپور مستقل مزاجی اور عزیمت کا راہی بنے بغیر بہت مشکل ہے؛ البتہ ائمہ اس کام کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے علاقے میں موجود دیگر فضلاء کی خدمات بھی لے سکتے ہیں اس طرح ان میں تجربہ، مطالعہ تحقیق اور دعوت کا جذبہ پیدا ہوگا۔(۱)

(۱) دارالعلوم، شمارہ ۲ :-۳، جلد: ۱۰۴، جمادی الاول ۱۴۴۱ھ مطابق اپریل، مئی ۲۰۲۰ء

بقیات

ماؤ زے تنگ

ماؤ زے تنگ ۲۶ / دسمبر ۱۸۹۳ء کو صوبہ ہونان کے ایک کسان گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کا بچپن سخت حالات میں گزرا، لیکن انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اور نوجوانی میں ہی مارکسزم اور لینن‌ازم جیسے انقلابی نظریات میں دلچسپی لینا شروع کی، ۱۹۱۱ء میں، جب چین میں چنگ خاندان کے خلاف انقلابی تحریکیں زور پکڑ رہی تھیں، ماؤ نے بھی ان میں حصہ لیا۔

۱۹۲۱ء میں ماؤ زے تنگ نے چین کی کمیونسٹ پارٹی (CPC) کے قیام میں اہم کردار ادا کیا، وہ چین میں طبقاتی جدوجہد کے حامی تھے اور چاہتے تھے کہ کسانوں اور محنت کشوں کو طاقت ملے، ماؤ کی خاص بات یہ تھی کہ وہ دیہی کسانوں کو انقلاب کے بنیادی محرک کے طور پر دیکھتے تھے، جب کہ دیگر مارکسسٹ رہنما زیادہ تر صنعتی مزدوروں کو اہمیت دیتے تھے۔ یہ نظریہ بعد میں ماؤ ازم کی بنیاد بنا۔

نظریات اور فلسفہ (ماؤ ازم): ماؤ زے تنگ کے نظریات کا بنیادی حصہ ماؤ ازم کہلاتا ہے، جو مارکسزم-لینن‌ازم کے اصولوں کو چین کی مخصوص صورتحال کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۶ء تک جاری رہنے والے ثقافتی انقلاب کے دوران ماؤ نے چین میں پرانے خیالات، ثقافت، رسوم و رواج، اور روایات کو ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ نئی سوشلسٹ ثقافت کی تشکیل ہو سکے، یہ انقلاب بڑی سماجی اور سیاسی تبدیلیاں لانے کی کوشش تھی، مگر اس کے دوران بڑے پیمانے پر سیاسی ہلاکتیں اور افراتفری بھی ہوئی۔

ماؤ کا اقتصادی فلسفہ خود انحصاری پر مبنی تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ چین خود کفیل ہو اور عالمی

سامراجی طاقتوں پر انحصار نہ کرے۔اس کا نتیجہ ”عظیم چھلانگ آگے“(Great Leap Forward) کی صورت میں سامنے آیا، جو ۱۹۵۸ءمیں شروع کیا گیا، اس منصوبے کا مقصد زرعی اور صنعتی پیداوار میں غیر معمولی اضافہ کرنا تھا،مگر یہ ناکامی سے دو چار ہوا اور لاکھوں افراد بھوک اور قحط کا شکار ہو گئے۔

کمیونسٹ انقلاب اور قیادت: ماؤ کی قیادت میں کمیونسٹ پارٹی نے ۱۹۴۹ءمیں خانہ جنگی کے بعد نیشنلسٹ حکومت کو شکست دی اور عوامی جمہوریہ چین کا قیام عمل میں آیا۔ماؤ چین کے پہلے صدر اور کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین بنے۔ان کی پالیسیوں نے چین کے معاشرتی، اقتصادی، اور سیاسی ڈھانچے میں بڑے پیمانے پر تبدیلیاں کیں،ماؤ زے تنگ ۹ر ستمبر ۱۹۷۶ء کو انتقال کر گئے۔

لینن مارکس

پیدائش اور ابتدائی زندگی : لینن ۲۲راپریل ۱۸۷۰ء کو روس کے شہر سمبریسک میں پیدا ہوئے۔ان کے والد الیگزینڈر الیانوف ایک تعلیم یافتہ اور سرکاری ملازم تھے۔

تعلیم : لینن نے قانون کی تعلیم حاصل کی،لیکن ابتدائی عمر سے ہی انقلابی سرگرمیوں میں شامل ہو گئے۔ان پر مارکسی نظریات کا اثر تھا اور ۱۸۹۵ءمیں انہیں روس میں انقلابی سرگرمیوں کی وجہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔

بالشویک انقلاب : لینن کی قیادت میں بالشویک پارٹی نے ۱۹۱۷ءمیں زارشاہی کو ختم کیا اور سوشلسٹ ریاست قائم کی۔یہ انقلاب دنیا بھر میں کمیونسٹ تحریکوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔

اقتدار : لینن نے جنگِ عظیم اول کے بعد روس کو ایک سوشلسٹ ریاست میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور نئی معاشی پالیسی (NEP) کا آغاز کیا۔

عقائد ونظریات

مارکسزم-لینن ازم : لینن کے نظریات مارکس کے سوشلسٹ فلسفے پر مبنی تھے، لیکن انہوں نے اس میں کچھ تبدیلیاں کیں، جیسے کہ پرولتاری انقلاب کے لیے پارٹی کی مرکزی اہمیت۔

طبقاتی جدوجہد : لینن کا عقیدہ تھا کہ سماجی تبدیلی صرف محنت کش طبقے (پرولتاریہ) کے انقلاب کے ذریعے ممکن ہے، جسے ایک منظم انقلابی پارٹی کی قیادت میں حاصل کیا جاسکتا ہے۔

وفات :۲۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو لینن کی موت ہوئی لیکن ان کے نظریات اور تحریک نے دنیا بھر میں کمیونسٹ تحریکوں پر گہرا اثر ڈالا۔

جاوید احمد غامدی

جاوید احمد غامدی صاحب کا اصل نام محمد شفیق ہے لیکن وہ بعد میں جاوید احمد ہو گئے، موصوف ۱۹۵۱ء میں پاکستان کے صوبہ پنجاب کے ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے پھر خاندان سمیت لاہور میں سلطان پور محلے میں مقیم ہو گئے، موصوف نے میٹرک پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۷۲ء میں انگریزی ادب میں بی اے کیا اور مختلف اساتذہ سے روایتی انداز میں اسلامی علوم پڑھے کسی مدرسے کے سند یافتہ فارغ التحصیل نہیں ہے، چند سال جماعت اسلامی لاہور کے رکن رہے۔

موصوف کے بہت سے نظریات قرآن وحدیث کے صریح نصوص کے خلاف اور اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی واتفاقی عقائد سے متصادم ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔۔عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ [میزان، علامات قیامت، ص ۱۷۸: طبع ۲۰۱۴]

۲۔قیامت کے قریب کوئی مہدی نہیں آئے گا۔[میزان،علامات قیامت،ص:۱۷۷، طبع مئی ۲۰۱۴ء]

۳۔(مرزاغلام احمد قادیانی) غلام احمد پرویز سمیت کوئی بھی کافر نہیں،کسی بھی امتی کوکسی کی تکفیر کا حق نہیں ہے۔[اشراق،اکتوبر ۲۰۰۸ء،ص:۶۷]

۴۔حدیث سے دین میں کسی عمل یا عقیدے کا اضافہ بالکل نہیں ہوسکتا۔[میزان، ص:۱۵]

۵۔سنتوں کی کل تعداد صرف ۲۷ ہے۔[میزان،ص:۱۴]

۶۔ڈاڑھی سنت اور دین کا حصہ نہیں۔[مقامات،ص:۱۳۸،طبع نومبر ۲۰۰۸ء]

۷۔اجماع دین میں بدعت کا اضافہ ہے۔[اشراق،اکتوبر ۲۰۱۱ء،ص:۲]

۸۔مرتد کی شرعی سزا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ساتھ خاص تھی۔[اشراق، اگست ۲۰۰۸ء،ص:۹۵]

۹۔رجم اور شراب نوشی کی شرعی سزا حد نہیں۔[برہان،ص:۳۵تا۱۴۶،طبع فروری ۲۰۰۹ء]

۱۰۔اسلام میں "فساد فی الارض" اور "قتل نفس" کے علاوہ کسی بھی جرم کی سزا قتل نہیں ہوسکتی۔[برہان،ص:۱۴۶،طبع فروری ۲۰۰۹]

۱۱۔قرآن پاک کی صرف ایک قراءت ہے،باقی قراءتیں عجم کا فتنہ ہیں۔[میزان، ص:۳۲،طبع اپریل ۲۰۰۲ء بحوالہ تحفہ غامدی از مفتی عبدالواحد مدظلہم]

۱۲۔فقہاء کی آراء کو اپنے علم وعقل کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔[سوال وجواب،ہٹس ۷۲۷،۱۹/جون ۲۰۰۹ء]

۱۳۔ہر آدمی کو اجتہاد کا حق ہے۔اجتہاد کی اہلیت کی کوئی شرائط متعین نہیں،جو سمجھے کہ اسے تفقہ فی الدین حاصل ہے وہ اجتہاد کرسکتا ہے۔[سوال وجواب،ہٹس ۶۱۲،تاریخ اشاعت:۱۰/مارچ ۲۰۰۹]

۱۴۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے بعد غلبہ دین کی خاطر (اقدامی) جہاد ہمیشہ کے لیے ختم ہے۔ [اشراق، اپریل ۲۰۱۱ء ص: ۲]

۱۵۔ تصوف عالم گیر ضلالت اور اسلام سے متوازن ایک الگ دین ہے۔ [برہان، ص: ۱۸۱، طبع ۲۰۰۹]

۱۶۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی اور یزید بہت متحمل مزاج اور عادل بادشاہ تھا۔ واقعہ کربلا سو فیصد افسانہ ہے۔ [بحوالہ غامدیت کیا ہے؟ از مولانا عبدالرحیم چاریاری]

۱۷۔ مسلم و غیر مسلم اور مرد و عورت کی گواہی میں فرق نہیں ہے۔ [برہان، ص: ۲۵ تا ۳۴، طبع فروری ۲۰۰۹]

۱۸۔ زکاۃ کے نصاب میں ریاست کو تبدیلی کا حق حاصل ہے۔ [اشراق، جون ۲۰۰۸، ص: ۷۰]

۱۹۔ یہود و نصاریٰ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری نہیں، اِس کے بغیر بھی اُن کی بخشش ہو جائے گی۔ [ایضاً]

۲۰۔ موسیقی فی نفسہ جائز ہے۔ [اشراق، فروری ۲۰۰۹، ص: ۶۹]

۲۱۔ بت پرستی کے لیے بنائی جانے والی تصویر کے علاوہ ہر قسم کی تصویریں جائز ہیں۔ [اشراق، مارچ، ۲۰۰۹، ص: ۶۹]

۲۲۔ بیمہ (انشورنس) جائز ہے۔ [اشراق، جون ۲۰۱۰ء ص: ۲]

۲۳۔ یتیم پوتا دادے کی وراثت کا حق دار ہے۔ مرنے والے کی وصیت ایک ثلث تک محدود نہیں۔ وارثوں کے حق میں بھی وصیت درست ہے [اشراق، مارچ 2008، ص: ۶۳، مقامات ۱۴۰ : طبع نومبر ۲۰۰۸]

۲۴۔ سور کی نجاست صرف گوشت تک محدود ہے۔ اس کے بال، ہڈیوں، کھال وغیرہ سے دیگر فوائد اٹھانا جائز ہے۔ [اشراق، اکتوبر ۱۹۹۸ء: ۸۹ بحوالہ : غامدیت کیا ہے؟]

۲۵۔ سنت صرف دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

دین کی حیثیت سے جاری فرمایا۔اور یہ قرآن سے مقدم ہے۔اگرکہیں قرآن کا ٹکراؤ یہود ونصاریٰ کےفکروعمل سے ہوگا تو قرآن کے بجائے یہود ونصاریٰ کے متواتر عمل کوترجیح ہوگی ۔[میزان،ص:۱۴،طبع ۲۰۱۴]

۲۶۔عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔[ماہنامہ اشراق، ص :۳۵تا ۴۶،مئی ۲۰۰۵ء]

۲۷۔ دوپٹہ ہمارے ہاں مسلمانوں کی تہذیبی روایت ہے،اس کے بارہ میں کوئی شرعی حکم نہیں ہے، دوپٹے کو اس لحاظ سے پیش کرنا کہ یہ شرعی حکم ہے اس کا کوئی جواز نہیں۔[ماہنامہ اشراق،ص:۴۷،شمارہ مئی ۲۰۰۲ء]

۲۸۔مسجدِ اقصی پر مسلمانوں کا نہیں اس پر صرف یہودیوں کا حق ہے۔[اشراق جولائی،۲۰۰۳اورمئی،جون ۲۰۰۴]

۲۰۔بغیر نیت،الفاظِ طلاق کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔[اشراق، جون ۲۰۰۸، ص:۶۵بحوالہ :دارالافتاء :جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن فتوی نمبر:144001200814)

ریاض احمد گوہر شاہی

نام ریاض احمد والد کا نام فضل حسین مغل اور دادا کا نام گوہر علی شاہ،یہ شخص ۲۵ر نومبر ۱۹۴۱ء کو گوہر علی شاہ راولپنڈی میں پیدا ہوا،موصوف نے مڈل میٹرک پاس کیا پھر ایک معمولی سی دکان کھولی اس میں خاطرخواہ فائدہ نہ ہوا تو دادا والا پیری مریدی کا دھندا شروع کردیا جب یہ دکان بھی نہیں چلی تو حلال حرام کے بیچ کی دیوار کو توڑتے ہوئے دولت جمع کرنے اور لوگوں کے ایمان کو لوٹنے کے لیے خورشید کالونی حیدرآباد پاکستان میں انجمن سرفروشان اسلام کی بنیاد رکھی اور وہیں سے اپنے گمراہ کن عقائد اور نظریات کا پرچار کرنا شروع کیا جوکہ مندرجہ ذیل ہیں

۱-اللہ تعالی مجبور محض ہے، وہ شہرت کے قریب ہونے کے باوجود کسی چیز کی قدرت نہیں رکھتے۔
۲-حضرت آدم علیہ السلام حسد اور شرارت نفس کے مریض تھے
۳-حضرت موسی علیہ السلام کی قبر جسد اطہر سے خالی اور شرک کا اڈہ بنا ہوا ہے
۴-حضرت خضر علیہ السلام قاتل نفس ہیں۔
۵-کلمہ میں محمد رسول اللہ کی جگہ گوہر شاہی رسول اللہ لکھواتے ہیں۔
۶-قران پاک کے ظاہری ۳۰/ پارے ہیں اور ۱۰/ پارے باطنی ہیں۔
۷-ارکان خمسہ نماز روزہ حج زکوۃ اور دیگر عبادات میں روحانیت نہیں ہے روحانیت کا اصل تعلق دل کی ٹک ٹک سے ہے۔
۸-اسلام واحد راہ نجات نہیں ہے۔
۹-روحانیت سیکھو خواہ تمہارا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو۔
۱۰-نشہ آور چیزیں بھنگ چرس حرام نہیں ہے۔
۱۱-عورتوں سے مصافحہ معانقہ اور جسم دبوانا درست ہے۔
۱۲-حتی کہ اپنے مہدی ہونے کا دعوی بھی ہے۔

سوال نامہ گوہر میں لکھا ہے لوگ اگر ہمیں مہدی کہتے ہیں تو اصل میں جس کو فیض ملتا ہے وہ ہمیں اتنا ہی سمجھتا ہے (ص:۸) حق کی آواز: ص:۳ روحانی سفر: ص:۳۲

موصوف ۲۵ نومبر ۲۰۰۱ء کو لندن میں وفات پائے اور پاکستان میں مدفون ہوئے ان کے مرنے کے بعد اس فتنے کو فروغ دینے والا یونس گوہر شاہی ہے یہ ۱۶/ جون ۱۹۷۰ء کو پاکستان میں پیدا ہوا، اس نے ریاض احمد گوہر شاہی کو معبود کا درجہ دیا۔

محمد علی مرزا انجینئر

محمد علی مرزا ۱۹۷۷ء میں صوبہ پنجاب کے جہلم نامی شہر میں پیدا ہوئے، موصوف نے

کسی ادارے سے باضابطہ تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کسی عالم دین سے فن کی کتابیں پڑھیں، بلکہ انگریزی تعلیم حاصل کی اور مکینیکل انجینئر بنے، موصوف سرکاری محکمے میں ۱۹/ویں اسکیل کے انجینئر ہیں۔

بریلوی مکتب فکر کے گھرانے میں آنکھیں کھولی ۳۱/سال تک بریلوی مکتب فکر سے وابستہ رہے، پھر ۲۰۰۸ء میں علماء دیوبند کی خدمت سے متاثر ہوکر خود کو ان میں شامل کرنے لگے، اس کے بعد غیر مقلدین سے متاثر ہوکر اسے اختیار کیا لیکن اس پر بھی زیادہ عرصے قائم نہ رہ سکے اس وقت موصوف اہل تشیع سے بہت زیادہ متاثر ہے۔

موصوف کی گمراہیاں ان کے بیانات سے واضح ہے، ذیل میں ان کی چند بنیادی گمراہ کن باتیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱- وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تنقیص وتوہین کرتے ہیں۔

۲- موصوف کا کہنا ہے کہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بدعتی تھے (العیاذ باللہ) اللہ ان سے راضی نہیں ہے۔

۳- صلح حدیبیہ کے متعلق آیت ''محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم'' میں معه سے تمام صحابہ کو مراد نہیں لیتے، بلکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جو ۱۴/صحابہ تھے ان کو مراد لیتے ہیں۔

۴- موصوف کا کہنا ہے کہ بعض صحابہ فتح مکہ کے بعد ڈرکر اسلام قبول کئے۔

۵- سب سے پہلے مسلمان حضرت علی نیز روحانی طور پر حضرت علی پہلے خلیفہ ہیں سیاسی طور پر حضرت ابوبکر ہے۔

۶- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نظام خلافت چلانے میں بہت سی غلطیاں کی۔

۷- صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا نام مٹانے کا حکم دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کرکے غلطی کی۔

۸- مرزا صاحب ائمہ ومجتہدین پر تنقید کرتے ہیں۔

۹-علمائے کرام کی توہین کرتے ہیں۔

۱۰-تفسیر بالرائے کے قائل ہیں؛ بلکہ خود اس طرح کی تفسیر کرتے ہیں۔

۱۱-منکرین ختم نبوت سے تعلق رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قادیانیوں کے اعضائے وضو بھی قیامت میں چمکیں گے۔

۱۲-گستاخ رسول کی سزا قتل نہیں

۱۳-قادیانی اہل کتاب سے بہتر ہے؛ کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہیں صراحتا نبوت کا دعوی نہیں کیا۔

۱۴-موسیقی، سود، گستاخ رسول کی سزا وغیرہ میں غامدی صاحب کو سنیں۔

۱۵-روافض مٹی کی ٹھیکری پر سجدہ کرتے ہیں یہ سنت کے زیادہ قریب ہیں۔

۱۶-وقت افطار کے بارے میں روافض کا موقف درست ہے 24 منٹ تک تاخیر بالکل درست ہے۔(۱)

شکیل بن حنیف

نام شکیل احمد خان اور باپ کا نام محمد حنیف خان ہے، شکیل بن حنیف عثمان پور رتن پورہ ضلع دربھنگہ بہار میں ۱۹۶۸ء میں پیدا ہوا، یہ ایک معمولی انگریزی تعلیم یافتہ آدمی ہے۔ غربت کی وجہ سے ذریعہ معاش کیلئے محلہ نبی کریم دہلی میں مقیم ہوگیا، اس دوران تبلیغی جماعت سے وابستہ ہو کر اس نے جماعت کے اندر اپنا اچھا خاصہ مقام بنالیا، ۱۹۹۱ء کے بعد شکیل بن حنیف نے کسی اسلام دشمن طاقت کے اشارہ پر مہدویت کی سرگرمی شروع کردی۔

طریقہ کار تبلیغی جماعت کے ذریعہ اس نے اپنا ایک بھروسہ مند میدان اور اعتمادی فیلڈ بنالیا تھا، اس لئے اس کے کچھ ماننے والے حمایتی بھی تھے، مگر باشعور مقامی لوگوں نے اسے وہاں سے لات جوتا مار کر بھگا دیا، پھر اس نے اپنا مسکن لکشمی نگر دہلی کو بنایا اور ٹیوشن

(۱) موجودہ دور میں انٹرنیٹ کے دو عظیم فتنے ص ۷۳ تا ۶۲

پڑھاتے ہوئے اپنے ناپاک منصوبے کی تشہیر تشکیل شروع کر دی اور نام نہاد روحانی مجلسوں کاانعقاد کر کے ۱۹۹۵ء کے بعد اپنے مہدی ہونے کی بیعت لینے لگا۔مگر وہاں کے غیور مسلمانوں نے اس کو وہاں بھی جینے اور پنپنے نہیں دیا،بالآخر وہاں سے بھاگ کر وہ ممبئی گیا، وہاں سے بھی مار کھا کر بھاگا اور اس وقت اس نے مہاراشٹرا کے اورنگ آباد میں اسٹیشن کے قریب مہدی نگر کالونی آباد کر کے اس کو اپنا ہیڈ کواٹر (مرکزی دفتر) بنایا ہے۔وہاں وہ اپنے چیلے چپاؤں کے ساتھ انڈر گراؤنڈ رہتا ہے،نہ وہ نکلتا ہے نہ کسی عالم سے بات کرتا ہے۔ وہ اپنے متبعین کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ کسی عالم سے بات چیت یا بحث ومباحثہ نہ کرے تشکیل بن حنیف اوراس کے ماننے والے اپنے مخالف تمام علمائے امت کو علمائے سوء کہتے ہیں۔اس کے ماننے والے چھپ چھپ کر تبلیغی جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔شکیل بن حنیف کے نظریات :(۱) شکیل بن حنیف دعوی کرتا ہے کہ میں ہی عیسی ہوں اور میں ہی مہدی ہوں (۲) عیسی اور مہدی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں (۳) عیسی علیہ السلام کے آسمان سے اترنے کی کوئی دلیل نہیں ہے (۴) وہی حدیثیں صحیح اور معتبر ہیں جن کو مردود شکیل بن حنیف صحیح قرار دے (۵) دجال سے مراد امریکہ اور فرانس ہے اور دجال کی ایک آنکھ سے مراد سیٹلائٹ ہے وغیرہ۔

موضوعات

کیامساجد فنا نہیں ہوں گے؟

منصب امامت کی اہمیت سمجھنے کے لیے جائے منصب کی عظمت کا احساس ضروری ہے، یہ ربِ معبود کی جائے عبادت ہے، اس عظیم جگہ فرضِ منصبی ادا کرنے والے امام و مؤذن کا مقام کیا ہوگا، اور جب زمین کے یہ حصے جنت کے باغیچے اور بہترین جگہیں ہیں تو ان مقامات میں اہتمام سے آنے جانے والے اور خدمت انجام دینے والے کس قدر بہتر مقام والے ہوں گے، سچ ہے کہ ائمہ کرام کے ایک ہاتھ علوم اسلامیہ کی شہادت ہے تو دوسرے ہاتھ میں عظیم منصب کی وجاہت ہے۔

البتہ یہ بات کہ ''دنیا ساری فنا ہو جائے گی مگر مساجد باقی رہیں گی، مساجد حرم کعبہ میں ضم ہو جائیں گی، چونکہ سب کی اصل وہی ہے، پھر سب فردوس اعلیٰ میں پہنچ جائیں گی۔

"تذهب الارض كلها الا المساجد ينضم بعضها الى بعض"۔(۱)

حضرت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور بعض احادیث میں ہے کہ سب مل کر جنت میں چلی جائیں گی''۔(۲)

محدثین کی نظر میں یہ بات موضوع اور من گھڑت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان نہیں کرنا چاہیے، تفصیل کے لئے دیکھیں ''غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱۰/ ۳۴۰''، از مفتی طارق امیر خان صاحب دامت برکاتہم۔

---

(۱) مجمع الزوائد، بہ حوالہ طبرانی، حدیث نمبر: ۱۹۳۰

(۲) کنز العمال: ۱/ ۱۳۹، اسلام کا نظام مساجد، ظفیر الدین صاحبؒ: ۱۸، آداب مساجد: ۱۳ تھانویؒ

دورانِ اذان بات کرنے پرموت پر کلمہ نصیب نہ ہونا

روایت: جو شخص اذان کے وقت باتیں کرتا ہے، اسے موت کے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا۔

روایت: من تکلم عند الاذان خیف علیه زوال الایمان جو جو اذان کے وقت باتیں کرتا ہے اس کے ایمان کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے حافظ صغانی رحمہ اللہ نے مذکورہ ضمنی روایت کو موضوع روایات میں شمار کیا ہے (۱)

علامہ عجلونی رحمت اللہ علیہ نے کشف الخفاء میں حافظ صغانی کی کلام پر اعتماد کیا ہے (۲/ ۲۸۳)

علامہ عبدالحی خانوی ؒ زیر بحث ضمنی روایت کے متعلق فرماتے ہیں: ھذا الحدیث لم یثبت بسند یحتج به (۲) یہ حدیث سندا ثابت نہیں جس سے استدلال کیا جائے۔

لہذا جب متکلمین نے اس روایت کو موضوع من گھڑت کہا ہے تو اس روایت کو آپ ﷺ کے انتساب سے بیان کرنا درست نہیں ہے۔ (۳)

حضرت بلال ؓ کا حسنین ؓ کی درخواست پر اذاں دینا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ (ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ) بلال ؓ نے نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کی جس میں آپ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے بلال! یہ کیا جفا ہے؟ اے بلال! کیا اب تک ہم سے ملاقات کا وقت نہیں آیا؟ بیدار ہوئے تو بڑے غمگین اور خوف زدہ ہوئے، پھر سوار ہو کر مدینہ روانہ ہو گئے، نبی ﷺ کی قبر پر پہنچے اور

---

(۱) الموضوعات: ص ۶۷، رقم: ۲۴۳۹

(۲) مجموعہ رسائل لکھنوی: ۴/ ۷۵

(۳) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ ۳: / ۱۵۶-۱۶۷

وہاں رو پڑے اور اپنا چہرہ قبر مبارک پر ملا، اس دوران حسن وحسین رضی اللہ عنہما آگئے، بلال رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے سے چمٹا لیا اور ان کا بوسہ لیا، حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اے بلال! ہم آپ سے آپ کی وہ اذان سننا چاہتے ہیں جو آپ بوقت سحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دیا کرتے تھے، بلال یہ سن کر مسجد کی چھت پر چڑھ گئے، اور وہاں جا کر کھڑے ہوئے جہاں پہلے کھڑے ہوتے تھے، جب انہوں نے اذان میں "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہا، تو پورے مدینہ میں آہ وبکاء شروع ہوگئی، جب بلال رضی اللہ عنہ نے "اشھد ان لا الہ الا اللہ" کہا تو اس میں اور اضافہ ہوگیا، جب بلال رضی اللہ عنہ نے "اشھد ان محمد ارسول اللہ" کہا تو عورتیں اپنے گھروں سے باہر آگئیں، لوگ کہنے لگے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس دن سے زیادہ رونے والے مردوں اور رونے والی عورتوں کو نہیں دیکھا گیا۔

اس حکایت کو حافظ ابن اثیر علیہ نے "اسد الغابۃ" میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ترجمہ میں بلا سند ذکر کیا ہے۔

حکایت پر ائمہ کا کلام

حافظ ابن حزم اللہ المحلی کے میں فرماتے ہیں:

لم یؤذن بلال لأحد بعد رسول الله ﷺ إلا مرة واحدة بالشام للظهر أو العصر فقط، ولم يشفع الأذان فيها أيضا". (۱)

بلال رضی اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی کے لیے اذان نہیں دی، سوائے ایک مرتبہ کے، جس میں آپ نے ظہر یا عصر کی اذان دی جس میں شفع بھی نہیں کیا۔

فائدہ: واضح رہے کہ حافظ ابن حزم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کلام مطلق ہے، یعنی کسی خاص سند کے تحت انھوں نے یہ بات نہیں کہی ہے۔

(۱) المحلی: ۳/ ۱۵۲

حافظ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ حکایت بسند جید ہمیں نقل کی گئی ہے اور یہ مافی الباب مسئلے میں بالکل صریح ہے (۱)

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے حافظ تقی الدین سبکی کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے هو اثر غریب منکر و اسناده مجهول و فیه انقطاع ..... (۲)

یہ غریب منکر اثر ہے اس کی سند مجہول ہے نیز سند میں انقطاع ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں هي قصة بينة الوضع (۳) یہ کھلم کھلا من گھڑت قصہ ہے۔

ملا علی قاری اور علامہ سیوطی رحمہما اللہ نے موضوعات میں نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے (۴)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اس حکایت کے بارے میں لا اصل لہ کہا ہے یعنی اس کی کوئی اصل نہیں ہے (۵)

بہرحال حافظ ابن عسقلانی امام سیوطی ملا علی قاری علامہ شوکانی علامہ ابن عراق رحم اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ حکایت من گھڑت ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے منکر کہا ہے اس مشہور منکر و من گھڑت حکایت سے اجتناب ضروری ہے۔ (۶)

اذان اور اقامت کے درمیان ایک مخصوص دعا کی فضیلت سے متعلق حدیث

سوال: مندرجہ ذیل حدیث کی اِسنادی حیثیت کی بابت دریافت کرنا ہے کہ آیا یہ حدیث مستند ہے یا نہیں؟

---

(۱) شفاء السقام: ۱۸۳

(۲) الصارم المنکی: ص: ۲۳۰

(۳) لسان المیزان: ۱/ ۳۵۹

(۴) ذیل اللآلئ المصنوعہ ص: ۴۸۷ رقم: ۹۱۱

(۵) الفوائد المجموعہ: ۲۱ رقم: ۲۶

(۶) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۳/ ۵۵-۶۶

’’اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا : جو بندہ اذان اور اقامت کے درمیان یہ دعا پڑھ لے (جو دس پندرہ منٹ کا وقفہ ہوتا ہے اس وقفہ میں) اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔ اس کو اللہ چار انعام دیں گے:

(۱) اللہ تعالیٰ اسے ایسی بیماری نہیں لگنے دے گا جس سے موت آجائے، یعنی خطرناک بیماری سے محفوظ رہے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس کو تنہائی کے گناہ سے بچائے گا۔

(۳) اللہ تعالیٰ اس کو ظالموں سے دور رکھے گا۔

(۴) اللہ تعالیٰ اس کو بغیر محنت کے آسان روزی عطا فرمائے گا۔‘‘

جواب: صحیح احادیثِ مبارکہ میں اذان اور اقامت کے درمیان دعا کی فضیلت بیان ہوئی ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان کی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی، بعض روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے سامنے یہ فضیلت بیان فرمائی، تو صحابہ کرام نے دریافت فرمایا کہ : ہم اس وقت کیا دعا مانگیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ سے اس وقت معافی اور عافیت مانگو۔

البتہ سوال میں مذکور روایت جس میں چار انعامات کا ذکر ہے وہ کتب حدیث میں نہیں ملی۔

اس لیے اذان و اقامت کے درمیان ’’اَللّٰھُمَّ إِنِّی اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ‘‘ پڑھنے کو بتانا جائز ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ چار انعامات بیان کرنا جائز نہیں۔

”عن أنس بن مالك قال :قال رسول الله ﷺ: "الدعاء بين الأذان و الإقامة لا يرد، فادعوا“(۱)

(۱) أخرجه ابن خزيمة في صحيحه في باب استحباب الدعاء بين الأذان والإقامة (۱/ ۲۵۱) برقم (۴۲۵)، ط. المكتب الإسلامي، الطبعة :الثالثة، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۳ م

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے پس اس وقت دعا کیا کرو۔“

”عن أنس بن مالك رضي الله عنه، قال: قال رسول الله ﷺ: الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، قالوا: فماذا نقول يا رسول الله؟ قال: سلوا الله العافية في الدنيا والآخرة: هذا حديث حسن وقد زاد يحيى بن اليمان رحمه الله في هذا الحديث هذا الحرف، قالوا: فماذا نقول؟ قال: سلوا الله العافية في الدنيا والآخرة“(۱)

ترجمہ: ”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں ہوتی تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس وقت کیا دعا کریں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ سے معافی اور عافیت مانگو۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

”وقد ورد تعيين أدعية تقال حال الأذان وبعده، وهو ما بين الأذان والإقامة، منها ما تقدم، ومنها ما سيأتي. وقد عين ﷺ ما يدعى به أيضاً لما قال: الدعاء بين الأذان والإقامة لا يرد، قالوا: فما نقول يا رسول الله؟ قال: سلوا الله العفو والعافية في الدنيا والآخرة. قال ابن القيم: هو حديث

(۱) أخرجه الترمذي في سننه في باب في العفو والعافية (۵/۵۷۶) برقم (۳۵۹۴)، ط. شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي -مصر، الطبعة: الثانية، ۱۳۹۵ھ-۱۹۷۵م

صحیح"(۱)

حضرت بلال کے اذان نہ دینے پر سورج کا طلوع نہ ہونا

سوال: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ مشہور ہے کہ حضرت نے اذان نہیں دی تھی تو سورج نہیں نکلا اس واقعے کی کیا حقیقت ہے جواب دیکر مہربانی کرے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ بعض یہودیوں نے طعنہ دیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مؤذن ایسا رکھا ہے، جسے شین اور سین کی تمیز نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے سے منع کر دیا تو اس روز صبح نہیں ہو رہی تھی، پھر صحابی نے بارگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہو کر رات کے حوالے سے عرض کیا، پھر جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا: جب تک حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان نہیں دیں گے، صبح نہیں ہوگی تو پھر حضرت بلال نے اذان دی تو صبح ہوئی۔

اور یہ بھی بیان کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بلال کا سین بھی اللہ تعالی کے نزدیک شین ہے۔

صورتِ مسئولہ میں مذکورہ واقعہ مستند کتب احادیث وسیر میں موجود نہیں ہے، اور اس ضمن میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ محدثین کے نزدیک من گھڑت اور بے اصل ہے؛ لہذا اس کو بیان کرنا درست نہیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دیگر فضائل کو بیان کرنا چاہیے۔

البدایۃ والنہایۃ میں ہے:

"ومنهم رضي الله عنهم بلال بن رباح الحبشي. ولد بمكة

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح: باب فضل الأذان وإجابة المؤذن (۲/ ۳۷۷)، ط. إدارة البحوث العلمية والدعوة والإفتاء، بنارس الهند، الطبعة: الثالثة - ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴م بحوالہ فتوی نمبر 144212201374: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

وكان مولى لأمية بن خلف، فاشتراه أبو بكر منه بمال جزيل لأن كان أمية يعذبه عذابا شديدا ليرتد عن الإسلام فيأبى إلا الإسلام رضي الله عنه، فلما اشتراه أبو بكر أعتقه ابتغاء وجه الله، وهاجر حين هاجر الناس، وشهد بدرا وأحدا وما بعدهما من المشاهد رضي الله عنه. وكان يعرف ببلال بن حمامة وهي أمه، وكان من أفصح الناس لا كما يعتقده بعض الناس أن سينه كانت شينا، حتى إن بعض الناس يروي حديثا في ذلك لا أصل له عن رسول الله أنه قال :إن سين بلال شينا. وهو أحد المؤذنين الأربعة كما سيأتي، وهو أول من أذن كما قدمنا"(۱)

المقاصد الحسنة للسخاوی میں ہے:

"حديث :سين بلال عند الله شين، قال ابن كثير :إنه ليس له أصل، ولا يصح، وكذا سلف عن المزي في :إن بلالا، من الهمزة، ولكن قد أورده الموفق ابن قدامة في المغني بقوله : روي أن بلالا كان يقول أسهد، يجعل الشين سينا، والمعتمد الأول، وقد ترجمه غير واحد بأنه كان ندي الصوت حسنه فصيحه، وقال النبي صلى الله عليه وسلم لعبد الله بن زيد صاحب الرؤيا :ألق عليه، أي على بلال، الأذان، فإنه أندى صوتا منك، ولو كانت فيه لثغة لتوفرت الدواعي على نقلها، ولعابها أهل النفاق والضلال، المجتهدين في التنقص

(۱) ج:۵،ص:۳۳۳،دارالفکر

لأهل الإسلام، نسأل الله التوفيق"(۱)

التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرۃ میں ہے:

"قال الحافظ جمال الدين المزي اشتهر على ألسنة العوام ان بلالا رضي الله عنه كان يبدل الشين في الآذان سينا و لم نره في شيء من الكتب كذا وجدته عنه بخط الشيخ برهان الدين السفاقسي"(۲)

متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھنا گویا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے پڑھنا

ایک حدیث مشہور ہے کہ جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی، بعض فقہاء نے بھی اس کو روایت کیا ہے، اس روایت کی تحقیق مطلوب ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کو منسوب کرنا کیسا ہے؟

اَلجوَابُ بِاسْمِ مُلْہِمِ الصَّوَابُ

یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ کتبِ حدیث میں ہمیں نہیں ملی، اسی وجہ سے علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کے بابت "نصب الرایۃ" (۲/۲۶) میں فرمایا: "غریب" یعنی یہ حدیث غریب ہے اور وہ یہ اصطلاح ایسے احادیث کے لیے استعمال فرماتے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہوتی۔

ابن حجر رحمہ اللہ "الدرایۃ" (۱/۱۶۸) میں ارشاد فرماتے ہیں: حَدِیث»: من صَلیَ خلف عَالم تَقِيّ فَكَأَنَّمَا صَلىَ خلف نَبِي «لم أَجِدهُ. کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ تعالیٰ "البنایۃ شرح الہدایۃ" (۲/۳۳۱) میں ارشاد فرماتے ہیں:

۱

(۲)ص:۲۰۸، دار الکتب العلمیۃ بحوالہ فتوی نمبر 144402101496: دار الافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

قولہ-ﷺ» :مَن صَلیَ خَلفَ عالمٍ تقيٍ فکأنما صَلیَ خلفَ نبيٍ « هذا الحديث غريبٌ ليس في كتب الحديث . یہ حدیث غریب ہے اور کتب حدیث میں نہیں ہے۔

علامہ سخاوی" المقاصد الحسنۃ" (ص:۴۸۶) میں ارشاد فرماتے ہیں :"وما وقع... بلفظ مَن صَلى خَلفَ عالمٍ تقي، فكأنَّما صَليَ خَلفَ نبيٍ فلم أقف عليه بهذا اللفظ" ان الفاظ کے ساتھ مجھے اس حدیث پر واقفیت نہیں ہوئی۔

بعض علماء کرام اس حدیث کے کچھ شواہد کا تذکرہ بھی فرماتے ہیں جیسے کہ

" قدّموا خيارَكم تزكو صَلاتُكُمْ " ، " إنْ سَرَّكُمْ أَنْ تُقْبَلَ صَلاتُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ خِيَارُكُمْ "،" اجعلوا أئمتَكم خيارَكم ، فإنهم وَفدُكم فيما بينكم وبين ربِّكم"

اوراس طرح کی دیگر روایات ،مگر یہ سب ضعف سے خالی نہیں ، نیز یہ سب شواہد مذکورہ حدیث کے ہم معنی بھی نہیں بلکہ دونوں قسموں میں فرق ہے،لہذا مذکورہ روایت کو بطور حدیث بیان کرنا اوراس کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا درست نہیں ہے،اس سے گریز کرنا لازم ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض فقہاء کرام نے اس کو بطور حدیث اپنی کتب میں جگہ دی ہے مگر چونکہ وہ اہلِ فن نہیں ہیں لہذا احادیث کی دنیا میں حدیث کی صحت وعدم صحت کے متعلق محدثین کی بات مانی جائیگی نہ کہ فقہاء کرام کی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "عمدة الرعاية في حل شرح الوقاية" کے مقدمہ میں ملاعلی قاری رحمہ اللہ کا ایک کلام کو ذکر کرتے ہوئے تعلیقاً فرمایا کہ :

" ملاعلی قاری کے مذکورہ کلام سے ایک بہت ہی مفید بات معلوم ہوئی کہ کتب فقہ، مسائل فقہ کے باب میں بلا شبہ معتبر اور قابل اعتماد ہیں،اسی طرح ان کے مصنفین بھی اپنے میدان میں تبحر و کمال کے درجہ پر فائز ہیں. مگر ان تمام محاسن کے باوجود احادیث کے سلسلہ میں ان پر کلی اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور محض ان کتابوں میں احادیث کا ذکر آنے سے کوئی

قطعی فیصلہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کتنی احادیث موضوعہ فقہ کی کتب معتبرہ میں مذکور ہیں، جیسے .. لسان اهل الجنة العربية والفاسية الدرية .. من صلى خلف عالم تقى فكأنما صلى خلف نبى ،علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل وغيره . ہاں اس کتاب کا مؤلف محدث ہوتو اس کی ذکر کردہ حدیث پر پھر اعتماد کیا جاسکتا ہے،اسی طرح کوئی بھی ثقہ مصنف منقول حدیث کی سند، حدیث کی کسی کتاب میں بیان کردے تو قابل قبول ہوسکتی ہے اور صاف بات یہ ہے کہ لکل مقام مقال ولکل فن رجال ،اللہ تعالیٰ نے ہر بات کا موقع ومحل الگ بنایا ہے اور ہرفن کے لئے علیحدہ رجال پیدا کئے ہیں اور اپنی مخلوقات میں سے ہر ایک کے لئے کسی نہ کسی نوع کی فضیلت کو مخصوص کردیا جو دوسروں میں مفقود ہوتی ہے چنانچہ بعض محدثین کے دامن میں روایت کا وافر حصہ القاء فرمایا؛ لیکن فقہ اور اصول فقہ سے ان کو تہی دامن رکھا جب کہ بعض فقہاء کرام میں مسائل فقہیہ کے ضبط کرنے کی تو خوب صلاحیت رکھی لیکن احادیث نبویہ کے ملکہ مبارکہ سے عاری رکھا اس لئے اب ہم پر یہ بات ضروری ہے کہ ہم ہر ایک کو اس کے مقام ومرتبہ میں رکھیں اور میں نے اس موضوع پر اپنے رسالہ " ردع الاخوان مما احدثوه فى آخر جمعة رمضان " میں سیر حاصل بحث کی ہے"۔

شیخ ابوغدہ رحمہ اللہ یہاں حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے اس موضوع کی تحقیق میں رسالہ مذکورہ کے بیس سے متجاوز صفحات پر بڑا ہی شاندار کلام کیا ہے۔

اس مقام کے خلاصۂ کلام کے طور پر اس کا کچھ حصہ ذیل میں ذکر کیا جارہا ہے۔

علامہ لکھنوی ارشاد فرماتے ہیں کہ زاد اللبیب ، انیس الواعظین، ادارۃ العابدین، اور مفاتیح الجنان میں مرقوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"من فاتته صلوات ولايدرى عددها فليصل يوم الجمعة اربع ركعات نفلا بسلاموا حد ويقرأ فى كل ركعة بعد الفاتحة آية الكرسى سبع مرات، وانا اعطينك الكوثر خمس عشرة مرة قال على بن ابى طالب سمعت رسول الله صلى

الله عليه وسلم يقول وان فاتته صلوات سبع مائة سنة كانت
هذه الصلوة كفارة لها قالت الصحابة انما غير الانسان اى
من هذه الامة قال لما فاته وما فات من الصلوات من ابيه وامه
ولفوائت اولاده"۔

یعنی اگر کسی کی اتنی نمازیں فوت ہوجائیں کہ ان کی تعداد کا علم بھی نہ ہو تو ایسے شخص کو جمعہ کے دن چار رکعت نفل ایک ساتھ ادا کرنا چاہئے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سات مرتبہ آیۃ الکرسی اور پندرہ مرتبہ سورۃ الکوثر پڑھنا چاہئے، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اگر کسی کی سات سو سال کی بھی نمازیں فوت ہوگئیں ہو تو یہ نماز ان تمام چھوٹی ہوئی نمازوں کے لئے کفارہ ہوجائیگی. صحابہ نے عرض کیا کہ اس امت کی عمریں صرف ۷۰ یا ۸۰ سال کی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ نماز خود اس کی، اس کی والد کی، والدہ کی، اور اس کی اولاد وغیرہ کی فوت شدہ نمازوں کے لئے بھی کفارہ ہے۔

نیز "من صلى فى آخر جمعة من رمضان اربع ركعات قبل الظهر كانت كفارة لفوائت جميع عمره"، یعنی جس شخص نے رمضان کے آخری جمعہ میں ظہر سے قبل چار رکعت پڑھی تو یہ نماز اس کی زندگی کے فوت شدہ نمازوں کے لئے کفارہ ہوگی، یہ اور ان جیسی غیر ثابت شدہ احادیث کتب مذکورہ میں پائی جاتی ہے جو صریح البطلان ہیں.

پھر علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کے ابطال اور ان کے ناقلین پر اعتماد کرنے والوں کی تردید کے ارادے سے فرمایا کہ : ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الموضوعات میں ایک قاعدۂ کلیہ ذکر فرمایا کہ احادیث نبویہ، مسائل فقہیہ، اور تفاسیر قرآنیہ کو کتب متداولہ ہی سے اخذ کرنا درست ہے، اس لئے کہ دیگر کتب غیر محفوظہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کتابیں زنادقہ کی وضع کی شکار ہوگئیں ہوں یا ملحدیں کے الحاد سے ملحق ہوگئیں ہوں، پھر علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے ان احادیث کے بطلان کی دلیل دیتے ہوئے کئی

ایک وجہیں ذکر کی ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان مصنفین نے ان روایات کو بے سند ذکر کیا ہے اور ان روایات کو کسی مخرج تک متصل السند بیان نہیں فرمایا اور بے سند حدیث کو قبول کرنا اہل عقل و دانش کی شان کے خلاف ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان ناقلین کے مابین ایسے ہر خطے اور بیابان ہیں جن میں بسا اوقات سواروں کی سواریاں ہلاک ہوجایا کرتی ہیں اور منزل تک رسائی نہیں ہو پاتی صرف قال رسول اللہ ﷺ کذا و کذا کہنا اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ اس کے پاس اس روایت کی اقل درجہ میں ہی سہی کوئی وجہ روایت موجود نہ ہو۔

لیکن اگر کسی کو یہ اشکال ہو کہ یہ روایتیں تو مشہور ہیں لہٰذا ان کی سندوں کی تحقیق کی ضرورت نہیں؟ تو اس اشکال کا دفعیہ یہ ہے کہ مشہور سے مراد اگر معنی اصطلاح عندالاصولیین ہے تب بھی ان روایات کی سند بیانی ان کی تحقیق و تفتیش پر موقوف ہوگی. اور اگر مشہور سے مراد مطلق مشہور ہے اگر چہ وہ خواص و عوام کے زبان زد ہیں تب بھی نا قابل انتفاع ہیں اس لئے کہ اس جیسی شہرت محدثین کے ہاں ساقط الاعتبار ہے کیونکہ کتنی ایسی احادیث ہیں جو عوام کی زبان پر مشہور ہیں یا خواص کی کتابوں میں مسطور ہیں حالانکہ شریعت میں ان کی اصل مفقود ہے، اور وہ موضوع یا حد درجہ ضعیف ہیں، مثلاً ."لولاک لما خلقت الافلاک، علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، یوم صومکم یوم نحرکم، لسان اهل الجنة العربية والفارسية الدرية، وغیرہ" جیسا کہ یہ ابن الجوزی کی کتاب الموضوعات، امام سیوطی کی اللآلی المصنوعۃ اور الدرر المنتثرۃ علامہ سخاوی کی المقاصد الحسنۃ، ملا علی قاری کی المضوعات وغیرہ مصنفات کو زیر مطالعہ رکھنے والے شخص پر مخفی نہیں۔

علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے فتح المغیث میں لکھا ہے کہ مشہور کی دو صورتیں ہیں ایک مشہور عندالمحدثین یعنی یہ کہ دو سے زائد راویوں سے مروی ہو. دوسری مشہور عندالناس یعنی صرف عوام الناس کے مابین وہ مشہور ہو اگر چہ کہ اس کی صرف ایک سند ہو یا ایک سے زائد ہو یا یہ کہ اس کی کوئی بھی سند نہ ہو وہ بھی اس صورت میں شامل ہے. جیسے ..علماء امتی کانبیاء

بنی اسرائیل اور ولدت فی زمن الملک العادل کسری. اس طرح کی بہت سی احادیثِ مشہورہ لوگوں کے مابین مشہور ہیں لیکن دنیائے حدیث میں مشہور عندالناس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، بلکہ مشہور عندالمحدثین کے قول کو قابل تسلیم کیا جاتا ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھے کہ ان روایات کا جلیل القدر اور شہیر الذکر حضرات ناقلین سے منقول ہونا ہی سند کی حیثیت رکھتا ہے؟ تو ایسے سمجھدار شخص کو یہ بات جاننا ضروری ہے کہ بے سند حدیث بالکل ہی قابل قبول نہیں اگر چہ اس کا قائل معتمد ہی کیوں نہ ہو اور خصوصا جبکہ ناقل نقاد حدیث میں سے نہ ہو. نیز کسی شخصیت کا جلیل القدر ہونا اس کے منقولات کے قبول کرنے کو مستلزم نہیں ہے ذرا ایک نظر امام غزالی کی تصنیف احیاء علوم الدین پر ڈالئے جس میں بے سند اور غیر معتمد احادیث بکثرت ہیں، جیسا کہ یہ بات علامہ عراقی کی تخریج احادیث احیاء علوم الدین کے مطالعہ سے واشگاف ہوجاتی ہے، نیز جلیل القدر حنفی فقیہ صاحب ھدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کو لے لیجئے ان کی عظیم المرتبت کتاب ہدایہ میں بھی اخبار غریبہ وضعیفہ اور غیر معتمد روایات ہیں جو علامہ زیلعی اور ابن حجر کی تخریج احادیث الھدایۃ کے پڑھنے سے واشگاف ہوجاتی ہے۔

ان ساری باتوں کے جاننے کے باوجود بھی اگر کوئی شخص کہے کہ یہ روایات تو ثقات سے منقول ہیں اور ثقات سے خرافات وواہیات کا واقع ہونا امر مستبعد ہے؟ تو میں یہ کہتا ہوں کہ دیندار وثقہ سے ان کا وقوع امر مستبعد نہیں ہے لیکن ہاں. میں یہ بھی نہیں کہتا ہوں کہ انہوں نے علم بالکذب کے باوجود ان کو نقل کیا بلکہ انہیں دوسروں کے کہنے سے دھوکا ہوگیا کیوں کہ وہ نہ تو خود محدث تھے اور نہ ہی کسی محدث ناقد کی طرف اس کی نسبت کی والعبرة فی ھذا الباب لھم لا لغیرھم یعنی دنیائے حدیث میں محدث کے قول کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ کسی اور کا۔

جب میں نے ملا علی قاری رحمہ اللہ کی وہ عبارت جو من قضی من الفرائض الخ کے موضوع ہونے پر دال ہے بعض لوگوں کو لکھ کر ارسال کیا تو انہوں نے کہا کہ صاحب نہایہ کے مقابل ملا علی قاری ناقابل اعتبار ہیں اور قابل اعتبار صاحب نہایہ کا نقل کرنا ہے نہ کہ ملا علیؒ

کا فیصلہ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ بات ایسے جاہل نے کہی ہوگی جو کہ مرتبۂ محققین اور فقہاء کے مابین فرق سے بے بہرہ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالی نے ہر میدان کے کچھ جانباز پیدا کئے ہیں اور ہر بات کا ایک مقام وموقع مقرر کر دیا ہے اب ہماری ذمہ داری ہے کہ ہر ایک کو اس کا مقام و مرتبہ دیں. چنانچہ جب اجلۂ فقہاء بھی تنقید احادیث سے واقف نہ ہوں تو ہم تحقیق محدثین کے بغیر بے سند وغیر مستند روایات کو تسلیم نہیں کرینگے ،معتبرین کے کلام کی طرح ان کا کلام قابل قبول نہیں سمجھیں گے ۔

اسی طرح ہر صاحب فن کو اس فن میں حیثیت دیتے جائیں ،ان تمام تفصیلات کے بعد اب صاحب نہایہ کو ذرا مرکز توجہ بنائیے کہ اگر چہ وہ اجلۂ فقہاء کی صف میں ہیں لیکن زمرۂ محدثین کے رتبہ تک ان کی رسائی نہیں ،اس لئے ان کی بے سند روایات کو اس وقت تک قابل تسلیم نہیں سمجھیں گے جب تک کہ ان کے لائق اعتبار ہونے پر محدثین کی ایک جماعت صراحت نہ کردے کیونکہ یہ بات مسلم ہے "العبرة فی هذا الباب لهم لا لغيرهم" (انتهى حاصل كلام اللكهنوى)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ قیمتی تحقیقات ہیں کہ اگر علم وتحقیق کا کوئی شیدائی اس کے لئے مہینوں کا سفر کرے تو بھی بسا غنیمت ہے کیونکہ یہ ساری باتیں حقائق کا لب لباب اور صاف و بے داغ سراپا خیر خواہی وسچائی پر مبنی ہیں اسی لئے میں نے یہاں تطویل کلام کو مناسب سمجھا.. اللہ پاک امام لکھنوی پر باران رحمت نازل فرما کر انہیں دین کی پاسبانی کا بدلہ عطا فرمائیں آمین (۱)

(۱) دیکھئے الاجوبۃ الفاضلۃ مع الحاشیۃ : ص ۳۰ تا ۳۴ وعمدۃ الاقاویل فی تحقیق الاباطیل مؤلفہ مولانا رضوان الدین صاحب معروفی

یادداشت

مرتب کی کتابیں

۱۔رمضان المبارک معروفات ومنکرات
۲۔اصلاحی واقعات دو جلدیں
۳۔اصلاح الرسوم (تسہیل، تعلیق وتخریج)
۴۔عصری خطبات مجلد (زیرِطبع)
۵۔جماعت اولی کی اہمیت وجماعت ثانیہ کی حیثیت
۶۔نیا سال مغرب اور اسلام کا نقطۂ نظر
۷۔کرسمس کی حقیقت عقل ونقل کی روشنی میں
۸۔ویلنٹائن ڈے تاریخ کے آئینہ میں
۹۔اپریل فول کی تاریخی حیثیت
۱۰۔خیر البیان (مدارس کے طلبہ کے لئے)
۱۱۔ہندوستانی مسلمان آزادیٔ وطن سے تعمیرِ وطن تک (زیرِطبع)
۱۲۔نفع المفتی والسائل (عربی، تحقیق وتخریج، زیرِطبع)
۱۳۔ اللمعۃ اذا اجتمع العید والجمعۃ
۱۴۔کھیل کود کی تاریخی وشرعی حیثیت
۱۵۔احکام اعتکاف
۱۶۔خواتین رمضان کیسے گذاریں؟
۱۷۔یوم جمہوریہ حقیقت کے آئینہ میں
۱۸۔پتنگ بازی حقائق ونقصانات
۱۹۔وجودِ باری وتوحید باری عقل کی روشنی میں
۲۰۔ضیافت فضائل ومسائل

۲۱۔عظمتِ اہلِ بیت اور مسئلہ زکوۃ
۲۲۔ارطغرل غازی سیریل حقائق اور غلط فہمیاں
۲۳۔یتیمی اور یتیموں کے کارنامے
۲۴۔لون (قرض) کے جدید مسائل (زیرِطبع)
۲۵۔ظالموں کا انجام سچے واقعات کی روشنی میں
۲۶۔کرکٹ کی تاریخی وشرعی حیثیت
۲۷۔فروع الایمان (تسہیل،تخریج وتضمیم)
۲۸۔قربانی۔منکرات ومسالک کے اختلافات کا حل
۲۹۔عصمت دری اسباب وسد باب
۳۰۔سنتِ فجر فضائل ومسائل
۳۱۔خطباتِ قاسمیہ
۳۲۔برادرانِ وطن سے تعلقات۔حدود وحقوق
۳۳۔کمیشن اور بروکری کے احکام
۳۴۔کرایہ کے جدید مسائل
۳۵۔ٹوپی کی شرعی حیثیت
۳۶۔اسلام میں تجارت کی اہمیت
۳۷۔جبر تبدیلیٔ مذہب کی حقیقت
۳۸۔اسلام میں تقسیمِ میراث کی اہمیت اور ہمارا سماج
۳۹۔مروّجہ مضاربت کے احکام
۴۰۔اولاد کے حقوق شریعت وسماج کی روشنی میں
۴۴۔لو جہاد حقیقت یا فسانہ
۴۵۔صحبتِ اہل اللہ کی اہمیت وضرورت

۴۶۔تیسیر المبتدی بترتیب جدید فارسی (حصہ اوّل،دوم،سوم)
۴۷۔نفقۂ مطلّقہ عقل ونقل کی روشنی میں
۴۸۔تعلیم بالغان و بزرگان۔اہمیت وضرورت
۴۹۔خواتین کے علمی کارنامے۔حافظہ وعالمہ بنانے کی ضرورت
۵۰۔مکاتب کی اہمیت وضرورت
۵۱۔منظم ومؤثر مکاتب کے اصول وآداب
۵۲۔مسنون امامت۔اصول وآداب
۵۳۔مسنون مساجد۔خادمانِ مساجد کی ذمہ داریاں
۵۴۔قتل کا گناہ اور سماج کی صورتِ حال
۵۵۔زمینات ومکانات
۵۶۔ملٹی لیول مارکیٹنگ۔اقسام واحکام
۵۷۔ذکرِ حبیب ﷺ کی برکات
۵۸۔ووٹر آئی ڈی۔ووٹنگ۔الیکشن
۵۹۔اسلاموفوبیا وفلمی دنیا اور فلم ہمارے ۱۲،کا پوسٹ مارٹم
۶۰۔بھارتی مذاہب کی تاریخ زوال
۶۱۔ذاتی مکان یا کرایہ کا مکان احکام وآداب
۶۲۔تعلیمِ نسوان ومکاتب بالغات کی اہمیت
۶۳۔سادات واہلِ بیت کی عظمت ومسئلہ زکوۃ
۶۴۔عظمتِ حفظِ قرآن ومقام حفّاظ
۶۵۔قربانی وگاؤکشی۔حقائق اور غلط فہمیاں
۶۶۔قصّاب اور قریشی۔احکام ومسائل
۶۷۔میلاد النبی کی حقیقت دلائل کی روشنی میں

۶۸۔حفظِ قرآن کی اہمیت اور حفاظ کا مقام
۶۹۔سونے کی تجارت کے جدید احکام
۷۰۔سرکاری اسکیموں کے احکام
۷۱۔دینی خدمات پر اُجرت عقل ونقل کی روشنی میں
۷۲۔عظماء فی طفولھم۔بڑوں کے بچپن کے تاریخی وسبق آموز واقعات (زیرِ ترتیب)

اس کتاب کے بارے میں

یوں تو اکثر ائمہ وخطباء علماء ہوتے ہیں اور بنیادی باتوں سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں لیکن تجربے کی کمی یا ذمہ داری کے عدم احساس کی وجہ سے بہت سے متعلقہ امور کی طرف دھیان نہیں جاتا اور بہت سے آداب سے ذہول ہوتا رہتا ہے، اس لیے ضرورت تھی کہ امامت وخطابت سے متعلق امور تفصیل کے ساتھ یکجا کر دیے جائیں۔

یوں تو امامت کے احکام مسائل پر کتابیں پہلے بھی چھپ چکی ہیں لیکن زیرِ نظر کتاب میں احکام ومسائل سے ہٹ کر آداب وتجربات اور ہدایات کا خاص خیال رکھا گیا ہے جو کسی بھی کام کے لئے زیادہ نافع ہونے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عزیزِ محترم مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب زیدت حسناتہٗ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور حسب معمول تمام پہلوؤں کے احاطے کی کوشش کی، ۴۵۰ر سے زائد ذیلی عنوانات پر مشتمل اس کتاب کو میں تفصیل سے تو نہیں دیکھ سکا سرسری طور پر مطالعہ کیا تو بہ حیثیت مجموعی نافع پایا، ویسے اس میں زیادہ تر امور اکابر کی کتب سے ماخوذ ومنقول ہیں، جن کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور اسے ائمہ وخطباءِ امت کے لیے نافع بنائے۔ آمین

حضرت مولانا عبد القوی صاحب دامت برکاتہم
ناظم ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد